٨١
سلسلہ مطبوعات مکتبہ دار المعارف الہ آباد

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

روح البیان

1 جلد دوم

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی قدس سرہ

مکتبہ دار المعارف الہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامۃ

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

روح البیان

حصۂ اول

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتبہ

مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از

مولوی محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

ناشر

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : روح البیان (حصہ اول)

صاحب مواعظ : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتب : مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تعداد صفحات : ۲۵۶ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ماہ وسنہ اشاعت : بار چہارم : محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق مئی ۱۹۹۹ء

بار پنجم : محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۱ء

کمپیوٹر کتابت : فضل محمود فلاحی

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆ ...... مکتبہ دار المعارف الہ آباد، بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یو پی، ۲۱۱۰۰۳

☆ ...... مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆ ...... مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆ ...... قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆ ...... کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

☆ ...... مکتبہ البلاغ دیوبند ☆ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند ☆ مکتبہ نفیس، محمد علی روڈ، مالیگاؤں، ناسک

☆ ...... الفرقان بکڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد، لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر، ۱۹۰۰۰۱

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : روح البیان (حصہ دوم)

صاحب مواعظ : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتب : مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تعداد صفحات : ۳۲۰ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ماہ وسنہ اشاعت : بار چہارم : رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۰ء

بار پنجم : محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۱ء

کمپیوٹر کتابت : فضل محمود فلاحی

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆.....مکتبہ دار المعارف الہ آباد، بی/۲۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆.....مکتبہ فیضان قمر، کمرہ نمبر ۳، دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆.....مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆.....قاضی بک ڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رافی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆.....کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

☆.....مکتبہ البلاغ دیوبند ☆ مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند ☆ مکتبہ نفیس محمد علی روڈ، مالیگاؤں، ناسک

☆ الفرقان بک ڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی مدینہ چوک سری نگر، کشمیر ۱۹۰۰۰۱

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : روح البیان (حصہ سوم)

صاحب مواعظ : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتب : مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تعداد صفحات : ۲۷۲ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ماہ وسنہ اشاعت : بار چہارم : ذوقعدہ سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق فروری سنہ ۲۰۰۰ء

بار پنجم : محرم الحرام سنہ ۱۴۳۳ھ مطابق دسمبر سنہ ۲۰۱۱ء

کمپیوٹر کتابت : فضل محمود فلاحی

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆ ......مکتبہ دار المعارف الہ آباد، بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆ ......مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆ ......مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆ ......قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆ ......کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

☆ ......مکتبہ البلاغ دیوبند ☆ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند ☆ مکتبہ نفیس، محمد علی روڈ، مالیگاؤں، ناسک

☆ ......الفرقان بکڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد، لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر ۱۹۰۰۰۱

فہرست مضامین

مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
عرض ناشر	مولانا اقبال احمد صاحب مد ظلہ العالی (زامبیا)	۷
تعارف	شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم	۸
مختصر حالات زندگی	مولانا محبوب احمد ابن مولانا محمد قمر الزمان صاحب	۱۰
عرض مرتب	مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ	۲۱
مقدمہ	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم	۲۴
حمد	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۷
نعت	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۹
پہلا بیان	آخرت کی تجارت	۳۱
دوسرا بیان	توحید و رسالت	۹۳
تیسرا بیان	شرک کی مذمت	۱۵۱
چوتھا بیان	مقام صحابہ کرام اور ان کی خشیت الٰہی	۱۸۹
پانچواں بیان	فکر آخرت اور اس کی تیاری	۲۰۷
چھٹا بیان	دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب	۲۳۵
مجلس بیعت	از: حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۴۳
ساتواں بیان	نسخہ رضاء الٰہی	۲۴۵
چند زریں نصیحتیں	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۵۱

فہرست مضامین

نمبر	عناوین	صفحہ/
۱	عرض ناشر	۴
۲	مقدمہ :از مفکر ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ	۵
۳	تحریر گرامی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ	۱۰
۴	پیش لفظ	۱۲
۵	نظم از کامل صاحب در تعارف روح البیان	۴۶
۶	وعظ اول : قرب الٰہی کے دو ذریعے ذکر و فکر	۴۷
۷	دوسرا بیان : حقوق علم دین	۹۱
۸	تعارف : حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی مدظلہ	۹۲
۹	تیسرا بیان: مقصد زندگی انسان بندگی رحمٰن	۱۳۱
۱۰	تعارفی بیان از محدث دوراں مولانا اعظمی	۱۳۲
۱۱	چوتھا بیان: صفات المومنین	۱۹۵
۱۲	تعارفی بیان از مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ	۱۹۶
۱۳	پانچواں بیان: دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے	۲۴۵
۱۴	جواہر پارے	۲۹۵

فہرست مضامین

نمبر	عناوین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۶
۲	پیش لفظ: از مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ	۷
۳	مقدمہ: شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب زید مجدہ	۱۸
۴	تحریر گرامی: حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری	۳۹
۵	تاثر: مخدوم و مکرم حضرت الحاج ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی	۴۳
۶	حمد: از عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ	۴۶
۷	پہلا بیان : خطبۂ مسنونہ میں بھی ہمارے لئے ہدایت ہے	۴۷
۸	دوسرا بیان : مقام رسالت	۸۱
۹	تیسرا بیان : صحابۂ کرام: حق کا معیار	۱۱۹
۱۰	چوتھا بیان : قرب خداوندی کا ذریعہ	۱۴۹
۱۱	پانچواں بیان : صحبت صالحین کی ضرورت واہمیت	۱۷۵
۱۲	چھٹا بیان : حاملین قرآن کی ذمہ داریاں	۱۹۹
۱۳	ساتواں بیان : موت ایک پل ہے....	۲۳۹
۱۴	آٹھواں بیان : مدرسے دینی قلعے	۲۶۵

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

عرض ہے کہ احقر سے حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم نے فرمائش کی کہ حضرت مولانا عارف باللہ شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مفید و مؤثر مجموعہ مسمّٰی بہ "روح البیان" از سرنو جدید ترتیب و مزید عنوانات کے ساتھ بہترین کمپیوٹر کتابت سے آراستہ ہوکر شائع ہو جاتا تو لوگوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوتا، تو احقر نے اس کو بصمیم قلب قبول کیا اور اس خدمت کو انجام دینے کا ارادہ کرلیا۔

الحمدللہ آج آپ حضرات کے ہاتھوں میں اس کا حصہ اول موجود ہے جس میں مولوی محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی سلمہ کی طرف سے دو اخیر کے مواعظ کا اضافہ ہے، نیز شروع میں حمد و نعت کا بھی انہیں کی طرف سے اضافہ ہے، اس کے علاوہ مولانا محبوب احمد قمرالزمان ندوی کی طرف سے حضرتؒ کے مختصر حالات بھی درج کئے گئے ہیں، انشاءاللہ اس سلسلہ کا دوسرا اور تیسرا حصہ بھی اسی طرح مرتب کرکے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ہے، آپ حضرات سے بآسانی تکمیل کے لئے دعا کی درخواست ہے، حق جل مجدہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ان مواعظ سے لوگوں کو نفع عام و تام عطا فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

محمد اقبال عفی عنہ   مقیم لوساکا زامبیا

عرض ناشر

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ حضرت مرشدی مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق روح البیان حصہ اول کی طباعت کا اہتمام کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ طبع بھی ہو گیا جس کو ناظرین بے حد پسند فرما رہے ہیں، اب آپ کے ہاتھوں میں حصہ دوم ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ روح البیان حصہ سوم کو اسی طرح طبع کرانے کی سعادت نصیب فرمائیں اور حسن قبول سے نوازیں اور امت کو نفع عطا فرمائیں اور صاحب مواعظ عارف باللہ حضرت مرشدنا مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خوب ہی خوب اجر و ثواب سے بہرہ ور فرمائیں اور درجات عالیہ سے مشرف فرمائیں۔ (آمین)

ماشاء اللہ مکرم مفتی زین الاسلام صاحب استاذ مدرسہ بیت المعارف الہ آباد اور عزیزم مولانا فضل محمود صاحب اور عزیزم مولانا عبد العزیز صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس کی تصحیح فرمائی اور عنوانات قائم کئے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

والسلام

محمد اقبال پٹیل،

حال مقیم لوساکا، زامبیا

رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۰ء

عرض ناشر

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ حضرت مرشدی مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق روح البیان حصہ اول ودوم کی طباعت کا اہتمام کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ دونوں حصے طبع بھی ہوگئے جن کو ناظرین بے حد پسند فرمارہے ہیں، اب آپ کے ہاتھوں میں حصہ سوم ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ حسن قبول سے نوازیں اور امت کو نفع عطا فرمائیں اور صاحب مواعظ عارف باللہ حضرت مرشدنا مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خوب ہی خوب اجر وثواب سے بہرہ ور فرمائیں اور درجات عالیہ سے مشرف فرمائیں۔ (آمین)

ماشاءاللہ مکرم مفتی زین الاسلام صاحب استاذ مدرسہ بیت المعارف الہ آباد اور عزیزم مولانا فضل محمود صاحب اور عزیزم مولانا عبدالعزیز صاحب نے بڑی محنت وجانفشانی سے اس کی تصحیح فرمائی اور عنوانات قائم کئے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگیا۔

فجزاهم اللّٰه تعالیٰ احسن الجزاء

والسلام

محمد اقبال پٹیل،

حال مقیم لوساکا، زامبیا

ذوقعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق فروری ۲۰۰۱ء

تعارف

از شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم

صاحب مواعظ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے اس لئے کہ عوام وخواص علماء وصلحاء کا رجوع آپ کی عظمت اور رفعت شان پر بین ثبوت ہے، رہے آپ کے مواعظ تو اس کے نفع وتاثیر کی شہادت میں ان اکابر امت کے تاثرات جن کا علم وعمل مسلم ہے نقل کردینا کافی سمجھتا ہوں۔

چنانچہ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی فرماتے ہیں "حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا وجود وقت کے مغتنمات میں سے ہے، جو کچھ فرماتے ہیں پوری دلسوزی کے ساتھ فرماتے ہیں اس لئے آپ کا وعظ دل میں اترتا ہے آپ کے وعظ سے دل پسیجتا ہے، روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور نرم دل والوں کی آنکھیں نم ہوجاتی ہیں، زیادہ تر کلام اللہ کی آیتوں سے استشہاد واستناد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اور مؤثر وعظ کیا ہوسکتا ہے"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی تحریر فرماتے ہیں "ایک مرتبہ پرتاپ گڈھ کی جامع مسجد میں کسی تبلیغی دورے کے موقع پر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری کا بیان سنا اور کانوں کو نہیں بلکہ قلب وروح کو وہ پرانا دینی ذائقہ یاد آگیا جو اللہ والوں کے بیان میں محسوس ہوتا تھا اور

عرصہ سے دل اس کا جویا تھا“

اور محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب یوں رقم طراز ہیں ”آپ کے بیانات عجیب پُر تاثیر مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں متقدمین جیسا سادہ انداز بیان مگر نہایت جامع و مؤثر ہوتا ہے“

یقیناً ان اکابر دین کی یہ شہادات ہمارے اطمینان و تصدیق کے لئے کافی وافی ہیں لہٰذا ان مواعظ کا حق ہے کہ ان کا بغور مطالعہ کریں اور اس پر بشوق عمل کریں نیز اس کے سننے سنانے کا اہتمام اپنے گھروں اور مسجدوں میں کریں ان شاء اللہ اس سے بین طور پر نفع محسوس کریں گے۔

روح البیان حصہ اول کے تین ایڈیشن پہلے طبع ہو چکے ہیں مگر عرصہ سے ناپید ہے اور طالبین کا کسی قدر تقاضا ہوا اس لئے چوتھی مرتبہ ”مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد“ اور ”ادارہ فیض ابرار بلساڑ“ کی جانب سے طبع ہو رہا ہے، ماشاء اللہ صاحب مواعظ کے خاص مسترشد عزیزم مولانا مفتی زین الاسلام صاحب سلمہ نے اس طباعت چہارم میں تصحیح اور حسن ترتیب کا خاص لحاظ و اہتمام کیا، اسی طرح مولانا فضل محمود صاحب سلمہ اور مولانا عبدالعزیز صاحب سلمہ نے عنوانات قائم کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزاء خیر مرحمت فرمائے اور ان کی سعی کو خوب ہی خوب قبول فرمائے اور ہم تمام مسلمانوں کو پڑھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

محمد قمر الزمان عفی عنہ ۱۵ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ ۲ر مئی ۱۹۹۹ء

مختصر حالات زندگی

حضرت مرشدی مولانا شاہ محمد احمد صاحب
پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر تعارف آپ کی ولادت باسعادت موضع پھولپور ضلع پرتاپ گڈھ غالباً ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں ہوئی آپ کا نام محمد احمد رکھا گیا، والد محترم کا نام نامی غلام محمد تھا، آپ کا اصلاحی تعلق اولیں زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہتے، اور ان کی بابرکت مجالس سے مستفید و مستنیر ہوتے۔

بچپن کے حالات بچپن سے ہی آپ تقویٰ و ورع سے آراستہ، نماز و روزے کے پابند اور ذکر و شغل اور تلاوت کے عادی تھے، عام بچوں کے برخلاف کھیل کود سے مجتنب و محترز رہتے، اپنے ہم عمر بچوں کو جمع کر کے ان کو دینی تعلیم دینا، نماز روزے کی اہمیت کو بتانا، نیز ان کو اچھائیوں کی طرف بلانا اور برائیوں سے روکنا آپ کا خاص مشغلہ تھا، گویا بچپن ہی سے آپ کے اندر سلامتی طبع اور صفات حسنہ کے جوہر ودیعت تھے، اسی وجہ سے آگے چل کر آپ کی ذات سے مسلم اور غیر مسلم سبھی کو یکساں طور پر محبت و عقیدت کا سلوک تھا، اور سب ہی طبقے کے لوگ آپ کے پاس دعا کے لئے آتے اور بیماریوں

کے لئے پانی پر دم کراتے اور تعویذ لیتے۔

تعلیم آپ نے قرآن پاک اور دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں پھولپور میں حاصل کی، اور گاؤں کے کسی قریبی اسکول میں مڈل تک پڑھا مگر اللہ کی طرف سے آپ کے اندر کچھ ایسی حالت و کیفیت پیدا ہوئی کہ اس تعلیم کو جاری رکھنے سے بیزار ہو گئے۔

باطنی تربیت چنانچہ آپ اسی حال سے متاثر ہو کر لکھنؤ حضرت مولانا وارث حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے جو ٹیلہ والی مسجد کے متصل قیام پذیر تھے، اور وہاں ان کی تعلیم کے مطابق ذکر واذکار، تزکیہ نفس اور اصلاح قلب میں مشغول ہوگئے، ستر ہزار مرتبہ اسم ذات کے ورد کا معمول تھا، ایک طویل عرصہ تک آپ ان کی خدمت میں مقیم رہے، غالباً حضرتؒ کی طرف سے اجازت وخلافت سے بھی مشرف وسرفراز ہوئے۔

حضرت مولانا کسی مدرسہ سے باضابطہ عالم اور فارغ التحصیل تو نہیں تھے تاہم قرآن وحدیث پر آپ کی نظر گہری تھی، قرآن پاک کی آیات اور احادیث نہایت موقع و محل سے پڑھتے کہ علما ومشائخ کو بھی حیرت ہونے لگتی، یہ حقیقت ہے کہ اللہ سے قوی نسبت اور باطنی دولت کے حصول کے لئے کسی کا باضابطہ عالم ہونا ضروری نہیں ہے، اس کے لئے تو اخلاص، للّٰہیت، ایثار، قربانی، انابت، درد و محبت اور شفقت علی الخلق کافی وافی ہے، اس کی صحیح

مثالیں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ کی ہمارے سامنے موجود ہیں، ان نفوس قدسیہ کی برکت اور ان کی باطنی سوز و ساز کی حرارت سے کتنے علماء صاحب حال اور صاحب مقام ہو گئے۔

حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ کی خدمت میں

حضرت مولانا وارث حسن صاحبؒ کی خدمت میں ایک زمانہ تک مقیم رہنے اور سخت ترین مجاہدات کی وادیوں سے گذرنے کے بعد مزید باطنی ترقی اور اللہ سے قوی نسبت کے حصول کے لئے حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحب نقشبندی مجددیؒ سے اصلاحی تعلق پیدا کر لیا (حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ موضع سدھونہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے صاحب کرامت بزرگ تھے اور اس زمانہ میں جامع ازہر مصر سے فارغ تھے بخاری شریف گویا زبانی یاد تھی بلقان کے جہاد میں بھی شریک ہوئے تھے، ۱۳۵۴ھ میں وفات پائی) حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ نے آپ کی طرف انتہائی توجہ اور شفقت و عنایت کا معاملہ کیا، شاہ صاحبؒ حضرت کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، ہدیۃً کوئی چیز آتی تو اس میں سے کچھ آپ کے لئے بچا لیتے اور آپ کو عنایت فرماتے، اور کبھی فرماتے کہ ہمارے چار لڑکے ہیں یہ تو سب دنیا کے لئے ہیں مگر ایک لڑکا آخرت کے لئے ہے اور وہ "محمد احمد" ہے اور کبھی فرماتے آپ لوگوں نے "محمد احمد" جیسا اپنے آپ کو مٹائے ہوئے کسی کو دیکھا ہے؟ حضرتؒ کی طرف سے بھی آپ کو

اجازت وخلافت کا شرف حاصل ہوا، ذلك فضل الله یؤ تیه من یشاء

دعوت وتبلیغ کی سرگرمی

حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ کے یہاں سے اجازت وخلافت سے مشرف ہونے کے بعد خلق کی ہدایت، اصلاح امت اور دعوت و تبلیغ کے کام میں مشغول ہوگئے، اس کے لئے آپ گاؤں گاؤں پیدل چل کر تشریف لے جاتے، کچھ مخلصین بھی ساتھ ہوتے، ساتھ چنا، گڑ، روٹی وغیرہ لے لیتے اور وہی کھا لیتے اور وہاں وعظ و تقریر فرماتے اور حسب مراتب لوگوں کو پند و وعظ اور نصیحت فرماتے، اس طرح اطراف وجوانب میں آپ کی اصلاحی تقریروں اور وعظوں سے دینی فضا قائم ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کے ساتھ آپ کی دعا اور تعویذ میں نہایت تاثیر عطا فرمائی تھی، اس کے لئے بھی لوگ دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی توجہ سے شفایاب اور بامراد واپس جاتے، نیز آپ کی مجلس میں ہر پریشان حال کو سکون واطمینان حاصل ہوتا، چنانچہ بہت سے مریضوں کو اچھا ہوتے دیکھا گیا، لیکن آپ کے نزدیک اس شخص کی زیادہ قدر واہمیت ہوتی جو دین اور اصلاح باطن کے لئے حاضر ہوتا، ایک دفعہ اللہ آباد کے کچھ حضرات آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو الہ آباد تشریف لانے کی دعوت دی، چنانچہ بقول مکرم حاجی شرافت حسین صاحب حضرت والاؒ ۱۹۳۲ء میں محلہ دارا گنج تشریف لائے، پھر آپ کے آنے جانے کا سلسلہ شروع

ہو گیا، اور مختلف جگہوں پر قیام فرماتے (جیسے محلّہ کٹرہ اور دریا آباد وغیرہ) اور اس کے بعد صابری منزل میں حضرتؒ کا قیام رہنے لگا، اسی طرح آپ کے فیوض و برکات سے اہل الٰہ آباد بھی مستفید و مستنیر ہونے لگے۔

آپؒ کی بے نفسی اور فنائیت

ہمارے نانا حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ۱۹۵۵ء میں الٰہ آباد تشریف لائے اور بخشی بازار محلّہ میں قیام پذیر ہوئے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مصلح الامتؒ کی مجلس میں تشریف لاتے اور اپنے متعلقین کو حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دیتے، یہ چیز حضرت والاؒ کی انتہائی بے نفسی، للّٰہیت اور اخلاص پر دلالت کرتی ہے۔

لوگوں کا رجوع

۲۵؍ نومبر ۱۹۶۷ء میں حضرت مصلح الامتؒ کے انتقال کے بعد آپ کی طرف رجوع عام ہوا، چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ کے کچھ خاص خاص مریدین و متعلقین جن میں والد ماجد مولانا محمد قمر الزماں صاحب بھی تھے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں آنے جانے لگے، میں بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اسی وقت سے حضرت کی بزرگی اور تقدس کا نقش ذہن و ضمیر پر مرتسم ہو گیا تھا، حضرت والاؒ سے جناب والد ماجد صاحب کا تعلق بڑھتا گیا یہاں

تک کہ کچھ ہی دنوں کے بعد خلعت خلافت سے مشرف فرمایااور اس قدر محبت فرمانے لگے کہ آپ کے بغیر چائے اور رات کا کھانا تناول نہیں فرماتے، اگر آپ کے آنے میں کبھی کچھ تاخیر ہو جاتی تو کئی کئی لوگوں کو آپ کے لانے کے لئے بھیج دیتے، جب تک آنہ جاتے انتظار فرماتے رہتے، اور یہ معمول آخر وقت تک قائم اور جاری رہا بلکہ متعدد بار فرمایا کہ بغیر آپ کے جنت میں نہ جاؤں گا　　ذلك فضل الله يؤ تيه من يشاء

مدرسہ بیت المعارف الہ آباد میں قیام

پھر صابری منزل کے قیام کے بعد ۱۴۰۰ھ سے مستقل قیام مدرسہ بیت المعارف میں رہنے لگا، اہل مدرسہ کے لئے بالخصوص اور اہل شہر کے لئے بالعموم حضرتؒ کا یہ چار سالہ قیام بہت مبارک اور مفید ثابت ہوا، مدرسہ میں علماء و مشائخ کا قیام رہتا، حضرت اپنے مفید ارشادات اور خصوصی توجہات سے طالبین و سالکین، اساتذہ و طلبہ کو مستفید فرماتے، کبھی حضرت خاص وجد و کیف کے ساتھ اپنے ہی اشعار سناتے، جس سے اہل مجلس پر ایک خاص اثر پڑتا، کبھی تصوف کے مضامین بیان فرماتے اور کبھی آپ پر ایک سکوت اور خاموشی کا عالم طاری رہتا، الغرض حضرتؒ کے قیام کی برکت اور آپؒ کے روحانی مواعظ و ملفوظات سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا۔

حضرت والاؒ اپنی صحت کی مستقل ناہمواری و ناسازگاری کے باعث اپنے

خاص محبؒ و مرید مکرم ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے مکان پر مقیم ہو گئے، تاہم حضرتؒ اکثر و بیشتر بیت المعارف یا مدرسہ سے قریب والد محترم کے مکان پر مستقل ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور کبھی فرماتے کہ مولانا! صرف آپ کو دیکھنے کے لئے آگیا ہوں، دیر تک نہ بیٹھوں گا۔

طریق اصلاح و تربیت

حضرتؒ کے اصلاح و تربیت کا انداز بہت نرالا تھا، سب کے ساتھ نہایت نرمی، رفق اور مہربانی کا سلوک فرماتے، زیادہ تر آپ پر جمالی کیفیت طاری رہتی، لیکن کبھی حسب موقع سختی سے بھی کام لیتے، بیعت کرنے کے سلسلہ میں حضرتؒ کافی محتاط تھے، جلدی کسی کو بیعت نہ فرماتے، کسی کے متعلق جناب والد صاحب فرماتے کہ حضرت یہ اچھے آدمی ہیں تو آپ اس کو بیعت فرمالیتے، اجازت و خلافت دینے میں تو اس سے بھی زیادہ محتاط اور سخت واقع ہوئے تھے، اس سلسلہ میں بھی والد محترم سے ہی مشورہ لیتے، اگر آپ کے کہنے سے حضرتؒ کو اطمینان ہو جاتا تو اس کو خلافت دے دیتے۔

اتباع شریعت و سنت

اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے، ہر چھوٹی بڑی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، حتیٰ کہ کھانے میں نمکین سے شروع کرتے اور اسی پر ختم کرتے، اگر کبھی موزہ یا پائجامہ کوئی پہلے بائیں پیر میں پہنا دیتا تو حضرت اس کو نکال کر دائیں پیر میں پہلے پہنتے اور

نکالنے میں پہلے بائیں پاؤں سے نکالتے، سلام کرنے میں سبقت کرتے، مصافحہ فرماتے، احباب و علماء اور اعزہ واقارب سے ملاقات کے لئے جاتے، شادیوں میں عموماً شریک نہ ہوتے، اگر شریک ہوتے اور کوئی خلاف سنت و شریعت چیز دیکھ لیتے تو الٹے پاؤں وہاں سے واپس ہو جاتے۔

ذکر اللہ اور تلاوت قرآن تلاوت قرآن پاک بہت ذوق و شوق اور ایک خاص کیفیت کے ساتھ فرماتے، وطن میں ذکر کا معمول مغرب کے بعد تھا، اپنے مکان سے متصل باغ میں تشریف لے جاتے اور بہت حال و کیفیت کے ساتھ ذکر فرماتے، جیسا کہ آپ ہی کے اس شعر سے آپ کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے

آخر عمر میں زیادہ تر ذکر قلبی کا معمول تھا کبھی تسبیح لے کر بھی پڑھتے اور کبھی ذکر بالجہر کرتے۔

توکل و زہد حضرتؒ کی زندگی توکل و زہد سے پُر تھی، توکل علی اللہ کی صفت سے پوری طرح مالا مال تھے، رزق کی طرف سے کبھی پریشان خاطر نہ ہوئے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے کہ "میری یہ جیب حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

کی زنبیل ہے، جتنی مجھے ضرورت ہوتی ہے اس سے نکال لیتا ہوں" اسی لئے مخلوق سے بالکل مستغنی رہتے، اگر آپ سے کوئی یہ کہہ دیتا کہ حضرت کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہیے گا تو آپ فرماتے اب تک تو میں نے کسی سے اپنی ضرورت کہی نہیں، آپ سے کیوں کہوں ! اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

ہاں اگر کوئی خلوص و محبت سے کوئی چیز پیش کرتا تو قبول فرمالیتے اور اس کو خوب دعائیں دیتے، اگر کسی کے خلوص میں تردد و شک ہوتا تو اس کے ہدیہ کو واپس فرمادیتے اور پرواہ نہ کرتے۔

ضیافت اور مہمان نوازی آپؒ کا ایک وصف مہمان نوازی کا تھا، ہر کس و ناکس کی خاطر داری و مہمان نوازی کرتے، اگر کوئی حضرتؒ کے وطن پھولپور پہنچ جاتا تو اس کے آنے سے بہت خوش ہوتے، اس کے لئے خود سے کھانا لاتے اور اس کو کھلاتے، علماء و مشائخ کے آنے سے تو غایت درجہ خوش اور مسرور ہوتے اور ان کے لئے جان و دل سے فرش راہ ہو جاتے اور ان کے جانے سے مغموم و محزون ہو جاتے، جیسا کہ اپنے اس شعر میں اس کی ترجمانی فرمائی ہے۔

ترا آنا مرے احساس میں جان مسرت ہے
مگر جانا ستم ہے غم ہے حسرت ہے قیامت ہے

تالیفات

☆...... روح البیان : یہ حضرت والاؒ کے ان مواعظ اور تقاریر کا ایک ایمان افروز مجموعہ ہے جن کو حضرتؒ نے نہایت درد و سوز، اخلاص اور سادگی سے مختلف موقعوں پر بیان فرمایا ہے، ان مواعظ کو حضرتؒ کی حیات ہی میں مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ نے جمع کیا اور "روح البیان" کے نام سے طبع بھی کرایا مگر عرصہ سے نایاب ہے لہٰذا اب کچھ ترمیمات اور اضافات کے ساتھ مولانا اقبال احمد صاحب مقیم لوساکا (زامبیا) اپنے اہتمام میں طبع کرانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

☆...... عرفان محبت : یہ حضرتؒ کے ان عارفانہ اشعار کا ایک حسین گلدستہ ہے جس کو مولانا سید محمد الحسنیؒ نے بہت سلیقہ اور عمدگی سے اس کے عنوانات قائم کر کے مرتب کیا ہے۔

☆...... کمالات نبوت : حضرتؒ کی یہ کتاب قابل دید ہے جو مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف "منصب امامت" کے شروع کے حصہ کا ترجمہ ہے اس کے علاوہ اس میں دوسرے مضامینِ سیرت شامل کئے گئے ہیں، اس کی شرح مکرم والد ماجد نے "فیضان محبت" کے نام سے لکھی ہے جس کو خود حضرتؒ نے بہت پسند فرمایا تھا، حضرتؒ کے زمانۂ حیات میں الحمد للہ طبع ہو چکی تھی۔

☆...... اخلاق سلف : حضرتؒ کی یہ چوتھی کتاب ہے جو علامہ عبد الوہاب شعرانی

رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی تلخیص و ترجمہ ہے جس میں اسلاف کے اخلاق اور ان کی تعلیمات پر سیر حاصل کلام ہے۔

وفات حضرتؒ ۴۹ر دن مسلسل و متواتر شدید تکلیف کے بعد ۳ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۲ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہزاروں محبین و مخلصین کو چھوڑ کر دار آخرت کی طرف رحلت فرماگئے...انا للہ وانا الیہ راجعون...جنازہ میں شرکت کے لئے عقید تمندوں کا ایک مجمع کثیر سیلاب کی مانند امنڈ پڑا، منصور پارک میں جنازہ کی نماز حضرتؒ کے صاحبزادے مولانا اشتیاق احمد صاحب نے پڑھائی اور محلہ رام باغ کے بعد اکیلا آم نامی قبرستان میں تدفین ہوئی، نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ

پسماندگان آپؒ نے پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے اپنے پسماندگان میں چھوڑے صاحبزادگان کے اسماء گرامی حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

مکرم مولانا اشتیاق احمد صاحب خلیفہ حضرت والاؒ، مکرم ارشاد احمد صاحب اور قاری مشتاق احمد صاحب ناظم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ، بڑے صاحبزادے مولانا اشیاق احمد صاحب ۱۴۱۶ھ میں وفات پاگئے اور اپنے والد ماجد کی قبر مبارک کے متصل مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہ

کتبہ: محبوب احمد قمر الزماں ندوی		شوال المکرم ۱۴۱۹ھ

تحریر گرامی

از: محدث دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کا وجود وقت کے مغتنمات سے ہے، صلاح و تقویٰ، زہد و اخلاص اور اصلاح و تذکیر میں بہت اونچا مقام رکھنے کے باوجود سادگی اور انکسار و تواضع میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی، ان کے یہاں بعض مشائخ کے رسوم اور شان و شوکت کے قسم کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔

اصرار پر کبھی کبھی وعظ بھی فرماتے ہیں تو اسی سادگی کے ساتھ وعظ میں بھی انکسار و تواضع کی جھلک نظر آتی ہے، جو کچھ فرماتے ہیں پوری دلسوزی کے ساتھ فرماتے ہیں، اس لئے آپ کا وعظ دل میں اترتا ہے، آپ کے وعظ سے دل پسیجتے ہیں، روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور نرم دل والوں کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، زیادہ تر کلام اللہ کی آیتوں سے استشہاد و استناد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ باوزن اور مؤثر وعظ کیا ہو سکتا ہے۔

میں نے مولانا کے وعظ اپنے کانوں سے سنے ہیں اور چند وعظوں کا ایک مجموعہ (روح البیان حصہ اول) اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، پڑھ کر میں نے بھی اثر لیا ہے اور عبرت حاصل کی ہے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ بعض خدام آپ کے مواعظ کا دوسرا مجموعہ شائع

کرنے جارہے ہیں، یہ ایک بڑی دینی خدمت ہوگی، جولوگ اس کو پڑھیں گے وہ انشاء اللہ اعتراف کریں گے کہ ان کو بہت فائدہ پہنچا، آخر میں میں بدل و جان دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مدظلہ کو شفائے تام عطا فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ ان کو تادیر زندہ رکھے تاکہ امت ان سے فائدہ اٹھائے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

یکم ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ

تحریر گرامی

حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ
استاذ حدیث "العین یونیورسٹی" ابوظبی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد!

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دین وشریعت لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے جس کے بارے میں قرآن کریم نے یہ اعلان کیا ہے ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دین کی قیامت تک کے لئے بقاء کا فیصلہ ربانی ہو چکا ہے اس لئے اس کی حفاظت وصیانت کے لئے غیبی نظام کے تحت اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے علماء ربانی ہر دور میں پیدا فرمائے جن کے ذریعہ ہر زمانہ میں فتنوں کا سد باب کیا گیا اور اسلام کی ترجمانی و پاسبانی کا فریضہ انجام پاتا رہا۔

ہمارے اس ملک ہندوستان میں خصوصاً اخیر کی صدیوں میں ایسے ایسے اہل کمال اور علمی و روحانی شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی نظیر عالم اسلامی میں مشکل سے ملے گی، انہیں عظم شخصیتوں میں سے اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس سرہ کی ذات گرامی ہے جس کی دکان عشق و معرفت سے ایک عالم فیضیاب ہوا جو اپنے علم و روحانیت اور تاثیر و کمالات میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔

انہیں کی یادگار بقیۃ السلف شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہے جن سے حضرت مولانا گنج مراد آبادی کے کمالات کی زندہ مثال سامنے آتی ہے اور ان کی باطنی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عشق عصیان ست گر مستور نیست
(عشق و محبت اگر پوشیدہ نہیں ہے تو گناہ ہے)

لیکن اخفاء حال کی کوشش کے باوجود ان کی مجالس و ملفوظات و مواعظ سے علوم و معارف اور حکم و نصائح کے دریا ابلتے ہیں، جن حضرات کو ان مواعظ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہی اس کیفیت کو جو سامعین پر سننے کے وقت طاری ہوتی ہے سمجھ سکتے ہیں۔

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

اس لئے ضرورت تھی کہ یہ مواعظ کتابی صورت میں مرتب کر کے پیش کردیئے جائیں تاکہ وہ لوگ جنہیں جسمانی حاضری کا موقع نہیں ملا وہ ان سے استفادہ کر سکیں، اور ان لوگوں کو جنہیں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اپنے اندر وہی کیف و سرمستی پیدا کر سکیں جو سننے کے وقت محسوس کرتے تھے، درحقیقت یہ ملفوظات جو حضرت کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوئے ہیں اس میں ہر شخص اپنے درد کا درماں پا سکتا ہے۔

حضرت موصوف کی خدمت میں متعدد بار حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور مجالس خصوصی میں ارشادات کی سماعت کا شرف بھی حاصل ہوا جس کا اثر اپنے قلب پر جو ہوا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا، نیز مواعظ کے دو مجموعے جو "روح البیان" کے نام سے شائع ہوئے ہیں ان کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ماشاء اللہ یوں تو سب ہی مضامین نہایت نافع و مفید اور عجیب و غریب تاثیر کے حامل ہیں مگر ان میں جا بجا ایسے علوم و حقائق بھی آگئے ہیں جو عام طور پر کتابوں میں نہیں ملتے اور جو اہل ذوق کے لئے نادر تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ محترم مولانا عمار احمد صاحب مدفیوضہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان مواعظ کو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کر کے شائع کیا اور عوام و خواص سب ہی کے لئے تحفۂ نایاب فراہم کر دیا۔ اس خبر سے دلی مسرت ہے کہ "روح البیان" کا تیسرا حصہ بھی مرتب ہو کر طباعت کے مرحلہ میں ہے اور اس کی ترتیب و اشاعت کی ذمہ داری بھی مولانا موصوف ہی نے

قبول کی ہے، اللہ کرے کہ وہ حضرت کی مجالس اور سوانح حیات کو بھی مرتب کر کے آئندہ پیش کر سکیں جس کی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ لوگوں کو اس کتاب سے استفادہ کی اور قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

تقی الدین ندوی مظاہری
استاذ حدیث شریف
"العین یونیورسٹی" ابوظبی
۲۱/ ۱۲/ ۱۴۰۷ھ

پیش لفظ

از مولانا عمار احمد صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الدَّيَّانِ، الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ، وَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، شَهَادَةً بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانِ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا مَّا تَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ، أَمَّا بَعْدُ !

بندۂ کمترین، مرتب مضامین، ناظرین باتمکین کی خدمت عالیہ میں عرض پرداز ہے کہ یادگارِ قطب دوراں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہ یعنی حضرت اقدس بقیۃ السلف محی السنّت مرشدنا و مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے مواعظ کا ایک مجموعہ ”روح البیان حصہ اول“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ اس سے خواص و عوام، مردوں اور عورتوں سبھی کو بہت نفع پہنچا، چنانچہ مختلف مقامات سے متعدد خطوط اس سلسلہ میں آئے جس میں لوگوں نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے، اور اتنی بات کا تو سب اعتراف کرتے ہیں کہ روح البیان میں ایسی عجیب تاثیر کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ جو کوئی بھی اس کو پڑھتا یا سنتا ہے اس پر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی ہے، دل کی حالت بدلنے لگتی ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی

ہیں، اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مضامین دل میں اترتے جاتے ہیں۔

نیز اکابر علماء اور مشائخ کرام کتاب کی پسندیدگی اور مضامین کی افادیت کا اظہار مختلف عنوانات سے فرمارہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اکابر وقت کا تلقی بالقبول فرمانا اور کتاب کی افادیت کا اعتراف فرمانا اور اس سے محظوظ و مسرور ہونا اس کے مقبول عند اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان مضامین عالیہ سے جو خواص و عوام سبھی متأثر ہو رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ کا کلام خود اپنی جانب سے نہیں ہوتا بلکہ کوئی ان کو بلواتا ہے تب بولتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

علماء ربانیین اور حضور اقدس ﷺ کے سچے نائبین جو کچھ فرماتے ہیں اس میں وہ اللہ و رسول ہی کی ترجمانی کرتے ہیں، یہ حضرات ان فیوض و برکات کے پہنچانے میں صرف واسطہ ہیں ورنہ علوم وہی ہیں جو حضرت حق جل مجدہ اور حضور اقدس ﷺ سے فائض ہوتے ہیں، اس کی مثال عارف رومیؒ نے خوب دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے — یک دہاں پنہاست در لبہائے وے
یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما — ہائے و ہوئے در فگندہ در شما

اور فرماتے ہیں۔

ما چو چنگیم و تو زخمہ می زنی		زاری از ما نے تو زاری می کنی

مولانا رومؒ کے ان اشعار کو نقل کر کے حضرت حکیم الامت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے حقیقی نائبین حکم کے پہنچانے میں صرف واسطہ ہوتے ہیں مگر وہ حکم واقع میں حضور ﷺ کا ہی ہوتا ہے، یہ نطق علماء ربانی کا واللہ نطق ہے حضور اقدس ﷺ کا اور حضور ﷺ کے نطق کی نسبت سب کو معلوم ہے کہ وہ وحی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى﴾ یعنی آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے آپ کا ارشاد نری وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔

پس حضور ﷺ کا فرمودہ باری تعالیٰ کا فرمودہ ہے، اسی کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود		گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی جو کچھ وہ فرماتے ہیں در حقیقت وہ اللہ کا فرمان ہوتا ہے اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان سے صادر ہوتا ہے، اور چونکہ وہ باذن اللہ بولتے ہیں اس وجہ سے اس کا اثر بھی ویسا ہی ہوتا ہے، چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ”اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے“۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صوفیاء کے کلام میں جہاں مرد و نامرد کا ذکر آتا ہے اس سے ان کی

خاص اصطلاح مراد ہوتی ہے، جس کی توضیح مولانا رومؒ کے اس شعر سے ہوتی ہے فرماتے ہیں۔

خلق اطفالند جز مست خدا　　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

یعنی اللہ کے عاشق کے سواسب لوگ بچے ہیں اور بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ چکا ہو، پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے نزدیک مرد وہی ہے جو خواہشات نفسانی کی غلامی سے چھوٹ چکا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت میں مست و سرشار ہو، اب اس توضیح کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب خوب واضح ہو گیا کہ "اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے"۔

بحمد اللہ روح البیان سے ہم کو اس کا تجربہ عیاناً و بیاناً خوب ہو رہا ہے ماشاء اللہ لوگوں کو اس سے بہت نفع پہنچ رہا ہے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ حصہ اول کی اشاعت کے بعد ہی سے احباب کے بکثرت تقاضے شروع ہو گئے کہ روح البیان حصہ دوم کی اشاعت بھی جلد ہی ہونی چاہئے اور اب اکابر کی طرف سے بھی اس کام کا اشارہ ہوا اس لئے متوکلاً علی اللہ حصہ دوم کے طباعت کی تیاری بھی شروع کر دی گئی۔

بعض اکابر کو جب اس کا علم ہوا تو بڑی ہی مسرت کا اظہار فرمایا چنانچہ ان کی تحریرات آئندہ صفحات میں انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے ملاحظہ سے گذریں گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان مضامین کی اہمیت اور خصوصیت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ یہ حضرت اقدس بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے

ارشادات عالیہ کا مجموعہ ہے جن کی ذات گرامی خود مشہور و معروف ہے۔

عیاں راچہ بیاں

بلکہ یہ مضامین خود ہی صاحب مضامین کی خصوصیات کو بھی ظاہر کرنے والے اور ان کی معرفت کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ محققین فرماتے ہیں کہ کلام ہی سے متکلم کی معرفت ہوتی ہے اور ہر شخص کا مرتبہ اس کے کلام سے بآسانی پہچانا جاسکتا ہے اس لئے کسی تعارف کی چنداں حاجت تو نہیں تاہم بطور شان ورود کے بعض واقعات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا اس لئے کہ اس مجموعہ میں جو مواعظ شامل ہیں وہ مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے گئے ہیں اور ان کے لئے اسفار بھی ہوئے ہیں جن کا تذکرہ ناظرین کی دلچسپی کا سبب ہوگا۔

لہٰذا پہلے بطور تمہید ایک مضمون عرض کرتا ہوں پھر انشاء اللہ ان مواعظ کے تعارف کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کروں گا۔

تمہید

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ سلسلۂ نبوت کے انقطاع کے بعد بھی انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو باقی رکھنے کے لئے اہل اللہ کو منتخب فرمایا، چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے بعد سے مرورِ دہور کے باوجود ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کی اور خاصان خدا کی ایک جماعت ضرور موجود رہتی ہے جن کو دیکھ کر خیر القرون کی یاد تازہ ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے

اس جماعت کے اوصاف بیان فرما کر ان کی نشاندہی بھی فرمادی ہے تاکہ امت کو ان کی شناخت بسہولت ہوسکے اور لوگ ان سے مستفیض ہوسکیں، چنانچہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”خِیَارُکُمْ مَنْ ذَکَّرَکُمْ بِاللّٰہِ رُؤْیَتُہٗ وَ زَادَ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ وَرَغَّبَکُمْ فِی الْآخِرَۃِ عَمَلُہٗ“

یعنی تم میں کے بہترین وہ لوگ ہیں جن کا دیکھنا تم کو خدا کی یاد دلا دے اور ان کا بولنا تمہارے علم کو بڑھادے اور ان کا عمل تم کو آخرت کی رغبت دلا دے۔

سبحان اللہ! یہ ایسی ظاہری علامتیں ہیں کہ ان کا تجربہ بآسانی ہوسکتا ہے، کسی اللہ والے کی خدمت میں جاکر قلب خدا کی طرف متوجہ ہو، آخرت کی طرف رغبت ہو اور اتباع شریعت و سنت کا داعیہ قلب میں پیدا ہو، معاصی سے نفرت اور طاعات کی طرف رغبت ہونے لگے تو یہی چیزیں اس کے ولایت و بزرگی کی علامت اور اس کے اللہ والا ہونے کی نشانی ہیں۔

اگر کسی کو اس دور پرفتن میں کوئی اللہ کا مخصوص بندہ مل جائے تو اس کی صحبت کو غنیمت کبریٰ شمار کرنا چاہئے کیونکہ عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ بدون اہل اللہ کی صحبت اور ان کی توجہ کے اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوتی اور ان کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

اور جن حضرات کو یہ دولت حاصل ہوتی ہے یعنی معرفت الٰہیہ اور ولایت خاصہ جن کو نصیب ہوتی ہے ان ہی پر حق تعالیٰ اس کے حصول کا طریق بھی واضح فرماتے ہیں، اسی بناء پر بزرگان دین ہر دور میں لوگوں کو اس کی طرف

متوجہ فرماتے رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتے ہو تو خاصان حق کی معیت اور صحبت اختیار کرو ورنہ ساری عمر گذر جائے گی اور کچھ حاصل نہ ہوگا جیساکہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق		عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

اور اسی مضمون کو ہمارے حضرت پرتاپگڈھی دامت برکاتہم اس طرح ارشاد فرماتے ہیں ۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آیئے

اسی طرح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

صحبت شیخ کامل کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے، اس کی نظر دوا، اور اس کا کلمہ شفا ہے ،اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جادۂ شریعت مصطفویہ پر ثابت قدم رکھیں، کیونکہ یہی مدار نجات اور ذریعۂ سعادت ہے۔ (تجلیات ربانی ص ر ۴۳)

نیز ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ۔

بے عنایات حق وخاصان حق		گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یعنی بغیر خدائے تعالیٰ اور خاصان خدا کی عنایت اور توجہ کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اگرچہ بالفرض کوئی شخص بزعم خود فرشتہ بھی ہو جائے تب بھی اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہی رہے گا، مطلب یہ ہے کہ جب تک خدائے تعالیٰ اور خاصان خدا کی عنایت اور توجہ شامل حال نہیں ہوتی اعمال میں نفس کی آمیزش باقی

رہتی ہے، کیونکہ نفس کا تزکیہ عادتاً بدون کسی شیخ کامل کی سپردگی میں اپنے کو دیئے ہوئے نہیں ہوتا، اسی بناء پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر		دامن آں نفس کش راسخت گیر

یعنی بغیر شیخ کامل کی توجہ کے نفس کو نہیں مار سکتے لہٰذا اس نفس کش (شیخ کامل) کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، نیز مولانا رومؒ ہی فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا		گو نشیند در حضور اولیاء

جو خدائے تعالیٰ کی ہم نشینی چاہتا ہو اس سے کہہ دو کہ اولیاء کی خدمت میں بیٹھے اسی طرح بزرگان دین کے کلام میں جابجا اس کی ترغیب موجود ہے چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :

"ہم تو یہی جانتے ہیں کہ مریدوں میں یہ باتیں (یعنی باطنی کمالات اور فضائل اخلاق) جتنی دیر میں اپنے مجاہدہ اور خلوت نشینی سے حاصل ہوتی ہیں اس سے کہیں زیادہ جلد اس گروہ کی خدمت سے میسر ہو جاتی ہیں، اصحاب کہف کا قصہ عقل مند کے لئے اس پر گواہ ہے وہ محض ایک کتا تھا جو مردان حق کی خدمت میں رہ کر چند قدم چلا تو اس کو انسانی شرف نصیب ہوا۔

سگ اصحاب کہف روزے چند		پئے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا تو اسکا شمار آدمیوں میں ہوا، اسی طرح شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تاثیر صحبت کے متعلق ایک منظوم

حکایت نقل فرماتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم

یعنی ایک دن حمام میں ایک خوشبودار مٹی کسی محبوب کے ہاتھ سے مجھ کو ملی تو میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے جو تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہو رہا ہوں۔

بگفتا من گِل ناچیز بودم
و لیکن مدتے با گُل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد
و گرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز مٹی تھی لیکن ایک مدت تک گلاب کی صحبت میں بیٹھی ہوں اس لئے ہم نشین کے جمال نے مجھ میں اثر کیا ہے ورنہ میں تو وہی ناچیز مٹی اب بھی ہوں۔

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ صحبت مشائخ کی ترغیب دیتے ہوئے صاف صاف فرماتے ہیں کہ ''ہم سے تعلق پیدا کرو، ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے''۔

نیز فرماتے ہیں کہ ''اے محبوب تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ تیرے لئے ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا کیونکہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾ یعنی ان لوگوں کے راستہ پر چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں''۔ (البیان المشید ص ۴۱)

سبحان اللہ! سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کیسی شوکت معلوم ہوتی ہے اور کس قدر مؤثر اور کتنا وزنی ہے، واقعی اہل اللہ کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے، اخیر میں حضرت نے جو آیت پیش فرمائی ہے اس میں انابت الی اللہ کا ذکر ہے جو ایک باطنی کیفیت ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی شناخت کیسے ہو؟ کیونکہ جن کیفیات کا تعلق باطن سے ہوتا ہے وہ خود تو مستور ہوتی ہیں لیکن ان کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، پس انابت الی اللہ کے لئے بھی کچھ آثار و لوازم ہیں، جب وہ موجود ہوں تو اس سے اس کیفیت کے وجود پر استدلال کیا جا سکتا ہے اس کی وضاحت کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی

ایک عبارت ملاحظہ ہو جس کو حضرت نے اپنے وعظ میں اسی آیت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

''خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے توجہ الی اللہ کو متبوعیت کا معیار بنایا اور توجہ الی اللہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کو مانے، چنانچہ فرماتے ہیں ﴿وَیَھْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ (یعنی جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کر دیتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ توجہ الی اللہ کو ہدایت لازم ہے اور ہدایت یہ ہے کہ افعال درست ہوں پس اس سے معلوم ہو گیا کہ توجہ الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ اس کے افعال درست ہوں۔

پس ﴿مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾ سے مراد وہ شخص ہوا جو کہ با عمل ہو اور عمل بدون علم کے ہو نہیں سکتا تو حاصل یہ ہوا کہ اس کا اتباع کرو جو احکام خداوندی کے علم و عمل کا جامع ہو، پس دو چیزیں اصل ٹھہریں ایک علم دین اور ایک عمل دین، اور علم و عمل کے ساتھ ایک اور چیز بھی ضروری ہے وہ توجہ الی اللہ ہے، پس سب سے اول تو علم ہونا چاہئے اور پھر اس پر یہ اثر مرتب ہونا چاہئے کہ عمل اور توجہ الی اللہ ہو، سبحان اللہ کیا جامع کلام ہے کہ ایک ﴿اَنَابَ﴾ کے لفظ میں تینوں امور کی طرف اشارہ فرما دیا۔

پس متبوع میں تین چیزیں دیکھئے، ایک علم، دوسرے عمل کہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا نہ ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ ہو، اور تیسرے توجہ الی اللہ جس کی شناخت یہ ہے کہ اس کی صحبت میں ایک خاص برکت ہو، اس کی صحبت حق تعالیٰ کی

مذکر ہو۔ (انتہیٰ بلفظہٖ)

اسی طرح حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "پیر کامل مکمل کا تلاش کرنا واجب اور ضروری ہے، کیونکہ بدون پیر کامل کے توسل کے خدا تک پہنچنا بہت نادر ہے"۔

نیز پیر کامل کی تلاش کے طریقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اکثر و بیشتر درویشوں سے ملا کرے اور کسی پر انکار و عیب جوئی نہ کرے لیکن بغیر تامل بسیار کے کسی سے بیعت نہ کرے اور سب سے پہلے اس کی شرعی استقامت دیکھے، پس جو شخص مستقیم الاحوال ہو اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آئے اور دل دنیا سے سرد ہو جائے اس کی صحبت اختیار کرے"۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نور اللہ مرقدہ دونوں بزرگوں کے کلام سے توجہ الی اللہ کی علامت اور شناخت یہ معلوم ہوئی کہ اس کی صحبت میں ایک خاص برکت ہو، اس کی صحبت میں خدا یاد آئے اور دل دنیا سے سرد ہو جائے، یعنی دنیوی تعلقات سے ہٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کو جی چاہے۔

اب جو چاہے اہل اللہ کی خدمت میں جا کر خود اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے بشرطیکہ ذوق صحیح اور فہم سلیم رکھتا ہو اور عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت میں جائے۔

یہ انابت الی اللہ بہت بڑی نعمت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے اسی کو عطا فرماتے ہیں اور یہی وہ دولت ہے جو اہل اللہ کی خدمت میں حاصل کی جاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب سے بڑی کرامت ہے بلکہ رشک صد کرامت ہے، اس موقع پر ہمارے حضرت بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کا یہ شعر خوب چسپاں ہوتا ہے ؎

کرم سے اپنے بخشی مجھ کو توفیق انابت ہے
یہ وہ دولت ہے جو واللہ رشک صد کرامت ہے

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو تادیر صحت وعافیت کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے تاکہ حضرت کے فیض صحبت سے امت محمدیہ بہرہ ور ہوتی رہے۔

غرض مقبولیت عند اللہ کی ایک علامت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کو دیکھ کر خدا یاد آوے اور اس کے بولنے سے علم میں زیادتی ہو اور اس کے عمل سے آخرت کی طرف رغبت ہو، اور ایک دوسری علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ امت کے صالحین اس کی طرف مائل ہوں اور عام طور پر علماء و صلحاء اس کی ولایت و بزرگی کے قائل ہوں۔

چنانچہ ہم کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دور حاضر کے علماء و صلحاء اکابر و مشائخ عام طور پر حضرت بقیۃ السلف مرشدی و مولائی مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی طرف مائل اور آپ کی ولایت اور بزرگی کے معترف و قائل ہیں، چنانچہ ایک صاحب نے شیخ الحدیث مولانا

زکریا صاحب دامت برکاتہم کی ایک تصنیف حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت والا نے مطالعہ فرما کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اس کا تذکرہ ان صاحب نے حضرت شیخ دامت برکاتہم کے خط میں کیا تو حضرت شیخ نے اس پر تحریر فرمایا کہ حضرت مولانا نے اس کتاب کو پسند فرمایا اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری یہ تصنیف اللہ کے نزدیک مقبول ہوگئی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ ان کی خدمت میں جایا کریں۔

اسی طرح حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوری دامت برکاتہم کو بھی حضرت اقدس سے بے حد عقیدت و محبت ہے ان کے بھی بہت سے مکتوبات ہیں اس موقع پر ایک مکتوب گرامی سے کچھ حصہ نقل کرتا ہوں، تحریر فرماتے ہیں کہ :

سراپا اخلاص و کرم حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکرمت نامہ باعث سعادت و سرفرازی ہوا، حضرت والا کی خصوصی توجہات ہی اصل میں میری ظاہری و باطنی توانائی کا مرکز ہیں، اپنی نالائقیوں کے باوجود حضرت والا کی خصوصی توجہات اور کرم فرمائیاں مسلسل جاری ہیں جس کے شکریہ کے واسطے الفاظ نہیں پاتا۔

باری تعالیٰ حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائے، آں محترم کے ظل عاطفت اور توجہات کو ہمیشہ اس سیہ کار پر باقی رکھے۔

اب ایک حضرت ہی کی ذات گرامی اپنے اکابر میں ایسی باقی ہے جن کی توجہات کا سہارا کر سکوں، مسلسل ارادہ حاضری کا کرتا رہا اور اب بھی ہے مگر بدقسمتی وقت پر کوئی نہ کوئی مانع نکلتا رہا، خدا کرے جلد نیاز حاصل کر سکوں، یہ دعا ضرور فرمائیں کہ جلد خدمت میں حاضر ہو سکوں۔

آپ کا کفش بردار

ابوالوفا شاہجہاں پوری

۲/ اپریل ۱۹۶۸ھ

اس سلسلہ میں اکابر امت کی بہت سی تحریرات موجود ہیں جن کو اگر جمع کیا جاوے تو مستقل ایک مجلد ضخیم کتاب ہو سکتی ہے، یہاں اس کا موقع نہیں انشاء اللہ پھر کسی موقع سے انہیں بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا، ہم یہاں پر صرف چند اکابر کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

چند اکابر کے تاثرات

حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

مرشدی مولائی حضرت اقدس مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ جن کی جلالت شان سے سب ہی واقف ہیں اور ان کی ذات بابرکات سے امت کو جو فیض پہنچا وہ محتاج بیان نہیں اور خواص سے عوام تک سب ہی لوگ آج بھی ان سے خوب متمتع ہو رہے ہیں وہ حضرت اقدس

بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

”صاحب نسبت بزرگ ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں“

نیز آپ کے وعظ کے متعلق فرماتے کہ ”اہل اللہ کا وعظ ایسا ہی ہوتا ہے“ نیز فرماتے تھے کہ ”میں نے ایسا متواضع اور بے نفس شیخ نہیں دیکھا“ اور اخیر اخیر میں تو یہاں تک فرماتے تھے کہ ”میں اپنے اطراف (ضلع اعظم گڈھ) میں آپ کو بھیجوں گا اور وہاں جابجا آپ کا وعظ کراؤں گا، انشاء اللہ آپ کے مواعظ سے وہاں کے لوگوں کو نفع پہنچے گا، چنانچہ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ حضرت پرتاپگڈھی کے متعدد بیانات ضلع اعظم گڈھ اور اس کے اطراف میں مختلف مقامات پر ہوئے، اس طور پر حضرت کی دلی خواہش پوری ہوئی، سچ ہے ؎

او چنیں خواہد خدا خواہد چنیں   می دہد یزداں مراد متقیں

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نوراللہ مرقدہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہ کے ارشادات جو معرفت الٰہیہ کے نام سے شائع کئے گئے ہیں جو اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں بہت ہی نافع اور مؤثر کتاب ہے اس میں اس عنوان سے حضرت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

”اللہ والے سراپا درد ہوتے ہیں ہمارے دوست مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی بھی سراپا درد ہیں، ماشاء اللہ ان کا کلام بڑا دردناک ہوتا ہے، ایک

بار مجھے اپنے گھر بھی لے گئے ہیں اور خوب سنایا، ان کے چند اشعار تو بہت ہی دردناک ہیں، فرماتے ہیں ۔

شکر ہے دردِ دل مستقل ہو گیا　　اب تو شاید میرا دل بھی دل ہو گیا

اور فرماتے ہیں ۔

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے　　ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے　　یہی بس محبت کا انعام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے　　جو آغاز میں فکرِ انجام ہے

اور فرماتے ہیں ۔

لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں
قیس بیچارہ رموزِ عشق سے تھا بے خبر
ورنہ ان کی راہ میں ناقہ نہیں محمل نہیں

نیز میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ جب حضرت مولانا پھولپوری نور اللہ مرقدہ ہندوستان سے تشریف لے جا رہے تھے تو اس سے قبل سیتاپور تشریف لے گئے وہاں حضرت کے بہت سے متوسلین، مخلصین اور معتقدین تھے ان کو تسلی دیتے ہوئے حضرت پھولپوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو جا رہا ہوں لیکن اپنے سے بہتر بدل تمہارے لئے چھوڑے جا رہا ہوں یعنی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تاپگڈھی، چنانچہ حضرت پھولپوریؒ کے بہت سے

حضرات نے حضرت والا دامت برکاتہم کی طرف رجوع کیا اور ان کو حضرت سے بہت فیض پہنچا۔

اسی طرح میں نے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی جو ہمارے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے سلسلہ کے ہیں ان سے مجھ کو اس قدر محبت ہے کہ ان کی محبت کو میں اپنے بہت سے پیر بھائیوں کی محبت پر ترجیح دیتا ہوں۔

اس سلسلہ میں حضرت پھولپوری کے بہت سے مکتوبات بھی محفوظ ہیں جس میں حضرت نے بہت کچھ اپنے تعلق و محبت کا اظہار فرمایا ہے، انشاءاللہ کسی مناسب موقع سے ان کو بھی پیش کیا جائے گا۔

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانوی قدس سرہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کی تحریر بطور مقدمہ روح البیان حصہ اول میں شائع ہو چکی ہے جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"بلاشبہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی اس دور میں ہمارے اسلاف کا نمونہ ہے جن حضرات کو آپ کی مجالس میں شرکت کرنے اور آپ کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوا ہوگا ان کو اس کا بخوبی اندازہ اور مشاہدہ ہوگا کہ آپ کی مجلس میں کیسی برکت اور آپ کے بیان

میں کس قدر تاثیر ہے، چنانچہ حرمین شریفین میں بھی میں نے خود دیکھا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے مواعظ و مجالس میں بڑے بڑے علماء واکابر مختلف مقامات کے بڑے اہتمام سے تشریف لاتے تھے اور بہت متأثر اور محظوظ ہوتے تھے، احقر کو بھی حضرت مدظلہ کی مجلس میں شرکت کا بارہا اتفاق ہوا، آپ کے بیانات عجیب پر تاثیر مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں، متقدمین جیسا سادہ انداز بیان مگر نہایت جامع اور مؤثر ہوتا ہے، احقر نے تو مولانا کے متعدد مواعظ اور ملفوظات کو ٹیپ رکارڈ میں بھی ضبط کرلیا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو اپنے احباب میں سنایا بھی کرتا ہوں، ان مضامین عالیہ سے سبھی محظوظ ومتأثر ہوتے ہیں"۔

اس مقدمہ میں حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ نافع اور مفید ہے، احباب سے گذارش ہے کہ اس کو ضرور پڑھیں طول کے خیال سے پورا مقدمہ اس مقام پر نقل نہیں کیا جاسکا، روح البیان حصہ اول میں مطالعہ کرسکتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانوی قدس سرہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم پرتاپگڈھی حضرت

مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی یادگار ہیں، سراپا محبت اور اہل دل ہیں، موصوف کا کلام بھی انوار نسبت سے معمور ہے اور قلوب سالکین وعاشقین کے لئے آب حیات ہے، موصوف سے میری ملاقات سرزمین عرب پر بزمانہ حج ہوئی تھی جس کے نقوش اب تک قلب پر تازہ ہیں اور تازہ تر ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم

(خلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم، ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

مخدومی و محترمی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم کو بھی حضرت اقدس سے بے حد عقیدت ہے، چنانچہ ایک دفعہ احقر سے فرمایا کہ مولانا کی مجلس میں کیسی برکت ہے ہر بار ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور بے ساختہ یہی شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ۔

یزیدك وجهه حسنا　　اذا ما زدته نظراً

نیز جب احقر نے روح البیان حصہ دوم کے طباعت کی اطلاع دی تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ :

"ابھی گرامی نامہ موصول ہوا، یہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ حضرت پھولپوریؒ دامت برکاتہم کے مواعظ روح البیان کا دوسرا حصہ شائع ہو رہا ہے یہ سلسلہ اشاعت کا مواعظ ہی تک محدود نہ رہنا چاہئے بلکہ حضرت کا ہر ملفوظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اللہ پاک حضرت کے سایہ شفقت کو تادیر

قائم رکھیں اور مخلوق کو حضرت کے فیوض و برکات سے مستفید فرماتے رہیں"۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

نقل گرامی حضرت مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی مدظلہ العالی

ہمارے محترم مولانا محمد عاصم صاحب مدظلہ جو حضرت کے محبین و مخلصین میں سے ہیں اور ماشاء اللہ صاحب علم اور صاحب قلم بھی ہیں انہوں نے روح البیان سے متعلق اپنے تأثرات جو تحریر فرمائے ہیں ان کو نقل کرتا ہوں:

"روح البیان جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے مواعظ کا پہلا مجموعہ ہے، زہے نصیب کہ اسے بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، مواعظ کا انداز بیان علماء سلف کے نہج پر انتہائی شگفتہ، سادہ اور بے ساختہ ہے، تکلف اور آورد کا دور دور تک شائبہ نہیں، نہ پرشکوہ الفاظ ہیں نہ خطابت کی رعنائیاں، مگر باتیں سب اصولی، عارفانہ اور حکیمانہ ہیں۔

زبوں حالی ملت کا سوز و درد سطر سطر سے نمایاں ہے، بیانات ایسے پر تاثیر ہیں کہ دل میں کھپ جائیں اور غافل انسان کے پردۂ غفلت کو تار تار کر کے اسے آخرت کی فکر کے لئے بے چین کر دیں۔

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اوراق کتاب کے یہ چند نقوش صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک داعی الی اللہ اور اہل دل بزرگ کی کیفیات باطنی اور سوز محبت کے آئینہ دار ہیں اس

لئے اگر یہ کہوں کہ "روح البیان" حضرت کا سراپا ہے تو شاید بے جا نہ ہو، توحید و معاد اور عقیدۂ ربوبیت اسلام میں رأس العقائد اور خلاصۂ دین حنیف ہیں جو ان مواعظ کا مرکزی نقطہ اور بیانات کی روح رواں ہیں، اس لئے اس مجموعہ کا نام "روح البیان" مطابق واقعہ اور اسم با مسمیٰ ہے۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کی چند مجلسوں میں باریابی کی سعادت احقر کو نصیب ہوئی، اپنی کم سوادی اور بے بصیرتی کے باوجود ان لمحات کو حاصل زندگی سمجھتا ہوں، حضرت کی دلنواز ادائیں اور الطاف و نوازش کی سحر آگینی دلوں کی تسخیر کا کام کرتی ہے، خود بھی اسی فتراک کا ایک صید زبوں ہوں ؎

قلبے کہ دم نمودے از خوب رو جواناں
دیرینہ سال پیرے بروش بیک نگاہے

حضرت کے عارفانہ منظوم کلام کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ ہے، یہ مژدۂ جانفزا سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر سامنے آنے والا ہے، خدا کرے کہ وہ دن جلد آئیں۔

ناچیز محمد عاصم
کوٹلہ، ضلع اعظم گڈھ

اس موقع پر ہم نے چند اکابر کے تاثرات محض اس خیال سے نقل کردیئے ہیں کہ ناظرین کو اس سے کچھ اندازہ ہوسکے کہ دور حاضر کے اکابر اور علماء و صلحاء کے قلوب میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کا کیا مقام ہے۔

نیز آپ کے ارشادات و بیانات کی کتنی قدر دانی فرماتے ہیں تاکہ ہم بھی اس نعمت عظمیٰ کی کما حقہ قدر کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

چند معروضات

اب اس مجموعہ مواعظ روح البیان حصہ دوم سے متعلق چند باتیں عرض ہیں جو ان بیانات کے لئے بہ منزلہ شان ورود کے ہیں۔

ایک عرصہ سے مسلسل علالت اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اسفار کا سلسلہ تقریباً موقوف ہی فرمادیا ہے اور محبین و مخلصین کے جو بھی دعوت نامے جہاں کہیں سے بھی آتے ہیں ان سے اسی بنا پر عذر فرمادیا کرتے ہیں، سفر کی نوبت تو بہت ہی کم آتی ہے۔

یہ قصبہ گھوسی اور اعظم گڈھ کی خوش نصیبی ہے کہ حضرت اقدس نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور ضعف و علالت کے باوجود وہاں تشریف لے گئے، اس پر ہم لوگ جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

اس سفر کی صورت یہ ہوئی کہ مرکزی دار العلوم محمدیہ قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڈھ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مدرسہ مذکورہ کی مجلس منتظمہ کی جانب سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں مؤرخہ ۹/۱۰/۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ مطابق ۹/۱۰/۱۱/ مئی ۱۹۷۶ء کو ایک جلسہ کی تجویز ہوئی اور اس میں شرکت کے لئے حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے ایماء سے حضرت اقدس بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کو بھی مدعو کیا گیا، حضرت اقدس نے اپنے ضعف وعلالت کے سبب اولاً تو مشروط طور پر منظور فرمالیا کہ علالت کی وجہ سے معذور ہوچکا ہوں، طبیعت کا کچھ ٹھیک نہیں کس وقت کیسی رہے اس لئے قطعی وعدہ تو نہیں کرتا اگر صحت رہی اور ہمت پڑی تو ضرور شرکت کروں گا۔

یہ خبر سن کر اہل قصبہ گھوسی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھے، اس کا اندازہ اس مکتوب سے ہوتا ہے جو ناظم مدرسہ کی طرف سے خدمت والا میں بطور تشکر آیا۔ وھو ھٰذا۔

شیخ طریقت بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرکزی دار العلوم محمدیہ کے سنگ بنیاد میں حضرت والا کی تشریف آوری سے اراکین مدرسہ ہٰذا اور اہل گھوسی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھے، اب ہم اس سعید گھڑی کے انتظار میں ہیں کہ کب حضرت والا کا ورود مسعود

گھوسی میں ہو اور اہل گھوسی حضرت والا کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوں اور مرکزی دار العلوم محمدیہ کا سنگ بنیاد حضرت والا کے دست مبارک سے رکھتے ہوئے دیکھ لیں، اور حضرت والا کی دعاؤں میں شامل ہو کر آمین کہنے کا شرف حاصل کریں۔　　　والسلام

اس خط پر حضرت والا دامت برکاتہم نے گھوسی کے جلسہ میں شرکت منظور فرمائی اور وہاں کے سفر کا مصمم ارادہ فرمالیا اور یہ خبر گھوسی کے اطراف و جوانب میں دور دور تک پھیل گئی، اور چونکہ اس اطراف میں حضرت والا دامت برکاتہم کا یہ پہلا سفر تھا اس لئے گھوسی کے علاوہ گرد و نواح کے تمام ہی لوگ حضرت کی زیارت کے مشتاق اور آپ کے وعظ کی سماعت کے متمنی تھے۔

بہر کیف ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ مطابق ۸ر مئی ۱۹۷۶ء کو عزیز محترم مولوی مجیب الغفار سلمہ حضرت اقدس کو اپنی معیت میں لے جانے کے لئے اہل مدرسہ کی طرف سے آئے اور بتلایا کہ مجھے تاکید کی گئی ہے کہ حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کو الٰہ آباد سے مئو تک گورکھپور اکسپریس سے اول درجہ میں سفر کرایا جائے، پھر مئو سے بذریعہ کار گھوسی تشریف لے جائیں گے، مگر حضرت اقدس نے غایت تواضع وانکسار کی بناء پر نیز مدرسہ کی زیرباری کے خیال سے فرمایا کہ اول درجہ کے سفر کی کیا ضرورت ہے میں تیسرے درجہ میں چلا جاؤں گا، دوسرے یہ کہ میرے رفقاء میں سے صرف ایک رفیق سفر جن کی مجھے سفر میں ضرورت ہوتی ہے انہی کا کرایہ ان

لوگوں سے لیا جائے اور باقی حضرات جو کہ صرف میری محبت میں میرے ساتھ چل رہے ہیں ان کا کرایہ یا تو میں اپنی جانب سے ادا کروں گا یا وہ حضرات خود اپنا کرایہ دیں گے، دوسری بات چونکہ بالکل اصولی تھی اس لئے سب کو منظور کرنا پڑا، لیکن پہلی بات کہ حضرت کو تیسرے درجہ میں سفر کرایا جائے اس کو حضرت کی تکلیف اور ضعف وعلالت کی وجہ سے نامناسب سمجھا گیا چنانچہ باصرار اول درجہ میں حضرت نے سفر منظور فرمالیا اور ۹ر جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ مطابق ۹ر مئی ۱۹۷۶ء یکشنبہ کا دن گذار کر احباب کی ایک جماعت کے ساتھ آٹھ بجے شب میں گورکھپور اکسپریس سے حضرت اقدس کی الہ آباد سے روانگی ہوئی۔

چونکہ حضرت کے سفر کی اطلاع اشتہارات کے ذریعہ بنارس میں بھی ہوگئی تھی اس لئے بنارس اسٹیشن پر بھی بہت سے محبین و مخلصین شوق زیارت میں آئے ہوئے تھے، ریل گاڑی جیسے ہی اسٹیشن پر پہنچی لوگ تلاش کرتے ہوئے حضرت کے ڈبے تک پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت بھی ان کی ملاقات سے مسرور ہوئے، تھوڑی دیر بعد گاڑی روانہ ہوئی اور تقریباً دو بجے شب میں مئو ناتھ بھنجن کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی، وہاں پر حاجی انصار صاحب وغیرہ اپنی کار لے کر اسٹیشن پر موجود تھے، اسی وقت حضرت اقدس اور دیگر رفقاء سفر کو اپنی گاڑی سے گھوسی لے گئے اور حضرت اقدس کے قیام کے لئے اپنے دو منزلہ نئے مکان کو پہلے ہی سے خالی کروا رکھا تھا، ماشاء اللہ مکان بہت

عمدہ اور راحت کے سب سامان وہاں مہیا تھے اور مکین حضرات یعنی حاجی مرتضیٰ صاحب، ان کے بھائی، بھتیجے، مولوی حبیب صاحب، مولوی اسرائیل صاحب وغیرہم ہمہ وقت خدمت کے لئے کمربستہ تھے اور حضرت کے ورود مسعود کو اپنے لئے موجب سعادت اور باعث خیر و برکت سمجھ کر ہر خورد و کلاں پر بالخصوص میزبان حضرات اور محترم حاجی عبدالحی صاحب پر ایک خاص قسم کی فرحت و مسرت چھائی ہوئی تھی۔

محدث دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی گھوسی تشریف آوری

حضرت مولانا اعظمی صاحب دامت برکاتہم نے حاجی انصار صاحب وغیرہ سے یہ فرما رکھا تھا کہ حضرت مولانا اگر منظور فرمائیں تو مئو میں ریل سے اتر کر شب میں میرے ہی مکان پر آرام فرمائیں پھر فجر کے بعد خود حضرت والا کو ساتھ لے کر گھوسی چلوں گا اور اگر مولانا سیدھے گھوسی تشریف لے جائیں تو ان کو وہاں پہنچا کر وہی کار واپس کر دی جائے اس سے میں آ کر حضرت سے وہیں ملاقات کروں گا لیکن ریل سے اترنے کے بعد مئو میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا اس لئے حضرت والا سیدھے گھوسی پہنچ گئے پھر فوراً دوبارہ مئو کار بھیج دی گئی اور علی الصباح حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم اپنے دونوں صاحب زادگان کے ہمراہ گھوسی تشریف لائے حالانکہ مولانا اعظمی پر دو تین

روز قبل لوٗ کا حملہ ہو چکا تھا اور اسی شب میں شدید لرزہ کے ساتھ بخار بھی آ گیا تھا مگر حضرت اقدس کی محبت اور شوق ملاقات میں بخار کی حالت ہی میں گھوسی پہنچ گئے اور دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے بڑے ہی والہانہ انداز میں معانقہ کیا اور اس میں شک نہیں کہ بخار کے باوجود جبکہ مکان کے اندر بھی نقل و حرکت میں تکلف ہوتا ہے، سفر کر کے مئو سے گھوسی تشریف لانا کمال محبت اور غایت تعلق کی دلیل ہے، اس کی قدر تو اہل محبت ہی جانتے ہیں، چنانچہ حضرت اقدس نے بھی جو بقول حضرت پھولپوری قدس سرہ صرف محبت ہی ہیں اس محبت کے انداز پر بہت ہی فرحت و مسرت کا اظہار فرمایا، دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، اثنائے مجلس میں ایک ڈاکٹر صاحب تشریف لائے تو مولانا اعظمی مدظلہ نے ان کا تعارف کرایا پھر ڈاکٹر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت مولانا اس وقت ہندوستان کے ممتاز ترین مشائخ میں سے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ نے حضرت کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا یہ انہیں کا مقام ہے اور واقعی انہیں کو اس کا حق بھی حاصل ہے، اس لئے کہ ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

اور سچ پوچھئے تو حضرت اقدس دامت برکاتہم کے اس سفر کا اصل محرک مولانا ہی کی محبت اور کشش ہوئی جو پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کے باوجود

حضرت کو الہ آباد سے کھینچ کر گھوسی لے گئی۔

الغرض یہ مجلس ملاقات کافی دیر تک رہی اور اخیر میں مولانا اعظمی مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت! میں اپنی بیماری کی وجہ سے قابل سفر نہیں تھا، اسی بناء پر جلسہ میں شرکت سے معذرت کر چکا ہوں، صرف آپ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ مئو تشریف لے چلیں اور کم از کم ایک روز میرے وہاں قیام فرمائیں تاکہ اطمینانی ملاقات ہو سکے، حضرت اقدس نے بطیب خاطر اس کو منظور فرمایا اسکے بعد حضرت مولانا اعظمی اپنے رفقاء کے ہمراہ تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی مدظلہ کی ملاقات

پھر مؤرخہ ۱۰ر مئی ۱۹۷۶ء کو ظہر اور عصر کے درمیان حاجی عبدالحی صاحب کے وقف کردہ باغ میں مدرسہ مرکزی دارالعلوم محمدیہ کی بیناد رکھی گئی جس میں حضرت اقدس پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے علاوہ دوسرے علماء کرام اور خواص و عوام نے شرکت کی۔

بعد نماز مغرب حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی مدظلہ قیام گاہ پر حضرت اقدس سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور بڑے ہی خلوص و عقیدت کا اظہار فرمایا، روح البیان کا ایک نسخہ پیش کیا گیا، جس کو یہ فرماتے ہوئے نہایت عقیدت مندانہ انداز میں قبول کیا کہ خوب ہے حضرت اقدس سے استفاضہ کا ایک ذریعہ حاصل ہوا اس سے سفر و حضر میں استفادہ کروں گا

جو حضرات مولانا موصوف کو شاہ گنج سے لانے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے بتلایا کہ وہاں ریل سے اترنے کے بعد حضرت مولانا کو حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرا تو سفر وصول ہو گیا کہ حضرت مولانا پرتاپگڈھی کی زیارت کا شرف حاصل ہوگا، الغرض یہ بھی ایک پر کیف مجلس رہی اس کے بعد مولانا اپنے قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

بعد نماز عشاء جلسے کا آغاز ہوا، حضرت اقدس پر ضعف کا اثر اس روز زیادہ تھا اس وجہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لے جانے سے عذر فرمادیا اور اس شب میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اور مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اور دیگر حضرات کا بیان ہوا۔

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کی ملاقات

دوسرے دن بھی حضرت اقدس کا قیام وہیں رہا اور قیام گاہ ہی پر مجلس کا سلسلہ جاری رہا، مشتاقان زیارت جوق در جوق آتے رہے اور مختلف اوقات میں حضرت اقدس کی مجالس میں شریک ہو کر فیضیاب ہوتے رہے، صبح کے وقت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری مدظلہ بھی قیام گاہ پر ملاقات کے لئے تشریف لائے، اثنائے مجلس میں انہوں نے تصوف وسلوک سے متعلق چند سوالات بھی کئے حضرت نے اس موضوع پر ایک بسیط تقریر فرمائی جس سے ان کو کافی تسلی ہوئی اور فرمایا کہ بہت دنوں سے مجھے یہ اشکال تھا الحمد للہ کہ آج حضرت مولانا نے اسے حل فرمادیا، اب اس

باب میں پورا شرح صدر حاصل ہو گیا۔

جلسہ سنگ بنیاد کا آخری اجلاس اور حضرت اقدس کا بیان

مؤرخہ ۱۰ ارمئی کی شب میں جب جلسہ کا آخری اجلاس تھا ارباب مدرسہ نے حضرت اقدس سے وعظ کی درخواست کی چنانچہ پہلے قاری منظور احمد صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی پھر کامل صاحب نے جلسہ اور مدرسہ سے متعلق ایک نظم سنائی جو گھوسی پہنچ کر انہوں نے مرتب کی تھی اس کے بعد حضرت اقدس کا بیان ہوا، ضعف و نقاہت سب رخصت، حضرت نے انتہائی جوش و خروش سے اپنے مخصوص انداز میں وعظ فرمایا، سب محو حیرت تھے، پورا مجمع ساکت اور صامت ہو کر ہمہ تن گوش تھا، سامعین کا عجیب عالم تھا، سبھی پر ایک خاص کیفیت محسوس ہو رہی تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ بہت سے دوسرے مسلک کے حضرات بھی شریک وعظ تھے اور انہوں نے حضرت کے بیان کو بہت سراہا اور متأثر ہوئے، بعض نے حضرت سے مصافحہ بھی کیا، اسی طرح علماء کرام اور دیگر حضرات نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا، چنانچہ حضرت کے بیان کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم مئو کا بیان تھا انہوں نے بھی اپنے بیان میں حضرت سے متعلق اپنے تاثرات کا بہت کچھ اظہار فرمایا لیکن ان کے الفاظ چونکہ محفوظ نہیں اس لئے یہاں نقل نہیں کر سکا۔

حضرت مولانا اعظمی کے دولت کدہ پر حضرت اقدس کی تشریف بری

دوسرے روز ۱۲ر مئی ۱۹۷۶ء کو حسب وعدہ حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر مئوناتھ بھنجن تشریف لے گئے، اور وہاں پہنچ کر چائے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے دار العلوم میں بھی تشریف لے گئے وہاں پر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ صدر مدرس اور ناظم مدرسہ نیز دیگر حضرات نے دار العلوم میں بیان کی درخواست کی ادھر جائے قیام پر بھی بیان کے لئے اہل محلّہ خواہش منداور مصر تھے، پھر اسی شب میں حضرت کی الہ آباد واپسی بھی طے تھی، حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم سے استصواب رائے کے بعد یہ طے پایا کہ بعد نماز مغرب دار العلوم میں بیان ہو جائے اور بعد نماز عشاء حضرت مولانا کے دولت کدہ پر بیان ہو۔

حضرت اقدس کا ورود مسعود دار العلوم مئو میں

چنانچہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے نماز مغرب دار العلوم کی مسجد میں ادا فرمائی اور بعد نماز جلسہ کا افتتاح تلاوت قرآن سے ہوا، اس کے بعد کاملؔ صاحب الہ آبادی نے دار العلوم سے متعلق اپنے تأثرات کا اظہار ایک نظم میں پیش کیا جس کو انہوں نے وہیں پہنچ کر قبیل مغرب مرتب کیا پھر دار العلوم مئو کے صدر مدرس و شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے ایک مختصر تعارفی تقریر فرمائی جو تعارف کے عنوان سے دار العلوم

کے بیان کے ساتھ منسلک بھی کردی گئی ہے صفحہ نمبر ۹۲ پر اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں اس کے بعد حضرت اقدس دامت برکاتہم کا وعظ ہوا جس میں علماء اور طلباء کے علاوہ اہل قصبہ بھی کافی تعداد میں شریک تھے اور سب نے ذوق وشوق کے ساتھ حضرت کا بیان سنا، وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کے لئے ٹوٹ پڑے، ظاہر ہے کہ اس قدر ضعف ونقاہت کی حالت میں جب کہ وقت بھی بہت ہی کم تھا ہزاروں آدمیوں سے مصافحہ کر لینا حضرت اقدس کے بس سے باہر تھا اس لئے مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے لوگوں کو معذرت کے ساتھ مصافحہ کرنے سے منع فرمادیا۔

حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر بیان

نمازِ عشاء حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے نئے مکان کے سامنے والی مسجد میں ادا کی گئی پھر وہاں پر طعام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اقدس کا دوسرا بیان ہوا، بیان سے قبل تلاوت قرآن کے بعد حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کی ایک نعت شریف حضرت مولانا کے پوتے عزیزم مولوی انور سلمہ نے سنائی جو حضرت اقدس کو بہت پسند ہے، وہ نعت بھی یہاں درج کی جاتی ہے۔

پیش لفظ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

حضرات اہل اللہ کے ارشادات وملفوظات کی افادیت ونافعیت ایک ایسی واضح حقیقت ہے جو محتاج بیان نہیں، بزرگان دین اور سلف صالحین کے کلام میں جابجا اس کی تحضیض وترغیب موجود ہے۔

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد، اور مرد کو شیر مرد بنادیتا ہے" یعنی پابند ہوا وہوس کو نفس کی غلامی سے نکال کر اللہ ورسول کی غلامی میں داخل کرتا ہے اور عبدیت کا قلادہ اس کی گردن میں ڈال کر صراط مستقیم پر لا کھڑا کرتا ہے، اور جو لوگ صراط مستقیم پر گامزن ہیں ان کو اللہ ورسول کی محبت میں سرشار کرکے ان کے قلوب میں شعلہائے عشق کو بھڑکا دیتا ہے کیونکہ اہل اللہ کے نزدیک مرد وہی کہلاتا ہے جو نفس کی غلامی سے چھوٹ کر ہوا وہوس کی قید سے آزاد ہوچکا ہو جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؂

خلق اطفالند جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

یعنی اللہ کے عاشق کے سوا سب لوگ بچے ہیں، اور جواں مرد وہی ہے جو ہوائے نفسانی کی قید سے چھوٹ چکا ہو۔

اور حضرت پرتاپگڈھی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ؂

محفل میں آج ساز محبت کو چھیڑ کر　　　جو اہلِ عشق ہیں انہیں تڑپا رہے ہیں ہم
ہر چیز کو نگاہِ محبت سے دیکھ کر　　　طوفان بحرِ عشق میں اب لا رہے ہیں ہم

اسی طرح حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "تعلیم الدین" میں شیخ قوام الدینؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ :

"اے درویش محک و معیار این کار کتاب و سنت و سیر سلف است کہ اہل اقتداء بودند"۔

یعنی طریق کی اصل کسوٹی اور معیار کتاب و سنت ہے اور ان اسلاف کی سیرت ہے جو کتاب و سنت کی اقتداء کر کے اس راہ میں مقتدیٰ ہوئے۔

اس میں کتاب و سنت کے ساتھ اسلاف کی سیرت کو بھی معیار طریق اسی لئے قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی جھلک سیر خلف ہی میں نظر آسکے گی اور کتاب و سنت کی شرح انہی کے ارشادات سے ہو گی۔

نیز اہل اللہ کے کلام میں عشق و محبت کی وہ گرمی و چاشنی پوشیدہ ہوتی ہے جو اغیار کو دل سے نکال کر نسبت مع اللہ کے نور سے دلوں کو معمور اور شراب محبت سے مخمور کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اتباع شریعت اور تاسی بالنسبت کا داعیہ قلب میں پیدا ہوتا ہے، اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت اور آخرت پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح اسلاف کی سیرت کے مطالعہ سے ان کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہونے کو جی چاہتا ہے اور دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا،

اللہ تعالیٰ کا کارساز ہونا اور ماسوئی اللہ کا لاشئی محض ہونا اس طور پر دلنشین ہو جاتا ہے کہ انسان پر فکر آخرت غالب آجاتی ہے اور اس کو سفر آخرت کے لئے کمر بستہ و مستعد کر دیتی ہے پھر رفتہ رفتہ دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے، اور اعمالِ صالحہ کی طرف مرغوبات طبعیہ جیسی رغبت اور معاصی سے مکروہات طبعیہ جیسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے، گویا جو تاثیر اہل اللہ کی صحبت میں رکھی گئی ہے وہی چیز ان کے ارشادات میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ ان کے کلام میں ان کی کیفیات قلبی اور نسبت باطنی کے انوار شامل ہوتے ہیں۔ کما قیل ؎

شیخ نورانی زرہ آگہ کند　　　با سخن ہم نور راہمرہ کند

یعنی شیخ نورانی طریق وصول الی اللہ سے واقف بھی کراتا ہے اور اپنے کلام کے ساتھ نور کو بھی شامل کرتا ہے، اسی طرح کسی اہل دل نے کیا خوب بات فرمائی ہے ؎

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ درو
یک دو کس دو نفس بہر خدا بنشیند

یعنی جس سرزمین پر کچھ لوگ چند ساعت اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں، اس کی رفعت کے آگے بلند و بالا آسمان بھی سر نیاز خم کر دیتا ہے۔

سبحان اللہ! اس میں مجالس اہل اللہ کی جیسی کچھ عظمت ورفعت اور قدر و منزلت مذکور ہے وہ ظاہر ہے واقعی جس جگہ اللہ و رسول کا ذکر ہو، اہل اللہ کے تذکرے ہوں، بزرگان دین اور سلف صالحین کی سیرت کا بیان ہو وہ فلک اور

ملک سبھی کے لئے باعث صد رشک ہے، چنانچہ حضرت مرشدی بقیۃ السلف دامت برکاتہم فرماتے ہیں ۔

ہر دم یہاں آتی ہیں بہاروں پہ بہاریں
صد رشک گلستاں ہے گلستانِ محبت

اور فرماتے ہیں ۔

واللہ ترے فیض سے بارانِ محبت　　　ہے آج بھی سرسبز گلستانِ محبت

اسی بنا پر بزرگان دین نے جس طرح صحبت اہل اللہ کی ضرورت پر کلام فرمایا ہے اسی طرح ان کے ارشادات کی افادیت ونافعیت کو بھی واضح فرمایا ہے اور اس سے شغف رکھنے کی جانب امت کو متوجہ فرمایا ہے چنانچہ اہل اللہ کے ارشادات کو ان کا سچا جانشین اور ان کی صحبت کا نعم البدل قرار دیا ہے۔

علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

فنابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فی نصح المریدین

یعنی اہل اللہ کی تصنیفات ان کی وفات کے بعد مریدین کی نصیحت وتربیت میں ان کی نیابت کرتی ہیں۔

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے ایک مکتوب میں کسی طالب کو تحریر فرماتے ہیں کہ :

"صحبت شیخ کامل کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے، اس کی نظر دوا اور اس کا کلمہ شفا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جادۂ مصطفویہ پر ثابت قدم رکھے کیونکہ یہی

امر مدار نجات اور ذریعہ سعادت ہے" (تجلیات ربانی ج/۱ ص/۴۳)

سبحان اللہ! ان ارشادات سے صحبت اہل اللہ کی اہمیت وضرورت کے ساتھ ساتھ ان کے ملفوظات وارشادات کی افادیت ونافعیت بھی بخوبی معلوم ہوئی، اسی لئے ہر زمانہ میں اکابر کے مواعظ وملفوظات کے ضبط کرنے کا سلسلہ قائم رہا جس سے ان کی تعلیمات کتابوں میں محفوظ ہیں، اور مرور دہور کے باوجود آج بھی ان کی یاد تازہ اور ان کے فیوض وبرکات کا سرچشمہ جاری ہے، اس طور پر گویا وہ حضرات آج بھی زندہ ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت اپنی تعلیمات کی روشنی میں زندہ وتابندہ رہیں گے، اور ان کی یہ تعلیمات بھی زندہ رہیں گی اور یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

یعنی جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہوگیا وہ کبھی مردہ نہیں ہوسکتا ہمارا دوام صفحۂ ہستی پر ثابت ہوچکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کی یاد بس جاتی ہے اس کو حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے، اسی مضمون کو ہمارے حضرت پرتاپگڈھی دامت برکاتہم نے عجیب وغریب انداز سے بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

رہا جو یاد میں ان کی سدا رطب اللسان ساقی
تو کیوں آخر نہ پائے وہ حیات جاوداں ساقی
نہ کیوں قربان کردیں رند تجھ پر اپنی جاں ساقی
بنایا تو نے جب قطرہ کو بحر بیکراں ساقی
ملا کب جام؟ جب قربان کردی اپنی جاں ساقی
یہ سودا پھر بھی ارزاں ہے نہیں ہرگز گراں ساقی
جو اہل دل ہیں ان پر یہ حقیقت ہے عیاں ساقی
مرے اشعار میں پنہاں ہیں اسرار نہاں ساقی
مٹا سکتا نہیں کوئی مرا نام ونشاں ساقی
کرم سے آپ جب خود ہی ہیں میرے پاسباں ساقی
مقام عشق ہے سمجھے گا اس کو رازداں ساقی
میں وہ میخوار ہوں جس کا ہے اب سارا جہاں ساقی
سناتا میں بھلا کیا عشق کی یہ داستاں ساقی
پس پردہ کوئی رہتا ہے ہر دم نغمہ خواں ساقی
بنایا ہے کسی نے جب سے اپنا رازداں ساقی
رہا باقی نہ پھر کوئی حجاب درمیاں ساقی

کسی کی یاد میں جینا کسی کی یاد میں مرنا
اسی میں ہے نہاں آرامِ دل آرامِ جاں ساقی

کوئی اس لطف کو احمدؔ سے پوچھے کوئی کیا جانے
کبھی ہے مہماں ساقی کبھی ہے میزباں ساقی

بلا شبہ حضرت بقیۃ السلف شیخ المشائخ مولانا و مرشدنا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی دور حاضر میں اسوۂ نبویہ کی حامل اخلاق محمدیہ کی زندہ مثال ہے اور یقیناً آپ اولیاء سابقین وسلف صالحین کی مجسم یادگار ہیں، تواضع وانکسار آپ کا طرۂ امتیاز اور شفقت ومحبت آپ کا سراپا ہے آپ کی زندگی سلف کا نمونہ، آپ کی مجلسیں قلوب کی دوا، آپ کی صحبت روح کی غذا، آپ کی ہم نشینی امراض قلوب کے لئے موجب شفا ہے، آپ کا ہر ملفوظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل، اور آپ کا ہر قول وعمل حرز جان بنانے کے لائق ہے آپ کے مواعظ میں حق تعالیٰ نے عجیب وغریب تاثیر رکھی ہے جس کا سامعین کے قلوب پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔

حضرت والا اپنی انہی خصوصیات کی بنا پر اکابر وقت کی نظروں میں مقبول ومحبوب ہیں اور ان کے قلوب میں آپ کا ایک خاص مقام ہے اور آپ کی ذات گرامی دور حاضر میں مرجع خاص وعام ہے، آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے ہیں مخلوق خدا ٹوٹ پڑتی ہے اور لوگ پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہوتے اور آپ کے ارشادات سے مسحور ومخمور نظر آتے ہیں۔

یقیناً خوش نصیب ہے وہ سرزمین جہاں اللہ ورسول کا ذکر ہو اور سعادت مند وخوش بخت ہیں وہ لوگ جن کے گھروں پر اہل اللہ کا ورود مسعود ہو اور انہیں

ان حضرات کی خدمت کا موقع نصیب ہو، انہی خوش بختوں میں ہمارے محترم حکیم محمد افہام اللہ صاحب بھی ہیں، موصوف کے دولت کدہ پر اکثر و بیشتر اکابر امت کی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے، چنانچہ فروری ۱۹۶۵ء میں حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ علی گڈھ تشریف لے گئے اور آپ کی معیت میں علماء و صلحاء کی ایک جماعت بھی وہاں پہنچی اور موصوف کے دولت کدہ "انونہ ہاؤس" میں قیام فرمایا، اثنائے قیام صبح و شام مجالس کا سلسلہ جاری رہا جس سے تمام اہل شہر، بالخصوص یونیورسٹی کے اساتذہ و طلباء فیضیاب ہوئے، اور ایک حلقہ حضرت کی طرف رجوع ہوا اور بہتوں کی اصلاح ہوئی۔

اسی طرح حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی تشریف آوری بھی اکثر و بیشتر وہاں ہوتی رہتی ہے اور حضرت کے مواعظ و مجالس سے اہل علی گڈھ فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ اوائل اکتوبر ۱۹۸۴ء میں جب کہ حضرت موصوف سفر حج سے واپسی میں علی گڈھ قیام پذیر ہوئے تو بعض خواص شہر نے حضرت سے عرض کیا کہ ایک عرصہ سے حضرت بقیۃ السلف مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی علی گڈھ تشریف آوری نہیں ہو سکی، ہم سب کی دلی خواہش ہے کہ وہ یہاں تشریف لاویں، اگر آپ کی طرف سے حضرت والا کو دعوت دی جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ ضرور منظور ہو جائے گی اور آپ کی خاطر

حضرت والا علی گڈھ تشریف لاویں گے، چنانچہ محترم حکیم اسلام اللہ صاحب غالباً ۱۰ / اکتوبر ۱۹۸۴ء کو حضرت کا دعوت نامہ لے کر الٰہ آباد حاضر خدمت ہوئے اور زبانی خود بھی اصرار فرمایا، چنانچہ باوجود ناسازئ طبع اور انتہائی ضعف و نقاہت کے حضرت والا سفر علی گڈھ کے لئے آمادہ ہوگئے، انتظامات سفر کئے گئے اور حضرت والا احباب و خدام کی ایک جماعت کے ساتھ علی گڈھ تشریف لے گئے، وہاں پر محترم حکیم صاحب مدظلہ اور ان کے برادر خورد حکیم اسلام اللہ صاحب اور صاحبزادگان حکیم کلیم اللہ اور حکیم نعیم اللہ بلکہ پورا گھرانہ نیز خود حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے خوب ہی خوب حق میزبانی ادا فرمایا، چنانچہ حضرت والا اور ان کے رفقاء کے علاوہ اطراف و اکناف سے جو حضرات بھی تشریف لاتے ان کو باصرار قیام کی دعوت دیتے اور نہایت خندہ پیشانی و فراخدلی کے ساتھ ان کی مہمان نوازی فرماتے رہے۔

اس سفر میں راقم الحروف کو بھی علی گڈھ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، اثنائے قیام روزانہ بعد نماز مغرب انونہ ہاؤس میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی جس میں یونیورسٹی کے اساتذہ و طلباء اور دیگر اہل شہر کے علاوہ اطراف و نواح سے ایک جم غفیر آکر شرکت کرتا، خورجہ و بلند شہر اور قرب و جوار کے احباب تو بلاناغہ پابندی کے ساتھ آکر شریک مجلس ہوتے۔

ابتدائے مجلس میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم

کی فرمائش پر محترم کامل صاحب حضرت والا کا منظوم کلام یا اپنا کلام سناتے پھر حضرت ہردوئی مدظلہ کا بیان ہوتا، اس کے بعد حضرت والا کے ارشادات پر مجلس کا اختتام ہوتا۔

اسی سفر میں آگرہ اور فیروز آباد والوں کے اصرار پر وہاں کے اسفار بھی ہوئے اور ان مقامات پر جو بھی بیانات ہوئے ٹیپ ریکارڈ میں ضبط ہوتے رہے اور محترم جناب ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے پاس محفوظ تھے۔

ادھر عرصہ سے احباب کا شدید تقاضا تھا کہ ''روح البیان'' کا تیسرا حصہ بھی جلد شائع ہونا چاہیے چنانچہ احقر نے متوکلاً علی اللہ ضبط کا کام شروع کر دیا اور بحمد اللہ چھ مواعظ کا مجموعہ مرتب کر کے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو سنا دیا گیا، ان مواعظ میں ترتیب کے وقت حضرت والا کے ایماء سے مضامین مفیدہ کا جا بجا اضافہ بھی کیا گیا ہے، اور اب ان سب مضامین کو حضرت والا کے نظر ثانی فرمالینے کے بعد ''روح البیان حصہ سوم'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے تاہم اگر نقل مضامین میں کوئی فروگذاشت ناظرین کرام کو محسوس ہو تو اسے ناقل کا قصور سمجھا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب خدام و متوسلین کو خصوصاً اور تمام امت مسلمہ کو عموماً ان مضامین عالیہ سے کماحقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت والا کے ظل عاطفت کو بایں فیوض و برکات تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور حضرت کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس سے قبل حضرت بقیۃ السلف دامت برکاتہم کے مواعظ کے دو مجموعے ''روح البیان حصہ اول و دوم'' کے نام سے دوبار طبع ہوکر مقبول خاص و عام ہوچکے ہیں، اور بحمد اللہ ان سبھی مضامین کو اہل دل، اہل علم اور اہل قلم نے بہت ہی پسند فرمایا، جس کا اظہار مختلف عنوانات سے تحریراً و تقریراً فرماتے رہتے ہیں، واقعی حضرت کے مواعظ عجیب و غریب تاثیر کے حامل ہیں، ان کے مطالعہ سے کتنے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی، عقائد کی اصلاح ہوئی، آخرت کی طرف راغب ہوئے اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور ہزاروں مواعظ جمع ہوں اور سینکڑوں جلدیں روح البیان کی شائع ہوکر قلوب کو مسرور، دماغوں کو مسحور اور ارواح کو مخمور کرتی رہیں، اور اس سیہ کار کے لئے وسیلۂ مغفرت و ذریعۂ نجات ثابت ہوں۔

اس موقع پر بے ساختہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

ساقیا ہر دم رہے آباد مے خانہ ترا
تا ابد جاری رہے یوں ہی سبیل مے کشی

عمار احمد عفی عنہ

خادم جامعہ اسلامیہ افضل المعارف
وصی آباد الہ آباد، ۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

عرضِ مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم .... اما بعد!

قال اللہ تعالی ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس میں حق تعالیٰ صادقین کی معیت اختیار کرنے کا حکم فرمارہے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے کس قدر اس کی اہمیت مفہوم ہوئی بلاشبہ صادقین کی صحبت کبریت احمر اور رذائل کے دور کرنے میں تریاق نافع ہے اسی طرح ان حضرات کے ارشادات وملفوظات میں بھی عشق ومحبت کی وہ گرمی پوشیدہ ہے جو اغیار کو دل سے نکال کر انوار نسبت و محبت سے معمور کردیتی ہے اس سے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے، عمل صالح کا جذبہ و داعیہ ابھرتا ہے اور آخرت پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے جس کے سبب انسان سفر آخرت کے لئے کمربستہ ومستعد ہوجاتا ہے اسی بنا پر بزرگان دین نے جس طرح صحبت اہل اللہ کی ضرورت پر کلام فرمایا ہے اسی طرح ان کے ارشادات کی جانب بھی ترغیب و تحضیض فرمائی ہے چنانچہ اہل اللہ کے ارشادات کو ان کا سچا جانشین اور ان کی صحبت کا نعم البدل قرار دیا ہے۔

علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ فنابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فی نصح المریدین اہل اللہ کی تصنیفات ان کی وفات کے بعد مریدین کی

نصیحت وتربیت میں ان کی نیابت کرتی ہیں۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "صحبت شیخ کامل کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے اس کی نظر دوا اور اس کا کلمہ شفا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جادۂ شریعت مصطفویہ پر ثابت قدم رکھے کیونکہ یہی امر مدار نجات اور ذریعہ سعادت ہے۔ (تجلیات ربانی ص ۴۳، ج۱)

ان ارشادات سے اہل اللہ کی صحبت نیز ان کے کلام کی کیسی کچھ افادیت ونافعیت ثابت ہوئی، اسی لئے علماء ومشائخ کے ملفوظات کے ضبط کرنے کا سلسلہ برابر جاری ہے جو بعد والوں کے لئے اپنے اکابر کی تعلیمات کا مرقع اور ان کے دستور العمل کی حیثیت سے سامنے رہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے فیوض وبرکات کا سلسلہ صدیوں گذرنے کے بعد بھی جاری وساری ہے۔

بلاشبہ انہیں مشائخ عظام میں سے حضرت بقیۃ السلف محی السنّت شیخ المشائخ مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم (متوفی ۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ) کی ذاتِ گرامی بھی ہے جو یقیناً دور حاضر میں اسوۂ نبویہ کی حامل اخلاق محمدیہ کی زندہ مثال اور اولیاء سابقین وسلف صالحین کی مجسم یادگار ہیں، تواضع وانکسار آپ کا طرۂ امتیاز اور شفقت ومحبت آپ کا سراپا ہے آپ کی زندگی سلف کا نمونہ، آپ کی مجلس قلوب کی دوا، آپ کی صحبت روح کی غذا، آپ کی ہم نشینی امراض قلوب کی شفا ہے۔ آپ کا ہر ملفوظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل اور آپ کا ہر قول حرز جان بنانے کے لائق ہے آپ کے

مواعظ میں حق تعالیٰ نے عجیب و غریب تاثیر رکھی ہے جس کا سامعین کے قلوب پر ایک خاص اثر پڑتا ہے حضرت والا اپنی انہیں خصوصیات کی بنا پر اکابر وقت کی نظر میں مقبول و محبوب ہیں اور ان کے قلوب میں آپ کا ایک خاص مقام ہے اور آپ کی ذات گرامی اس وقت مرجع خاص و عام ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ حضرت اقدس کے مواعظ کا پہلا مجموعہ ''روح البیان'' حصہ اول ۱۹۷۶ء میں محترم جناب ڈاکٹر ابرار احمد صاحب زید شرفہ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں پہلی بار طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہوا پھر دو سال بعد موصوف ہی کی جانب سے دوسرا مجموعہ بھی ''روح البیان'' حصہ دوم ۱۹۷۸ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر مرحمت فرمائے، آمین۔

بحمد اللہ ان سبھی مضامین کو اہل دل، اہل علم، اہل ذوق اور اہل قلم نے بہت ہی پسند فرمایا جس کا اظہار مختلف عنوانات سے فرماتے رہتے ہیں، کتنے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی، عقائد کی اصلاح ہوئی اور ان کے دلوں کی دنیا بدل گئی اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ

چونکہ ''روح البیان'' حصہ اول عرصہ سے نایاب ہے اور طالبین کا بیحد اصرار تھا کہ دوبارہ طبع ہو اس لئے دوبارہ اشاعت کا ارادہ ہوا اور اس دفعہ یہ سعادت احقر کے حصہ میں آئی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کو ان ارشادات عالیہ سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام　　　　احقر عمار احمد عفی عنہ

خادم طلبہ بیت المعارف الہ آباد

تأثر

از: مخدوم مکرم حضرت الحاج ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی صاحب
خلیفہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ، اما بعد!

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں بڑے بڑے اولیاء اور عارفین گذرے ہیں جو یقیناً اپنے دور کے آفتاب و مہتاب تھے ان حضرات کی ذات عالی صفات سے عجیب و غریب قسم کے کشف و کرامات کا صدور ہوا، ان کی عملی زندگی اسلام کی زندہ مثال تھی، ان کی روحانیت کا یہ عالم تھا کہ جس طرف نگاہ اٹھتی ہزار ہزار غیر اقوام کے افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتے، ان کی روحانیت کے اثرات براہ راست ہزاروں انسانوں کی روحوں پر پڑ کر انسانیت کی صحیح منزل پر پہنچا دیتے، یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کے مخالف کم و بیش رہے مگر ہمیشہ نتیجہ کے اعتبار سے مخالفین ذلیل و خوار ہوئے اور اہل اللہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوئے، چنانچہ انہیں مشائخ عظام میں سے ہمارے حضرت مولانا محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے، آپ صرف ولی کامل ہی نہیں تھے بلکہ محقق اور جید عالم بھی تھے، یوں تو آپ کی

صدہا خصوصیات ہیں مگر ان کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے ، ہم چند خصوصیات برکت کے لئے پیش خدمت کررہے ہیں، آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے اور اپنے اہل وعیال اور متوسلین کو بھی اس کی تلقین فرماتے نیز خلاف شرع کوئی عمل خواہ کسی سے سرزد ہوتا دیکھنا پسند نہ فرماتے سب کے ساتھ یکساں معاملہ فرماتے، شفقت کا یہ عالم تھا کہ سب کے دکھ درد کو اپنا ہی دکھ درد سمجھتے، آپ کی مجلس میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوا کرتے تھے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی رعایت نہ فرماتے، آپ کے چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی، دل کی تمام کثافتیں دور ہوجاتیں، قلب مجلیٰ و مصفیٰ ہوجاتا، آپ فنا فی اللہ تھے، حضرت مولانا رحمہ اللہ سے احقر کو بھی خاص تعلق و قرب حاصل تھا، ایک دور ایسا تھا کہ حضرتؒ منصور پاک کے قریب ڈاکٹر ابرار صاحب کے مکان میں تشریف فرماتھے اور احقر مچھلی کوٹھی منصور پارک میں رہتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ تقریباً دس بجے دن میں حضرتؒ تشریف لاتے اور کافی دیر تک جلوہ افروز رہتے، کبھی اپنا منظوم کلام سنا کر احقر کو محظوظ فرماتے، اسی طرح بہت سے حالات اور واقعات بھی سناتے جس سے احقر کو بے حد فائدہ پہنچتا تھا محبت کا یہ عالم تھا کہ جب منصور پارک مچھلی کوٹھی سے احقر منتقل ہوکر وصی آباد آگیا اور آپ شام کو تفریح کے لئے مکرمی مولانا قمر الزمان صاحب کے ساتھ نکلتے تو کبھی غریب خانہ پر تشریف لاتے اور فرماتے کہ میں سچ کہتا ہوں کہ

آپ بہت یاد آرہے تھے اس لئے آگیا، میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا، کہاں تک لکھوں؟ دفتر کا دفتر لکھوں جب بھی کم ہے، بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں ۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

اللہ پاک کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ ''روح البیان'' کی جلد اول کی ترتیب و تزئین مکمل ہوئی جس کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اس سلسلہ میں جو محنت و کاوش محترمی مولانا حاجی اقبال صاحب مقیم زامبیا کو کرنی پڑی ہے وہ قابل ستائش ہے، اللہ پاک سے دست بدعا ہوں کہ ان کی عمر میں برکت نصیب کرے اور صحت دوام عطا فرماوے تاکہ اسی طرح یہ دین کے کام کرتے رہیں اور ہم تشنگان کو معرفت کا جام پلاتے رہیں آمین

فقط والسلام

احقر کمترین

ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی

وصی آباد، الہ آباد

جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ

۷/اکتوبر ۱۹۹۹ء

مقدمہ

محی السنّت حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی دامت برکاتہم
خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ اسرارہم

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم .... اما بعد !

امت مسلمہ کی رشد وہدایت کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد بھی ہر زمانہ میں کچھ ایسے حضرات کو منتخب فرماتے رہتے ہیں جو حضور ﷺ کے سچے جانشین ثابت ہوتے ہیں اور علماً و عملاً، قولاً و حالاً آپ کی ترجمانی کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے قیامت تک ہر دور میں صالحین کی ایک ایسی جماعت ضرور موجود رہے گی جو اپنے اسلاف کا صحیح نمونہ امت کے سامنے پیش کرتی رہے اور ان کے اندر عمل کا داعیہ ابھارتی رہے اور بلا خوف لومۃ لائم سنت نبوی پر عمل کرتی اور اس کی طرف امت کو دعوت دیتی رہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے

" عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لايضرهم من خذلهم حتى ياتی امر الله وهم كذلك "
(مسلم شریف)

پس کوئی زمانہ اہل اللہ سے خالی نہیں ہو سکتا، چنانچہ اس زمانہ میں بھی بحمد اللہ ایسے اکابر موجود ہیں جن کی صحبت و مجالست کو غنیمت کبریٰ سمجھنا چاہئے، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اہل اللہ کی صحبت اور معیت نصیب ہے، چاہئے کہ اس کو مغتنم شمار کریں اور اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں۔

بلا شبہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی اس دور میں ہمارے اسلاف کا نمونہ ہے، جن حضرات کو آپ کی مجالس میں شرکت کرنے اور آپ کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوا ہوگا ان کو بخوبی اس کا اندازہ اور مشاہدہ ہوگا کہ آپ کی مجلس میں کیسی برکت اور آپ کے بیان میں کس قدر تاثیر ہے، چنانچہ حرمین شریفین میں بھی میں نے خود دیکھا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے مواعظ و مجالس میں بڑے بڑے علماء و اکابر مختلف مقامات کے بڑے اہتمام سے تشریف لاتے تھے اور بہت متأثر اور محظوظ ہوتے تھے، احقر کو بھی حضرت مدظلہ کی مجلس میں شرکت کا بارہا اتفاق ہوا، آپ کے بیانات عجب پُر تاثیر مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں، متقدمین جیسا سادہ انداز بیان مگر نہایت جامع اور مؤثر ہوتا ہے، احقر نے تو حضرت مولانا کے متعدد مواعظ و ملفوظات کو ٹیپ ریکارڈ میں ضبط بھی کر لیا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو اپنے احباب میں سنایا بھی کرتا ہوں، ان مضامین عالیہ سے سبھی محظوظ و متأثر ہوتے ہیں، اس لئے جی چاہتا تھا کہ ان مضامین کی اشاعت کر کے ان کے نفع کو اور عام کیا جائے، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت کے بعض خدام نے چند بیانات کو

قلمبند بھی کر لیا ہے، مجھے بھی ان کے مطالعہ کا موقع ملا اور بغور مطالعہ کیا اور ان سے مستفیض اور محظوظ ہوتا رہا، عجیب و غریب مضامین ہیں، میرے نزدیک ان کی اشاعت نہایت مفید اور از بس نافع ہے، انشاء اللہ قارئین کو بہت نفع ہوگا، لہٰذا ان مضامین کی اشاعت جلد از جلد کتابی شکل میں ہو جاتی تو بہتر ہوتا، اللہ تعالیٰ خواص و عوام سب کو ان مضامین عالیہ مفیدہ سے انتفاع کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

حضرت مولانا موصوف کے کلام کا ایک ذخیرہ منظوم شکل میں بھی موجود ہے جس کو میں "وعظ منظوم" کہا کرتا ہوں نہایت عارفانہ اور محققانہ کلام ہے، طریق کی تعلیم کو انتہائی سہل عنوان سے ان اشعار میں بیان فرمادیا ہے، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہ ان اشعار کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایسا جامع نسخہ ہے جس میں مبتدی، متوسط اور منتہی ہر ایک کے لئے تعلیم موجود ہے، نیز فرماتے تھے کہ میں خود ان کو طبع کراؤں گا، مگر اب تک اس کی نوبت نہ آسکی، معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی اب جلد ہی طبع ہونے والے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جلد تر اسے بھی منصۂ شہود پر لائے اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تعلیمات پر عمل کی توفیق ہم سبھی کو مرحمت فرمائے اور حضرت کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے، آمین!

ناکارہ ابرارالحق غفرلہ

خادم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۱ر رجب ۱۳۹۵ھ

مقدمہ

از: علامہ دوراں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب دامت برکاتھم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

خاکسار راقم سطور نے جس وقت ہوش سنبھالا اور کچھ سمجھنے بوجھنے اور تاثر لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی، اس وقت ہندوستان میں تحریک خلافت کے اثر سے خطابت اپنے پورے عروج پر تھی، شہر تو شہر قصبے قصبے اور قریے قریے سیاسی اور نیم دینی و نیم سیاسی جلسے زندگی کا معمول بن گئے تھے جن میں علماء و غیر علماء داد خطابت دیتے اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے، عوام مسرور بلکہ مسحور ہوتے۔

کچھ اور ہوش سنبھالا اور تھوڑا بہت لکھا پڑھا تو ایسے مقرروں کی تقریریں سنیں جو تعلیم یافتہ طبقہ کو متأثر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور زمانہ کی زبان اور ذوق و مزاج کے مطابق گفتگو کرتے، ان کی تقریروں اور گفتگوؤں میں استدلالی رنگ اور عقلیت نمایاں ہوتی، عصر حاضر کے دماغوں کو متأثر کرنے

اور علوم جدیدہ اور افکار عصریہ سے واقفیت ان کی تقریروں کا خاص جوہر تھا، ان سب کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ قلب و دماغ اسی طرز تقریر اور انداز بیان سے متأثر ہوتے اور جہاں یہ طرز نہ ملتا ہو وہاں دل چسپی کا کوئی سامان اور اثر پذیری و دلآویزی کا کوئی امکان نہ ہوتا۔

لیکن اس کو محض خدا کا فضل سمجھنا چاہئے اور تھوڑا بہت بزرگوں کی صحبت اور خاندانی ماحول کا نتیجہ کہ ہمیشہ اِن سیدھے سادے مواعظ میں دل لگا اور وہاں طبیعت نے اثر قبول کیا جہاں توحید، خدا کی محبت و خوف کا تذکرہ، جنت دوزخ کا بیان اور آنکھوں میں نمی اور قلب میں گرمی پیدا کرنے کا سامان پایا جاتا ہو، اور جس سے اپنے عیوب اور نفس کے مغالطوں اور مغالطہ انگیزیوں کا راز فاش ہوتا ہو اور عمل و اصلاح نفس کا جذبہ پیدا ہوتا ہو۔

بچپن ہی سے لکھنؤ جیسے شہر میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا جہاں روز کوئی نہ کوئی جلسہ اور کسی نامور مقرر اور خطیب کی تقریر کا اعلان ہوتا، لیکن اچھی طرح یاد ہے کہ جتنا نفع سیدھے سادے قدیم طرز کے دینی مواعظ میں ہوتا ان جلسوں میں نہ ہوتا، جہاں مقرر شیر کی طرح گرجتے اور بلبل کی طرح چہکتے۔

ہمارے خاندان اور گاؤں (دائرہ شاہ علم اللہؒ، رائے بریلی) میں کبھی کبھی حضرت مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب فاروقی (نبیرۂ حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ) قدیم دینی و روحانی تعلقات کی بناء پر تشریف لاتے، ان کا گھر میں وعظ ہوتا جو علماءِ سلف کے وعظ اور دینی تذکرہ و موعظت کا سچا نمونہ

ہوتا، کم سنی اور شروع سے ادبی ذوق کے باوجود اس میں خوب جی لگتا اور کھلا فائدہ محسوس ہوتا، یہی حال مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ کے مواعظ کا ہوتا، جو لکھنؤ میں برابر ہوتے رہتے تھے، اور جن میں نماز، اتباع سنت کی تلقین، اور قرآن مجید اور صحابہ کرامؓ کی عظمت و فضائل کا بیان ہوتا۔

ان دونوں حضرات کے بعد عرصہ تک ایسا حقانی، ربانی بیان سننے میں نہیں آیا ایک مرتبہ پرتاپ گڑھ کی جامع مسجد میں کسی تبلیغی دورے کے موقع پر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری کا بیان سنا اور کانوں کو نہیں بلکہ قلب و روح کو وہ پرانا دینی ذائقہ یاد آگیا جو اللہ والوں کے بیان میں محسوس ہوتا تھا اور عرصہ سے دل اس کا جویا تھا، مگر وہ جنس اب نایاب معلوم ہوتی تھی، اس کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مولانا کی نظر شفقت اس ناچیز پر پڑی اور ان کی مجالس خیر و برکت میں حاضری نصیب ہونے لگی اور وہاں بھی یہی رنگ دیکھا کہ سوائے اللہ اور اللہ والوں کے ذکر کے کوئی مذکور نہ تھا، ان مجلسوں میں روح کو اپنی غذا اور دل بیمار کو اپنی دوا ملی، ان کا کلام نظم ہو یا نثر ہو اسی خم خانۂ معرفت و وحدت کی شراب طہور ہوتی، جس سے حاضرین مجلس کو نہ سیری ہوتی نہ سرگرانی، بلکہ ان کی زبان پر یہ ہوتا۔

مصلحت نیست مرا سیری ازیں آب حیات
ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

اس کا اندیشہ تھا کہ یہ سلسلۂ فیض ان سامعین تک محدود رہتا جن کو ان

مواعظ یا مجالس میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوتی، روح البیان کے مرتبین، خصوصا مولانا عمار الحسن صاحب تمام اہل ذوق واہل طلب کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان بیانات و مواعظ کو مرتب و محفوظ کردیا، امید ہے کہ اس سے وہ دور افتادہ احباب بھی فائدہ اٹھائیں گے جو دوری یا مجبوری کی وجہ سے ان مجالس میں حاضر نہ ہو سکے اسی طرح وہ اہل علم بھی جو کتابوں اور مطالعہ کے ذریعہ ہی استفادہ کرتے یا کرسکتے ہیں۔

یہ ناچیز بھی اپنی کم ہمتی اور شدید مصروفیت کے باوجود وقتاً فوقتاً محض اپنے فائدہ اور قلب کی اصلاح کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے اور ان کے ارشادات و افادات سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور ان کی بزرگانہ شفقت و محبت کو اپنے حق میں فال نیک اور خدا کی رحمت کی علامت سمجھتا ہے، افسوس ہے کہ اپنے اسفار کی کثرت اور صحت کی کمزوری کی وجہ سے جتنا حاضر ہونا چاہئے اتنا حاضر نہیں ہو پاتا، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ توفیق اور اس نعمت کی قدر عطا فرمائے، الحمد للہ کہ اس عاجز کے اہل خاندان خورد و عزیز بھی مولانا سے اسی قدر عقیدت رکھتے ہیں اور مولانا کو بھی ان کے حال پر اسی درجہ شفقت و التفات ہے، اس مناسبت کی ایک وجہ یہ ہے کہ راقم سطور کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے سلسلۂ ارادت میں منسلک تھے، اور حضرت کی ان پر نگاہ خاص تھی، اور مولانا کا بھی اسی سلسلۂ عالیہ سے تعلق ہے، دوسری وجہ مولانا کی محبت، خورد نوازی،

سادگی اور بے تکلفی، رسوم و آداب اور مظاہر سے دوری اور طبیعت کی وار فتگی اور بے ساختگی ہے جو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور ان لوگوں کو مانوس اور بے تکلف بنا لیتی ہے جو خانقاہوں اور خانقاہی آداب سے واقف و مانوس نہیں ہوتے۔

طبیعت کی ناسازی و بے لطفی کے باوجود اپنی سعادت سمجھ کر یہ چند سطور "روح البیان" کے حصہ دوم کے لئے لکھ دیں۔

ع بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ابوالحسن علی

(دائرہ شاہ علم اللہ حسنیؒ)

۲۰/ جمادی الآخرۃ ۱۳۹۸ھ، ۲۸/ مئی ۱۹۷۸ء

مقدمہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

یہ ''روح البیان'' کا حصہ سوم ہے جس میں حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کے چند مواعظ کو جمع کردیا گیا ہے اس سے پہلے اس کا حصہ اول و دوم حلیہ طبع سے مرصع ہوکر منصۂ شہود پر آچکا ہے، جس کے مضامین عالیہ سے عوام وخواص سبھی یکساں طور پر منتفع و مستفیض ہورہے ہیں مساجد و مدارس میں بھی اس کی صدائیں گونج رہی ہیں، علماء و صلحاء اس کی افادیت و تاثیر کے مقر و معترف نظر آرہے ہیں بلکہ اپنے حلقہ اور ادارہ میں اس کے سننے سنانے کا اہتمام فرمارہے ہیں۔ یقیناً یہ باتیں ان مواعظ کے مقبول عند اللہ ہونے پر شاہد عدل ہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

اس کی علت یہ ہے کہ وعظ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، دعوت الی اللہ انھیں کا اصل کام ہے، علمائے کرام تو انھیں حضرات کی نیابت میں کرسی وعظ پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور انھیں کی وراثت میں مسند ارشاد پر متمکن ہوکر قال اللہ و قال الرسول کا کلمہ بلند کرتے ہیں، لہذا علماء کو چاہئے کہ اپنے اصل و منیب کی کلی طور پر رعایت کریں اور ہر امر میں ان کی نیابت کا حق ادا کریں اور جو کام انہوں نے کیا ہے وہی کریں اور جس امر

کی طرف دعوت دی ہے اسی کی طرف خلق خدا کو دعوت دیں۔

لہذا جو جتنا ان حضرات کی قیادت کو تسلیم کر کے ان کی اقتداء کرے گا اتنا ہی اس کو اللہ تعالی کے یہاں قرب و قبول ہو گا، اور جس قدر ان حضرات کے کلام کی توضیح و تشریح اور ان کے مرضی و منشاء کے مطابق اس کی ترجمانی ہو گی اسی قدر وہ بیان پر مغز و پر اثر سمجھا جائے گا۔

چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے ارشادات جو وحی الہی ہیں اس کی صحیح تبیین معمولی بات نہیں بلکہ نہایت اہم خدمت ہے اس لئے کہ بیان تو ہوتے ہی رہتے ہیں مگر جس بیان میں کتاب و سنت کے رازہائے سربستہ کھولے جائیں، توحید و رسالت، قیامت و آخرت کی تصدیق کی طرف دعوت دی جائے، جنت و دوزخ کا ذکر کیا جائے، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ کی تعلیم دی جائے اور اعمال سیئہ، اخلاق قبیحہ سے نفرت دلائی جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بیان بیان ہے بلکہ اس کو روح البیان کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔

چنانچہ ہمارے مرشد حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کے مواعظ میں یہ باتیں بدرجۂ اتم آپ کو ملیں گی، کہیں آیات اللہ کی تلاوت کا فیض رواں ہے تو کہیں تعلیم کتاب و حکمت کا چشمہ جاری ہے، تو کہیں تزکیہ نفس کی نغمہ سرائی ہے تو کہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ کے درس و تدریس کی ہماہمی ہے۔ کہیں اللہ تعالی کے ارشاد ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ سے دنیا کی حقارت و بے ثباتی عیاں کی جارہی ہے تو کہیں

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے آخرت کی بقا و ثبات کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

غرض جب یہ مقاصد حسنہ حضرت اقدس کے ان مواعظ میں پائے جاتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ ان کو روح البیان کہیں، اور لکھیں، واقعی یہ مواعظ اسم با مسمّٰی کہے جانے کے لائق ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ آج کل اسی قسم کے مواعظ کی ضرورت ہے اس لئے کہ طلب بھی کم ہے اور استعداد و صلاحیت بھی ضعیف تر ہے، بہت سے لوگ خاص طور سے نوجوان طبقہ تو اردو جانتا ہی نہیں لہٰذا اس لحاظ سے بھی حضرت والا کے مواعظ پسندیدہ و اثر انداز ہیں کہ ان مواعظ کی عبارت نہایت سلیس و رواں ہے جس کی وجہ سے باتیں بآسانی سمجھ میں آتی ہیں اور ذہن میں سماتی چلی جاتی ہیں اور چونکہ حضرت والا ان مواعظ حسنہ میں آیات و احادیث کی بکثرت تلاوت فرماتے ہیں جن پر ہم سبھی مسلمانوں کا ایمان ہے اس لئے ان سے یک گونہ مناسبت و تعلق قلبی کی بناء پر دل میں اترتی چلی جاتی ہیں نیز حضرت والا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کو امزجہ اور نفسیات کی معرفت میں کمال شعور حاصل ہے ،اس لئے آپ ہمیشہ مناسب حال اور مطابق مقام کلام فرماتے ہیں جس کی وجہ سے عموماً لوگ متاثر ہوتے ہیں اور اسی مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے ہی کو تو بلاغت کہتے ہیں، حالانکہ حضرت والا پہلے سے بیان کی کوئی تیاری نہیں فرماتے مگر مخاطبین کی رعایت اور ان کی ضرورت کا

لحاظ فرماتے ہوئے نہایت موزوں و بر محل کلام فرماتے ہیں، حضرت والا کی معیت میں کہیں جانے کا اتفاق ہوا اور بیان کی نوبت آئی تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا بیان کیا جائے مگر حضرت والا نے برجستہ ایسا بیان فرمایا کہ طبیعت عش عش کرنے لگی دل نے شہادت دی کہ واقعی اس سے زیادہ مناسب بیان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت والا کے بیان کو علماء و مشائخ سبھی بے حد پسند فرماتے ہیں بلکہ خواہش و فرمائش کر کے وعظ کراتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، مولانا ابرار الحق صاحب، مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی جیسے علمائے اعلام بھی جب حضرت والا ان کے قیام گاہوں تک پہونچتے ہیں تو حضرت کے وعظ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کے نفع واثر کا اظہار فرماتے ہیں بلکہ خود بنفس نفیس حضرت کی خدمت میں آکر ان کے کلمات طیبات کو بصد مسرت سنتے ہیں، مثال کے طور پر دیکھ لیجئے کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے صاحب زادے اشرف میاں کی وفات کے بعد ان کی تعزیت کے سلسلہ میں جب حضرت والا کی تشریف آوری ہردوئی ہوئی تو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے آپ کے بیان کا خاص اہتمام فرمایا اس موقع پر حضرت والا نے نہایت بر محل اور مؤثر مضمون بیان فرمایا جس سے سبھی لوگ متاثر ہوئے جو اس وقت ٹیپ کر لیا گیا تھا بعد میں اس کو صفحات قرطاس پر منتقل کر کے اس حصہ کو روح البیان کا جزء بنا دیا گیا ہے، جو یقیناً قابل مطالعہ ہے اس لئے کہ آج بھی وہ کار آمد کارگر اور مصیبت کے

وقت تسلی بخش ہے اسی طرح آپ کا ہر ہی مضمون ایسا ہے جسے اوراق بیاض پر لکھے جانے سے زیادہ صفحات قلوب پر لکھے جانے کی ضرورت ہے۔

بہر حال آج کل ایسے ہی بیانات کی ضرورت ہے، جس میں آخرت کی تذکیر ہو، کتاب و سنت کی تعلیم ہو، امراض قلب کا علاج ہو، جنت و دوزخ کا بیان ہو، اکثر انھیں مقاصد عالیہ پر حضرت کا وعظ مشتمل ہوتا ہے اور اس میں بکثرت آیات واحادیث کی تلاوت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان مواعظ میں نورانیت بڑھتی ہی جاتی ہے، نیز حضرت کے قلب صافی سے نکلے ہوئے کلمات طیبات میں صدق و اخلاص کی آمیزش بیان کے اثر و تاثیر کو اضعافا مضاعفہ کر دیتی ہے، بات سیدھی سادی مگر چونکہ وہ خلق خدا کی خیر خواہی کے جذبہ اور آخرت کے عذاب اور ذلت و رسوائی سے رستگاری کے داعیہ سے ناشی ہوتی ہے اس لئے سامعین کے قلوب میں بغیر اثر کئے نہیں رہتی، یہی تو اخلاص کا کرشمہ ہے کہ اس کی شمولیت سے چھوٹا کام بڑا ہو جاتا ہے اور قلیل کثیر ہو جاتا ہے بلکہ تن مردہ میں حیات آجاتی ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ اخلاص خواہ کسی کام میں ہو یا کلام میں، وہ چونکہ حال قلب ہے اس لئے مخفی رہتا ہے مگر اس کا اثر بالکل عیاں و نمایاں ہوتا ہے، اللہ تعالی اس کے اثر کو اس میں خود ظاہر فرما دیتے ہیں، اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود　　　ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

اسی اخلاص کی برکت سے کتنے منکر و معاند ہمارے اکابر کے بیانات کو سن

کر اس قدر متأثر ہوئے کہ اپنے غلط عقائد سے تائب ہی ہوگئے۔ چنانچہ ہمارے متأخرین اکابر کے اثر و تاثیر کے بہت سے واقعات معروف و مشہور ہیں۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب نے حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ سے ایک بڑے عالم کا یہ مقولہ نقل کیا کہ "اس زمانہ کی ایجاد مکبر الصوت (لاوڈ اسپیکر) کے ذریعہ ہم اپنی باتوں کو لاکھوں آدمیوں کے کانوں تک پہونچا سکتے ہیں مگر اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہ ہوا جس سے لوگوں کے دلوں تک آواز پہونچائی جاسکے" تو حضرت مصلح الامتؒ نے معاً فرمایا کہ یہ آلہ تو بہت زمانہ ہوا کہ ایجاد ہو چکا ہے وہ ہے "اخلاص" اسی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور مصلحین عظام نے اپنی باتوں کو لوگوں کے قلوب تک پہونچایا جن سے لوگ متأثر ہوئے اور راہ یاب ہوئے۔

آج بھی اس کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ کے بندوں کو نفع پہونچے، مثل مشہور ہے۔ ع "از دل خیزد بر دل ریزد"

اسی طرح ایک بڑے عالم و واعظ نے حضرت مصلح الامتؒ سے کہا کہ اب دین کا کام پہلے سے زیادہ ہو رہا ہے مگر اس کا اثر کچھ زیادہ دکھلائی نہیں دے رہا ہے تو فوراً ہی فرمایا کہ اخلاص نہیں ہے، اس سے وہ عالم خوش ہوئے اور حضرت کے جواب کی تصویب فرمائی۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جس طرح واعظ اور داعی کے اندر اخلاص کی شرط ہے ویسے ہی سامعین و مخاطبین کے اندر بھی صدق طلب اور سمع قبول

کا ہونا لازمی و ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ آپ تذکیر فرماتے رہیں اس لئے کہ ذکری مومنین کو سود مند ہوگا تو دیکھئے یہاں نفع کے لئے ایمان کی قید لگی ہوئی ہے۔

اسی طرح اللہ جل شانہ ارشاد فرمارہے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ ﴾ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی یاد دہانی ہے جن کے پاس دل ہو یا وہ بات سننے کے لئے کان لگائیں متوجہ ہو کر، یعنی اگر دل پوری طرح بیدار نہ ہو تو کم از کم اتنی بات انسان کے اندر ہو کہ کوئی معقول آدمی اس کو کوئی بات سنائے تو وہ اس کو توجہ سے سنے یہ توجہ بھی انسان کے لئے بڑی خیر و برکت کا باعث ہے، اس لئے اثر و تأثر کے لئے دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہے، یعنی واعظ کے اندر اخلاص ہو اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی ناراضی اور آخرت کے عذاب و رسوائی سے بچانے کا داعیہ ہو اور مخاطبین کے اندر صدق و خلوص اور سمع قبول ہو تو پھر نورٌ علی النور ہے، کام بنتا ہی جائے گا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔

الحمد للہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے اندر یہی داعیہ و جذبہ تھا کہ چند مخلص رفقاء کے ساتھ پیدل چل چل کر دیہات جاتے اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے، طاعات کی طرف رغبت دلاتے تھے اور معاصی سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے جس کی وجہ سے دیہات کے دیہات صحیح العقیدہ ہو گئے، ظاہری شکل صورت انہوں نے سنت کے مطابق کرلی، نماز روزے کے

پابند ہوگئے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بحوائے آیات واحادیث جب آدمی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طاعت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ سے حکمت کے چشمے جاری فرمادیتے ہیں، اس کو علوم و معارف سے نوازتے ہیں جیسا کہ ہمارے اکابر کو نوازا۔

اس کی جھلک الحمد للہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے مواعظ و بیانات میں محسوس ہوتی ہے چنانچہ خود اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے مجھے خود کردیا روح المعانی
تو بھلا ایسے موئد و موفق من اللہ کی کوئی کیا برابری کرسکتا ہے۔

خم کہ از دریا در و راہے بود پیش او جیحونہا زانو نہد

(جس مٹکے کا تعلق دریا سے ہوتا ہے تو اس کے سامنے نہریں بھی گھٹنہ ٹیک دیتی ہیں) اسی جذبہ وداعیہ کے تحت جہاں بھی آپ تشریف لے جاتے ہیں کتاب و سنت کے علوم و معارف اور دین کی باتوں کو بے جھجک بیان فرمانے لگتے ہیں، اور کبھی اس حال کی تائید میں یہ شعر بھی پڑھتے ہیں۔

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

اگرچہ شاعر نے دوسرا مصرع یوں کہا تھا۔

"کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل یاد کرتے ہیں"

مگر حضرت نے اپنے ذوق کے مطابق بدل کر یوں کر دیا۔

"کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں"

اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت والا کا یہ حال ہے۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم

الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کو فراموش کر چکے ہیں اور اب تو بس حدیث یار کا تکرار کرتے ہیں)

اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت و تعلق ہو، کتاب و سنت سے مناسبت ہو، اس کے علوم و معارف سے شغل بلکہ شغف ہو اس کی نقل و حرکت شریعت اور سنت محمدی ﷺ کے رنگ سے رنگین ہو اور خلق خدا کو اسی کی طرف متوجہ کرنے بلکہ وابستہ کرنے کا داعیہ و جذبہ ہو، تب کہیں جا کر عالم حقیقی واعظ بنتا ہے اور اسی کا وعظ صحیح معنوں میں وعظ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، اور چونکہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے اندر یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں اور یقیناً آپ نطق و تکلم کے ذریعہ وعظ فرماتے ہی رہتے ہیں آپ کا سکوت بھی طالبین کے لئے نفع بخش ثابت ہوتا ہے، اور اپنے قال سے تو نصیحت فرماتے ہی ہیں خود اپنے عمل اور حال سے زبردست ناصح ہیں اس لئے بلا اختیار یہ دلی تقاضہ ہے کہ میں وہ عبارت یہاں

نقل کر دوں جسے ایک مصری عالم سید علی محفوظ متوفی ۱۳۶۱ھ کی تعریف میں ان کے کسی معتقد نے تحریر فرمائی ہے، و ھو ھٰذا:

و لقد کان واعظا بسمتہ و ھیئتہ و وقارہ و وقفتہ و مشیتہ قبل ان یکون واعظا بقولہ و منطقہ.

فکان فی ذلک مصداقا لقول رسول اللہ ﷺ " خِیَارُکُمْ مَنْ تُذَکِّرُکُمْ بِاللّٰہِ رُؤیَتُہٗ وَ یَزِیْدُ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ وَ یُرَغِّبُکُمْ فِیْ الْآخِرَۃِ عَمَلُہٗ " .(رواہ الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما)

یعنی آپ قبل اس کے کہ اپنے نطق و تکلم سے وعظ فرمائیں، اپنی شکل صورت، ہیئت و وقار اور نقل و حرکت سے واعظ معلوم ہوتے تھے۔

یقیناً آپ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے عین مطابق اور پورے مصداق تھے۔

تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جن کی زیارت اللہ کو یاد دلائے اور اس کا کلام تمہارے علم میں زیادتی کا سبب ہو اور اس کا عمل آخرت کی طرف رغبت دلائے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے)

سبحان اللہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خیار امت کی کیسی شناخت بیان فرما دی، اولیاء اللہ کی یہی پہچان ہے جن کی عام طور پر اس زمانہ میں بھی تلاش جاری ہے، ظاہر ہے کہ کتاب و سنت ہی اس امر میں بھی معیار و میزان ہے، اسی کی روشنی میں ہر شئے کی حقیقت معلوم کرنی چاہئے۔ (وباللہ التوفیق)

اب اخیر میں جی چاہتا ہے کہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے معاصر حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعیؒ جو بہت بڑے عالم، مصلح اور ولی تھے، ان سے وعظ کی تعریف نقل کروں، وہ یہ ہے "وعظ نام ہے غفلت والوں کو راستہ بتلانے کا"

سبحان اللہ کتنی مختصر اور جامع تعریف فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور واعظین کو اسے لائحہ وعظ بنانے کی ضرورت ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روح البیان سے کچھ اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں جس سے آیات واحادیث سے مقاصد پر استدلال اور اس پیرانہ سالی میں ان کے استحضار کا اندازہ ہو۔

چنانچہ توحید پر کلام کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ:

دوستوں! کوئی بھی حال ہو توحید کو بڑی دولت سمجھنا چاہئے۔ انبیاء علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لئے آئے تھے، سب سے زیادہ کامل توحید ان ہی حضرات کی تھی ابتداء میں بھی توحید ہے اور انتہاء میں بھی، جس درجہ کی توحید انبیاء علیہم السلام کے اندر ہوتی ہے دوسرے کے اندر بھلا کیا ہوسکتی ہے وہ اپنے سارے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اپنے کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کو کارساز نہیں سمجھتے ہیں، سب سے پہلی چیز یہی توحید ہے پھر اعمال کا درجہ تو بعد میں ہے، جب تک توحید خالص نہ ہو کوئی عمل عند اللہ مقبول اور معتبر نہیں ہوتا، یوں تو مشرکین مکہ بھی اللہ

کے خالق و مالک ہونے کے قائل تھے مگر ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی معبود بنائے ہوئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، مگر جب کوئی وقت پڑتا تو مدد کے لئے وہ بھی اللہ کو پکارتے تھے۔ ﴿وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ جب ان کو موجیں گھیر لیتی تھیں تو خالص دل سے اللہ کو پکارتے تھے کہ اے اللہ! آپ ہی نجات دیجئے۔

دین کے جملہ شعبوں پر عمل کرنے کی طرف ترغیب دینے کے لئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ :

﴿۱﴾ ہمارے اندر یہ صفت ہونی چاہئے کہ عبادت بھی درست ہو، معاملات بھی درست ہوں، ہمارے اندر دیانت بھی ہو، صداقت بھی ہو، امانت بھی ہو، اخلاق بھی ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ہم پہلوان اس کو سمجھتے ہیں جو کشتی میں اپنے مقابل کو پچھاڑ دے، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، سب سے بڑا

پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہو، جب غصہ آئے تو اس کو پی جائے۔

آج جس قدر فتنہ و فساد برپا ہے سب اسی غصہ کی وجہ سے ہے، ایک بات اگر کوئی کہہ دے تو دیکھ لیجئے اس سے کتنا غصہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں کس قدر فساد پھیلتا ہے، کتنی دشمنی پیدا ہوتی ہے اور کتنے دل ٹوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰه يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اعلیٰ درجہ کے مسلمان ہیں وہ لوگ جو کہ غصہ کے ضبط کرنے اور لوگوں کی تقصیرات سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

ہائے اللہ! ہم کس سے کہیں اور کیسے کہیں پورا قرآن تعلیمات سے بھرا پڑا ہے، ذرا ہم دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا فرمارہے ہیں کہ جو لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں (یہ محسن ہیں) اللہ تعالی محسنین کو پسند فرماتے ہیں، بھائی سمجھ لیجئے کہ یہ غصہ بھی ایک طریقہ سے جہنم کی آگ ہے، مگر آج غصہ کا یہ عالم ہے کہ ذرا سی بات کسی کو برداشت نہیں حتیٰ کہ اگر کسی کے فائدے کے لئے بھی اس سے حق بات کہی جائے تو غصہ ہو جاتے ہیں، بالکل اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں اور اسی غصہ اور بداخلاقی کی آگ میں سارا عالم جل رہا ہے، ہم کو تو مسلمانوں کے اس حال پر رونا آتا ہے کہ ہائے اللہ مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے، آپس میں جتنے اختلافات ہوتے اور بڑھتے ہیں وہ سب اسی غیظ و غضب کے نتائج ہیں، مگر لوگ اس کو چھوڑنا ہی

نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کیا اللہ کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ بسم اللہ کے باء سے والناس کے سین تک جو کچھ ہے سب کو جاننا ضروری ہے، اگر اس کے اندر کسی ایک آیت کا انکار کرو گے تو مومن نہیں رہ جاؤ گے کیونکہ ایک آیت کا بھی انکار کفر ہے، خدا کی کتاب باء سے شروع ہوتی ہے اور سین پر ختم ہوتی ہے، دونوں کا مجموعہ ''بس'' ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بس خدا کی کتاب کافی ہے۔

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ اصل یہی ہے کہ آدمی کتاب و سنت کی پابندی کرے اور اسی کے مطابق اپنے کو بنائے، مسلمان کے معنی یہی ہیں، پورا مسلمان آدمی اسی وقت ہوگا جب سب آیات پر عمل کرے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ نہ آیات کی پروا، نہ سنت کا لحاظ، نہ حدیث کی رعایت، نہ تعلیمات نبوی پر عمل، آپ خود دیکھ لیجئے کہ بعض مسلمان ٹخنے سے نیچے پائجامہ اور تہ بند لٹکائے رہتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ''مَنْ اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ اِزَارُہٗ فَھُوَ فِی النَّارِ'' یعنی جس کا ازار ٹخنے سے نیچے لٹکا ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ ''مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ خُیَلَاءَ فَھُوَ فِی النَّارِ'' (او کما قال) جو اپنا پائجامہ اور تہ بند زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔ اسی بناء پر ٹخنے سے نیچے پائجامہ لٹکانے کو علماء نے حرام لکھا

ہے، لہذا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، جب ہم لوگ یہ مسائل بیان کرتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کیا اسی میں اسلام ہے؟ ان سے میں کہتا ہوں ہاں بھائی ہر چیز میں اسلام ہے، اخلاق میں، عادات میں، معاملات میں، عبادات میں، غرضیکہ ہر شعبۂ حیات میں اسلام کی تعلیمات موجود ہیں اور ان پر عمل کرنے کا مسلمان مکلّف ہے، اگر کسی شعبہ میں کوتاہی کرے گا تو اس کا اسلام ناقص رہ جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی عظمت و جلالت شان کو ان الفاظ میں بیان فرمارہے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنی طرف بلانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنے اپنے زمانہ میں تمام پیغمبروں نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور دین کی تبلیغ فرمائی اور اس میں انہوں نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، تکلیفیں جھیلیں، اخیر زمانہ میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھیجا اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوگیا، آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے تاقیامت آپ ہی کی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا۔

آگے قرآن پاک کی حرمت اور اس کے مجد و شرف کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمارہے ہیں:

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے توراۃ، انجیل، صحف ابراہیم و صحف موسیٰ اور زبورِ داؤد سب کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ کردیا ہے، اس لئے اب

اگر نجات و فلاح ہو گی تو اسی کتاب پر عمل کرنے اور اسی کا اتباع کرنے سے ہو گی، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ضلالت اور گمراہی کا طریقہ ہو گا ہدایت تو بس اسی میں منحصر ہے۔

قرآن کی عظمت کا ہم کو اندازہ ہی نہیں اور ہم کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس میں کتنا وزن ہے اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ جب حضور اقدس ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے سے اس کے آثار نمایاں ہوتے تھے، پیشانی مبارک سخت سردی کے باوجود پسینہ سے تر بتر ہو جاتی تھی، بسا اوقات آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہوتے اور اس وقت وحی نازل ہونے لگتی تو اونٹ اس وقت بیٹھ جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے تأثر کا تو پوچھنا ہی کیا، صحابہ کرامؓ پر آیات قرآنی کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ بعض وقت اس کی وجہ سے کئی کئی روز بیمار رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ گشت کو نکلے، اتفاقاً ایک مسلمان کے گھر کے پاس سے آپ کا گذر ہوا تو وہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے آپ کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سننے لگے، انہوں نے سورۂ طور پڑھی جب اس آیت پر پہنچے ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "قسم ہے طور کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور بیت المعمور کی اور اونچی چھت کی اور دریائے شور کی جو پُر ہے، کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا اور یہ اس روز واقع ہو گا جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا

اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے''

حضرت عمرؓ نے ان آیات کو سن کر فرمایا کہ قسم ہے پروردگار کعبہ کی یہ قسم حق ہے، پھر اپنی سواری سے اترے اور دیوار کے ساتھ تکیہ لگایا اور دیر تک ٹھرے رہے پھر اپنی جگہ کو لوٹ آئے اور گھر پہنچ کر ایک ماہ تک بیمار رہے، لوگ دور دور سے ان کی مزاج پرسی کو آتے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری کیا ہے، کسی کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا کیا حال ہے اور ان کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک قرآن پاک کی کیسی عظمت تھی، ہم بھی تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت سنتے ہیں مگر ہماری وہ کیفیت نہیں، آج ہم لوگ اپنے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عظمت ہمارے دلوں میں باقی نہیں اس لئے ہم محروم ہیں اور جو لوگ تھوڑی بہت تلاوت کرتے بھی ہیں تو اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں، اللہ کی یہ وہی مقدس اور مبارک کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنے محبوب ﷺ پر نازل فرمایا، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی اگر اس قرآن کریم کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا لیکن ہم پر

جو اللہ کے کلام کا اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں اور ان پر ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ بڑی سے بڑی اثر کرنے والی چیز بھی اس میں کچھ اثر نہیں کرتی۔ (روح ا۔ ص ۱۰ تا ۱۲)

اب روح البیان حصہ دوم سے دنیا کی حیثیت و حقیقت ملاحظہ ہو۔

بھائی دنیا کی یہ زندگی چند روزہ ہے اور یہاں کی بہار بھی چند روزہ ہے، یہ سب فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔

یہ مضامین اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمائے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو، اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو، صحبت اہل اللہ کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ سنئے، اہل اللہ کی صحبت سے انسان کے دل بدل جاتے ہیں خوف و خشیت پیدا ہوتی ہے اور ان کی پاک صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی صحبت بھی بہت ضروری چیز ہے اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے لہذا جیسے ہم اپنے کاروبار کے لئے، تجارت و ملازمت کے لئے سفر کرتے ہیں اسی طرح سال میں دو ہی چار روز کے لئے سہی وقت نکال کر کسی اللہ والے کی خدمت میں جائیں، ان کی پاک صحبت میں بیٹھیں، ان کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کریں، علم کی بھی اصل غرض و غایت خوف و خشیت ہی

ہے اور یہ ایک کیفیت ہے جس سے اہل اللہ متصف ہوتے ہیں اس لئے جو شخص ان حضرات کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ان کی کیفیات سے متکیف ہو جائے گا اور راستہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مبلغ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے جہاں جاتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں، اس کی ذاتی کوئی غرض نہیں وہ محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے بولتا ہے امت کو دین کی طرف بلاتا ہے امت کو اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی طرف بلاتا ہے، اور امت کو اللہ و رسول ﷺ کی مرضی کی طرف دعوت دیتا ہے، اس کا مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

آپ فرما دیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے) بالیقین میری نماز اور ساری عبادات اور میرا مرنا جینا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا۔

پس ہمارا بھی یہی حال ہونا چاہئے کہ ہماری صورت، ہماری سیرت، ہمارا لباس، ہمارا کردار، رفتار و گفتار اور معاملات، شادی بیاہ، لینا دینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ساری چیزیں شریعت اور سنت کے مطابق ہونا چاہئے یقیناً اس سے بڑی دولت کوئی نہیں اللہ جسے نصیب فرماوے وہی کامیاب ہے،

﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾

سب سے بڑی کامیابی یہی ہے ورنہ قیامت میں پچھتانہ پڑے گا، پھر کچھ بات بنائے نہ بنے گی۔

آپ حضرات کو ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ مضامین کس قدر مفید و مؤثر ہیں مگر یہ "مشتے نمونہ از خروارے" ہیں، مناسب ہے کہ پورے مواعظ کا بشوق وذوق مطالعہ کریں، انشاء اللہ ضرور ان کلمات طیبات کا قلب پر اثر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طلب دل میں موجزن ہوگی، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سلوک کے لئے مستعد و کمربستہ کردے گی۔

عزیزی مولانا عمار احمد صاحب سلمہ نے ان مضامین نافعہ کو باحسن وجوہ نہایت سلیقہ سے مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کی تصحیح و تحسین میں غایت درجہ اہتمام کیا اس کی وجہ سے وہ یقیناً قابل تہنیت ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید صلاح و صلاحیت سے نوازے، آمین۔

اس حقیر نے بھی ان مواعظ عالیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اپنی فہم کے مطابق جابجا ترمیمات بھی کیں اور عزیز موصوف نے اس کو قبول بھی کیا، اس طرح اس حقیر ناکارہ کی بھی شرکت اس کار عظیم میں ہوگئی جسے محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے برکات سے ہم کو مالا مال فرمائے، آمین۔

اب بصد ادب خاص طور سے حضرت والا کے متعلقین سے گذارش ہے

کہ حضرت والا کے ان مواعظ نیز دیگر تصنیفات کی طرف خاص توجہ و اعتناء کریں، اپنے گھروں میں بال بچوں کو پڑھ کر سنائیں نیز مساجد اور محلوں میں سنانے کا اہتمام کریں، انشاء اللہ تعالیٰ اس سے حضرت والا کے فیض و برکت کا سلسلہ عام و تام ہو گا، وما ذلك على الله بعزيز. اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے، آمین یارب العالمین بحرمة سیدنا النبی الکریم صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین.

محمد قمر الزمان الٰہ آبادی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ بیت المعارف

بخشی بازار ۳۱۳ الٰہ آباد

۵ / صفر ۱۴۰۸ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

حمد

از : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا

حمد تیری اے خدائے لم یزل
ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل

تو ہی خالق ہے تو ہی خلاق ہے
تو ہی رب انفس و آفاق ہے

تیری قدرت کی نہیں کچھ انتہا
شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا

یا علیم یا سمیع یا بصیر
تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا روح کی میری شفا

یہ زمین و آسمان، شمس و قمر
دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر

تو ہی مالک تو ہی رب العالمین
تیرے در پر جھکتی ہے سب کی جبیں

شان تیری کون سمجھے گا بھلا
ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا

تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا
جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا

کید سے شیطان کے یا رب چھڑا
اور شرورِ نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی ! مجھ کو اپنا بنا
کر لے مقبول، احمدؔ کی دعا

☆...... **ف**: غور فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ اس کا ہر شعر باری تعالیٰ کی معرفت کا دفتر اور ہر ہر بیت، اللہ رب العزت کے علم و حکمت کا خزینہ ہے اور آخر میں جو دعا فرمائی تو بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ وہ دعاؤں کا مغز و خلاصہ ہے، اور اس حمد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسماء حسنیٰ کثرت سے مذکور ہیں جو اس کے شرف و فضل کے لئے کافی ہے، فللہ الحمد والمنۃ

فیضان محبت

مؤلفہ

حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم

حمد باری تعالیٰ

حمد تیری اے خدائے لم یزل　　ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
تو ہی خالق ہے تو ہی خلاق ہے　　تو ہی رب الفس و آفاق ہے
تیری نعمت کی نہیں کچھ انتہا　　شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا
یا علیم، یا سمیع، یا بصیر　　تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا　　ذکر تیرا روح کی میری شفا
یہ زمین و آسماں، شمس و قمر　　دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر
تو ہی مالک تو ہی رب العالمیں　　تیرے در پر جھکتی ہے جس کی جبیں
شان تیری کون سمجھے گا بھلا　　ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا
تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا　　جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا
کید سے شیطان کے یا رب چھڑا　　اور شرور نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی ! مجھ کو اب اپنا بنا !
کر لے تو مقبول، احمد کی دعا

نعت

از : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

دوستو! زندگی کا پیام آگیا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا
دوستو ! زندگی کا پیام آگیا

آگیا ، انبیاء کا امام آگیا
لے کے فیضانِ دار السلام آگیا

تیرے در پر جو خیر الانام آگیا
اس کے ہاتھوں میں عرفاں کا جام آگیا

ساز و سامانِ عیش دوام آگیا
یعنی حکم سجود و قیام آگیا

اللہ اللہ ہوئی دل کی دنیا حسین
جب مقدر سے حُسنِ تمام آگیا

پاگیا پاگیا حاصلِ زندگی
در پہ آقا کے جس دم غلام آگیا

دور ظلمت ہوئی، دل منور ہوا
جب مدینہ میں ماہ تمام آگیا

ان کی مرضی نظر آئی رشک جناں
عشق میں ایک ایسا مقام آگیا

لائے تشریف جب سید المرسلین
خُلد دنیا بنی وہ نظام آگیا

ظلم رخصت ہوا عدل قائم ہوا
عشق کے ہاتھ میں انتظام آگیا

تیرے ابر کرم سے شہہ انبیاء
ہو کے سیراب ہر تشنہ کام آگیا

فیض ساقیٔ کونین صل علیٰ
جو بھی چاہے پیئے اذنِ عام آگیا

تیری برکت سے اے سید انس و جاں
صبح روشن ہوئی کیف شام آگیا

آپ کی مدح انسان کیا کر سکے
عرش سے جب درود و سلام آگیا

قلب شاداں ہوا روح رقصاں ہوئی
لب پہ احمد کا شیریں کلام آگیا

نعت شریف

محدث دوراں حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم

وہ جہاں کا رمز وجود ہے، وہ مدار کارنظام ہے
وہ خدا کی شان جمال کا، بخدا کہ مظہر تام ہے
کرو یاد معرکہ بدر کا، پڑھو فتح مکہ کا واقعہ
وہ خدا کا قہر و جلال تھا یہ نبی کی رحمت عام ہے
سبھی انبیاء کرام کا ،ہے مقام سب سے بلند تر
وہ ہلال چرخ کمال تھے،مرا شاہ بدر تمام ہے
جو غذائے روح وسکون دل ہے انہیں کی پاک حدیث ہے
جو مریض دل کے لئے شفا ہے انہیں کا کلام پاک ہے
جو مجھے ملا وہ ملا انہیں کی نگاہ لطف و کرم سے ہے
قلم و زبان حبیبؔ کیا ہے انہیں کا فیض دوام ہے

روح البیان

از محترم کامل صاحب الہ آبادی

کتنا اچھا کتنا پیارا نام ہے روح البیاں
واقعی اللہ کا انعام ہے روح البیاں

دوستو توحید کا اک جام ہے روح البیاں
حق تعالیٰ کا یہ پیغام ہے روح البیاں

روحِ مضطر کی غذا، دل کی ضیا ہے روح البیاں
اور مریض معصیت کی ہے دوا روح البیاں

نور وحدت، مشعل راہِ ہدیٰ روح البیاں
دوستو ہے حق تعالیٰ کی رضا روح البیاں

علم و حکمت کا کھلا باب ہے روح البیاں
آخرت کا گلشنِ شاداب ہے روح البیاں

اور دل مومن کی آب و تاب ہے روح البیاں
درحقیقت تحفہ نایاب ہے روح البیاں

اک شکستہ قلب کی آواز ہے روح البیاں
منبع سوز و یقیں دل ساز ہے روح البیاں

عاشقی کا دوستو اک راز ہے روح البیاں
سچ اگر پوچھو تو اک اعجاز ہے روح البیاں

کیف و مستی وجد سے بھرپور ہے روح البیاں
اور خدا کے نور سے معمور ہے روح البیاں

آنکھ والوں کے لئے اک طور ہے روح البیاں
قلب مومن کے لئے اک نور ہے روح البیاں

دوستو اک خواب کی تعبیر ہے روح البیاں
دوستو قرآن کی تفسیر ہے روح البیاں

دوستو اسلام کی توقیر ہے روح البیاں
دوستو ایمان کی تنویر ہے روح البیاں

روح کا اک نغمہ تحسین ہے روح البیاں
اور دل مغموم کی تسکین ہے روح البیاں

دوستو اسلام کا آئین ہے روح البیاں
سچ تو یہ ہے اک متاع دین ہے روح البیاں

مومنوں کے واسطے اکسیر ہے روح البیاں
شرک وبدعت کے لئے شمشیر ہے روح البیاں

مرشد کامل کی یہ تقریر ہے روح البیاں
دلکش و پرکیف و پرتاثیر ہے روح البیاں

آخرت کی تجارت

اقتباس

یادرکھو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جانی ومالی قربانی پیش کروگے تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائیں گے، کھاؤ پیو، تجارت کرو، کاروبار کرو، مگر سب میں اس بات کا لحاظ رکھو کہ شریعت کے مطابق چلو، کوئی قدم ہمارا خلاف شرع نہ اٹھے اسی کے اندر فلاح ہے، ورنہ گناہ اور نافرمانی کا انجام خسارہ ہی خسارہ ہے ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان الٰہ آباد میں محترم جناب حبیب احمد صاحب کے مکان پر ہوا، جس میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس کی تیاری کی ترغیب دلائی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا.

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے؟ وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ

تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

ہماری غفلت کی انتہا آج کل ہم لوگوں کی عجیب حالت ہو گئی ہے ہم نے اپنے اسلاف کی اور صحابۂ کرامؓ کی سیرت کو بالکل بھلا دیا ہے اور ہم اس قدر غافل ہو گئے ہیں کہ ہم میں ان کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، نہ ہمارے اندر وہ ایمانی جذبہ ہے، نہ ہمارے ایمان میں وہ قوت ہے، نہ اللہ و رسولؐ کی وہ محبت و عظمت ہے جو صحابۂ کرامؓ میں تھی، ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قلوب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور سرکار دوعالم ﷺ کی محبت سے خالی ہیں، اسی طرح ہمارے اندر نہ آخرت کا یقین ہے نہ اللہ کے کلام کی عظمت ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک کی اور نہ آپ کے ارشادات کی اہمیت ہے، پھر اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ ظاہر ہے۔

دل زندہ اور دل مردہ کی مثال ابھی آپ نے بیان شروع ہونے سے پہلے جو نعت سنی وہ اسی حقیر کی ہے. اگر آپ کے سامنے اسی کی شرح بیان کروں تو کچھ حقیقت معلوم ہو اور یہ بات واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ دنیا

میں کس لئے تشریف لائے تھے اور آپ ﷺ کی بعثت کا کیا مقصد تھا؟ ابھی آپ نے سنا ہے کہ۔

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا دوستو! زندگی کا پیام آگیا

یعنی لوگوں کے قلوب مردہ ہو چکے تھے، حضور ﷺ کی تشریف آوری سے اور آپ ﷺ کی پاک صحبت سے، اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس سے مُردہ دل زندہ ہو گئے، آپ کو معلوم ہے کہ دل کی موت اور اس کی حیات کیا چیز ہے؟ اللہ کی یاد سے جو غافل ہے، اللہ کے ذکر سے جو خالی ہے وہ دل مُردہ ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث آئی ہے "عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ ﷺ مثل الذی یذکر ربہ والذی لایذکرمثل الحی والمیت" متفق علیہ (مشکوٰۃ، باب ذکر اللہ ج ا ر ص ۹۶)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ "مثال اس آدمی کی جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کو یاد کرتا ہے اور اس آدمی کی جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا بلکہ بھولا ہوا ہے زندہ اور مردہ کی سی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا نام رٹنے والا زندہ ہے اور اس کا دل زندہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بھول جانے والا، اس کی بندگی سے جی چرانے والا، اس کی یاد سے غافل رہنے والا مُردہ ہے، اس کا دل بھی مُردہ ہے۔

حقیقت میں دنیا کی زندگی فانی اور مٹ جانے والی ہے اور دنیا کی بہار چند روزہ ہے جس پر ہم قربان ہو رہے ہیں، اللہ کے بندو! اس دنیا سے دل مت لگاؤ اور آخرت کی طرف قدم بڑھاؤ، آخرت باقی رہنے والی ہے وہاں کی راحت جاودانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنی طرف بلانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنے اپنے زمانہ میں تمام پیغمبروں نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور دین کی تبلیغ فرمائی اور اس میں انہوں نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، تکلیفیں جھیلیں، اخیر زمانہ میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھیجا اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا، آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے تا قیامت اب آپ ہی کی تعلیمات پر عمل کرنا ہو گا۔

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، توراۃ وانجیل، صحف ابراہیم وصحف موسیٰ اور زبور داود سب کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا ہے، اس لئے اب اگر نجات وفلاح ہو گی تو اسی کتاب پر عمل کرنے اور اسی کا اتباع کرنے سے ہو گی، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ضلالت اور گمراہی کا طریقہ ہو گا، ہدایت تو بس اسی میں منحصر ہے۔

قرآن کی عظمت کا ہم کو اندازہ ہی نہیں اور ہم کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس میں کتنا وزن ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب حضور اقدس ﷺ پر وحی

نازل ہوتی تھی تو آپؐ کے چہرے سے اس کے آثار نمایاں ہوتے تھے، پیشانی مبارک سخت سردی کے باوجود پسینہ سے تربتر ہو جاتی تھی، بسا اوقات آپ اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور اس وقت وحی نازل ہونے لگتی تو اونٹ اس کے بوجھ سے بیٹھ جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے تاثر کا تو پوچھنا ہی کیا، صحابۂ کرام پر آیات قرآنی کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ بعض وقت اس کی وجہ سے کئی کئی روز بیمار رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت کو نکلے، اتفاقاً ایک مسلمان کے گھر کے پاس سے آپ کا گذر ہوا تو وہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے، آپ کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سننے لگے، انہوں نے سورۂ طور پڑھی، جب اس آیت پر پہنچے ﴿اِنَّ عذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ○ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ○ يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْراً ○ وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْراً﴾ یعنی بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا، اور یہ اس روز واقع ہو گا جس روز آسمان تھر تھرانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو سن کر فرمایا کہ قسم ہے پروردگار کعبہ کی یہ قسم حق ہے پھر اپنی سواری سے اترے اور دیوار کے ساتھ تکیہ لگایا اور دیر تک ٹھہرے رہے، پھر اپنی جگہ لوٹ آئے اور گھر پہنچ کر ایک ماہ تک بیمار رہے، لوگ دور دور سے ان کی مزاج پرسی کو آتے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری کیا ہے کسی کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا کیا حال ہے اور ان کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک قرآن پاک کی کیسی عظمت تھی، ہم بھی تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت سنتے ہیں مگر ہماری وہ کیفیت نہیں، آج ہم لوگ اپنے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عظمت ہمارے دلوں میں باقی نہیں اس لئے ہم محروم ہیں اور جو لوگ تھوڑی بہت تلاوت کرتے بھی ہیں تو اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں، اللہ کی یہ وہی مقدس اور مبارک کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنے محبوب ﷺ پر نازل فرمایا ہے، اس کتاب کی عظمت کا کیا پوچھنا! ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا لیکن ہم پر جو اللہ کے کلام کا اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے قلوب سخت ہو گئے ہیں اور ان پر ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ بڑی سے بڑی اثر کرنے والی چیز بھی اس میں کچھ اثر نہیں کرتی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا اور گناہ کرتا ہی رہتا ہے تو وہی سیاہی بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور یہی تاریکی دل کا زنگ ہے، نیز معلوم ہوا کہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے قلب کی سیاہی بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، ہمارے قلوب تاریک ہو چکے ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر اللہ والوں کو قلب کی تاریکی کا بھی احساس ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو بھی اللہ والے محسوس فرماتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس جاتے اور ہمارے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا تو ہم کو بھی قلب کی تاریکی اور اس کا نور محسوس ہونے لگتا، تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کی تبلیغ و دعوت کے لئے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کو پہنچانے کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مصیبتیں پہنچائی گئیں اور اس کو انہوں نے برداشت کیا، ہم تو اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہمارے اندر وہ استقامت نہیں جو صحابہؓ کے اندر تھی، انہوں نے جب اللہ کا نام لیا اور اللہ پر ایمان لائے تو ان کی کیفیت کچھ اور ہو گئی تھی، وہ جبلِ استقامت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر

اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے پروردگار ہونے کا اقرار کرلیا اور اسی پر استقامت اختیار کرلی اور مرتے دم تک اس اقرار سے ہٹے نہیں، بلائیں آئیں تو، بیماریاں آئیں تو، فقر و فاقہ ہوا تو، خوشحالی ہوئی تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اللہ کے در کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں اور اس کی بندگی و فرمانبرداری سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے مرتے وقت فرشتے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ﴿ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یعنی تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ خوشخبری موت کے وقت بھی سنائی جاتی ہے، قبر میں بھی سنائی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی سنائی جائے گی، اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت ہی گویا اس طرح مطمئن کردیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا، لہٰذا اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور یہی تاریکی دل کا زنگ ہے، نیز معلوم ہوا کہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے قلب کی سیاہی بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، ہمارے قلوب تاریک ہو چکے ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر اللہ والوں کو قلب کی تاریکی کا بھی احساس ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو بھی اللہ والے محسوس فرماتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس جاتے اور ہمارے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا تو ہم کو بھی قلب کی تاریکی اور اس کا نور محسوس ہونے لگتا، تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کی تبلیغ و دعوت کے لئے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کو پہنچانے کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہؓ کرامؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مصیبتیں پہنچائی گئیں اور اس کو انہوں نے برداشت کیا، ہم تو اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہمارے اندر وہ استقامت نہیں جو صحابہؓ کے اندر تھی، انہوں نے جب اللہ کا نام لیا اور اللہ پر ایمان لائے تو ان کی کیفیت کچھ اور ہو گئی تھی، وہ جبلِ استقامت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر

اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے پروردگار ہونے کا اقرار کرلیا اور اسی پر استقامت اختیار کرلی اور مرتے دم تک اس اقرار سے ہٹے نہیں، بلائیں آئیں تو، بیماریاں آئیں تو، فقر و فاقہ ہوا تو، خوشحالی ہوئی تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اللہ کے در کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں اور اس کی بندگی و فرمانبرداری سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے مرتے وقت فرشتے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ﴿ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یعنی تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ خوشخبری موت کے وقت بھی سنائی جاتی ہے، قبر میں بھی سنائی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی سنائی جائے گی، اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت ہی گویا اس طرح مطمئن کردیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا، لہٰذا اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور یہی تاریکی دل کا زنگ ہے، نیز معلوم ہوا کہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے قلب کی سیاہی بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، ہمارے قلوب تاریک ہو چکے ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر اللہ والوں کو قلب کی تاریکی کا بھی احساس ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو بھی اللہ والے محسوس فرماتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس جاتے اور ہمارے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا تو ہم کو بھی قلب کی تاریکی اور اس کا نور محسوس ہونے لگتا، تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کی تبلیغ و دعوت کے لئے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کو پہنچانے کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مصیبتیں پہنچائی گئیں اور اس کو انہوں نے برداشت کیا، ہم تو اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہمارے اندر وہ استقامت نہیں جو صحابہؓ کے اندر تھی، انہوں نے جب اللہ کا نام لیا اور اللہ پر ایمان لائے تو ان کی کیفیت کچھ اور ہو گئی تھی، وہ جبلِ استقامت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر

اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے پروردگار ہونے کا اقرار کرلیا اور اسی پر استقامت اختیار کرلی اور مرتے دم تک اس اقرار سے ہٹے نہیں، بلائیں آئیں تو، بیماریاں آئیں تو، فقر و فاقہ ہوا تو، خوشحالی ہوئی تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اللہ کے در کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں اور اس کی بندگی و فرمانبرداری سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے مرتے وقت فرشتے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ﴿ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یعنی تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ خوشخبری موت کے وقت بھی سنائی جاتی ہے، قبر میں بھی سنائی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی سنائی جائے گی، اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت ہی گویا اس طرح مطمئن کردیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا، لہٰذا اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ

جنت کی بشارت حاصل کرو، پس معلوم ہوا کہ یہ بشارت انہیں کے لئے ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، مگر ہمارا یہ حال ہے کہ آج ہمارے اندر نہ جنت کا یقین ہے نہ جہنم کا یقین، ہمارے قلوب میں اللہ کا خوف باقی نہیں رہا، صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر وہ لرز جاتے تھے اور تلاوت کے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، فاروق اعظمؓ اور صدیق اکبرؓ کا یہ حال تھا کہ جب تلاوت کرتے تو آنسوؤں کا تار لگ جاتا تھا اور خود حضور اقدس ﷺ کے خوف کا یہ عالم تھا کہ آپ اتنی عبادت کرتے تھے جس سے پائے مبارک ورم کر آتے تھے، جب آپ سے کہا جاتا کہ آپ تو اللہ کے محبوب ہیں، آپ گناہوں سے معصوم ہیں پھر آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں تو فرماتے " اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْداً شَکُوْراً " کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس قدر شکر ادا کرتے تھے، اور ہم لوگ اللہ کی بے شمار نعمتیں کھاتے پیتے اور استعمال کرتے ہیں پھر بھی شکر نہیں ادا کرتے بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بڑی عنایت اور محبت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ماں باپ کو جتنی محبت اپنے اکلوتے بیٹے سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اس سے ننانوے گنا زیادہ محبت ہے ان کی صفت رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ہے، اپنے بندوں پر وہ بہت زیادہ مہربان ہیں، ان کی نعمتیں بے شمار ہیں اگر ہم ان کا

شمار کرنا چاہیں تو کر نہیں سکتے، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو اس کا احصاء نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو ہم استعمال کرتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر بھی نافرمانی کرتے ہیں کس قدر تعجب کی بات ہے۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کو جو تباہ کیا اور ان پر عذاب آیا وہ اسی وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے واقعات کا بار بار ذکر فرمایا ہے مگر ہم لوگ توجہ سے نہیں سنتے اور ایسے غافل ہیں کہ ان واقعات سے عبرت نہیں حاصل کرتے، سنئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴾ غرض کتنی بستیاں ہیں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی حالت یہ تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو اب یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت قلعی چونے کے محل جو اب شکستہ ہو گئے ہیں یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے۔

کسی پر پانی کا عذاب آیا، کسی کو زمین میں دھنسایا گیا، کسی پر چنگھاڑ آئی، کسی کو مسخ کر دیا گیا، آدمی سے بندر اور سور بنا دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴾ اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے شرع

سے تجاوز کیا تھا در بارہ اس حکم کے جو یوم ہفتہ کے متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں سو ہم نے ان کو (اپنے حکم قہری تکوینی سے مسخ کرنے کے لئے) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ (چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری امت میں مسخ نہ ہو اور ایسا عام عذاب نہ آئے جس سے امت کا استیصال ہو جائے اور پوری امت ہی ہلاک ہو جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا دربارِ خداوندی میں مقبول ہو گئی ورنہ آج ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جس طرح نافرمانی کر رہے ہیں اس کی وجہ سے ہم لوگ بھی بندر بنا دیئے جاتے، زمین میں دھنسا دیئے جاتے، کون سا گناہ ہے جو آج ہم لوگ نہیں کر رہے، مگر یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں لطف و کرم سے نواز رہے ہیں، اس نعمت کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

انبیاء علیہم السلام جو احکام اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے وہ دو طرح کے ہیں، ایک منکر سے متعلق ہے اور ایک معروف سے، ہر نبی نے نیک کام کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع فرمایا، اگر مسلمان اپنی زندگی کو درست کرے اور معروف پر عمل کرے، منکرات سے بچنے لگ جائے تو آج امت میں بہار آسکتی ہے، اسی کو اس آیت میں بیان فرما رہے ہیں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ یعنی اے ایمان والو! کیا میں تم کو

ایسی سوداگری نہ بتلادوں جو ایک عذاب دردناک سے تم کو بچالے؟ (یعنی جہنم کے عذاب سے اور اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے تم کو نجات دے)۔

بھائی سنو! دنیا کی سوداگری اور تجارت کو لوگ تھوڑے سے نفع کے لئے کرتے ہیں، یہ نفع بھی فانی اور دنیا بھی فانی ہے، یہاں کا نفع بھی محدود اور نقصان بھی محدود، دنیا کا فائدہ بھی چند روزہ ہے اور نقصان بھی چند روزہ ہے، اللہ تعالیٰ تو وہ تجارت سکھلا رہے ہیں جس کا نفع بھی غیر محدود اور باقی رہنے والا ہے اور نقصان بھی، وہ سوداگری دردناک عذاب سے بچانے والی، جہنم کے شعلوں سے حفاظت کرنے والی کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o﴾ یعنی تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

الحاصل وہ سوداگری اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا اور اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں قربان کرنا ہے، ایمان ہی کی دعوت دینے کے لئے انبیاء

کو دنیا میں بھیجا گیا، حضور اقدس ﷺ مکہ کی گلیوں میں یہی دعوت دیتے رہے "یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ تُفْلِحُوْا" یعنی اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کا اقرار کرو اور توحید پر ثابت قدم رہو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ان سب چیزوں پر ایمان لاؤ، اس میں اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا، اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا، اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا، حساب و کتاب پر ایمان لانا، جنت و دوزخ پر ایمان لانا غرضیکہ آخرت سے متعلق سب چیزوں پر ایمان لانا اس میں شامل ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے ہمیں سیکھنا ہے کہ ایمان لانے سے پہلے ان کا کیا حال تھا اور ایمان لانے کے بعد ان کی کیا کیفیت ہوئی، ان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں، انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، بدن میں کانٹے چبھوئے جاتے تھے، سینے پر گرم پتھر رکھے جاتے تھے، آگ میں جلائے جاتے تھے، سولی پر لٹکائے جاتے تھے، نیزوں سے زخمی کئے جاتے تھے، خاردار لکڑیوں سے مارے جاتے تھے، مگر چونکہ انہوں نے دل سے اللہ کا اقرار کیا تھا اور دل سے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی تھی، ان کے دل میں قیامت کا اور عذاب و ثواب کا یقین آگیا تھا، اس لئے انہوں نے سب کچھ برداشت کرلیا، یقین ہی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے سب تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا مؤمن کے لئے سہل ہو جاتا ہے، اس کو اللہ اور رسولؐ کے وعدوں پر ایسا

یقین ہوتا ہے کہ گویا سب چیزیں اس کے سامنے ہوتی ہیں، اللہ اور رسول ؐ پر ایمان لانے والوں کے لئے آزمائش کا ہونا ضروری ہے، کیا آپ نے نہیں سنا ابھی عشا کی نماز میں مولوی صاحب نے اس آیت کی تلاوت کی تھی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ یعنی کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی اور ان کو پرکھا نہ جائے گا۔

ایسا نہ ہوگا بلکہ ایمان لانے کے بعد آزمائش بھی ہوگی اور کھرا کھوٹا دیکھا جائے گا، کیونکہ انہوں نے بڑی چیز کا اقرار کیا ہے، کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ پڑھا ہے تو اس میں ان کا صدق دیکھا جائے گا، ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اس آزمائش کی تفصیل ذکر فرماتے ہیں ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ﴾ اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور جان و مال اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ان سب لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے

پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی، اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی۔

یوں تو منافقین بھی لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہتے تھے مگر اس میں جھوٹے تھے اس لئے ان کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تکذیب کردی گئی، چنانچہ سورۂ منافقون کے شروع میں فرماتے ہیں ﴿ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ﴾ (پ۲۸) یعنی جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں کہ بیشک یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب اس لئے فرمائی کہ وہ فقط زبان سے لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہتے تھے، ایمان کا کلمہ پڑھتے تھے مگر ان کے دل میں کچھ نہیں تھا، اور جن لوگوں نے اس کلمہ کو دل سے مان لیا کہ بیشک یہ حق ہے تو پھر وہ اس پر مرتے دم تک اٹل رہے اور ثابت قدم رہے، چاہے کچھ بھی ہو مال گیا تو پروا نہیں، جان گئی تو پروا نہیں، عزت و آبرو گئی تو پروا نہیں، فقر و فاقہ ہوا تو پروا نہیں، اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد مصیبتیں آئیں گی اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، فقر و فاقہ بھی ہوگا، ان سب کے لئے وہ پہلے سے تیار تھے اس لئے ہر حال میں ڈٹے رہے، اور آج ہم ہیں کہ ذرا سی مصیبت آجائے تو سب

ایمان ختم ہو جاتا ہے، شرک تک کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے در کو چھوڑ دیتے ہیں، ہم کو چاہئے کہ صحابہؓ کو دیکھیں اور ان کے حالات سے سبق لیں۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اقرار کیا لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اور اس کی شہادت دی کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں، وہی ہمارا خالق اور مالک ہے اور وہ ایک اور واحد ہے، سمیع اور بصیر ہے، اس کی سب صفات قدیم اور غیر متناہی ہیں اور محمد ﷺ اللہ کے خاص بندے اور اس کے رسول ہیں، گویا اس کلمہ کی حقیقت کو انہوں نے پالیا تھا، پھر کیا ہوا؟ انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، سینے پر پتھر رکھے جاتے تھے، بدن میں کانٹے چبھوئے جاتے تھے، شدت کی دھوپ میں کانٹوں پر گھسیٹے جاتے، حتیٰ کہ زبان باہر نکل پڑتی اور ایک دو دن نہیں مدتوں یہ معاملہ ان کے ساتھ ہوتا رہا، مگر شدید سے شدید تکلیف کی حالت میں بھی جب ان سے کہا جاتا کہ اے بلال! اب بھی تم کلمہ پڑھو گے؟ تو جواب دیتے کہ بیشک میں تصدیق کرتا ہوں اللہ کے رب ہونے کی اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی، اور اس حال میں بھی راضی ہوں۔

یہ تھے کلمہ پڑھنے والے اور اللہ کی محبت میں مر مٹنے والے، ہم لوگ بھی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر محبت کا اصلی رنگ اور عشق کی حقیقی کیفیت اور رضا و تسلیم کا واقعی حال دیکھنا ہو تو صحابہؓ کو دیکھو، جب انہوں نے عشق و محبت کا ایسا نمونہ پیش کیا تب اللہ کی رحمت نازل ہوئی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو اور ان کی آزمائش اور استقامت کو اور ان کے عشق و محبت کی کیفیت کو مولانا

روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں عجیب وغریب انداز سے نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس کا کچھ حصہ پیش کرتا ہوں، فرماتے ہیں ؎

تن فدائے خار می کرد آں بلال خواجہ اش می زد برائے گوشمال
کہ چرا یادِ محمد میکنی بندۂ بد، منکر دین منی
می زد اندر آفتابش او بخار او احد می گفت بہر افتخار

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے تن کو فدائے خار کرتے تھے اور ان کا مالک ان کو سزا دینے کے لئے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ تو کس سبب سے محمد ﷺ کا ذکر کرتا ہے، تو برا غلام اور میرے دین کا منکر ہے، (ان کا مالک امیہ ابن خلف راس الاشقیا تھا) وہ دھوپ میں کھڑا کر کے ان کو خار دار لکڑی سے مارتا تھا اور وہ افتخار دینی حاصل کرنے کے لئے احد احد کہتے تھے ؎

تاکہ صدیق آں طرف بگذشت تفت آں احد گفتن بگوش او برفت
چشمِ او پُر آب شد دل پُر عنا زاں احد می یافت بوئے آشنا
بعد ازاں خلوت بدیدش پند داد کز جہوداں خفیہ می دار اعتقاد
عالم السّر است پنہاں دار کام گفت کردم تو بہ پیشت اے ہمام

یہاں تک کہ ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف کو اتفاقاً گذرے اور احد احد کہنے کی وہ صدا ان کے کان میں پہنچی جس سے ان کی آنکھ پُر نم ہو گئی اور دل پُر غم ہو گیا، اس لئے کہ اس احد احد کہنے سے آشنا کی خوشبو آتی تھی (یعنی محبوب حقیقی کی طرف کشش ہوتی تھی) پھر ان کو خلوت میں کہیں دیکھا،

تو نصیحت کی کہ ان کافروں سے اپنے اعتقاد کو مخفی رکھو کیونکہ خدائے تعالیٰ تو پوشیدہ بات کے بھی جاننے والے ہیں، لہٰذا اپنا مقصود ان موذی دشمنوں سے پوشیدہ رکھو کہ جس سے معاملہ ہے اس کو تو خبر ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ بہت اچھا اے بزرگوار، میں نے آپ کے سامنے توبہ کرلیا، یعنی اظہار اعتقاد کو ترک کردیا، آگے فرماتے ہیں ۔

روزِ دیگر از پگہ صدیق تفت ۔۔۔ آں طرف از بہر کارے می رفت
باز احد بشنید وضربِ زخمِ خار ۔۔۔ برفروزید از دلش شور وشرار
باز پندش داد باز او توبہ کرد ۔۔۔ عشق آمد توبۂ اورا بخورد

کسی اور دن صبح کے وقت حضرت صدیقؓ سرعت کے ساتھ اس طرف کسی کام کے لئے جارہے تھے تو پھر انہوں نے احد احد کی آواز کو سنا اور خاردار لکڑیوں سے مارنے کی آواز کو بھی، تو حضرت صدیقؓ کے دل میں اس سے بہت غصہ پیدا ہوا مگر پھر ان کو وہی نصیحت کی اور انہوں نے پھر اظہار ایمان سے توبہ کرلی مگر عشق ایسا غالب آیا کہ ان کی توبہ کو کھا گیا، غرض اسی طرح بہت دفعہ واقع ہوا، بالآخر انہوں نے اپنے ایمان کو اور زیادہ ظاہر کردیا اور اپنے تن کو بلاو مشقت میں اور زیادہ حوالہ کردیا اور بزبان حال یہ کہتے تھے ۔

اے تنِ من اے رگِ من پُر زتو ۔۔۔ توبہ را گنجا کجا باشد درو
توبہ راز یں پس زدل بیروں کنم ۔۔۔ از حیات خلد توبہ چوں کنم
عشق قہار است ومن مقہور عشق ۔۔۔ چوں قمر روشن شدم از نور عشق

اس میں حضور ﷺ کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محمد ﷺ ! میرا جسم اور میری رگ رگ آپ کے عشق و محبت سے پُر ہے پھر اظہار سے توبہ کی گنجائش اس میں کہاں ہے اس لئے میں ایسی توبہ کو دل سے باہر کرتا ہوں اور حیاتِ جاودانی سے توبہ کیسے کرلوں ؟ عشق بہت غالب آنے والا ہے اور میں اس عشق کا مغلوب ہوں اور مہتاب کی طرح نور عشق سے روشن ہوگیا ہوں، آگے فرماتے ہیں ۔

برگ کاہم پیش تواے تند باد   من چہ دانم تا کجا خواہم فتاد

گر بلالم ور ہلالم میدوم   مقتدی بر آفتابت می شوم

ماہ را بازفتی وزاری چہ کار   در پئے خورشید پوید سایہ دار

یعنی اے عشق جو کہ مشابہ تند ہوا کے ہے تیرے سامنے میں مثل تنکے کے ہوں مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ میں کہاں جاکر گروں گا، اگر میں بلال ہوں تب اور اگر ہلال ہوں تب اے عشق میں تیرے ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہوں اور تیرے آفتاب کا مقتدی بن رہا ہوں، آگے اس کی توضیح ہے کہ عشق مثل آفتاب کے ہے اور میں تابع عشق ہونے میں مثل چاند کے ہوں، اور چاند کو فربہی اور لاغری سے کیا کام وہ تو آفتاب کے پیچھے سایہ کی طرح دوڑا کرتا ہے، اس کے بعد اپنی بیقراری کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں ۔

گر بہ درانبانم اندر دست عشق   یکدمے بالا و یکدم پست عشق

اوہمی گرداندم بر گرد سر   نے بہ زیر آرام دارم نے زبر

میں عشق کے ہاتھوں ایسا بے قرار ہوں جیسے تھیلے میں بلی اور عشق میں یہ حالت ہے کہ کبھی اوپر ہوتا ہوں اور کبھی نیچے آتا ہوں، پس وہ مجھ کو سر کے گرد گھماتا ہے، نہ میں نیچے قرار رکھتا ہوں نہ اوپر، مگر پھر بھی میرا یہ حال ہے کہ۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم تا ابد جاناں چنیں می بایدم

نک ہلالے با بلالے یار شد زخم خار اور اگل و گلزار شد

گر زخم خار تن غربال شد جان و جسم خرمن اقبال شد

مجھ کو نعرۂ مستانہ (یعنی اس حال میں احد احد کہنا) بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اے جاناں! مجھ کو تا ابد ایسا ہی نعرۂ مستانہ مطلوب ہے، اور لو! اب تو ہلال بھی بلال کے ساتھ شریک ہو گیا اور خار دار لکڑیوں کا زخم بلال کے لئے گل و گلزار ہو گیا، اور اب تو یہ حال ہے کہ اگر کانٹوں کے زخم سے میرا بدن چھلنی ہو گیا تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں اس لئے کہ میری روح اور میری جان شاداں و فرحاں ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔

تن بہ پیش زخم خار آں جہود جانِ من مست و خراب آں ودود

بوئے جانے سوئے جانم می رسد بوئے یارے مہربانم می رسد

یعنی میرا بدن تو اس منکر کی خار دار لکڑیوں کے سامنے ہے مگر میری روح محبوب حقیقی کی عاشق اور اس کے عشق میں مست و سرشار ہے، ایک روح حقیقی کی خوشبو میری طرف آ رہی ہے، یعنی اس مہربان محبوب کی خوشبو مجھ کو پہنچ رہی ہے۔

سبحان اللہ! حق تعالیٰ کے عشق و محبت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کیا

کیفیت ہے کہ کانٹوں کے زخم سے سارا بدن چھلنی ہو چکا پھر بھی توحید پر اٹل ہیں بلکہ ان تکالیف پر راضی اور خوش ہیں اور اس کو گل گلزار سمجھ رہے ہیں، واقعی توحید کی حقیقت ان ہی حضرات پر منکشف اور عشق و محبت کی حلاوت ولذت ان ہی کو حاصل تھی، ہم کو ان سے سبق لینا چاہئے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو مفصلاً بیان فرمایا ہے، مجملاً اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جاکر حضور اقدس ﷺ سے اس کا ذکر کیا اور ان کو خریدنے کا مشورہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس قیمت پر ممکن ہو ان کو ضرور خرید لو اور مجھ کو بھی اس کار خیر میں شریک کرلو، الغرض حضرت صدیقؓ نے منہ مانگی قیمت دے کر ان کو اس کافر شقی سے خرید لیا اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لاکر ان کو لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو کسی نے اردو میں بھی نظم کیا ہے، اس کے بعض حصہ کو بھی پڑھتا ہوں جس سے آپ سمجھ لیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اتنی سزاؤں اور تکلیفوں کے باوجود کس قدر راضی تھے اور اس حالت میں بھی ان کی کیا کیفیت تھی، ذرا توجہ سے سنئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں ۔

پتھروں سے ہو رہا ہوں پائمال   خون اب دینے لگا ہے بال بال
ہر رگ و ریشہ میں کانٹے چبھ گئے   اور جلا جاتا ہوں اب میں آگ سے

ان عذابوں کی مجھے پروا نہیں ان تکالیفوں سے دل دکھتا نہیں
آگ میں مجھ کو جلا ڈالیں تو کیا خاک بھی میری اڑا ڈالیں تو کیا
دفتر عشاق میں لکھ لے مجھے چاہے پھر جتنی تو ایذا دے مجھے
دیکھ پھر کس شوق سے لیتا ہوں میں جان کو کس شوق سے دیتا ہوں میں

ذرا دیکھئے! اگر تمنا ہے تو بس یہ ہے کہ اپنے عشاق میں میرا نام لکھ لے، اللہ کے چاہنے والوں میں محمد ﷺ کے چاہنے والوں میں شامل کر لیا جائے، پھر چاہے جتنی بھی ایذائیں دی جائیں جان و دل سے منظور رہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مرنا میری معراج ہے، اللہ کی راہ میں جان دے دینا میرا مطلوب ہے، حضور اقدس ﷺ کی محبت میں سب کچھ قربان کر دینا میرا مقصود ہے۔

اے محبت کا دعویٰ کرنے والو! کان کھول کر سنو! اور اگر اپنے دعوی میں سچے ہو تو اس معیار پر آؤ اور تم بھی دکھاؤ کہ تم کو اللہ و رسولؐ سے کتنی محبت ہے، صحابۂ کرامؓ نے اپنے حالات سے جو حضور اقدس ﷺ کی محبت کا ثبوت دیا ہے قیامت تک کے لئے معیار قائم فرما دیا، اب اسی معیار سے سچے جھوٹے کا فرق معلوم کیا جائے گا، محض زبان سے محبتِ رسول کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن اس معیار پر اترنا بہت مشکل ہے۔

ایک صحابیہؓ کا واقعہ سنئے! جب وہ ایمان لائیں اور کلمہ پڑھا تو تھوڑے دنوں

کے بعد ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، مشرکین مکہ نے ان کو یہ طعنہ دیا کہ لات وعزیٰ نے تم کو یہ سزا دی ہے جو تمہاری آنکھ پھوٹ گئی، اس عورت نے جواب دیا کہ اگر میری دوسری آنکھ بھی پھوٹ جائے تب بھی یہی سمجھوں گی کہ اللہ کے حکم سے میری آنکھ پھوٹی، لات وعزیٰ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ایمان لانے کے بعد تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مؤمن اسی حال میں راضی رہتا ہے جس میں اس کا مولیٰ رکھے، جان جائے تو کیا، عزت جائے تو کیا، مال جائے تو کیا سب کچھ ہو جائے تو کیا، اس کلمہ پر وہ سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو، یہ کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ جنت کی کنجی ہے بڑا وزنی اور بڑا ہی قیمتی ہے، مگر جب دل سے ایمان لاوے اور جو کچھ زبان سے کہتا ہے اس پر یقین بھی حاصل ہو۔

حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے جاں نثار صحابہ میں سے تھے، ان کا بھی ایک واقعہ بہت عبرتناک ہے، ایک مرتبہ مشرکین مکہ کی ایک جماعت نے آکر حضور اقدس ﷺ کے سامنے خود کو مؤمن ظاہر کیا اور آپ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے نبی! ہمارے ساتھ کچھ قاریوں کو کر دیجئے جو ہم کو قرآن سکھایا کریں، حضور اقدس ﷺ نے ان کے ساتھ کچھ قاریوں کو کر دیا، جن کی تعداد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، دس کی بھی روایت ہے اور بیس کی بھی، ان قاریوں میں حضرت خبیبؓ بھی تھے، جب ان کو لے کر چلے تو راستہ میں بدعہدی کی اور ان میں سے اٹھارہ کو شہید کر دیا اور دو

کو مکہ تک لے گئے، وہاں پہنچ کر ان میں سے بھی ایک کو شہید کر ڈالا اب صرف حضرت خبیبؓ باقی رہ گئے ان کو مکہ معظّمہ میں قید کر دیا تھا کچھ دنوں کے بعد ان کو سولی دینے کا فیصلہ کیا، چنانچہ جب سب لوگ جمع ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ اے خبیبؓ! تم کو اب سولی دی جائے گی، کیا تم اب بھی اسلام پر ثابت قدم رہو گے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں مجھے سولی گوارا ہے مگر اسلام کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا، پھر ان سے پوچھا گیا کہ اچھا بتاؤ اس وقت تم کو کوئی خواہش ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اور تو کوئی خواہش نہیں، صرف یہ خواہش ہے کہ مجھے پانی دے دو تاکہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لوں، ذرا غور کیجئے! ہم لوگ ذرا ذرا سی بات میں نماز ترک کر دیتے ہیں اور خدا کے راستہ سے ہٹ جاتے ہیں، ان کو دیکھئے کہ جان کی بازی ہے، سولی دی جانے والی ہے مگر فرما رہے ہیں کہ وضو کے لئے پانی دے دو، چنانچہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، پھر آپ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ابھی اور دیر تک نماز پڑھوں مگر تم لوگ کہو گے کہ میں جان کے ڈر سے نماز طویل پڑھ رہا ہوں تاکہ کچھ دیر اور زندگی باقی رہے اس لئے اب بخوشی سولی پر جا رہا ہوں، جانتے ہیں پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ مشرکین مکہ کے ستر جوان آئے اور بیک وقت ہر طرف سے ان کے جسم میں نیزے چبھونے لگے، ہم کو اگر ایک کانٹا چبھ جائے تو ہمارا آپ کا کیا حال ہو جاتا ہے اور ان کو دیکھئے کہ ستر نیزے بیک وقت چبھوئے گئے اور اس وقت ان سے پوچھا گیا کہ اے خبیب! اب تو تم پسند کرتے ہو گے اور دل

میں سوچتے ہو گے کہ تم اپنے گھر پر آرام سے ہوتے اور تمہاری جگہ اس وقت تمہارے نبی ہوتے، تو وہ جواب دیتے ہیں ہر گز نہیں، اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو سلامت رکھے، میرے ماں باپ بھی آپ پر قربان! میں اس حال میں بھی ہر گز یہ نہیں چاہتا کہ حضور اقدس ﷺ کے ایک کانٹا بھی چبھے، یہ تھا عشق رسول !!! اور اس وقت سولی پر بیٹھ کر انہوں نے فی البدیہہ عربی کے یہ اشعار پڑھے ۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِماً عَلیٰ اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِی

وَذَالِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ یَّشَأ یُبَارِكْ عَلیٰ اَوْصَالٍ شُلُوٍّ مُمَزَّعٖ

اسی مضمون کو ایک اردو شاعر نے اردو میں نظم کیا ہے اس کو بھی پڑھتا ہوں ۔

جب مسلماں رہ کے دنیا سے چلوں مجھے کیا ڈر ہے کسی کروٹ گروں
میرا مرنا ہے خدا کی راہ میں وہ اگر چاہے نہ ہوں گا میں زبوں
تن جو ٹکڑے ٹکڑے اب ہو جائے گا اسکے ہر جوڑوں پہ برکت دے فزوں

وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ میرا مرنا خدا کیلئے ہے اور اب میرا اللہ سے ملاقات کا وقت قریب ہے، اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ! میرا اسلام میرے محبوب ﷺ کو جو مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہیں پہنچا دیجئے، اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت پہنچے اور خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچایا، آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے، آپ ؐ

نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی خبیب کو سولی دے دی گئی، یہ سن کر صحابہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے،

استقامت اس کو کہتے ہیں کہ سولی دی جارہی ہے اور اس پر محبت رسول ﷺ میں اشعار پڑھتے ہوئے جان قربان کر دی، اس وقت اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

یہ معراجِ محبت ہے یہ اعجازِ محبت ہے
ہزاروں زخم کھا کر مسکرانا، شادماں رہنا

بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، طرح طرح کی مصیبت آئے فقر و فاقہ ہو، کانٹے چبھوئے جائیں، حتیٰ کہ سولی دے دی جائے مگر اللہ کے سچے بندے ہر حالت میں یہی کہتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وہ اس کلمہ کو ایسی مضبوطی سے پکڑتے ہیں کہ کوئی چیز ان کو جنبش نہیں دے سکتی، اور کوئی طاقت ان کو اس سے ہٹا نہیں سکتی، یہی وہ قوم تھی جن کے تین سو تیرہ آدمی بدر کے میدان میں ایک ہزار کے ایسے لشکر کفار کے مقابلہ کے لئے آئے تھے جن کے پاس سارا اسلاح و ہتھیار بھی تھا اور ہر طرح منظّم اور مستحکم ہو کر آئے تھے، ادھر صحابہؓ کے پاس صرف آٹھ تلواریں اور تین گھوڑے تھے، یہ بے سر و سامان خدائی لشکر محض اللہ کی نصرت و مدد کے بھروسے میدان جنگ میں آکھڑا ہوا، جب بدر کے میدان میں پہنچے ہیں تو مسلمانوں نے ایک بلند مقام پر حضور اقدس ﷺ کے لئے ایک خیمہ نصب کر دیا تھا جہاں سے پورا معرکہ بدر نظر آتا تھا، اس خیمہ میں حضور اقدس ﷺ اور صدیق اکبرؓ تشریف رکھتے

تھے، اور حضرت سعد ابن معاذؓ ننگی تلوار لے کر اس کے سامنے پہرہ دیتے تھے اور حضور اقدس علیہ السلام کی حفاظت کرتے تھے، جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور چند صحابہؓ شہید بھی ہوگئے تو جناب رسول اللہ علیہ السلام سجدہ میں گر پڑے اور بکمال زاری اللہ جل جلالہ کی جناب میں عرض و معروض کرنے لگے، اس وقت حضور اقدس علیہ السلام دعا میں اس طرح مشغول تھے کہ استغراق کا عالم طاری تھا، چنانچہ آپ علیہ السلام کی چادر مبارک شانے سے گر گئی مگر آپ علیہ السلام کو خبر نہ ہوئی اور اسی طرح گریہ وزاری میں مشغول رہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے چادر کو شانہ مبارک پر درست کردیا، آپ علیہ السلام دعا میں یہ الفاظ فرمارہے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَلَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ اَبَداً" اے اللہ! اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر آپ کی عبادت کبھی نہ ہوگی' یعنی روئے زمین پر یہی مٹھی بھر جماعت ایسی ہے جو اللہ کے حکموں پر فدا ہونے والی، رسولؐ کے حکموں پر مر مٹنے والی ہے، اگر یہ ہلاک ہوجائیں گے تو پھر روئے زمین پر کوئی آپ کا نام لینے والا نہ رہ جائے گا، اور اگر یہ لوگ فنا ہوجائیں گے تو آج سے آپ کی پرستش موقوف ہوجائے گی، حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب اب بس کیجئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی، میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان سے فرشتے مدد کے لئے آرہے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو فتح دے گا، اس وقت آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ

الدُّبُرَ﴾ یعنی عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی، چنانچہ اسی پیشین گوئی کے مطابق ہوا، کفار مغلوب ہوئے اور مسلمان غالب ہوئے، اس مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ذرا صدیق کی فراست تو دیکھو کہ نبی ﷺ کے قدم کے نیچے کھڑے ہیں، اُدھر آسمان پر فرشتوں کو حکم ہوا اِدھر ان کو معلوم ہو گیا، واقعی حضرت ابو بکرؓ کی شان ہی جداگانہ اور نرالی تھی اور یقیناً آپ قدم نبوت پر تھے۔

مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ جو ہمارے اکابر میں سے تھے بڑے محدث تھے، انہوں نے ایک چہل حدیث لکھی ہے اس کے اندر کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جس میں صحابہ کرامؓ کی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت والفت کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے اور خصوصاً حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان فدائیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ۔

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعوئ الفتِ احمد تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا
کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

جس وقت حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تھا تو آپ نے حضرت علیؓ کو

اپنی جگہ بستر پر لٹادیا اور بقصد ہجرت روانہ ہوئے، جب مکان سے باہر نکلنے لگے تو مشرکین مکہ باہر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ جب آپ باہر نکلیں تو آپ کو شہید کرڈالیں، مگر آپ انہیں کے سامنے سے "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" پڑھتے ہوئے نکل گئے اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے، پھر جا کر ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور تشریف لے چلے اور غار ثور میں پہنچے، جب آپ غار کے اندر داخل ہوئے تو اس کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، کبوتری نے انڈے دے دیئے، مشرکین تعاقب میں نکلے اور نشانات قدم دیکھ کر غار تک پہنچ گئے اور ان کے قیافہ شناس نے بتایا کہ اس سے آگے نہیں بڑھے ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے غار کے اندر سے دیکھا تو وہ لوگ سامنے دکھائی دے رہے تھے اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر یہ لوگ نیچے اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں گے آپ نے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تم مت گھبراؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس جگہ صدیق اکبرؓ کی جاں نثاری کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس غار کے اندر بہت سے سوراخ تھے جن کو بند کرنے کا سامان اس طرح کیا کہ اپنی چادر کے ٹکڑے کر کے سب سوراخوں میں ٹھونس دیئے، ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا اس کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو اس کو اپنے پیر کے انگوٹھے سے بند کر کے حضور اقدس ﷺ کے سر کو اپنے زانو پر رکھ کر استراحت کے لئے لٹادیا اور آپ کو تکان کی وجہ سے نیند آگئی، اتفاقاً سوراخ سے ایک سانپ نکل کر

حضرت صدیق اکبرؓ کے انگوٹھے میں ڈسنے لگا مگر ابو بکر صدیق نے اپنے پاؤں کو ذرا بھی جنبش نہیں دی کہ ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کی آنکھ کھل جائے اور آپ کے آرام میں خلل پڑے لیکن شدت تکلیف کی بناء پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس کے قطرات چہرۂ انور پر گر پڑے آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، ابو بکر صدیق کو دیکھا تو چہرے کا رنگ متغیر تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو واقعہ ذکر کیا آپ ﷺ نے انگوٹھے میں اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے سب تکلیف کافور ہو گئی۔

دیکھا آپ نے! یہ ہیں ابو بکر صدیق غار میں جانے والے اور یہ ہے ان کی جاں نثاری کا عالم، آج ہے کوئی جو اس کی نظیر پیش کر سکے، دعویٰ کرنا بہت آسان ہے مگر امتحان میں سچا اترنا بہت مشکل ہے، ہمارے اسلاف و اکابر نے البتہ سچی محبت کا نمونہ پیش کیا ہے اور امتحان کے موقع پر سچے اترے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ جو ائمہ اربعہ میں بڑے مشہور امام ہیں مدینہ طیبہ میں ان کا قیام تھا اور اس سرزمین پاک کے ادب کا یہ حال تھا کہ قضائے حاجت کے لئے مدینہ سے باہر بہت دور تشریف لے جاتے اور باوجودیکہ آپ کے پاس اونٹ اور سواریاں تھیں مگر غایت ادب کی وجہ سے سرزمین مدینہ میں پیدل چلتے تھے اور اس کی وجہ خود بیان فرماتے تھے کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پڑے ہیں، یہاں سوار ہو کر چلنا بے ادبی ہے۔

انہیں امام مالکؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے،

راستہ میں ایک آدمی ان سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ مجھ کو ایک حدیث سنا دیجئے تو امام صاحب نے تنبیہاً اس کو دس کوڑے لگائے اور فرمایا کہ اے بے ادب! حدیث رسول کہیں اس طرح سنی جاتی ہے وہ بھی ایسا عاشق تھا اور حدیث سننے کے لئے اس قدر بے تاب تھا کہ اس نے کہا حضرت دس کوڑے اور مار لیجئے مگر مجھ کو حدیث سنا دیجئے، اس کے جواب کو سن کر امام مالکؒ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور وضو کر کے ادب کے ساتھ بیٹھ کر اس کو حدیث سنایا۔

امام مالکؒ ہی کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ایک بچھو آپ کے کرتے کے اندر گھس گیا اور ڈنک مارنے لگا، تکلیف کے اثر سے چہرہ زرد ہو گیا، ظاہر ہے بچھو کے ڈنک مارنے سے کیسی تکلیف ہوئی ہو گی مگر آپ علیٰ حالہٖ حدیث پڑھانے میں مشغول رہے، جب درس سے فارغ ہوئے تو حسب معمول دعا فرمائی، جب اس سے بھی فارغ ہوئے تو کرتا اتار کر خادم کو دیا اور فرمایا کہ دیکھو اس میں کیا ہے؟ خادم نے دیکھ کر بتایا کہ حضرت اس میں تو بچھو ہے، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے اس بچھو نے مجھ کو سترہ مرتبہ ڈنک مارا مگر مجھے شرم معلوم ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کو چھوڑ کر اپنی تکلیف بیان کروں کہ یہ خلاف ادب ہے۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے سچی محبت اور کمال ادب کا نمونہ، ہمارے اسلاف ایسے ہی تھے، جب اس درجہ کا ادب تھا تب مسلمان دنیا میں چمکے، صحابہ کرام اور محدثین عظام کا یہ حال تھا کہ جب وہ سنتے تھے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" تو

ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، قلوب لرز جاتے تھے، ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے یا حدیث پڑھی جائے، اللہ و رسول کا ذکر کیا جائے تو قلوب لرز جائیں، بڑے بڑے خلفاء اور سلاطین کے حالات میں لکھا ہے تاریخ کی کتابوں میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جب کبھی ان پر کسی وجہ سے غصہ و جلال طاری ہوتا تھا اور کسی کو سزا دینا چاہتے تھے پھر اسی حالت میں اگر دربار میں سے کوئی شخص درود شریف پڑھ دیتا تو فوراً غصہ ٹھنڈا ہو جاتا کہ اب حضور ﷺ کا نام آگیا اس کے بعد غصہ مناسب نہیں۔

آپ کو کیا معلوم کہ اسلام کس کس طرح سے پھیلا اور صحابہ کرام اور ہمارے اسلاف نے کیسی کیسی جاں نثاری کی، انہوں نے سب کچھ دین محمدی پر قربان کر دیا تب دنیا میں اسلام پھیلا، آج دعویٰ محبت بہت ہے مگر نہ تو تعلیمات نبوی کا ادب ہے اور نہ احکام رسول کی رعایت، ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان ناجائز کاموں میں اپنا مال خرچ کرنے کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں، ناجائز کسب کرتے ہیں سودی کاروبار کرتے ہیں اور محض لہو و لعب میں صرف کرنے کے لئے اور خرافات میں ضائع کرنے کے لئے سودی قرض بھی لیتے ہیں حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ سود لینے والے اور سود دینے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا تَاْكُلُوْا الرِّبوٰا﴾ یعنی سود مت کھاؤ اور فرماتے ہیں ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ یعنی پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار

سن لو جنگ کا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، نیز فرماتے ہیں ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ یعنی اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام قرار دیا۔

اسی بناء پر حضرت عمرؓ دُرّہ لے کر بازاروں میں گھومتے تھے اور یہ اعلان فرماتے تھے کہ اے لوگو! مسائل سیکھ لو ورنہ سود میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ حکم جاری فرمادیا تھا کہ بغیر مسائل سیکھے ہوئے کوئی شخص بازار میں نہ بیٹھے۔

بھائی! خرید و فروخت سے متعلق بھی بہت سے مسائل ہیں جن کا سیکھنا ضروری ہے ورنہ ہمارے بہت سے معاملات ناجائز ہوں گے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوگی، بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ سودی قرض لے کر آج مسلمان اپنے کو تباہ کرتا ہے، شادیوں میں معلوم نہیں کتنی مراسم ہوتی ہیں جو خلاف شرع ہیں، آج ہم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح بھلا دیا، بھائی! اگر وہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ حدودِ شرع میں رہیں اپنے کو اسراف سے بچاویں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ یعنی بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

قیامت میں پوچھا جائے گا کہ مال کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا، یہ ہرگز نہ سمجھو کہ ہمارا مال ہے ہم جہاں چاہیں خرچ کریں، بلکہ اسی جگہ خرچ کرنا چاہئے جہاں خرچ کرنے کی اللہ ورسول نے اجازت دی ہے، اور اگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا تو کیا کہنا، مگر ہمارا حال اس کے برعکس ہے، اللہ کی راہ میں تو بخیل بنے

ہوئے ہیں اور دنیاوی مراسم میں بڑے سخی ہو جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس مال کے متعلق ہم سے سوال کیا جاوے گا اللہ تعالیٰ اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھیں گے تو ہم کیا جواب دیں گے، حضرات صحابہ اس سے بہت ڈرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، حضرت فاروق اعظمؓ اپنے حجرہ کے اندر تشریف فرماتھے اور چراغ جلا کر کچھ لکھ رہے تھے اتنے میں حضرت علیؓ تشریف لائے اور داخلہ کی اجازت چاہی، آپ نے ان سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو مجھ سے کوئی ذاتی کام ہے یا امور خلافت سے متعلق کوئی کام ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس وقت تو مجھ کو اپنے ذاتی امور سے متعلق گفتگو کرنی ہے تو آپ نے دروازہ کھول دیا اور فوراً ہی چراغ بھی گل کر دیا، حضرت علیؓ نے پوچھا کہ آپ نے میرے آتے ہی یہ چراغ کیوں گل کر دیا؟ تو فرمایا کہ بھائی یہ چراغ بیت المال کا ہے اس کو امور خلافت میں تو صرف کیا جاسکتا ہے لیکن اس وقت ہماری گفتگو ذاتی امور میں ہو گی اس لئے اس میں بیت المال کی روشنی استعمال کرنا خیانت ہے۔

مسلمان ذرا کان کھول کر سنیں اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں آج مسلمان معلوم نہیں کتنی خرافات میں مال کو بے دریغ صرف کرتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ان سے سوال ہی نہ ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (پ ۳۰) قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اگر یہی ایک سورت نازل ہوئی ہوتی تو ہدایت کے لئے کافی تھی اس لئے کہ اس چھوٹی سی سورت میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بیان فرمادیا ہے، فرماتے ہیں کہ قسم ہے زمانہ کی، اس میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے تاکہ وقت کی اہمیت معلوم ہو مگر ہم ایسے غافل ہیں کہ ہم کو کچھ پتہ نہیں، زندگی برف کی طرح گھلتی اور کم ہوتی جارہی ہے، ہمارے گناہ بڑھتے جارہے ہیں، طاعات کا پتہ ہی نہیں، ہم کو اللہ کے سامنے جانے کا کھٹکا ہی نہیں، قیامت کا یقین نہیں، گناہ کرکے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کرکے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو ترک کرکے ہم مطمئن ہیں اور فاروق اعظمؓ کو دیکھئے جن کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، ان کی رائے کے مطابق وحی آتی تھی مگر ان کے خوف ورجاء کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت میں یہ ندا ہو کہ دوزخ میں صرف ایک آدمی جانے والا ہے تو مجھ کو خیال ہوگا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جنت میں جانے والا صرف ایک ہی شخص ہے تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں۔

خواجہ حسن بصریؒ کا نام آپ نے سنا ہوگا کتنے بڑے محدث تھے، اللہ

تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے عاشق رسول تھے، ان کا حال سنئے.....

ایک مرتبہ حدیث پڑھا رہے تھے حدیث میں ذکر آیا کہ جہنم سے جو شخص سب سے اخیر میں نکالا جائے گا وہ، وہ شخص ہوگا جو پچاس ہزار سال کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، تو فرمایا کاش وہ شخص میں ہی ہوتا، کیونکہ اس کے لئے وعدہ تو ہے کہ وہ جہنم سے نکالا جائے گا۔

یہ دیکھئے! اللہ کی اطاعت کر کے، اس کی بندگی اور فرماں برداری کر کے، تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے یہ حضرات رو رو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے اور پھر بھی مطمئن نہیں تھے، اور ہم ہیں کہ ہزار نافرمانی کر کے بھی مطمئن اور بے فکر ہیں، ہم کو چاہئے کہ اس تجارت کو اختیار کریں جس پر اللہ تعالیٰ یہ وعدہ فرما رہے ہیں کہ ﴿تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ یعنی یہ سوداگری تم کو ایک دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

حضرت طاؤسؒ جو ایک بڑے درجہ کے تابعی ہیں ان کے خوف کا یہ حال تھا کہ جب رات میں اپنے بستر پر جاتے تو نیند نہیں آتی تھی اور تڑپ تڑپ کر اٹھ جاتے تھے اور اس مضمون کا شعر پڑھتے تھے کہ عابد کی نیند یاد جہنم میں اڑ گئی، جب اللہ کا خوف دل میں ہوتا ہے تو یہی حال ہوتا ہے اور بندہ قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے اور اگر از راہ بشریت اس سے نادانی ہو جاتی ہے تو نادم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا گڑگڑاتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ بندہ کتنا ہی گناہ کرتا ہے مگر جب نادم

ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو معاف فرمادیتے ہیں واقعی ایسے مولیٰ پر تو قربان ہو جانا چاہئے اور یہی نہیں کہ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں بلکہ جب بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کی جتنی برائیاں ہیں ان کو نامۂ اعمال سے مٹادو اور ان کی جگہ حسنات درج کردو ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں اور فرماتے ہیں ﴿فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ یہ توبہ کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں، سبحان اللہ! حق تعالیٰ کی ان عنایات پر قربان ہو جانا چاہئے۔

آؤاب قیامت کے دن کو سمجھو! جس دن کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس دن کیا چیز کام آوے گی؟ نہ مال کام آوے گا، نہ اولاد کام آوے گی، نہ جائداد کام آئے گی، یہ سب کچھ کام نہیں آئے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ یعنی وہ دن ایسا ہوگا کہ نہ مال نفع دے گا نہ اولاد کام آئے گی بجز ان لوگوں کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آویں گے، یعنی جن کا قلب پاک ہوگا، قلب سلیم ایسے قلب کو کہتے ہیں جس میں شرک نہ ہو، ریا نہ ہو، حسد نہ ہو، کبر نہ ہو، کینہ نہ ہو، بغض نہ ہو حاصل یہ کہ سب رذائل اور بری چیزوں سے وہ پاک ہو اور اس قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جس میں روگ نہ ہو، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی کام تھا کہ قلب کو درست

کرتے اور اللہ کی محبت قلوب میں پیدا فرمادیتے تھے، حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت سے صحابہ کرامؓ کے اندر اللہ تعالیٰ کی کیسی کچھ محبت پیدا ہوگئی تھی کہ اللہ کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا، آپ نے بیسیوں مرتبہ سنا ہوگا مگر خالی سننے سے کیا ہوتا ہے اس کو سمجھئے اور سبق حاصل کیجئے، کیا نہیں معلوم کہ غزوۂ تبوک میں حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال پیش کیا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا کل مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا، ہمارے علماء اپنے وعظوں میں ان واقعات کو سناتے بھی ہیں اور ہم برابر سنتے بھی ہیں مگر کچھ کرکے بھی تو دکھلائیں، آج تو ہمارا یہ حال ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ بھی حساب کرکے پوری پوری نہیں نکالتے، شریعت میں نماز کی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے، کیا نہیں معلوم کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے جہاد کروں گا، صحابہ کرام نے آپ کو نرمی کا مشورہ دیا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا کہ آپ ابھی نرمی کیجئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں تو سخت تھے اور اسلام میں اتنے نرم ہوگئے؟ خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اونٹ کی ایک رسی بھی دیتا تھا اس کے دینے سے بھی اگر وہ گریز کرے گا تو میں اس سے جہاد کروں گا اور اگر کوئی ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا جہاد میں چلا جاؤں گا، تو پھر تمام صحابہ کرام متفق ہوگئے اور کہا کہ ہم سب آپ کے ساتھ

ہیں یہ تو مشورہ کا درجہ تھا اس لئے اتنا کہہ دیا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کی طرح ﴿اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ بھی فرمایا ہے تو پھر اب نماز و زکوٰۃ میں فرق کیسا؟ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ﴾ یعنی جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی۔

صحابہ اور تابعین کا حال تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ ان کو قرآن سے کتنا لگاؤ اور شغف تھا، ارے ہم اپنے ہی بزرگوں کے حالات کو اگر دیکھیں تو ہمارے سبق حاصل کرنے کے لئے کافی ہے ہمارے حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ جو اس آخری دور کے بہت بڑے بزرگ ہیں آپ محدث بھی ہیں، فقیہ بھی اور بہت بڑے درجہ کے ولی اور بہت بڑے صاحب نسبت ہیں، ان کی کیا کیفیت تھی سنئے! مولانا محمد علی مونگیریؒ جو ان کے خلفاء میں سے ہیں ان سے حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ جو مزہ ہم کو قرآن میں ملتا ہے اور جو کیف تلاوت میں حاصل ہوتا ہے اگر تم کو ملے تو تم برداشت نہ کرسکو اور اپنے کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ، نیز فرماتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران جنت میرے پاس آویں گی تو ان سے کہوں گا کہ بیبیو! بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھتا ہوں تم سنو، جو مزہ قرآن میں ہے کسی چیز میں نہیں۔

حضور اقدس ﷺ ایک دفعہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے شب کے وقت جنگل میں قیام ہو گیا آپ ﷺ نے ایک مہاجر اور ایک انصاری دو صحابیوں کو رات میں پہرہ کے لئے مقرر فرمادیا اس لئے کہ دشمن ہر وقت گھات میں رہتے تھے، ان دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ آدھی رات تک ایک آدمی جاگے اس کے بعد وہ اپنے دوسرے ساتھی کو جگادے، چنانچہ ان میں سے ایک تو سو گئے اور دوسرے نے سوچا کہ بیکار جاگنے سے کیا فائدہ، لاؤ نماز ہی پڑھیں، اس طرح پہرہ بھی ہو جائے گا اور اتنا وقت بھی نماز میں گذرے گا، آج ہم لوگ اِدھر اُدھر بیٹھ کر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں اور صحابیٔ رسول ﷺ کو دیکھئے فرماتے ہیں کہ وقت کو کیوں ضائع کریں نماز ہی پڑھیں، جب انہوں نے نماز میں قرآن پڑھنا شروع کیا تو جو دشمن گھات میں لگے تھے ان میں سے کسی نے آواز کا اندازہ کر کے تیر مارا اور وہ تیر ان کے سینے میں آکر لگا، انہوں نے وہ تیر نکال کر پھینک دیا اور اپنی تلاوت جاری رکھا، پھر دوسرا تیر آکر لگا انہوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا، اسی طرح تیسرا لگا اس کو بھی نکال کر پھینکا، پھر رکوع و سجود کر کے اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے دوسرے ساتھی کو جگایا اور کہا کہ دیکھو خون جاری ہے انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو بتایا کہ اس طرح تیر لگا، انہوں نے کہا جب تم کو پہلا تیر لگا تھا اسی وقت تم نے مجھ کو کیوں نہیں جگادیا؟ جواب دیا کہ بھائی مجھ کو تو قرآن کی تلاوت میں ایسی لذت آرہی تھی اور یہ جی چاہتا تھا کہ تیر پر تیر

لگے اور نماز ہی کی حالت میں تلاوت کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں مگر یہ سوچ کر کہ حضور ﷺ نے پہرہ کے لئے مقرر فرمایا ہے اگر اس وقت شہید ہو جاؤں گا تو یہ کام کون انجام دے گا اس لئے میں نے نماز ختم کر کے تم کو جگایا۔

دیکھا آپ نے! یہ تھی صحابہ کی نماز اور ان کی تلاوت، نماز میں جو لذت و حلاوت ان کو حاصل تھی ہم لوگوں کو اس کا کیا پتہ، نماز تو مؤمن کی معراج ہے مگر ہم لوگ اس کی طرف سے بہت غافل ہیں ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ مسجدیں تو خوب مزین ہیں مگر نمازی غائب ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ قرب قیامت میں مساجد تو بہت ہوں گی اور ان میں خوب نقش و نگار ہو گا مگر وہ ویران پڑی ہوں گی یعنی نمازی نہ ہوں گے اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہوں گے ان کے اندر وہ کیفیت نہ ہو گی، ان کی نماز خشوع سے خالی ہو گی، اس میں لذت و حلاوت کا کہیں پتہ بھی نہ ہو گا، اب ہم اپنی نمازوں میں ذرا غور کرلیں کہ ہماری نماز کیسی ہوتی ہے، اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو مرزا بھی ہو سید بھی ہو افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلماں بھی ہو

مسلمان تو گردن جھکا دینے والا، اللہ و رسولؐ کے حکموں پر مر مٹنے والا، جان و مال کو قربان کر دینے والا اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والا ہوتا ہے اور اسی تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے وہ اللہ کا محبوب اور دوست بن جاتا ہے، یاد رکھئے کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کہ آدمی اللہ کا دوست اور محبوب بن جائے، آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے ولی کون لوگ ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ o لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا محبوب بن جانا، ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا یہ ہے فوز عظیم، لکھ پتی ہو جانا اور دنیا کا بہت مال و متاع جمع کر لینا یہ فوز عظیم نہیں ہے، اور اللہ کے جو محبوب بندے ہوتے ہیں ان کی سب سے بڑی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ جو ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، ان کے خوف کا

یہ حال تھا کہ جب صبح کو اٹھتے تھے تو آئینہ لے کر اس میں اپنا چہرہ دیکھتے تھے جب لوگ پوچھتے کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں تو فرماتے کہ بھائی میں ڈرتا ہوں کہ گناہوں کی وجہ سے کہیں میرا چہرہ سیاہ نہ ہوگیا ہو۔

دیکھا آپ نے! باوجود انتہائی تقویٰ اختیار کرنے کے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ حال تھا، انہیں کا ایک دوسرا واقعہ سنئے، آپ ایک مرتبہ کسی کے یہاں تقریب میں تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک سرمہ دانی رکھی ہوئی ہے، پوچھا یہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ چاندی کی ہے تو فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہاں چاندی کی سرمہ دانی استعمال ہوتی ہے اس لئے ایسے گھر میں دعوت نہیں کھاتا اور واپس جاتا ہوں یہ کہہ کر اٹھے اور وہاں سے چل دیئے۔

یاد رکھو! ایک آدمی اگر کوئی گناہ کا کام کرتا ہے اور دوسرا اس کے ساتھ ہو جاتا ہے تو وہ بھی گناہ میں شریک سمجھا جاتا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی برادری کو، دوستوں کو تو ناراض نہیں کر سکتے مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کر لیتے ہیں۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ جو دلی میں تھے، تبلیغی جماعت انہیں کی طرف منسوب ہے وہ فرماتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ شادی بیاہ میں بھائی بند کو راضی کرتے ہیں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں سے دشمنی اور بگاڑ ہوتا ہے ایسے موقعوں پر ان کو سو طرح خوشامد کر کے راضی کرتے اور مناتے ہیں

حتیٰ کہ پرجوں کو بھی راضی کرتے ہیں ایسے وقت میں وہ بھی اکڑ جاتے ہیں کہ آج تقریب ہے ہم کچھ لے کر رہیں گے اور آپ ان کو دے کر خوش کرتے ہیں اسی کو مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ قیامت نہیں ہے کہ برادری کو راضی کرتے ہو اور پرجوں کو راضی کرتے ہو مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرتے ہو۔

کہاں ہے امت !!کہ خدا ناراض ہو جائے تو پرواہ نہیں ، رسولؐ ناراض ہو جائے تو پرواہ نہیں، قرآن کے خلاف کرے تو پرواہ نہیں، حدیث کے خلاف کرے تو پرواہ نہیں، کیا اسی کا نام ایمان ہے ؟اور مؤمن کی یہی شان ہے ؟ صحابہ کرامؓ کو تو ہر وقت اسی کی فکر رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو کیسے راضی کریں اور حضور اقدس ﷺ کو کیسے خوش رکھیں، ہائے افسوس! مسلمان کہاں پہنچ چکے ہیں!

غزوۂ تبوک میں جب کہ شدت کی دھوپ کا زمانہ تھا، کھجور بھی پک رہے تھے، منافقین اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے اور تین مخلص صحابی بھی رہ گئے تھے انہوں نے یہ خیال کیا کہ بعد میں جا کر حضور ﷺ کے ساتھ ہو لیں گے مگر نہیں جا سکے اور حضور ﷺ منزل بہ منزل وہاں پہنچ گئے، جب مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو منافقین نے آکر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر بیان کئے اور آپ نے ان کے ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے اولاً قبول فرمالیا پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی قلعی کھول دی اور سب منافقین رسوا ہوئے، مگر یہ تین صحابی جو سچے اور مخلص تھے انہوں نے آکر حضور ﷺ

کے سامنے اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کر لیا کہ اے اللہ کے محبوب! ہمارے پاس سواری بھی تھی اور ہتھیار بھی تھے، سب انتظام تھا کوئی عذر نہ تھا، محض سستی کی بناء پر ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے، اللہ کے محبوبؐ نے اتنی ہی بات پر حضرت کعبؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے بارے میں جو کہ بدر میں شریک ہونے والے، اُحد میں شریک رہنے والے، نماز پڑھنے والے، زکوٰۃ دینے والے سب کچھ تھے مگر ایک مرتبہ سستی سے جہاد میں نہیں شریک ہوئے تو آپ ﷺ نے سب کو حکم فرمادیا کہ کوئی ان سے کلام نہ کرے، چنانچہ وہ مدینہ کی گلیوں میں گھومتے پھرتے تھے مگر نہ تو کوئی ان کو سلام کرتا تھا اور نہ ان کے سلام کا جواب دیتا تھا، حضور ﷺ کو سلام کرتے تھے تو آپ ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے، کعب بن مالکؓ خود ہی نقل فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نہایت رنج والم میں مدینہ سے باہر نکلا، ابو قتادہؓ میرے چچازاد بھائی تھے اور ہم دونوں میں نہایت محبت تھی، میں ان کے پاس چلا گیا اور ان کو سلام کیا تو انہوں نے جواب تک نہیں دیا اور منہ پھیر لیا، میں نے کہا ابو قتادہ! تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا و رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک کا میرے دل پر کوئی اثر نہیں، پھر تم کیوں مجھ سے بات نہیں کرتے، ابو قتادہؓ نے اب بھی جواب نہ دیا، جب میں نے تین بار اسی بات کو دہرایا تو صرف اتنا جواب دیا کہ "اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" یعنی اللہ اور رسول ہی کو خوب معلوم ہے، مجھے بہت ہی رقّت ہوئی اور میں خوب ہی رویا، اس کے بعد شہر کو لوٹ کر آیا اور مدینہ کے بازار

سے گذر رہا تھا تو دیکھا کہ ایک قبطی جو شام سے غلہ فروخت کرنے کے لئے آیا تھا یہ اعلان کر رہا تھا کہ مجھے کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتلا دے، لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کر دیا، چنانچہ وہ قبطی میرے پاس آیا اور غسان کے عیسائی بادشاہ کا ایک خط دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سردار نے تم پر انتہائی ظلم کر رکھا ہے اور سخت بے وفائی کا معاملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس ذلت اور ناقدری کی جگہ نہ رکھے، سو اگر تم وہاں سے منتقل ہونا چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری ہر طرح غم خواری اور مدد کریں گے، جب میں نے عیسائی بادشاہ کے اس خط کو پڑھا تو اپنے دل میں کہا کہ یہ بھی میری ایک آزمائش ہے اور اس سے مجھے بہت صدمہ ہوا کہ میرے بارے میں کافر لوگ طمع کرنے لگے، پھر میں نے اس خط کو تنور میں ڈال کر نذر آتش کر دیا، ابن عابد کی روایت ہے کہ کعب بن مالکؓ نے اس خط کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے اعراض کی وجہ سے میرا یہ حال ہو گیا ہے اور میں اس نوبت کو پہنچ گیا کہ میری طرف مشرکین رغبت کرنے لگے اور اپنی طرف مائل کرنے کے خواہش مند ہونے لگے، بہر حال کعب بن مالکؓ پر اسی حالت میں چالیس دن گذرنے کے بعد حضور ﷺ کے قاصد خزیمہ ابن ثابتؓ یہ حکم لے کر پہنچے کہ اپنی اہلیہ سے علیحدگی اختیار کر لو، انہوں پوچھا کہ طلاق دے دوں؟ تو کہا کہ نہیں بلکہ بیوی سے علیحدہ رہیں اس سے ملاقات نہ کریں، چنانچہ اپنی بیوی کو میں نے میکے بھیج دیا، الغرض اب بیوی سے بھی

جدائی ہو گئی اور پچاس دن تک وہ اسی حال میں تڑپتے رہے کہ زمین باوجود کشادگی کے ان پر تنگ نظر آتی تھی کوئی بھی ان کو اپنا نظر نہیں آتا تھا دنیا ہی ان کے لئے تاریک تھی اور پچاس دن کے بعد قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور ان کی توبہ قبول ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (پ۱۱) اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر بھی خاص توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

آپ بتلایئے کہ ایک غلطی کی وجہ سے مخلص اور سچے صحابی پر حضور ﷺ کی طرف سے کیسا عتاب ہوا اور ہم جان بوجھ کر نماز قضا کریں، زکوٰۃ ترک کریں، روزہ ترک کریں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کریں، جھوٹ بولیں غیبت کریں، بہتان لگائیں، قرآن وحدیث کے احکام سے کوسوں دور ہو جائیں، تب بھی مسلمان ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں؟ آخر یہ کیسے مسلمان ہیں اور یہ کون سی محبت ہے؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے

ہیں کہ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی اے اللہ کے رسول ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم کو محبوب بنائے گا، اور فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ قسم ہے زمانہ کی تمام انسان گھاٹے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا، نیک کام وہی ہے جو شریعت سے ثابت ہو اور جو چیز شریعت سے ثابت نہیں اس کو کتنا ہی لوگ کہیں وہ ہرگز نیک کام نہیں ہو سکتا، جو چیز صحابہؓ نے نہیں کیا، تابعینؒ نے نہیں کیا، تبع تابعینؒ نے نہیں کیا، محدثینؒ نے نہیں کیا، ائمہ مجتہدینؒ نے نہیں کیا وہ کام نیک نہیں ہے، اصول شرع تو چار ہی ہیں جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس مجتہد، ان چاروں دلیلوں کے علاوہ اور کسی چیز سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

تو بھائی! میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر ہم کو عذاب جہنم سے اور دوزخ کے شعلوں سے بچنا اور جنت میں جانا ہے اور اللہ و رسول کو راضی کرنا ہے تو چاہئے کہ ہم شریعت کی پابندی کریں، کوئی راضی ہو یا نہ ہو اس کی پرواہ نہ کریں، اگر ہم لوگ اس کی ہمت کرلیں تو دنیا کی زندگی بھی کامیاب بن جائے اور اللہ کی رحمت ہم پر نازل ہو۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آج اگر ہمارا ایمان سچا ہو جائے اور ہم اعمال صالحہ اختیار کرلیں، شادی

میں، غمی میں، لینے دینے میں، ملنے جلنے میں، کاروبار میں، صورت میں، سیرت میں، غرض ہر چیز میں محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں تو آج بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

آیئے ہم اور آپ سب مل کر اپنے کو تبدیل کریں، اپنے عقیدے کو درست کریں، اعمال صالحہ اختیار کریں، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ اختیار کریں، اتباعِ سنت ہی اصل ہے اور یہی خدا سے قرب کا ذریعہ ہے بزرگان دین نے سب سے زیادہ اسی کا اہتمام فرمایا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا نام نامی آپ نے سنا ہوگا ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ساری عمر محض اس وجہ سے خربوزہ نہیں کھایا کہ ان کو کوئی حدیث ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے خربوزہ نوش فرمایا ہے حالانکہ حدیث سے آپ کا خربوزہ نوش فرمانا ثابت ہے مگر ان کو حدیث نہیں ملی اس لئے نہیں کھایا، یہ تھا عشق رسول، اسی کو علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ۔

کامل بسطام در تقلید فرد　　　　اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

حضرت جنید بغدادیؒ کا اولیاء اللہ میں جو مقام ہے آپ جانتے ہیں کتنے بڑے مرتبے کے شخص ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بایزید بسطامیؒ کا اولیاء کی جماعت میں وہ درجہ ہے جو فرشتوں کی جماعت میں حضرت جبریلؑ کا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے آکر کہا کہ فلاں بزرگ ہوا پر اڑتے ہیں اور ایک مہینہ کا راستہ ایک دن میں طے کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ وہ تو ایک

مہینہ کا راستہ ایک دن میں طے کرتے ہیں اور شیطان مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں طے کرتا ہے تو تم اسی کے معتقد ہو جاؤ، ہوا پر اڑنا کرامت نہیں ہے بلکہ اصل کرامت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔

ایک بزرگ دریائے دجلہ میں پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھ رہے تھے اسی اثناء میں ایک دوسرے بزرگ وہاں آئے اور ہوا پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم نے دریا میں نماز پڑھ لی تو کیا ہوا؟ پانی میں مچھلیاں بھی رہتی ہیں اور میں نے ہوا میں نماز پڑھ لی تو کیا ہوا؟ ہوا میں چڑیاں بھی رہتی ہیں، اگر یہ کوئی کمال ہوتا تو حضور اقدس ﷺ بھی پانی اور ہوا پر نماز پڑھتے مگر آپ نے ہمیشہ زمین پر نماز پڑھی اور آپ کا دل عرش پر رہتا تھا، یہ ہے اصل کمال کہ آدمی زمین پر نماز پڑھے اور اس کا دل عرش پر ہو، اور ساری بزرگی اسی میں ہے کہ سنت کی پیروی کرے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ بہت بڑے قطب زمانہ تھے ان کو شیخ اکبر کہا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر رکھنا اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالنا سنت ہے جو اس کو سنت سمجھ کر کرتا ہے تو یہ اتنی بڑی کرامت ہے کہ سو مرتبہ ہوا پر اڑنا اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں اتباع سنت ہے اور اتباع سنت سے قرب ہوتا ہے اور ہوا پر اڑنے سے کچھ بھی قرب نہیں ہوتا اگر ہم سنت کا راستہ اختیار کرلیں تو رحمت کا دروازہ کھل جائے اس لئے ہم کو چاہئے کہ اپنے کو تبدیل کریں، یاد

رکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے، اسی کو علامہ حالی فرماتے ہیں ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے بال پک گئے، ضعیفی آگئی مگر ہمارا وہی حال بد ہے، بھائی ہم سوچیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے سانچے میں ڈھلنا ہے، اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرنا ہے، ہر مرد کو، ہر عورت کو، ہر بوڑھے کو، ہر جوان کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے، بس ایک دو بات اور بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ بہت بڑے بزرگ ہیں، مگر ان کی ابتدائی زندگی کیسی تھی کہ جنگل میں رہتے تھے ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے اور جو قافلے ادھر سے گذرتے تھے ان کو لوٹ لیا کرتے تھے، لیکن جب اللہ کا خوف طاری ہوا اور توبہ کی توفیق ہوئی تو جس جس کا مال لوٹا تھا سب کو لے جاکر واپس کیا یا معاف کرایا، ایک یہودی کا بھی مال لوٹا تھا مگر اس کی ادائیگی کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تو اس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ اے بھائی! تمہارا مال بھی ہم نے لوٹ لیا تھا لیکن اب اس کی ادائیگی کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہا اس لئے تم اس کو معاف کردو، اس نے کہا میں

ہر گز نہیں معاف کروں گا، کئی دن تک پڑے رہے تو اس نے ان کو ذلیل کرنے کے لئے ایک دن یہ حرکت کی ایک تھیلی میں بالو بھر کر کسی طاق پر رکھ دیا اور ان سے کہا کہ جاؤ اس طاق پر سے تھیلی اٹھا لاؤ، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ لائیں گے تو سب کے سامنے کہوں گا کہ اس تھیلی میں سونا تھا اس کو تم نے نکال کر اس میں بالو بھر دیا ہے، ابھی تمہاری عادت چھوٹی نہیں اور آئے ہو معافی مانگنے؟ اس طرح حضور ﷺ کا ایک آدمی رسوا ہوگا، تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت فضیلؒ نے جب وہ تھیلی یہودی کے سامنے لاکر رکھی اور اس نے تھیلی کو انڈیلا تو دیکھا کہ اس میں بجائے بالو کے سونا بھرا ہے، اس کا اس یہودی کے اوپر اتنا اثر ہوا کہ حضرت فضیلؒ سے کہا آپ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھ پر ایمان لاتا ہوں اور فوراً کلمہ پڑھ لیا" اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اور کہا کہ ہم نے توریت میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ میں جو سچی توبہ کرے گا وہ اللہ کا ولی بن جائے گا، واقعی آپ نے سچی توبہ کی ہے۔

سبحان اللہ! سچی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے ہاتھوں کیسی کرامت ظاہر فرمائی، حدیث شریف میں بھی آتا ہے "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهٗ" گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہوتا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو، یہ کیسی توبہ کہ صرف زبان سے توبہ توبہ کرے اور دل پہ اس کا کچھ اثر نہ ہو، ارے سچی توبہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنے کو

بدل ڈالے، توبہ نصوح اسی کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی کا حکم اس آیت میں فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں چلنے کا پہلا دروازہ توبہ ہے بغیر اس سے پار ہوئے آدمی آگے نہیں چل سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ وہ مجاہدین ایسے ہیں کہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، خدا کی راہ میں پھرنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے ہیں اور بری باتوں سے باز رکھنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مؤمنین کو (جن میں یہ صفات ہوں) آپ خوش خبری سنا دیجئے (کہ ان سے جنت کا وعدہ مذکور ہے)

اس آیت میں سب صفات سے مقدم توبہ کو فرمایا ہے، اسی لئے بزرگوں نے پہلا دروازہ توبہ کو قرار دیا ہے، جس طرح احکام ظاہری میں سب سے مقدم ہے کہ ناپاک آدمی نماز نہیں پڑھ سکتا اس کے لئے غسل کرتا ہے پاک ہوتا ہے، نماز کے لئے یہ شرط ہے کہ جسم پاک ہو، جگہ پاک ہو، کپڑا پاک ہو، تب نماز ہوتی ہے اسی طرح دل کا پاک ہونا بھی ضروری ہے اور توبہ کے ذریعہ

دل ہی پاک کیا جاتا ہے اگر ہم نے سب کچھ پاک کر لیا مگر ہمارا دل ناپاک ہے تو ہماری نماز کیسی ہو گی ظاہر ہے، اسی دل کو پاک کرنے کے لئے اور دل کو دل بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (پ ۲۸) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و دانشمندی سکھلاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے کتنے ہی دلوں کو پاک کر دیا اور آپ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ نفوس کا تزکیہ فرمائیں اور اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور حضور ﷺ کے بعد ان کے سچے جانشینوں کی صحبت سے لوگوں کے قلوب پاک ہوتے رہیں گے جو کوئی اللہ والوں کا دامن تھام لے گا اس کا دل بھی پاک ہو جائے گا، ہمارے ایک عزیز تھے جن کا انتقال ہو چکا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، انہوں نے حضور ﷺ کی شان میں ایک نعت کہی ہے اور خوب بات کہی ہے کہتے ہیں ۔

وہ بندوں کو حق سے ملا دینے والے		وہ پیغام خالق سنا دینے والے
عرب کی زمیں کو ہلا دینے والے		وہ دوزخ کو جنت بنا دینے والے

حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے دنیا دوزخ کا نمونہ بنی ہوئی تھی حضور اقدس ﷺ نے دنیا کو جنت بنایا پھر صحابہ کرامؓ کا دور اور اس کے بعد

تابعین اور تبع تابعین کا دور آیا، ان سب زمانوں کو خیر القرون کہا جاتا ہے، ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا اس کو جہنم کی آگ نہیں جلائے گی، سبحان اللہ! جب ان کے دیکھنے میں یہ اثر ہے تو ان کی صحبت میں کیسا کچھ اثر ہوگا اس لئے کہا گیا۔

یک زمانے صحبتت با اولیا　　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اب ہمارا حال یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں جی نہیں لگتا، ناچ گانوں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں بری صحبتوں میں وقت گذارتے ہیں اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر اخبار دیکھتے ہیں، قصے کہانیوں کی کتاب کو خوب شوق سے پڑھتے ہیں مگر اللہ کی کتاب کو نہیں پڑھتے، اللہ والوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے، ہمارے مردوں کا بھی یہی حال ہے اور عورتوں کا بھی، رہے بچے تو وہ بڑوں ہی سے سیکھتے ہیں۔

عورتوں میں رابعہ بصریہ بھی تھیں وہ رات میں عبادت کرتی رہتی تھیں اور پاس میں اپنا کفن بھی رکھتی تھیں جب نیند آتی تو کفن دکھا کر اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرماتیں کہ اے رابعہ! ایک دن یہاں سے جانا پڑے گا اور قبر کے گڑھے میں قیامت تک سونا پڑے گا اس کے لئے کچھ سامان کر لے، اسی کو کسی نے کہا ہے۔

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

اسی طرح سے وہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتیں جب صبح ہونے لگتی تو بڑی حسرت سے کہتیں کہ یا اللہ! اب آفتاب نکلنے والا ہے اب مجھے اپنے آقا کا کام کرنا

پڑے گا، کاش کہ رات ہی رہتی صبح نہ ہوتی تاکہ میں آپ کی عبادت کرتی رہتی۔

اللہ اکبر! کسی وقت ہماری عورتوں کا یہ حال تھا، واقعی جس کو اللہ کی عبادت میں مزہ مل جاتا ہے اس کا یہی حال ہو جاتا ہے۔

دلائل الخیرات جو درود شریف کا مجموعہ ہے، محمد بن سلیمان جزولی نے اس کو جمع فرمایا ہے آپ اپنے مریدوں کو لے کر سفر کر رہے تھے، ایک بستی میں پہنچے وہاں ظہر کی نماز کا وقت آخر ہونے لگا پانی کی تلاش ہوئی، ایک کنواں ملا لیکن رسی ڈول نہ تھی یہ لوگ بہت پریشان تھے کنویں کے گرد پھرتے تھے کنویں سے کچھ فاصلہ پر ایک مکان تھا اس میں ایک آٹھ نو سال کی لڑکی شیخ کی یہ حالت دیکھ رہی تھی، لڑکی نے پوچھا آپ کیوں پریشان ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں محمد بن سلیمان جزولی ہوں، ظہر کا وقت تنگ ہے ڈول اور رسی نہیں ہے کہ پانی نکال کر ہم لوگ وضو کر کے نماز ادا کریں اس لڑکی نے کہا آپ اتنے بڑے شیخ ہیں آپ کو پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کو تو اس کی ضرورت نہیں پڑتی، شیخ نے کہا کیوں مذاق کرتی ہو ہم کو نماز میں دیر ہو رہی ہے جلدی سے رسی ڈول لاؤ، اس نے کہا مذاق نہیں کر رہی ہوں صحیح بات ہے، ذرا دیکھئے اس نو برس کی لڑکی کا کیا حال ہے، آج کل تو سو برس کی عورت کا بھی یہ حال نہیں ہے ان کو قربان ہونا چاہئے وہ لڑکی کچھ پڑھ کر دَم کرتی ہے اور کنویں کا پانی جوش مار کر اوپر آجاتا ہے، جب پانی اوپر آگیا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ آیئے وضو کیجئے، شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور فرمایا کہ بیٹی تو نے کیا پڑھ کر دَم کیا ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں بس

درود شریف پڑھ کر دم کردیا ہے، وہ درود دلائل الخیرات میں موجود ہے، آپ کہیں گے کہ ہم بھی تو پڑھتے ہیں ہمارے پڑھنے سے ایسا کیوں نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے کہ آپ کی زبان ناپاک ہے اس لئے اس کا ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔

درود شریف میں آج بھی وہی برکت ہے، کیوں بھائی! آپ کے پاس ایک چمچہ ہے اور آپ کو معلوم ہو کہ اس میں نجاست لگی ہوئی ہے پھر اسی چمچہ سے اگر شوربا وغیرہ نکالا جائے تو کیا آپ اسے کھا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کھائیں گے کیونکہ وہ ناپاک ہے پہلے دھو کر اسے پاک کریں گے تب استعمال کریں گے اسی طرح بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زبان دل کا چمچہ ہے جب ہماری زبان پاک ہوگی تو اس میں بھی وہی اثر ہوگا جو اللہ والوں کی زبان میں ہوتا ہے ہم نے تو اپنی زبانوں کو ناپاک کرلیا ہے، دل کو ناپاک کرلیا ہے، پھر ہماری زبانوں میں اثر ہو تو کیسے ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

مسلمان کی تو یہ شان ہونی چاہئے کہ اس کا دل بھی پاک ہو، اس کی زبان بھی پاک ہو، اس کا خیال بھی پاک ہو، اس کا ظاہر بھی پاک ہو، اس کا باطن بھی پاک ہو، غرضیکہ اس کی ہر چیز پاک ہو، آیئے! آج صحیح معنوں میں ہم مسلمان بن جائیں، فرماں بردار بن جائیں اور حضور اقدس ﷺ کے صحیح معنوں میں امتی بن جائیں، اسی میں ہماری فلاح ہے۔

آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کیجئے اور معتبر علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کو پڑھئے، نیز ان کتابوں کو اپنے بچوں کو سنائیے، گھروں میں اپنی عورتوں کو سنائیے، حکایات صحابہؓ پڑھئے، فروع الایمان، جزاء الاعمال، بہشتی زیور پڑھئے، اسی طرح مصلحین امت کی جو کتابیں ہیں ان کو پڑھئے، جب اس میں دل لگ جائے گا اور اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں آدمی مشغول ہو جائے گا تو پھر کسی دوسری چیز میں جی نہیں لگے گا، کاروبار کو شریعت نے منع نہیں کیا ہے اس کو بھی کیجئے مگر شریعت کے مطابق کیجئے، قربان جایئے حضور ﷺ پر کہ آپ نے ہماری ہر چیز کو عبادت بنادیا، ہماری عادت کو بھی عبادت بنادیا، ہمارا کھانا بھی عبادت، کاروبار بھی عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس میں سنت کا لحاظ کریں، ہمارا ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، لینا دینا، اگر یہ سب اللہ کے لئے ہو جائے تو سب عبادت بن جائے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ہم اس تجارت کو اختیار کرلیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعوت دی ہے یعنی سچے دل سے ایمان لائیں اور جانی ومالی قربانی اللہ کے راستے میں پیش کریں، تو اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف کر دیں گے اور ہمیں جنت میں داخل کریں گے جس کی آسائش وراحت کا دنیا میں کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا، وہاں تو ایسی ایسی نعمتیں ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل میں اس کا خیال ہی گذرا، اس کا صحیح اندازہ تو واقعی وہیں چل کر ہوگا۔

میں ایک مدت سے اس بستی کو جانتا ہوں اور عرصہ سے میری بھی یہاں

آنے کی خواہش تھی اور اس بستی والوں کی بھی خواہش تھی، ان لوگوں نے بارہا اس کا اظہار کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، آج اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فیصلہ تھا کہ میں آپ کی بستی میں آؤں چنانچہ آگیا اور آپ حضرات سے مل کر جی خوش ہوا اور آپ کے برتاؤ سے بھی بڑی خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے اور ہر طرح سے خوش رکھے، دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عافیت سے رکھے۔

میں اپنا حال سچ عرض کرتا ہوں کہ اس قابل نہیں ہوں کہ کہیں آجا سکوں الٰہ آباد میں ڈاکٹر ابرار صاحب کے یہاں بیمار ہو کر آیا ہوں، تین مہینہ سے بیمار ہوں میرے اندر دم نہیں تھا کہ اس وقت کچھ بیان کرتا اور بیان سے پہلے میرے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہلوا دیا میں نے کہہ دیا، لہٰذا آپ نے جو کچھ سنا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور عمل پر جو وعدے ہیں وہ سب برحق ہیں آدمی ان پر یقین رکھے تو فلاح و کامیابی ضرور حاصل ہوگی، بس اب صرف ایک آیت پڑھ کر بیان ختم کردوں گا باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی کوئی مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو اور عمل صالح کرے تو ہم اس کو ضرور بالضرور حیات طیبہ عطا کریں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

حیات طیبہ کہتے ہیں خوشگوار زندگی کو، ایک زندگی بے کیف ہوتی ہے اور ایک زندگی باکیف ہوتی ہے، بزرگان دین کو دین پر عمل کرنے کی وجہ سے اسی دار دنیا میں باکیف زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کو مزہ ملتا ہے کہ دنیا ہی میں ان کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، اس لئے ہمارے مردوں کو، عورتوں کو، جوانوں کو اور بوڑھوں کو غرضیکہ سب کو دین پر عمل کرنا چاہئے اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی بنانا چاہئے اور وہ ایمانی جذبہ پیدا کرنا چاہئے جس سے ہماری زندگی باکیف ہو جائے اور بچوں کو میں کیا کہوں جب ہمارے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں دین کی طرف نہیں آتیں تو پھر بچے تو بڑوں ہی سے سیکھتے ہیں ان کے اندر عمل کا جذبہ اور داعیہ کیسے پیدا ہوگا؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی دین کی راہ اختیار کریں، نیک راستے پر لگیں تو پہلے خود عمل کے لئے مستعد ہو جائیے، دیکھئے! حضور اقدس ﷺ کے زمانہ مبارک میں دو نوعمر بچے جو آپس میں بھائی تھے ایک جہاد میں جانے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں بڑے شوق سے آئے، آپ نے بڑے بھائی کو جہاد میں لے لیا، دوسرے سے فرمایا کہ تم ابھی چھوٹے ہو ابھی جہاد میں نہیں جا سکتے تو اس نے عرض کیا کہ حضورؐ! آپ نے میرے بھائی کو عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے لے لیا اور مجھے چھوڑ دیا حالانکہ اگر آپس میں ہماری کُشتی ہو تو میں اسے پچھاڑ سکتا ہوں چنانچہ کُشتی کرائی گئی تو چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو پچھاڑ دیا تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا بھائی تم بھی چلو۔

سبحان اللہ! کیا جذبہ تھا! دیکھا آپ نے، مٹھائی کھانے کے لئے جا رہے

تھے؟ جان دینے کے لئے جانا چاہتے تھے اور اس کے لئے یہ جذبہ تھا کہ ہر ایک پہلے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جانی و مالی قربانی پیش کرو گے تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائیں گے، کھاؤ پیو، تجارت کرو، کاروبار کرو، مگر سب میں اس بات کا لحاظ رکھو کہ شریعت کے مطابق چلو، کوئی قدم ہمارا اخلاف شرع نہ اٹھے اسی کے اندر فلاح ہے، ورنہ گناہ اور نافرمانی کا انجام خسارہ ہی خسارہ ہے ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو شریعت مقدسہ پر عمل کرتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہے، جن کو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی محبت حاصل ہے، بزرگان دین کی محبت حاصل ہے، سب سے بڑی کامیابی یہی ہے، جس کو یہ حاصل ہے تو بڑی چیز حاصل ہے، سبحان اللہ! کیا کہنا، مبارک ہو، ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

آیئے! ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

توحید و رسالت

اقتباس

دوستو! خدا کی قسم رسالت کا مقام بہت اعلیٰ مقام ہے ہم کو چاہئے کہ ہم اس مقام کو پہچانیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ رسول کا کیا منصب ہے دنیا جہان کے سارے لوگ کچھ کہہ دیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جو بات فرمادیں وہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل اور رد ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان الٰہ آباد میں محترم جناب ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے مکان پر ہوا جس میں توحید باری تعالیٰ پر روشنی ڈالتے ہوئے مقام رسالت کو اجاگر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِيَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ،صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا.

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ،﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ وَجَاھِدُوْا فِیْ اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبَاکُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِیْ الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْداً عَلَیْکُمْ وَ تَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلیٰ النَّاسِ فَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلیٰ وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ٥ (پ۱۷)

اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ تعالی کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے،اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور

تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو، اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول اللہ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہ تمہارا کارساز ہے، سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

بیان کرنے کے لئے اور اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے اس چیز کی ضرورت ہے کہ بیان کرنے والے کے دل میں اللہ کی محبت ہو، اللہ کی عظمت ہو اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو اور وہ محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دین کی دعوت دے، یعنی اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو کہ اللہ کے بندوں کو اللہ ہی کے لئے ہم دین کی طرف بلا رہے ہیں، اسی طرح سننے والوں کے لئے بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ سننے کے لئے دل لگا کر متوجہ ہو جائیں اور گوش دل سے سنیں اور اس نیت سے سنیں کہ ہم جو کچھ سنیں گے اس پر عمل بھی کریں گے، اللہ اور اللہ کے محبوب ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں گے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰى" بلاشبہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

یہ بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث ہے جس میں فرماتے ہیں کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور یہ اس لئے فرمایا کہ نیت کو بڑا دخل ہے اور نیت میں

بڑی برکت ہے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اعمال تو ہوتے ہیں مگر ہماری نیت خالص نہیں ہوتی، ریاو نمود کی آمیزش ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے سب اعمال بے کار اور محنت ضائع ہو جاتی ہے، اور من جملہ اعمال کے ایک بڑا عمل اللہ کے دین کی دعوت اور تبلیغ بھی ہے، اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے لہٰذا اس کی کوشش ہونی چاہئے کہ ہماری دعوت اللہ کے لئے ہو جائے اور دل کے اندر تڑپ ہو، ذوق شوق اور محبت ہو اور اس بات کا داعیہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے، اخلاص سے دعوت دینا بڑا مشکل کام ہے، اس کو وہی انجام دے سکتا ہے جو مؤید من اللہ ہو، اللہ ہی کی توفیق و تائید سے یہ آسان ہو سکتا ہے، جس طرح ایک شفیق طبیب مریض پر مہربان ہوتا ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ اس کو شفا ہو جائے اور یہ تندرست ہو جائے تو اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے، دوائیں دیتا ہے، پرہیز بتلاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی سے دعا بھی کرتا ہے، چنانچہ پہلے زمانہ کے اطبا ایسے شفیق ہوتے تھے کہ سب تدبیریں بتلا کر رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے تھے، کہ یا اللہ اس مریض کو شفا ہو جائے تو جب طبیب جسمانی اپنے مریضوں پر اس قدر شفیق ہوتا ہے پھر انبیاء علیہم السلام جو طبیب روحانی ہیں ان کی شفقت کا کیا کہنا، وہ تو سراپا شفقت ہوتے ہیں، چنانچہ انہوں نے دنیا جہاں والوں کو اللہ کی طرف بلایا، پتھر وہ کھاتے تھے، لعن طعن وہ برداشت کرتے تھے، کانٹے ان کی راہ میں بچھائے جاتے تھے، ان کو طرح طرح سے ستایا جاتا تھا اور بڑی بڑی مصیبتیں ان کو پہنچائی جاتی تھیں، مگر وہ مخلوق پر ایسے

شفیق تھے کہ پتھر کھا کر دعا دیتے تھے، تکلیفیں برداشت کرتے تھے، ان کی نظر اللہ ہی پر تھی وہ اللہ ہی کے لئے بولتے تھے اس لئے ان کی نیت کا اثر لوگوں پر بھی پڑتا تھا۔

حضور اقدس ﷺ تو سب سے بڑھ کر شفقت فرمانے والے تھے آپ سے بڑھ کر مخلوق پر کوئی شفیق نہیں، آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بندہ جہنم میں جائے، آپ کا دلی مقصد یہ تھا کہ سارے جہاں کے لوگ ایمان لائیں اور جہنم سے بچ جائیں، مگر اللہ کی مشیت کا فیصلہ کچھ اور ہے، اللہ تعالی نے جہنم کو بھی بنایا ہے اور اس میں بھی لوگوں کو جانا ہے اور اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، نبی کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے، اللہ کے احکام کو بندوں تک پہنچا دینا ہے، رہی ہدایت تو وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، حضور اکرم ﷺ کی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ قوم ان کو پریشان کرتی اور ستاتی تھی حتی کہ ساحر، کاہن اور مجنون کا خطاب دیتی تھی مگر اللہ کے محبوب ﷺ نہ تو ان کے حق میں بد دعا فرماتے، نہ کوئی کلمہ نکالتے، بلکہ خود اللہ تعالی ہی ان کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ آپ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کو لوگوں نے ساحر اور مجنون نہ کہا ہو اور فرماتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُوْلُوْا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (پ۲۶) آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے کیا، نیز ایک جگہ فرماتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيْلاً﴾ (پ۲۹) جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جایئے۔

چنانچہ آپ پتھر کھا کر، لعن طعن سن کر ان کے ظلم کا بدلہ نیکی سے دیتے رہے، آپ کے مبارک اور مقدس قلب کی وہ حالت تھی جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا، نبی کا حال بھلا امتی کیا سمجھے، آپ کی ذات مبارک سراپا شفقت و رحمت تھی اور آپ کی دلی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ اللہ کے بندے ایمان لائیں، جنت میں جائیں، جہنم سے بچ جائیں، اللہ کو راضی کریں اور زندگی کا مقصد حاصل کریں۔

تقریر کرنا بہت آسان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ محض اللہ کے لئے بولنا اور اس طور پر بولنا کہ اس سے کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، نہ مال کا طالب ہو، نہ جاہ کا طالب ہو، نہ دولت کا طالب ہو، بس وہ صرف یہ چاہتا ہو کہ اللہ کے لئے اللہ کے دین کی دعوت دے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، یہ بہت مشکل کام ہے، یہ منصب نبوت اور کار نیابت ہے، اس کے لئے تو وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا اور ان کا طریقہ یہی ہے کہ وہ نہ مال کے طالب ہوتے نہ جاہ کے طالب ہوتے بلکہ ان کو صرف اللہ کے راضی کرنے کی فکر ہوتی ہے اور ان کی توجہ ہر وقت صرف اس طرف رہتی ہے کہ اللہ کے بندے کسی طرح ہدایت پا جائیں، وہ دل سے دعا بھی کرتے ہیں اور اللہ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ کی باتوں کو پہنچاتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جو دعوت کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ آپ اپنے

رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے (کہ جس میں شدت وخشونت نہ ہو) بحث کیجئے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کی نیابت میں جو لوگ دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بھی یہی کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں، اللہ کے محبوب کی حدیثوں کو سناتے ہیں، اسلامی اور ایمانی زندگی بنانے کی اور من مانی زندگی سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایمان کی حقیقت کیا ہے اور اسلام کے معنی کیا ہیں؟ ہم نے کبھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اسلام کے معنی ہیں اپنے کو سپرد کردینا اور حوالے کردینا، جب ہم نے یہ کلمہ پڑھ لیا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور توحید ورسالت کا اقرار کرلیا تو بہت بڑی بات کا اقرار کیا، یہ کلمہ دیکھنے میں تو ایک بول ہے مگر سمجھ لیجئے کہ بہت قیمتی اور بڑا وزنی ہے، اگر اس کی حقیقت سمجھنا ہو تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات سے سمجھ لیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اپنی جان، مال اور اپنی اولاد کو، اپنے عیش وراحت کو، اپنی عزت کو، اپنی ساری چیزوں کو قربان کردیا، صحابہ یہی کلمہ پڑھتے تھے جس کی وجہ سے انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، سینے پر پتھر رکھا جاتا تھا، کانٹے چبھوئے جاتے تھے، مارے جاتے تھے، ذلیل کئے جاتے تھے وطن سے نکالے جاتے تھے مگر وہ ہر حال میں ثابت قدم رہے اور سبحان اللہ کیسا ان کا پڑھنا تھا، انہوں نے اللہ کی توحید کا اقرار کرلیا تھا، ان کو حضور ﷺ

کی رسالت پر کامل ایمان تھا اس لئے ساری مصیبتوں کو برداشت کرتے تھے اور اس میں وہ اپنی عزت سمجھتے تھے، اور ان سب تکالیف میں ان کو لذت ملتی تھی، در حقیقت اس کلمہ کا مزہ انہیں کو ملتا تھا اور انہیں کو اصلی کیفیت اور حقیقی حلاوت حاصل ہوئی تھی، ہم لوگ بھی کلمہ پڑھتے ہیں لیکن دیکھ لیں کیا ہماری بھی یہی کیفیت ہے ؟ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر آج امتحان لیا جائے تو بہت تھوڑے لوگ اس کلمہ کو سمجھنے والے نکلیں گے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کو کلمہ بھی نہیں آتا، نہ اس کلمہ کی حقیقت جانتے ہیں نہ اس کے منشا کو سمجھتے ہیں، ارے! یہ کلمہ جنت کی کنجی ہے اور یہ کلمہ اتنا وزنی ہے کہ ساتوں طبق زمین اور ساتوں طبق آسمان اس کے مقابلہ میں ہلکے ہیں مشکوٰۃ شریف میں حدیث آتی ہے

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال
رسول اللہ ﷺ قال موسیٰ علیه
الصلوة والسلام یا رب علمنی شیئا
اذکرك به وادعوك فقال یا موسیٰ قل
لا اله الا الله فقال یا رب کل عبادك
یقول هذا انما ارید شیئا تخصنی به
قال یا موسیٰ لو ان السمٰوٰت السبع
وعامرهن غیری والارضین السبع

وسكانها وضعن فی كفة ولا اله الا
الله فی كفة لمالت بهن لا اله الا الله
رواه فی شرح السنة،

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے میرے رب! آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز تعلیم فرمایئے کہ جس کے ذریعہ آپ کو یاد کروں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! لا اله الا الله کہا کرو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کو تو آپ کے سبھی بندے کہتے ہیں، میں ایسی چیز چاہتا ہوں کہ مجھ ہی کو آپ اس کے ساتھ خاص فرمادیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور اس کے آباد کرنے والے سوا میرے اور ساتوں زمین اور اس کے رہنے والے ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا اله الا الله دوسرے پلہ میں، تو البتہ ان کے مقابلہ میں لا اله الا الله کا پلہ یقیناً جھک جائے گا۔

آیئے ہم آپ کو اس کلمہ کی حقیقت بتلائیں، اس میں ہم اقرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اور حضور اقدس ﷺ کی رسالت کا، اور اس میں تمام معبودان باطل کی نفی کرتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود، نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق، نہیں ہے کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ، اور جس طرح اس میں معبودان باطل کی نفی ہے اپنے نفس کی بھی نفی ہے اپنی رائے کی بھی نفی ہے

اور مخلوق کی بھی نفی ہے جب ہم نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو سب کی نفی کر دی اور اللہ ہی کا اقرار کیا۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس نفی کو کامل طریقہ سے پورا فرمایا اور یہ اعلان کر دیا کہ ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ (میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) جو چیز مٹ جانے والی ہے اور فنا ہو جانے والی ہے اس سے کیا تعلق، اللہ کی ذات کے سوا ساری چیزیں فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہیں، اگر ہم صحابہ کرامؓ کی زندگی کو دیکھیں تو ہم کو دنیا کی حقیقت ان کے حالات کی روشنی میں خوب واضح ہو جائے کہ وہ اسی دنیا میں رہ کر اس کے فنا ہو جانے کا اور مٹ جانے کا کیسا استحضار رکھتے تھے اور کس قدر آخرت کی تیاری میں ہمہ تن لگے رہتے تھے، مگر ہم کو تو دنیا کے کاموں ہی سے فرصت نہیں، آخرت کی ذرا فکر نہیں، دنیا کی محبت ہمارے قلوب میں اس طرح سما گئی ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اگر کہہ دیا جائے کہ صرف نام کے مسلمان ہیں تو وہ بالکل بجا ہوگا، حدیث پاک کے اندر آتا ہے :

یوشك ان یاتی علی الناس زمان لایبقی من
الاسلام الا اسمه ولایبقی من القرآن الا رسمه

یعنی عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی صرف رسم باقی رہ جائے گی۔

آج اگر ہم اپنے حالات پر غور کریں تو نظر آجائے گا کہ صحیح معنوں میں

اسلام باقی نہیں رہا کیوں کہ اسلام درحقیقت نام ہے اپنے کو فنا کردینے کا، اپنی رائے کو چھوڑ دینے کا، اور اللہ ورسول ؐ کے حکموں پر سب کچھ قربان کردینے کا، اور مسلمان اس کو کہتے ہیں جو فرماں بردار ہو، اللہ ورسول ؐ کے حکموں کے سامنے گردن جھکا دینے والا ہو، اور چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہو، ہم کیا جانیں کہ اسلام میں کیا مزہ ہے، توحید میں کیا حلاوت ہے، ایمان میں کیا لذت ہے، ہم لوگوں کی زندگی گذرتی جارہی ہے عمر ختم ہورہی ہے مگر اسلام حقیقی نصیب نہ ہوا، آج مسلمان شکایت کرتا ہے کہ ہم مصائب وشدائد میں ہیں مگر اس پر نظر نہیں جاتی کہ ہم حقیقی معنوں میں مسلمان بن جائیں، اور اگر اس کی طرف نظر ہوجائے اور ہم سچے اور پکے مسلمان بن جائیں تو سب شکوہ شکایت ختم ہوجائے اور جس حال میں اللہ رکھے اس پر راضی رہیں۔

اسی طرح سے قرآن کے بارے میں بھی ہم غور کرکے دیکھ لیں کہ ہم قرآن مجید پڑھنے اور اس کے سمجھنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سب کا یکساں حال ہے بس صرف رسمی طور پر ہم لوگ مسلمان ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ جن لوگوں نے قرآن مجید پڑھا ہے وہ بتائیں کیا اس کی تلاوت کرتے ہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ بھی قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام نہیں کرتے اور جو لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں وہ واقعی بڑے خوش نصیب ہیں، اس لئے کہ قرآن کا پڑھنا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی

ہیں، پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے اس طرح الٓمٓ پڑھنے میں تیس نیکیاں ملتی ہیں اور علماء نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو ایک ایک حرف پر سو سو نیکیاں ملتی ہیں اور جو شخص قرآن مجید کو باوضو ہو کر مؤدب بیٹھ کر پڑھتا ہے تو ہر حرف پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں، ہمارے اکابر واسلاف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ نیکیوں کو سمیٹتے تھے، خیر کی طرف لپکتے اور دوڑتے تھے اس لئے کہ ان کو اللہ سے عشق تھا، ہر وقت اللہ کو راضی کرنے کی فکر تھی، ہم انصاف سے اپنے نفس کو دیکھ لیں اور اپنا فیصلہ خود کریں کہ واقعی ہمارے دل میں نیکیوں کی کتنی قدر ہے، ذرا غور کریں اور انصاف سے کام لیں اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیں کہ ہمارے اندر جتنی قدر مال و دولت کی ہے اور جتنی محبت اہل وعیال کی ہے اور جتنی رغبت جاہ و منصب کی ہے اتنی ایمان کی بھی ہے؟ اور اس بات کی طرف بھی رغبت ہے کہ قیامت میں کیا چیز کام آئے گی؟

میں تو سچ کہتا ہوں کہ جس طرح آج کل ایک آلہ ایسا ہے جس کو لگا دیتے ہیں تو اس سے اندر کا مرض سامنے آجاتا ہے جس کو ایکسرے کہتے ہیں اسی طرح اگر کوئی آلہ ایسا ہوتا جو کھول کھول کر ہمارے دل کے امراض کو بتا دیتا کہ تمہارے اندر نہ اللہ کا یقین ہے، نہ رسول ؐ کا یقین ہے، نہ قیامت کا یقین ہے، نہ جنت کا یقین ہے، نہ جہنم کا یقین ہے تو آپ کے سامنے اپنے ایمان کی

حقیقت آجاتی مگر ایسا کوئی آلہ ایجاد نہیں ہوا، لیکن اللہ کے جو خاص بندے ہیں جو اللہ کے ولی ہیں، صحیح معنوں میں عباد الرحمٰن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسی نظر اور فہم و فراست عطا فرمادیتے ہیں جس سے وہ باطن کے امراض کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی نشاندہی فرماتے اور علاج بتلاتے ہیں، ان کی نگاہوں سے بچ کر کوئی شخص جا نہیں سکتا۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم لوگ نام کے مسلمان ہیں حقیقت بالکل غائب ہے، اسلام ہمارا دین و مذہب ہے مگر ہم اتنے بے فکر ہیں کہ جانتے تک نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ہم بالکل غافل ہو چکے ہیں اور غفلت کو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ غفلت ام الامراض ہے، ہم کو چاہئے کہ اپنی غفلت دور کریں، اللہ کی کتاب پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں نیز اس بات کی فکر پیدا کریں کہ ہمارا مقصد زندگی کیا ہے؟ کیا ہمارا مقصد دنیا میں جینے کا صرف یہ ہے کہ بس کھائیں، کپڑے بنائیں، نوکری کریں، تجارت کریں، مال کمائیں اور دنیا جمع کریں؟ میرا مقصد یہ نہیں کہ ان سب کو چھوڑ دیں، شریعت نے اس سے منع نہیں کیا ہے اس لئے دنیا میں رہ کر آپ یہ سب کچھ کریں لیکن اس کو مقصود زندگی نہ بنائیں بلکہ اصل مقصد حیات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور انسان کی زندگی اور جانور و بہائم کی زندگی میں کیا فرق ہے؟ اگر صرف کھانا پینا مقصد زندگی بن گیا تو انسان اور بہائم برابر ہو جائیں گے، پھر انسان کی زندگی جب بہائم کی طرح ہو جائے تو وہ کس کام کی؟

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ زندگی کا مقصد نہ فلسفی بتا سکتا ہے نہ حکیم و طبیب بتا سکتا ہے، نہ ادیب و شاعر بتا سکتا ہے اس لئے کہ دنیا میں سب کچھ تھا کھانا پینا، دولت، زمین اور ساری چیزیں موجود تھیں لیکن انسان مقصد زندگی سے ناواقف تھا اس کو بتلانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے ہم کو بتایا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اگر اس مقصد کو ہم فراموش کر دیں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔

واللہ! وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جو اس مقصد کو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں کیوں بھیجا، ہم ذرا انصاف سے دیکھیں کیا وہ مقصد حیات ہمارے پیش نظر ہے؟ سنئے یہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کے لئے بنائی ہیں اور انسان کو صرف اپنے لئے بنایا ہے، ہم کبھی تو سوچا کریں کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو، پھلوں، ترکاریوں اور غلوں کو استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر موسم میں کیسے کیسے رنگ برنگ کے میوے عطا فرمائے ہیں، گرمیوں میں کچھ اور قسم کے پھل ہوتے ہیں اور جاڑوں میں اور قسم کے اور برسات میں کچھ اور، یہ ساری چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمائی ہیں کبھی ہم اپنے دماغ کو اس میں بھی لگا دیں کہ آخر یہ سارا نظام جو ہمارے لئے قائم فرمایا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ ہم نے تو اپنا سارا دماغ اور کل عقل و فہم دنیا ہی میں خرچ کر دیا، کبھی تو چار پانچ منٹ کا وقت نکال کر بیٹھیں، سوچیں کہ زندگی کا جو مقصد ہے اس کو ہم نے ادا کیا یا نہیں؟ مومن کی زندگی کا

مقصد صرف کھانا، پینا اور عیش کرنا نہیں ہے، دنیا میں مؤمن بھی کھاتا پیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور کافر بھی کھاتا پیتا ہے مگر مؤمن کا کھانا پینا کچھ اور قسم کا ہوتا ہے اور منکر کا کچھ اور طرح کا ہوتا ہے، کافر کی زندگی کا مقصد صرف کھانا ہی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ہم صرف کھانے ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اس پر وہ یہاں دار دنیا میں بہت خوش ہے، لیکن آخرت میں جاکر بہت نادم ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کے حال پر نکیر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ (پ ۱۴) کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ مسلمان ہوتے آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ خوب کھالیں اور چین اڑالیں، اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، اور فرماتے ہیں ﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلاً اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ تھوڑے دن کھاپی لو مزے برت لو یقیناً تم مجرم لوگ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کو مقصود زندگی بنالینا جرم ہے چنانچہ مؤمن اللہ کے حکم کے تحت کھاتا ہے، اس کے کھانے کا مقصد صرف مزہ حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ وہ اس لئے کھاتا ہے کہ قوت پیدا ہو، زندگی قائم رہے تاکہ اللہ کی بندگی کرسکیں۔

اللہ والوں کا کھانا، اللہ والوں کا پینا، اللہ والوں کا سونا جاگنا، اللہ والوں کا

ملنا جلنا، اللہ والوں کی محبت و عداوت، دوستی و دشمنی سب اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے، وہ نفس سے نکل چکے ہوتے ہیں ان کے سامنے ہر وقت مقصد حیات ہوتا ہے، ان کے پیش نظر ہر وقت یہ بات رہتی ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے متعلق خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا مگر ہم مسلمانوں کا حال آج کل یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان کہلانے کے باوجود ایک جماعت دین کا مذاق اڑانے والی بھی موجود ہے جو قرآنی تعلیم کا انکار کرنے والے، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں سے منہ موڑنے والے، دین مقدس پر اعتراض کرنے والے ہیں ایسے لوگ بس نام کے مسلمان ہیں، آپ خود غور کیجئے کہ جب یہ دین کا مذاق اڑاتے ہیں تو پھر ان کے دلوں میں دین کی کیا حقیقت اور اسلام کی کیا عظمت باقی رہی؟ اور ان کے پیش نظر زندگی کا مقصد کیسے آسکتا ہے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم کچھ وقت نکال کر اس بات کو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں جو انسان کے لئے بنائی ہیں اور بے شمار نعمتیں جو ہم کو عطا فرمائی ہیں ان کا شکر بھی ہم ادا کرتے ہیں؟ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا﴾ اور اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

آج کل ہم مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی فکر ہم کو کھائے جا رہی ہے اور ہماری زندگی انتہائی بے مزہ اور بے لطف ہے، اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ ہماری زندگی کیسی بے کیف اور کیسی بے چینی اور اضطراب کی زندگی ہے، ذرا اللہ والوں سے پوچھو ان کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اللہ کی فرماں برداری

کرنے سے قلب میں کیسا سکون پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے ذکر سے ان کے قلب پر کیسا سکینہ نازل ہوتا ہے، واقعی اللہ کی یاد ہی سے قلب کو چین وسکون حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ واللہ! نہ مال سے قلب کو چین حاصل ہوتا ہے نہ دولت سے، نہ محل ومکان سے، نہ اہل وعیال سے، بلکہ دل کو اگر چین وسکون ہوتا ہے تو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے، پس ہم کو چاہئے کہ اللہ کو یاد کریں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو مستحضر رکھیں، دیکھیں کیسے کیسے رنگ کے میوے اور طرح طرح کے پھل ہمارے لئے پیدا فرمائے ہیں اور ہر ایک کا مزہ الگ الگ بنایا ہے، آم کا مزہ الگ ہے، انگور کا مزہ الگ ہے، سیب کا مزہ الگ ہے، جتنے میوے ہیں سب کا مزہ الگ الگ ہے، اللہ اللہ! قربان جایئے اپنے رب کے، کتنی چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں، جس طرح کھانے پینے کی بہت سی چیزیں عطا فرمائی ہیں اسی طرح مختلف نوع کی سواریاں بھی پیدا فرمائی ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَّ يَخْلُقُ مَا لاَتَعْلَمُوْنَ﴾ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے بھی، اور فرماتے ہیں کہ ایسی سواریوں کو پیدا کرنے والے ہیں جن کو تم نہیں جانتے، اس آیت میں قیامت تک جتنی نئی نئی سواریاں ایجاد ہوں گی وہ سب داخل ہیں ہم اس میں بھی غور کریں اور تھوڑی عقل اس میں بھی لگادیں کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بنا کر بھیج دیتے اور یہ ساری چیزیں نہ ہوتیں تو

انسان کی زندگی محال ہوتی اور اگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کا کیا نقصان؟ پانی کا کیا نقصان؟ ہوا کا کیا نقصان؟ پھلوں کا کیا نقصان؟ غلے کا کیا نقصان؟ انسان نہ ہو تو ان چیزوں میں سے کسی کا کچھ نقصان نہ ہو، البتہ اگر انسان ہو اور یہ چیزیں نہ ہوں تو اس میں ہمارا ہی نقصان ہے کیونکہ اگر انسان کھانا نہیں کھائے گا تو زندہ نہیں رہے گا، کپڑا نہیں رہے گا تو ننگا گھومے گا، ہوا نہ ہو تو سانس کیسے لے گا، پانی نہ ہو تو پیاس سے مر جائے گا، ان میں سے ایک ایک چیز انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، ارے بھائی ذرا ہم اس کو سوچیں کہ یہ آسمان کس کے لئے ہے؟ یہ زمین کا فرش کس کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ پہاڑوں کا میخ زمین میں کیوں ٹھونکا گیا ہے؟ اگر پہاڑ نہ ہوتا تو زلزلہ آجاتا، زمین الٹ پلٹ جاتی، آپ جانتے ہیں کہ دو تین منٹ کا زلزلہ کتنی تباہی لاتا ہے اور کتنوں کو الٹ پلٹ دیتا ہے، پہاڑوں کی وجہ سے یہ زمین تھمی ہوئی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب نعمتوں پر امتنان فرمایا ہے اور بطور احسان اس کا ذکر فرمایا ہے کاش! ہم کو قرآن پڑھنے کی توفیق ہوتی، کاش قرآن کا سمجھنا ہمیں نصیب ہو جاتا تو ہمارا دل ایمان سے لبریز ہو جاتا ہماری زندگی بدل جاتی، سنئے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰداً وَّالْجِبَالَ اَوْتَاداً وَّ
خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجاً وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً وَّ
جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاساً وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً وَّ

بَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعاً شِدَاداً وَّ جَعَلْنَا سِرَاجاً
وَّهَّاجاً وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ا ثَجَّاجاً
لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَباً وَّ نَبَاتاً وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافاً ﴾

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور ہم ہی نے تمہیں جوڑا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا، اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

ہمارے لئے آسمان کی چھت بنایا، زمین کا فرش بنایا اور ساری چیزوں کو پیدا فرمایا، ہم ساری چیزوں کے محتاج ہیں، کھانا نہ کھائیں تو مر جائیں، ہوا نہ ہو تو ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی کتنی مہربانی ہے کہ ان سب چیزوں کو مہیا فرمایا اور اس میں بھی انسان کی طبیعت اور فطرت کا لحاظ فرمایا کیونکہ فطری طور پر انسان ایسا ہے کہ اگر ایک ہی چیز اس کو روزانہ ملتی رہے تو خواہ کتنی ہی عمدہ ہو اس کا جی اس سے ہٹ جاتا ہے اگر روزانہ آدمی پلاؤ اور قورمہ ہی کھائے جب بھی کچھ دنوں کے بعد اس کا جی ہٹ جائے گا، تو فطرت بشری یہی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ رنگ برنگ کی نئی نئی چیزیں ملیں، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایسا ہی انتظام فرمایا ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے ﴿اَللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

پس بتلاؤ تو سہی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت وعنایت اور اس کے بے شمار فضل و انعام کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اسی مالک کی نافرمانی کریں جس نے ہر چیز ہمارے لئے بنائی، آسمان وزمین بنایا، پانی دیا، پہاڑ بنائے، ہوائیں چلائیں، رات اور دن بنایا، اگر رات ہی رات ہوتی دن نہ نکلتا تو کیا ہوتا؟ آدمی کتنا پریشان ہوتا؟ اور اگر دن ہی دن ہوتا رات نہ ہوتی تو کیا حالت ہوتی؟ چین وسکون نہ ملتا، آدمی کیسے زندہ رہتا؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے دن بھی بنایا اور رات بھی بنائی، اب وہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، کیا اس کے احسانات کا یہی شکر ہے؟۔

ابر و باد و مہ وخورشید وفلک درکارند
تاتو نانے بہ کف آری وبہ غفلت نہ خوری

یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سب کے سب اس لئے کام میں مشغول ہیں تاکہ تم اپنی روزی حاصل کرو اور غفلت کے ساتھ نہ کھاؤ۔

ہمہ از بہر تو سرگشتہ وفرماں بردار　　　شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

یہ سب کے سب تمہارے لئے مسخر وفرماں بردار ہیں تو یہ بڑی ہی ناانصافی کی بات ہوگی کہ تم حق تعالیٰ کے فرماں بردار نہ بنو۔

یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا فرمائی ہیں اور انسان کو صرف اپنے لئے بنایا بس یہی راز وحکمت ہے، سبحان اللہ! اس شرف پر قربان ہو جانا چاہئے کہ ساری چیزیں تو ہمارے لئے بنائیں اور ہم کو صرف اپنے لئے

بنایا کہ تم میرے غلام بن کر رہو اور تم میرے ہو جاؤ، فرماتے ہیں ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی میں نے جن و انس کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کرے اور مجھ کو پہچانے، تو بھائی ہم قرآن کو سمجھیں اور مسلمان و فرماں بردار بنیں، مسلمانوں کے حالات دیکھ کر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری بداعمالی اور بدحالی کی وجہ سے طرح طرح کی ذلت و رسوائی ہم پر مسلط ہے اور ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں، اللہ کی نافرمانی معمولی چیز نہیں ہے اس کی وجہ سے کتنی بستیوں کو الٹ کر رکھ دیا، کتنی قوموں کو تباہ و برباد فرمایا اور قرآن میں ان واقعات کو اسی لئے بیان فرمایا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا وَھِیَ ظَالِمَۃٌ فَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ﴾ غرض کتنی بستیاں ہیں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں، سو وہ چھتوں پر گر پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل (یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے)

اگر قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے والے ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ کتنی بستیوں اور شہر و قریہ کے رہنے والے ہیں کہ جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانیاں کیں تو ان پر اللہ کا عذاب آیا، بستیاں الٹ دی گئیں کنویں اور مضبوط مکان سب معطل و بیکار پڑے رہ گئے اس کے علاوہ بھی طرح طرح کا عذاب آیا، کسی کو اللہ تعالیٰ نے بندر بنادیا، کسی کو خنزیر بنادیا، کسی کو زمین میں

دھنسادیا، کسی پر آندھی آئی، کسی پر طوفان آیا، کسی پر آگ برسائی گئی۔

قربان جایئے آقائے دوجہاں محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ہماری امت کی صورتیں مسخ نہ ہوں اور ہماری امت پر یکبارگی ایسا عذاب نہ آوے کہ ساری کی ساری تباہ ہو جاوے، اور آپ ﷺ کی یہ دعا قبول ہو گئی ورنہ آج دیکھتے کہ ہم میں سے کتنے لوگ بندر اور سور بنا دیئے جاتے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم اس محبوب کی امت کہلا کے اور اس کے عشق کا دم بھر کے پھر انہیں کی مخالفت کرتے ہیں۔

امم سابقہ کے اندر جب کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو دن کا گناہ شام کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوتا تھا کہ آج اس نے فلاں فلاں نافرمانی اور گناہ کیا، اور جب رات کو کوئی گناہ کرتا تو صبح کے وقت دروازہ پر لکھا ملتا تھا کہ اس نے فلاں فلاں گناہ آج رات میں کیا، مگر حضور اقدس ﷺ کے طفیل ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوتا اور اس امت پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی کہ ستاری فرماتے ہیں اور آپ کی برکت سے ہم کو یہ شرف ملا کہ ہم سے کتنا ہی گناہ سرزد ہو جائے مگر ہم اس طرح رسوا نہیں کئے جاتے کہ صبح کو دروازہ پر لکھا ہوا ملے کہ اس نے فلاں فلاں گناہ کیا ہے، ان عنایات کو دیکھ کر حق تعالیٰ پر قربان ہونا چاہئے اور واقعی ایسے محبوب پر فدا ہو جانا چاہئے۔

مؤمن کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کر کے بھی روتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے کے باوجود ہنستا رہتا ہے،

ایک دفعہ چند صحابی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کررہے تھے اس میں کچھ ہنسی کی بات آگئی تو ہنسنے لگے، اتنے میں اللہ کے محبوب ﷺ ادھر سے گذرے تو ان کو ہنستا دیکھ کر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں، اس سے صحابہؓ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بیساختہ بول اٹھے "آنَ وَحَانَ ، آنَ وَحَانَ "یعنی وہ وقت آگیا کہ ہمارے قلوب دہل جائیں۔

آج جو گناہ ونافرمانی سے ہمارے اندر کوئی اثر اور کوئی حرکت نہیں پیدا ہوتی سمجھ لیجئے کہ اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر نہیں، قلوب مردہ ہو چکے ہیں اور اللہ کا اور اللہ کے عذاب کا خوف دلوں سے نکل چکا ہے۔

اگر مسلمان کامیابی اور فلاح چاہتا ہے، دنیا میں مطمئن ہو کر رہنا چاہتا ہے، اپنی زندگی کو پاک بنانا چاہتا ہے، حیات طیبہ کا طالب ہے تو اس کو چاہئے کہ عمل کی طرف آوے، کیونکہ عمل ہی پر فلاح وکامیابی اور حیات طیبہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثیٰ وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیوٰةً طَیِّبَةً﴾ جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو تو ہم اس کو ضرور بالضرور خوشگوار زندگی عطا فرمائیں گے۔

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن پاک دوسروں کے لئے آیا ہے؟ آخر اس کی یہ آیات کس کے لئے ہیں؟ اور ہم اس کی طرف کیوں نہیں توجہ

کرتے؟ قرآن پاک تو سارے جہان والوں کے لئے آیا ہے ارشاد فرماتے ہیں ﴿الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

کاش کہ ہم قرآن کو سمجھتے اور اس کے مرتبہ کو پہچانتے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس کو قرآن میں لذت مل جاتی ہے اور اس کا مزہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کو دنیا ومافیہا سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔

حدیث پاک کے اندر آتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو قرآن دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کسی شخص کو دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دی گئی ہے تو اس نے ایک بڑی چیز کی تحقیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی یعنی جس کو قرآن کا علم دیا گیا پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو اس سے بڑا سمجھا تو اس نے اللہ کے کلام کی ناقدری کی۔

ارے بھائی سنو! جس کو قرآن کا مزہ مل گیا اس کو وہ نعمت مل گئی جس کے مقابل دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں کچھ بھی نہیں وہ تو اتنا مطمئن ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا اس کے سامنے ہیچ در ہیچ اور بالکل بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہت کو بھی کچھ نہیں سمجھتا، صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کے حالات کا تو پوچھنا ہی کیا ان کے بعد کے سلاطین اور خلفاء کے حالات بھی آج کے خواص سے کہیں ارفع واعلیٰ تھے۔

ہارون رشید جو خلیفۂ وقت تھے اور خود بھی بہت بڑے عالم تھے ان کے دونوں صاحبزادے امین ومامون کو قاضی یحیٰی تعلیم دیتے تھے ایک دن جب استاد پڑھا کر فارغ ہوئے اور جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو دونوں لڑکے استاد کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے جھپٹے اور آپس میں جھگڑنے لگے، ہر ایک چاہتا تھا کہ استاد کا جوتا میں ہی سیدھا کروں بالآخر دونوں اس پر راضی ہوگئے اور مل کر ان کا جوتا سیدھا کیا، قاضی صاحب نے ان میں اس طرح صلح کرادی کہ بھائی آپس میں جھگڑا مت کرو بلکہ ایک جوتا تم سیدھا کرو اور ایک جوتا یہ سیدھا کردیں، ایک دن کھانے کے وقت ہارون رشید نے قاضی یحیٰی سے پوچھا کہ قاضی صاحب بتلائیے اللہ تعالیٰ نے اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ عزت کس کو دی ہے؟ تو قاضی صاحب نے جواب دیا کہ حضور اس وقت تو آپ ہی کو سب سے زیادہ عزت حاصل ہے کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، ہارون رشید نے فرمایا کہ قاضی صاحب آپ کا جواب غلط ہے، انہوں نے کہا پھر آپ ہی بتائیے تو کہا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب سے زیادہ عزت اس کو دی ہے جس کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے مسلمانوں کے دو ولی عہد (ہمارے لڑکے) آپس میں لڑتے ہیں اور پھر اس طور پر صلح ہوتی ہے کہ دونوں مل کر ایک ایک

جو تاسید ھا کریں، آپ کے سینے میں قرآن ہے، آپ کے قلب میں حدیث ہے اس سے بڑھ کر عزت کی اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ سبحان اللہ! ایک وقت ایسا تھا کہ امراء و سلاطین کے قلوب میں علماء کی اس قدر عظمت تھی، لیکن آج تو مسلمان علماء کا احترام بالکل ختم کر چکا ہے، مگر اس میں عوام سے زیادہ خواص کا قصور ہے، علماء نے بھی اپنے کو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، علماء کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ حق بات کہا کریں، ان کے دل میں نہ مال کی طمع ہو نہ جاہ کی طمع ہو، جو عالم کہ واقعی عالم ربانی ہو گا وہ ہمیشہ حق ہی بات کہے گا، اللہ کی سچی بات بتلائے گا، قرآن و حدیث کے مطابق دعوت دے گا، توحید کی طرف بلائے گا، شرک و کفر سے روکے گا، بدعات سے روکے گا، رسم و رواج سے روکے گا، من مانی زندگی سے روکے گا اور اس کو اس بات کی مطلق پروا نہیں ہوتی کہ کوئی آئے یا نہ آئے، ان کی شان یہ ہوتی ہے "لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، ان کی نظر محض اللہ پر ہوتی ہے، مخلوق سے وہ طمع کو قطع کر چکے ہوتے ہیں، اس باب میں بھی وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم سے یہ کہا ﴿وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی میں تم سے تبلیغ پر اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین پر ہے۔

سبحان اللہ! یہ بہت اونچا مقام ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

انبیاء کرام علیہم السلام کی امداد ہوتی ہے، بعد والے بھی جب اس کام کو کریں تو اس چیز کو پیش نظر رکھیں، آج مسلمانوں کے حالات دیکھ کر بعض وقت کچھ بولنے کو بھی جی نہیں چاہتا کیونکہ دیکھتا ہوں کہ مسلمان سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، وہ فرماں بردار نہیں بننا چاہتا، بس نام کا مسلمان رہ گیا ہے اور ساری چیزیں بس رسماً رہ گئی ہیں اور پھر یہ چاہتا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں، تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ پہلے ہم واقعی مسلمان بنیں اور اللہ و رسول ﷺ کی فرماں برداری اختیار کریں تو رحمت کے دروازے آج بھی کھلے ہیں۔

سنو! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور اسلام کے یہی پانچ بڑے اہم جزو ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق، انبیاء کرام علیہم السلام نے سب سے پہلے عقیدے کی دعوت دی ہے، عقیدہ درست ہو جائے، توحید دل میں آجائے، رسالت کا یقین پیدا ہو جائے، قیامت کا یقین ہو جائے، ملائکہ پر یقین ہو جائے، جزاوسزا کا یقین ہو جائے، جنت وجہنم کا یقین ہو جائے، اللہ کی ذات وصفات پر یقین کہ اس کی ذات ازلی وابدی ہے اور اس کی صفات غیر متناہی ہیں اور اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں، تو ان چیزوں کا تعلق عقائد سے ہے اور یہ بنیادی چیزیں ہیں، اگر آدمی آسمان وزمین کے برابر عبادت کرلے لیکن اس کے ساتھ شرک بھی کرتا ہو تو واللہ! سمجھ لیجئے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ

اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ جو اللہ کی ذات یا اللہ کی صفات میں کسی کو شریک کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام فرمادیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالم لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

شرک خفی سے بچنا تو بہت مشکل ہے آج تو لوگ شرک جلی میں مبتلا ہیں، اور یہ بھی سن لیجئے کہ اگر کسی شخص نے آسمان وزمین کے برابر گناہ کیا ہو لیکن توحید اس کے اندر ہے اور شرک سے بچ گیا ہے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا چاہے کچھ سزا بھگت کر ہی کیوں نہ جائے مگر جائے گا ضرور۔

انبیاء کرام علیہم السلام شرک ہی کے مٹانے کے لئے اور توحید کی دعوت دینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے اور اسی کے لئے ان پر طرح طرح کے مصائب وشدائد آئے مگر وہ ثابت قدم رہے کیونکہ ان کی نظر اللہ پر تھی ان کا توکل اللہ ہی پر تھا، آج ہمارے قلوب میں شرک آگیا ہے، اللہ پر اعتماد نہیں، اللہ پر توکل اور بھروسہ نہیں، مخلوق پر تو ہم بھروسہ اور توکل کرتے ہیں مگر خالق کا بھروسہ ہمارے قلب کے اندر نہیں رہا۔

ہمارے حضور جناب محمد رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے اور اپنی تلوار کو درخت کی شاخ میں لٹکادیا تھا، ایک دشمن جو اس تاک میں تھا کہ موقع ملے تو اللہ کے رسول ﷺ کو ختم کردوں، وہ چپکے سے آیا اور حضور اقدس ﷺ کی آنکھیں بند دیکھ کر تلوار اتارلی اور للکار کر کہا اے محمد (ﷺ) اب مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ اللہ کے محبوب ﷺ

فرماتے ہیں کہ "اللہ" بس یہ کہنا تھا کہ اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار نیچے گر گئی، نبی کریم ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا اب مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بڑے کریم ہیں آپ کے کرم کے سوا کوئی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا میں نے تجھ کو معاف کر دیا، وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا" اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اللہ اللہ! یہ وہ کلمہ ہے کہ دشمن کو دوست بنا دیتا ہے، ابھی جو شخص جان کا دشمن تھا اس کلمہ کی برکت سے محبین میں اور جاں نثاروں میں شامل ہو گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ اَنْ لاَّ تَخَافُوْا وَلاَتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

اس آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے کہ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر وہ اٹل رہے کہ اب میں نے اللہ کو رب بنالیا تو پھر مصائب آئیں، شدائد آئیں، تکلیفیں آئیں، بیماری آئے، فقر و فاقہ آئے، کوئی بھی پریشانی آئے، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر حاضر ہیں، کسی حال میں اس کے در کو وہ نہیں چھوڑتے اس لئے کہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگوں کو

مرتے وقت فرشتے یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ ﴿ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ تم نہ اندیشہ کرو نہ رنج کرو اور جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

چونکہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد کیا پیش آنے والا ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں اور گویا اس کو اس طرح مطمئن کرتے ہیں کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا لہٰذا آج سے نہ تمہارے لئے خوف ہے نہ رنج ہے، اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ جنت کی بشارت حاصل کرو، یہ بشارت موت کے وقت بھی ہوتی ہے اور قبر میں بھی ہوتی ہے، قیامت کے دن بھی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ہمہ وقت ان پر خوف طاری رہتا ہے انہیں کے واسطے یہ بشارت وخوشخبری ہے جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی مثنوی میں اس کی جانب اشارہ فرماتے ہیں۔

لا تخافوا ہست نزل خائفاں ہست درخور از برائے خائف آں

آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس درس چہ دہی نیست او محتاج درس

یعنی ﴿لا تخافوا﴾ سے اہل خوف کی مہمانی کی جاتی ہے اور خائف کے حال کے مناسب بھی یہی ہے (کہ اس سے کہا جائے کہ تم بہت ڈر چکے اب مت ڈرو) کیونکہ جس کو پہلے ہی سے خوف نہ ہو اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مت ڈرو، خوف کا درس ایسے شخص کو کیا دو گے جو کہ اس درس کا محتاج نہ ہو۔

الغرض آخرت میں مطمئن ہونا چاہتے ہو تو دنیا میں اپنے اندر خوف پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہو، نیز اللہ کی طرف سے جو آزمائش ہو اس میں ثابت قدم رہو تاکہ اس بشارت اور خوش خبری کے مستحق قرار دیئے جاؤ اور یہ بھی سمجھ لو کہ ایمان لانے کے بعد آزمائش کا ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ الٓمٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ کیالوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بس ”اٰمَنَّا“ کہہ دیں اور ان کو چھوڑ دیا جائے ان کی آزمائش نہ کی جائے، مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد آزمائش بھی ہوگی اور کھرا کھوٹا دیکھا جائے گا تاکہ سچے اور جھوٹے کی تمیز ہو سکے، جس طرح سونے چاندی میں جو کھوٹ ہوتا ہے تو اس کو تپایا جاتا ہے تاکہ کھوٹ نکل جائے اور وہ کھرا ہو جائے اسی طرح جو ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی آزمائش کرتے ہیں تاکہ کھرا ہو کر نکل آئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾اور دیکھو ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فقر و فاقہ سے اور مال و جان سے اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے سمجھ کر) یوں کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ایک صحابیہؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائیں تو کچھ دنوں کے بعد ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، مخالفین نے ان پر طعن کیا کہ لو! تم کو لات و عزیٰ نے خوب سزا دی کہ ایک آنکھ جاتی رہی، تو وہ فرماتی ہیں کہ اگر میری دوسری آنکھ بھی پھوٹ جائے تو بھی میں یہی کہوں گی کہ میرے مولیٰ نے مجھ کو آنکھ دی تھی اور اسی نے لے لی، لات و عزیٰ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مجھ کو ایمان کی دولت مل گئی اب اس کے بعد مجھے آنکھ کے جانے کی کچھ پروا نہیں، اس پر بھی میں راضی ہوں کیونکہ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے، مؤمن کی یہی شان ہے کہ وہ نفع و ضرر سب اللہ ہی کی طرف سے دیکھتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی لئے اس کی زندگی بڑی اطمینان والی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی جو کچھ مصیبت تم کو پہنچتی ہے اللہ ہی کے حکم سے پہنچتی ہے، نیز فرماتے ہیں ﴿ وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴾ یعنی تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے

کرتوت اور گناہوں کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ پکڑلیں تو کوئی آدمی ان کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا، وہ تو ایسے حلیم ہیں کہ باوجود نافرمانیوں کے ستاری اور پردہ پوشی فرماتے رہتے ہیں اور گرفت اور پکڑ سے بندوں کو چھوڑتے رہتے ہیں، کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حلم نہیں ہے کہ باوجود نافرمانیوں کے ہم کو کھانا مل رہا ہے، پانی مل رہا ہے، لباس مل رہا ہے، بیٹی بیٹا مل رہا ہے اور سب کچھ مل رہا ہے، ہم کو شرم آنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات دیکھ کر ان کی نافرمانی سے باز آنا چاہئے، ہم کو صحابہؓ کے حالات میں غور کرنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ہم کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنوارلیں دنیوی ساز وسامان سے نہیں بلکہ ان چیزوں سے اپنے کو آراستہ کرلیں جو آخرت میں کام آنے والی ہیں، حضرات صحابہؓ اپنے فقر وفاقہ کے حال میں رہتے تھے اور اسی طرح چلتے پھرتے تھے اور مشرکین مکہ اپنی دولت پر اور اپنے جتھے پر ناز کرتے ہوئے اکڑ کر چلتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ یعنی ان کافروں کا دنیا میں اس طرح پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، ارے یہ متاع قلیل ہے، دنیا کی تھوڑی سی پونجی ہے پھر ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

صحابہؓ کے اندر ان آیات کا اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا ایسا یقین تھا کہ

ان کو کوئی چیز اس سے ہٹا نہیں سکتی تھی، وہ جانتے تھے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے یہاں کا عیش و آرام بھی فانی ہے اور جنت کی نعمت وراحت ازلی وابدی ہے اس لئے اس کی فکر میں رہتے تھے اور اسی کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے تھے، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی اور جن لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور توحید اختیار کرلی تو ان پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں، تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر وہ اپنی توحید پر ثابت قدم رہے اور لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور اسوۂ حسنہ چھوڑ گئے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں جلایا گیا، ان کا کیا جرم تھا؟ یہی تو کہ ایک اللہ کی بندگی کرتے اور اسی کی دعوت دیتے تھے، نمرود کا زمانہ تھا اس کے حکم سے لکڑیوں کا انبار جمع کیا گیا اور اس میں آگ روشن کی گئی چنانچہ اس آگ میں ایسے شعلے بھڑکنے لگے کہ ادھر سے چڑیاں اڑ کر جا نہیں سکتی تھیں اور اسی دہکتی آگ میں ابراہیم خلیل اللہ کو جھونکنے کے لئے لے گئے، اس وقت آپ کے پاس آسمانوں کے فرشتے آتے ہیں کہ اللہ کے خلیل اگر آپ فرمائیں تو ہم آگ کو بجھادیں، آپ فرماتے ہیں کہ نہیں میرا رب مجھ کو کافی ہے، آخر میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے خلیل اگر آپ فرمائیں تو میں اپنا پر ماردوں اور یہ سب آگ سرد پڑ جائے، آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے وہ جو کرے میں اس پر راضی ہوں، جب اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ ان کی نظر مخلوق پر نہیں ہے اور ان کی توحید خالص ہے اور

یہ سب سے کٹ کر ہماری طرف نظر لگائے ہوئے ہیں تو رحمت خداوندی جوش میں آئی اور آگ کو حکم فرمایا ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلامًا عَلىٰ اِبْرَاهِيْمَ﴾ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں، چنانچہ وہ آگ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بحکم خداوندی گلزار بن گئی، دیکھا آپ نے! یہ تھی توحید اور یہ تھا توکل اور یہ تھی اللہ پر نظر کہ کسی مخلوق سے کوئی مدد نہیں چاہی اور راضی بقضائے الٰہی رہے، پھر اللہ کی طرف سے کیسی کچھ مدد ہوئی، آج بھی ہم اگر توحید اختیار کریں اور اللہ پر اپنی نظر رکھیں تو آج بھی وہی نصرت اور وہی رحمت ہم پر ہو سکتی ہے اسی کو علامہ اقبال نے کہا تھا۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ارے وہ ایمانی طاقت اور وہ یقین نبی کے برابر بھلا ہم کہاں پیش کر سکتے ہیں مگر کچھ تو کریں، ہمارا تو یہ حال ہے کہ کرنا دھرنا کچھ نہیں چاہتے اور ثمرات کے خواہشمند رہتے ہیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اگر سنتا ہے تو سننے کے بعد اس پر عمل کرے، صرف سننا مقصود نہیں ہے بلکہ باتوں کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا مقصود ہے، بزرگوں نے لکھا ہے کہ علماء طبیب روحانی ہیں اور ہم سب سامعین مریض کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر یہ بھی صاف فرمادیا کہ ہر عالم اس سے مراد نہیں بلکہ وہ علماء مراد ہیں جو عالم ربانی کہلاتے ہیں، جو حق بات پیش

کرنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے بلکہ بلاخوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرتے ہیں اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کسی کی پروا نہیں کرتے۔

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ شاہزادے کو فکر ہوئی کہ میں ریشم کا لباس پہنوں یادرکھو کہ جو چیز مردوں پر حرام کی گئی ہے وہ چھوٹے بچوں کے لئے بھی حرام ہے اور جو چیز عورتوں کے لئے ناجائز ہے وہ چھوٹی بچیوں کے لئے بھی ناجائز ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بچے ہیں ان کو کیا؟ چلو تماشا دکھالاؤ، ان کو ریشمی لباس پہنادو، اور یہ نہیں جانتے کہ وہ تو بچے ہیں نابالغ ہیں ان کو گناہ نہ ہو نہ سہی لیکن آپ تو مکلّف ہیں آپ مجرم بن رہے ہیں، تو خالص ریشم بچوں کے لئے بھی حرام ہے اور مردوں کے لئے بھی حرام ہے، دنیا میں جو خالص ریشم پہنے گا اس کو جنت میں ریشم کا لباس نہیں ملے گا یہاں پہنتے ہو تو پہن لو وہاں محروم ہو جاؤ گے، بہرکیف شہزادے کو ریشمی کپڑا پہننے کا خیال پیدا ہوا تو دربار میں جو مولوی لوگ ملازم تھے ان سے شاہزادے نے جواز کا فتویٰ چاہا تو ان لوگوں نے کہہ دیا کہ ہاں بادشاہ کے لئے جائز ہے پہن سکتے ہیں اور ادھر ادھر کر کے بات بنادی مگر شاہزادے نے کہا جب تک ملاجیون اس فتوے پر دستخط نہیں کریں گے میں ریشم استعمال نہیں کروں گا ملاجیون کے پاس جب فتویٰ کو لے گئے تو انہوں نے کہہ دیا ”مفتی و مستفتی ہر دو کافرانند“ فتویٰ دینے والے

اور فتویٰ پوچھنے والے دونوں مجرم ہیں اور دونوں کافر ہو گئے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ جس چیز کو حرام فرمادیں اس کو حلال قرار دینا صریح جرم ہے اور کھلا ہوا کفر ہے، اب کیا تھا لوگوں نے جا کر دربار میں شکایت پہنچادی کہ ملاجیون نے تو ایسی سخت بات کہہ دی بس کیا تھا جلاد مقرر کر دیئے گئے اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ ملاجیون کا سر قلم کر لیا جائے، اب ذرا علماء ربانی کا حال سنئے، یہاں تو جلاد تعینات کر دیئے گئے اور وہاں ملاجیون سے لوگوں نے جا کر کہا کہ حضرت آپ کے قتل کے لئے جلاد مقرر کر دیئے گئے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ کیا یہی جرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کر دی اور آپ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دینے سے منع کر دیا؟ اچھا تو لاؤ میں بھی وضو کر کے تیار ہو جاؤں اس لئے کہ وضو مؤمن کا ہتھیار ہے، ان کو بھی جوش آگیا کہ میں بھی ایمانی ہتھیار سے تیار ہو جاؤں اور اسی کیفیت میں وضو کرنا شروع کر دیا، لوگ دوڑے ہوئے دربار میں پہنچے اور کہا کہ ملاجیون کو جوش آگیا اور آپ کے مقابلہ کے لئے وضو کر کے تیار ہو رہے ہیں اب خیر نہیں ہے، یہ سن کر بادشاہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آکر معذرت کی۔

آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کیوں ڈر گیا؟ وہ سمجھ گیا کہ ملاجیون اللہ کے ولی ہیں ان کی خفگی میں ہماری خیر نہیں کیونکہ اللہ کے ولیوں کو جو ستاتا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس سے خود انتقام لیں گے، حدیث قدسی ہے "مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیاً فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" یعنی جو میرے ولی سے عداوت رکھے اس سے میں

اعلان جنگ کرتا ہوں وہ مجھ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔

عالم ربانی کا یہی مقام ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ قول حق ہی رہتا ہے ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قول جو حق تھا وہی لب پر رہا		حلق میرا گو تہِ خنجر رہا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ کسی ظالم و جابر کے سامنے حق بات بیان کردے، علماء ربانی کا یہی کام ہے کہ وہ حق پہنچانے میں ذرا بھی نہ ڈریں، مگر آج ہمارے اندر مداہنت آگئی اور ہم حق کہنے سے ڈرنے لگے کہ ہمارے مال کا نقصان ہو جائے گا، لوگوں سے ہماری عقیدت ختم ہو جائے گی، دنیا ہمارے پاس سے ہٹ جائے گی، حالانکہ ہم کو اللہ کے راضی کرنے کی فکر کرنا چاہئے اور جب ہم نے اللہ کو رب مان لیا تو پھر خالی زبان سے "ربنا اللہ" کہنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا حکم فرمایا ہے اسی کے مطابق زندگی گذاریں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر عمل کریں اور واقعی اللہ کو رب ماننے کا ثبوت دیں، اپنے عقائد کو درست کریں اور جی لگا کر اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ ساتھ معاملات کو بھی درست رکھیں، اخلاق وعادات کو شریعت کے مطابق بنائیں۔

آج ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کا عقیدہ درست ہے تو عبادت سے غافل ہے اور اگر کچھ عبادت بھی کرتا ہے تو اس کے معاملات درست نہیں ہیں اور اگر معاملات کی کچھ فکر ہے تو اخلاق بگڑے ہوئے ہیں اور

معاشرت خراب ہے، یہ سمجھ لیجئے کہ مؤمن کامل فرماں بردار اور اطاعت گذار اسی وقت ہو گا جب اس کی یہ سب چیزیں درست ہوں، معاشرت بھی درست ہو، اخلاق بھی درست ہوں، معاملات وعبادات بھی اور عقائد بھی درست ہوں، آپس میں نفاق نہ ہو، دلوں کے اندر محبت ہو، غرضیکہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّ لَاتَفَرَّقُوْا﴾ اور مضبوط پکڑلو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے چھ رتی مال کسی ناجائز طریقے سے لے لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی سات سو مقبول نمازیں چھین کر اس حق والے کو دے دیں گے، اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ناجائز طریقے سے لے لی تو اللہ تعالیٰ سات طبق زمین کا طوق اس کی گردن میں پہنائیں گے اسی طرح ذرا ذرا سی حق تلفی میں سب عبادات ختم ہو جائیں گی اور آدمی خالی رہ جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ بھائی بتلاؤ کہ مفلس کون ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جس کے پاس مال و دولت نہ ہو وہی مفلس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، سب سے بڑا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نیکیوں کا انبار اور ڈھیر لے کر آئے گا اور ہر طرف سے مدعی کھڑے ہو جائیں گے کہ اے اللہ! اس نے ہم پر بہتان لگایا تھا کوئی کہے گا اے اللہ! اس نے ہم کو گالی دی تھی، کوئی کہے گا اے اللہ! اس نے

ہماری غیبت کی تھی، الغرض کوئی کسی حق کا مطالبہ کرے گا اور کوئی کسی حق کا دعویٰ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ اس کی نیکیاں چھین چھین کر اہل حقوق کو دے دی جائیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی ساری نیکیاں چھین چھین کر دوسروں کو دے دی جائیں گی اور یہ خالی رہ جائے گا، اور پھر بھی مدعی باقی رہ جائیں گے تو باری تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ ان لوگوں کے گناہ اس کے سر پر لاد دیئے جائیں اور اس طرح وہ اپنی سب نیکیوں کو کھو کر گناہوں کا بوجھ لاد کر جہنم رسید ہو جائے گا، در حقیقت یہی مفلس ہے۔

ہمارے اندر یہ صفت ہونی چاہئے کہ عبادت بھی درست ہو، معاملات بھی درست ہوں، ہمارے اندر دیانت بھی ہو، صداقت بھی ہو، امانت بھی ہو، اخلاق بھی ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ہم پہلوان اس کو سمجھتے ہیں جو کشتی میں اپنے مقابل کو پچھاڑ دے، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، سب سے بڑا پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہو، جب غصہ آئے تو اس کو پی جائے، آج جس قدر فتنہ وفساد برپا ہے سب اسی غصہ کی وجہ سے ہے، ایک بات اگر کوئی کہہ دے تو دیکھیئے اس سے کتنا غصہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کس قدر فساد پھیلتا ہے، کتنی دشمنی پیدا ہوتی ہے، اور کتنے دل ٹوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اعلیٰ درجہ کے مسلمان ہیں وہ لوگ

جو کہ غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیرات سے در گذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

ہائے اللہ! ہم کس سے کہیں اور کیسے کہیں، پورا قرآن تعلیمات سے بھرا پڑا ہے، ذرا ہم دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا فرمارہے ہیں کہ جو لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں (یہ محسن ہیں اور) اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتے ہیں، بھائی سمجھ لیجئے کہ غصہ بھی ایک طریقہ سے جہنم کی آگ ہے، مگر آج غصہ کا یہ عالم ہے کہ ذرا سی بات کسی کو برداشت نہیں، حتیٰ کہ اگر کسی کے فائدے کے لئے بھی اس سے حق بات کہی جائے تو غصہ ہو جاتے ہیں، بالکل اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں اور اسی غصہ اور بداخلاقی کی آگ میں سارا عالم جل رہا ہے، ہم کو تو مسلمانوں کے اس حال پر رونا آتا ہے کہ ہائے اللہ! مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے، آپس میں جتنے اختلافات ہوتے اور بڑھتے ہیں وہ سب اسی غیظ و غضب کے نتائج ہیں مگر لوگ اس کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کیا اللہ کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ بسم اللہ کے باء سے والناس کے سین تک جو کچھ ہے سب کو ماننا ضروری ہے، اگر اس کے اندر کسی ایک آیت کا انکار کرو گے تو مؤمن نہیں رہ جاؤ گے کیونکہ ایک آیت کا بھی انکار کفر ہے، خدا کی کتاب باء سے شروع ہوتی ہے اور سین پر ختم ہوتی ہے دونوں کا مجموعہ "بس" ہے جس کے

معنی یہ ہیں کہ بس خدا کی کتاب کافی ہے، حسبنا کتاب الله، اصل یہی ہے کہ آدمی کتاب وسنت کی پابندی کرے اور اسی کے مطابق اپنے کو بنائے، مسلمان کے معنی یہی ہیں، پورا مسلمان آدمی اسی وقت ہوگا جب سب آیات پر عمل کرے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ نہ آیات کی پروا، نہ سنت کا لحاظ، نہ حدیث کی رعایت، نہ تعلیمات نبوی پر عمل، آپ خود دیکھ لیجئے کہ بعض مسلمان ٹخنے سے نیچے پائجامہ اور تہہ بند لٹکائے رہتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "مَنْ اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ اِزَارَہٗ فَھُوَ فِی النَّارِ" یعنی جس کا ازار ٹخنے سے نیچے لٹکا وہ جہنم میں جائے گا اور فرماتے ہیں "مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ خُیَلَاءَ فَھُوَ فِی النَّارِ" جو اپنا پائجامہ اور تہہ بند زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، اسی بناء پر ٹخنے سے نیچے پائجامہ لٹکانے کو علماء نے حرام لکھا ہے، لہٰذا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، جب ہم لوگ یہ مسائل بیان کرتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کیا اسی میں اسلام ہے؟ ان سے میں کہتا ہوں کہ ہاں بھائی ہر چیز میں اسلام ہے، اخلاق میں، عادات میں، معاملات میں، عبادات میں، غرضیکہ ہر شعبۂ حیات میں اسلام کی تعلیمات موجود ہیں اور ان پر عمل کرنے کا مسلمان مکلّف ہے، اگر کسی شعبہ میں کوتاہی کرے گا تو اس کا اسلام ناقص رہ جائے گا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے

عارف باللہ تھے، انہوں نے ایک دفعہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ آنکھ بند کر کے نماز پڑھی، بعد میں ان کی نماز کو نہایت حسین و جمیل شکل میں دکھایا گیا انہوں نے دیکھا کہ جیسے جنت کی ایک حور نہایت حسینہ و جمیلہ بہت عمدہ لباس میں سامنے کھڑی ہے مگر اس کے آنکھ نہیں تھی اندھی تھی، آکر حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا اور اس کے آنکھ نہ ہونے کا سبب دریافت کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے آنکھ بند کر کے نماز پڑھی ہوگی، اب آنکھ کھول کر نماز پڑھنا اس لئے کہ سنت یہی ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا جی آنکھ بند کرنے سے نماز میں لگتا ہو تو آنکھ بند کر کے پڑھنا درست ہے لیکن آنکھ کھول کر نماز پڑھنا سنت ہے اس لئے اولیٰ وافضل یہی ہے کہ آنکھ کھول کر نماز پڑھے خواہ کھول کر پڑھنے میں خشوع کم ہی معلوم ہو۔

بھائی! اللہ کا جو قرب سنت کے اندر ہوتا ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ جو نماز بلکہ جو کام سنت کے مطابق کیا جائے گا اس میں اللہ کا قرب زیادہ ہوگا، پس ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ و رسول کے احکام کو معلوم کریں اور اس کے مطابق عمل کریں اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں، فرماں بردار ہیں، اطاعت گذار ہیں، ہماری یہی شان ہونی چاہئے، اللہ کے بندے تو کیسے کیسے گذرے ہیں، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، اولیاء کاملین، ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین کے حالات دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اتباع سنت کسے کہتے ہیں اور فرماں برداری کس چیز کا نام ہے، انقیاد اور احکام کی

پابندی کس کو کہتے ہیں، خیر! ان کا زمانہ بہت دور ہو چکا زمانۂ حال میں دیکھئے کیسے کیسے اللہ کے بندے ابھی گذرے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ دیوبند کے ایک جلسہ میں تشریف لائے تھے، مجمع کافی تھا، کئی ہزار کا مجمع تھا اذان ہو گئی، آپ نماز کے لئے چلے تو مسجد ایسے وقت میں پہنچے جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، تکبیر تحریمہ ہو چکی تھی حضرت گنگوہیؒ کو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا بہت رنج ہوا چنانچہ نماز کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت بہت زیادہ غمگین ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر بعض خدام نے عرض کیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، کیا بات ہو گئی کہ جس کی وجہ سے اسقدر غمگین ہیں تو فرمایا کیا رشید احمد کے لئے اس سے بھی زیادہ کوئی غم کی بات ہو سکتی ہے کہ آج بائیس برس کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے اتباع سنت، حضرت گنگوہیؒ کا جو مقام ہے آپ سب جانتے ہیں، جب اتنا اہتمام اتباع شریعت کا فرمایا ہے تب یہ مرتبہ پایا ہے، اور جس کو کوئی مرتبہ ملتا ہے اتباع شریعت اور اہتمام سنت ہی سے ملتا ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ جو بہت بڑے اللہ کے ولی تھے، ایک دن ان کی جماعت فوت ہو گئی، نماز نہیں قضا ہوئی صرف جماعت نہیں ملی تو نہایت غمگین و رنجیدہ ہو کر بیٹھے رہے، جب لوگ

ان سے ملنے کے لئے آئے تو آپ کو غمگین دیکھ کر سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا افسوس آج اسلام اس قدر کمزور ہو گیا، اگر آج میرا کوئی بیٹا فوت ہو گیا ہوتا تو اب تک سینکڑوں آدمی تعزیت کے لئے آچکے ہوتے مگر آج میری جماعت فوت ہو گئی اور مجھ پر اتنی بڑی مصیبت آپڑی تو ایک آدمی بھی تعزیت کے لئے نہیں آیا۔

اصل بات یہ تھی کہ ان کی نگاہ میں دین کی عظمت تھی، شریعت کی اہمیت تھی، اپنے سارے معاملات میں اللہ و رسول ؐ کی مرضی کے مطابق رہنا چاہتے تھے، کسی امر میں ادنیٰ کوتاہی کو بہت بڑا جرم تصور کرتے تھے۔

آپ کہتے ہوں گے کہ اب بیان ختم کیوں نہیں کرتے، میں کیوں ختم کروں، آپ نے مجھ کو بٹھایا کیوں؟ اور جب بٹھا دیا ہے تو سنئے، اور گوش دل سے متوجہ رہئے، ہماری مجلسوں کو کھیل مت بنایئے۔

ایک معاملہ زمین کا کسی یہودی منافق کے درمیان تھا، اس کو فیصلہ کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اس منافق نے جو جھوٹا مسلمان تھا اس نے اپنے دل میں سوچا کہ میں مسلمان ہوں حضور ﷺ میری رعایت فرمائیں گے، لیکن حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا، جب اس نے دیکھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہو گیا تو کہا اب حضرت عمرؓ کے پاس چلیں گے، سمجھتا تھا کہ فاروق اعظم کفار کے بارے میں سخت ہیں اور ان کے خلاف بڑا جوش اور جذبہ رکھتے ہیں وہ میری رعایت کریں گے، چنانچہ حضرت

فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچ کر کہا کہ میں آپ کے پاس اس معاملہ کا فیصلہ کرانے آیا ہوں اس یہودی نے عرض کیا کہ حضور یہ شخص آپ کے نبیؐ کے پاس جا کر فیصلہ کرا چکا ہے حضور اقدس ﷺ نے میرے موافق فیصلہ فرما دیا، اب اس کے بعد یہ آپ کے پاس دوبارہ فیصلے کے لئے لایا ہے، حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا اچھا ذرا ٹھہرو میں ابھی تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار لے کر باہر آئے اور اس منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے بعد جو شخص اس کو رد کر کے مجھ سے فیصلہ کرانے آئے گا اس کی یہی سزا ہے کیونکہ وہ منافق ہے۔

دوستو! خدا کی قسم رسالت کا مقام بہت اعلیٰ مقام ہے ہم کو چاہئے کہ ہم اس مقام کو پہچانیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ رسول کا کیا منصب ہے دنیا جہان کے سارے لوگ کچھ کہہ دیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جو بات فرما دیں وہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل اور رد ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر ہم سمجھتے ہیں کہ واقعی حضور ﷺ کا درجہ اتنا بلند ہے تو اس کو ثابت کر کے دکھا دیں، بھائی! کان کھول کر سن لو، میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں کے سردار ہیں، تمام ولیوں کے سردار

ہیں، جن وانس کے سردار ہیں، ساری مخلوق کے سردار ہیں، نبی تو سب انبیاء ہیں مگر حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں، شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء جمع تھے لیکن امامت کا شرف حضور ﷺ کو بخشا گیا اور سب انبیاء نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، کیونکہ آپ امام الانبیاء تھے، میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا مرتبہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ خود فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اگر میرے زمانہ میں موجود ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ ہوتا، مگر آج حضور ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے، عشقِ رسول ﷺ کا ڈنکا بجانے والے مسلمان اللہ کے محبوب ﷺ کی حدیثوں کو چھوڑے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات کو ترک کر کے دوسروں کے قول کو سند بناتے ہیں کیا یہی محبت ہے، اور ایک عاشقِ رسول ﷺ کی یہی شان ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ محبت نہیں ہے بلکہ محبت کے معنی یہ ہیں کہ محبوب کے حکم کے سامنے کسی چیز کی پروانہ کرے، اللہ کے محبوب ﷺ کا وہ مرتبہ اور وہ شان ہے جو کسی کو حاصل نہیں، قرآن میں آپ کی یہ شان ظاہر کی جاتی ہے کہ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی عین اللہ کی نافرمانی ہے، اس مقام کو پہچانو اور پھر دیکھو آپ کی کیا شان تھی، جب مکہ میں آپ کو لوگوں نے ستایا اور بہت ظلم کیا تو

طائف تشریف لے گئے، وہاں تین بڑے بڑے سردار تھے، آپ ﷺ نے ان کو اللہ کے دین کی تبلیغ کی، کلمہ کی دعوت دی تو ان میں سے ایک نے بطور طنز کہا کہ آپ ہی اللہ کے رسول ہیں کہ جوتی پھٹی ہوئی ہے اور کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، دوسرے نے کہا اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا، تیسرے نے یہ کہا کہ اگر اللہ کو رسول بنانا تھا تو آپ ہی ملے تھے، مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی کو رسول بناتے، غرضیکہ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایسی بدتمیزی کی اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ جب آپ وہاں سے لوٹے تو ان لوگوں نے اوباش لونڈوں کو آپ کے پیچھے لگادیا انہوں نے آپ کے جسم مبارک پر پتھر برسانا شروع کردیا، حضرت زیدؓ آپ کے ساتھ تھے کبھی وہ آپ کے آگے آجاتے کبھی پیچھے ہوجاتے، کبھی دائیں ہوجاتے اور کبھی بائیں ہوجاتے تھے، اللہ کے محبوب ﷺ فرماتے تھے کہ زید تمہارا کیا حال ہے تم کبھی آگے ہوتے ہو، کبھی پیچھے ہوتے ہو، کبھی دائیں ہوتے ہو کبھی بائیں ہوتے ہو، ارے مسلمانو! اس کو سمجھو اور محبت کی حقیقت کو پہچانو! حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے محبوب! میری جان آپ پر قربان ہو، جب دیکھتا ہوں کہ آگے سے پتھر آرہے ہیں تو میں آگے آجاتا ہوں کہ میرے سینے پر پتھر لگے اور آپ محفوظ رہیں اور جب دیکھتا ہوں کہ کہ پیچھے سے پتھر آرہے ہیں تو پیچھے ہوجاتا ہوں کہ وہ پتھر مجھے لگ جائے اور آپ بچ جائیں اور اسی لئے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہوجاتا ہوں۔

دیکھتے ہیں آپ! یہ ہے محبت رسول کہ اپنے کو سپر بنائے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ کے محبوب ﷺ پر پتھر پڑے اور خون کے قطرات جاری ہوگئے، آسمان سے فرشتہ آتا ہے کہ اے اللہ کے محبوب اگر آپ فرمائیں تو طائف کی پہاڑیوں کو آپ کے ان دشمنوں پر الٹ دوں کہ وہ سب تباہ ہو جائیں، اللہ کے محبوب ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں گے تو ان کے بیٹے پوتے ایمان لائیں گے، اور اگر یہ ہلاک ہو جائیں گے تو میرا کیا نفع ہوگا؟ یہ فرما کر آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور یہ دعا فرمائی "اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ" اے اللہ! میری اس قوم کو ہدایت دے اس لئے کہ یہ مجھ کو نہیں جانتے۔

آپ غور فرمایئے کہ پتھر کھا کر اور زخمی ہو کر بھی یہ نہیں کہتے کہ ان پر عذاب بھیج دیجئے یا ان کو پتھر سے دبا دیجئے، اس محبت کا، اس رأفت کا کچھ ٹھکانا ہے؟ اب میں کیا کہوں اور آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ اللہ والوں کا حال کیا ہوتا ہے اور ان کا کیا مقام ہوتا ہے، ہم تو ان چیزوں سے اتنا دور ہو چکے ہیں کہ اب سمجھانا بھی مشکل ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ سلطنت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کے لئے مکہ معظمہ کے ارادے سے چلے، چلتے چلتے ایک مقام پر دریا عبور کرنا ہوا ایک کشتی پر بیٹھ گئے، اس کشتی پر بہت سے لوگ سوار تھے بادشاہ بھی تھا اور بہت سے بھانڈ اور نقال بھی تھے، وہ بھانڈ نقل اتارتے اور بادشاہ اور

مصاحبین کو خوش کر رہے تھے، اتنے میں بھانڈوں نے آپس میں کہا کہ اگر کوئی بے وقوف اس وقت ہوتا تو اس سے کچھ لطف زیادہ بڑھ جاتا ایک گوشہ کی طرف دیکھا تو ابراہیم ابن ادہمؒ آنکھ بند کئے اللہ کی یاد میں مشغول تھے، بس لوگوں نے کہا کہ ایک شخص تو موجود ہے اور انہیں کو اپنی تفریح کا مشغلہ بنالیا، دوڑ کر ان کے پاس آتے تھے اور ان کے سر پر باری باری دھول لگادیتے تھے، پھر آپس میں ہنسی کرتے تھے، پھر ان کے سر پر مارتے اور آپس میں ہنستے، جب دیر تک یہ مشغلہ جاری رہا تو حضرت ابراہیم ابن ادہم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ اے ابراہیم! اگر آپ فرمائیں تو میں ان سب کو دریا میں غرق کردوں کیونکہ یہ آپ کی بہت زیادہ بے حرمتی کر رہے ہیں، آپ نے عرض کیا اے اللہ! اگر آپ ان کو غرق کردیں گے تو مجھ کو کیا ملے گا آپ ان کو آنکھ دے دیجئے تاکہ یہ مجھ کو پہچان لیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معرفت عطا فرمائی اور ان سب نے آکر معذرت کی اور سب ان کے ہاتھ پر تائب ہوگئے۔

یہ وہی سنت ہے حضور اقدس ﷺ کی جو طائف میں آپ نے پیش فرمائی، اور یہی طریقہ اللہ کے ولیوں نے اور اللہ کے خاص بندوں نے علماء ربانی اور مشائخ حقانی نے اختیار کیا اور دین کی تبلیغ کے لئے ہر زمانہ میں مصائب برداشت کئے، اس کام کے لئے بہت بڑا دل چاہئے، بہت کشادہ سینہ چاہئے، اس کے لئے بڑے حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے، بڑے صبر و تحمل کی ضرورت ہے، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، اس وقت مجھے اقبال سہیلؔ

کا ایک شعر یاد آ گیا جو مجھے بہت پسند ہے ۔

سم کے عوض دار وے شفا دی طعن سنے اور نیک دعا دی

زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی سنت ہے کہ پتھر کھا کے، گالیاں سن کے اور تکلیفیں اٹھا کے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو ہدایت دے، یاد رکھو! اللہ والوں سے دوستوں کو تو فائدہ پہنچتا ہی ہے دشمن بھی محروم نہیں رہتے۔

میں اس وقت جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے، ورنہ کیا بتاؤں ظہر کے بعد سے مجھے انتہائی تکلیف تھی میرے آنسو نکل رہے تھے بولنے کے قابل نہیں تھا، اس وقت وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! تیرے بندے جمع ہو رہے ہیں مجھے کچھ آتا جاتا بھی نہیں اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں، میری مدد فرمادے، اس کے بعد آ کر بیٹھ گیا اور بلا مبالغہ کہہ رہا ہوں اور بلا فخر کہہ رہا ہوں اور اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ اب اپنے اندر اتنی قوت محسوس کر رہا ہوں کہ اگر آپ چاہیں تو اب سے انشاء اللہ دو تین گھنٹہ تک بیان کر سکتا ہوں مگر آپ گھبرائیں نہیں، میں رعایت کروں گا اور عشاء سے قبل ہی بیان ختم کر دوں گا۔

سب مسلمانوں کو چاہئے کہ توحید پر آجائیں، نماز پڑھنے لگیں، روزہ رکھیں، مال کی زکوٰۃ ادا کریں اور آپس میں محبت کے ساتھ رہیں، اور چاہئے

کہ مسلمانوں میں اخوت ہو، بھائی چارہ ہو، ایک دوسرے کا غم ہو، اپنے بھائی کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مشرق کے مسلمان کی انگلی میں اگر درد ہو تو مغرب کے مسلمان کو اس کا احساس ہونا چاہئے، مگر اب مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ایک بھائی کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو ہم کو خوشی ہوتی ہے، تو سمجھ لیجئے کہ یہ سب اسلام کے خلاف باتیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے صرف اسلام کا نام سن لیا ہے، مگر بھائی در حقیقت اسلام اختیار کرنا اور مسلمان بننا بہت مشکل ہے، مسلمان تو فرماں برداری کرنے والا، گردن جھکا دینے والا، اللہ کے دین پر مر مٹنے والا ہوتا ہے، اور زندگی کو شریعت کے مطابق گذارنے والا ہوتا ہے، اس کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ ﴿ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا۔

مؤمن کی عبادت اس کی قربانی، اس کا جینا مرنا اور اس کا سارا کام صرف اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، حقیقی اسلام یہی ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہماری زندگی بن جائے، اللہ ہی کے دین پر عمل کریں اور اللہ ہی کے دین کی دعوت دیں، اللہ ہی کے لئے جئیں اور اللہ ہی کے لئے مریں، دین کا خلاصہ یہی ہے کہ اوامر کی دعوت ہو اور منکرات سے پرہیز ہو، نبیوں نے اسی کی دعوت دی اور علماء ربانی کا بھی یہی کام ہے کہ وہ خود بھی معروف پر عمل کرتے ہیں اور منکرات

سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی معروف پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں اور جو عالم خود معروف میں فنا نہیں ہوگا اس کی بات میں کیا خاک اثر ہوگا، جو خود راستہ پر نہیں وہ دوسرے کو دین کی دعوت کیا دے گا، لہٰذا چاہئے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیں، خود بھی نیک بنیں دوسروں کو بھی نیک بنانے کی کوشش کریں، خود بھی بری باتوں سے گناہوں سے پرہیز کریں اور مسلمانوں کو بھی گناہوں سے پرہیز کرنے کی دعوت دیں، جب آدمی خود عامل ہوتا ہے تب ہی اس کی تبلیغ میں اثر ہوتا ہے۔

شیخ ابوالحسن نوریؒ اکابر اولیاء میں سے ہیں کتابوں میں ان کا حال لکھا ہے کہ جب اللہ اللہ کرتے تھے تو اندھیری رات میں انوار ظاہر ہوتے تھے، چنانچہ ان کو ابوالحسن نوری اسی وجہ سے کہتے ہیں، ان ہی بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان پر کوئی خاص کیفیت طاری تھی جس کی وجہ سے ہوش میں نہیں رہتے تھے نماز کے اوقات میں ہوش ہو جاتا اور نماز ادا کرتے تھے یہ کیفیت ان پر تین روز تک مسلسل رہی اور اسی کیفیت میں ایک روز جب ذکر کیا تو درخت پر جو چڑیاں بیٹھی تھیں ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ تڑپ تڑپ کر درخت سے نیچے گر پڑیں۔

ان ہی بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے گئے دیکھا کہ جہاز آیا اور اس سے بہت سے سامان اتارے گئے ان سامانوں میں شراب کے دس مٹکے بھی تھے، انہوں نے پوچھا ان مٹکوں میں کیا ہے؟ لوگوں

نے کہا شراب ہے، پوچھا کس کے لئے ہے؟ معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت کے لئے ہے، بس ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اسی سے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا، نو مٹکے توڑ ڈالے جب ایک رہ گیا تو اسے چھوڑ دیا، ان کو پکڑ کر خلیفہ کے دربار میں پیش کیا گیا، سبحان اللہ! تبلیغ اس کا نام ہے، منکرات سے ایسی نفرت کہ خلیفہ وقت کی بھی پروا نہیں کی، مگر ہائے افسوس کہ آج مسلمانوں کا کیا حال ہے، کیا مسلمانوں نے آج شراب خانوں کو آباد نہیں کرر کھا ہے؟ کیا سینما گھروں کو آباد نہیں کرر کھا ہے؟ کیا ناچ گانے میں مسلمانوں کا مال نہیں صرف ہو رہا ہے، کیا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا مسلمانوں کو آسان ہے؟ میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمان جتنا مال فضولیات میں خرچ کرتے ہیں اگر اللہ کی راہ میں لگا دیں تو معلوم نہیں کیا سے کیا ہو جائے، یاد رکھو! قیامت میں تم سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو مال تم کو دیا تھا اس کو کہاں خرچ کیا؟ جس کو ہم اپنا مال سمجھتے ہیں یہ ہمارا مال ہے ہم جو چاہیں کریں، تو در حقیقت ہم اس میں خود مختار نہیں ہیں، اللہ نے دیا ہے اور اسی کا مال ہے بغیر اس کے اذن کے کہیں صرف کرنا جائز نہیں ہے، جب آدمی اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کا خوف آجاتا ہے، پھر حکم خداوندی کے آگے وہ کسی کی پروا نہیں کرتا، کان کھول کر سنو! اور مؤمن کا مقام دیکھو کہ شیخ ابو الحسن نوری خلیفہ وقت کے دربار میں صبح کے وقت جب پیش ہوتے ہیں اور خلیفہ وقت ان سے سوال کرتا ہے کہ ابو الحسن تم نے شراب کے مٹکے کیوں توڑ ڈالے، کیا تمہارے دل میں میرا

خوف نہیں پیدا ہوا کہ خلیفۂ وقت کے لئے شراب منگائی گئی تھیں، وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین! اللہ کے خوف نے میرے دل میں کسی کا خوف باقی نہیں رکھا، میرے دل میں صرف اللہ ہی کا خوف ہے اور کسی کا خوف نہیں ہے اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو محتسب کس نے بنایا؟ بے دھڑک فرماتے ہیں کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا اسی نے مجھ کو محتسب بنایا، پوچھا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ جواب دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَالْمُؤمِنُوْنَ وَالْمُؤمِنَاتِ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

وہ آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق ہوتے ہیں اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں، بری بات سے منع کرتے ہیں، مؤمن کا یہ فرض ہے کہ جب وہ کسی امر کو شریعت کے خلاف دیکھے تو اس کو مٹانے کی کوشش کرے، پھر خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے دس مٹکوں میں سے نو کو تو توڑ دیا ایک مٹکے کو آخر کیوں چھوڑ دیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ ابو الحسن فرماتے ہیں کہ نو مٹکوں کے توڑنے میں مجھ کو اللہ کا خوف غالب تھا اور میں نے اللہ کے خوف سے ان کو توڑا اور جب دسویں کا نمبر آیا تو میرے نفس نے کہا کہ تم ایسے ہو گئے ہو کہ خلیفہ کی بھی پروا نہیں کرتے، تو میں نے سوچا کہ اب یہ کام صرف اللہ کے لئے نہیں رہ گیا اس میں نفس کی آمیزش ہو گئی اس لئے دسویں

مٹکے کو میں نے چھوڑ دیا کیونکہ میرا کام اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، اگر اس کو بھی توڑ دیتا تو نفس کی آمیزش ہو جاتی، سبحان اللہ! یہ ہے مقام مؤمن کا۔

خلیفہ نے ان سے درخواست کی کہ آپ جو کچھ فرمائیں آپ کی خدمت کی جائے شیخ نے فرمایا میرے لئے سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ مجھے دربار میں کبھی طلب نہ کیا جائے، خلیفہ نے عرض کیا کہ کچھ قبول فرمالیجئے تو فرمایا کہ میرے اللہ نے مجھ کو بہت دے رکھا ہے اللہ والوں کا یہی مقام ہوتا ہے کہ نہ ان کو جاہ و منصب کی خواہش ہوتی ہے نہ مال و دولت کی طمع۔

یہی شیخ ابوالحسن نوریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور ابو بکر شبلیؒ کئی بزرگ ایک وقت میں تھے، خلیفۂ وقت کے یہاں ان کی شکایت کی گئی، ایک وزیر جو اسلام کا مخالف تھا، عقیدے کا خراب تھا اسی نے خلیفہ سے ان حضرات کی شکایت کی کہ یہ لوگ بددین ہیں بے دینی کی باتیں کرتے ہیں یہ حضرات دربار میں طلب کئے گئے اور خلیفہ نے ان سب کے بارے میں حکم دے دیا کہ جلاد بلائے جائیں اور ان سب کی گردن اڑادی جائے، جب جلاد آیا تو شبلیؒ کہتے ہیں پہلے میرا سر قلم کرو، جنید فرماتے ہیں کہ پہلے میرا سر قلم کرو، ہر ایک کہتا ہے کہ پہلے میرا سر قلم کرو، خلیفہ نے کہا بھائی گردن تو سبھی کی اڑائی جائے گی مگر اس میں کیا راز ہے کہ ہر ایک چاہتا ہے کہ میرا سر پہلے قلم کیا جائے؟ تو حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے حق میں ایثار سے کام لوں کہ میں پہلے مارا جاؤں تاکہ چند ساعت میرا بھائی اور زندہ رہ لے اور مجھ سے اتنا فائدہ اس کو پہنچ جائے۔

دیکھتے ہیں آپ! یہ تھی مسلمانوں کی اخوت اور یہ تھا مسلمانوں کے ایثار کا حال، اس بات کا خلیفہ پر اتنا اثر ہوا کہ وزیر سے کہتا ہے کہ اگر یہی لوگ ملحد و بے دین ہیں تو پھر دنیا میں مسلمان کہاں رہے؟ اور اپنا حکم سابق منسوخ کر کے وزیر سے کہا کہ ان لوگوں کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہاں سے رخصت کرو، الغرض وہ حضرات نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ وہاں سے واپس ہو گئے، پہلے مسلمانوں میں اخوت بھی تھی، ہمدردی بھی تھی، بھائی چارہ بھی تھا، آج ہماری ساری چیزیں گم ہیں اور ان سب کو ہم چھوڑے ہوئے ہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو! میرے محترم عزیزو! اچھی طرح سن لو کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ فلاح پائیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہو، جہنم سے بچ جائیں، جنت میں ٹھکانا پائیں تو ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی کو درست کریں اور اپنے حالات کو بدلیں، اللہ کی کتاب پر ہمارا ایمان ہے، اللہ کے محبوب ﷺ پر ہمارا ایمان ہے، حضور ﷺ کی حدیثوں پر ہمارا ایمان ہے، اولیاء کاملین پر ہمارا ایمان ہے، اس لئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی میں اپنے آپ کو فنا کر ڈالنے کے لئے تیار ہو جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ علامہ حالی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

لہٰذا ہمیں اپنے کو درست کر ڈالنا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی

میں اپنے آپ کو فنا کر ڈالنا ہے، اپنے سینے کو تمام برائیوں سے پاک و صاف کرنا ہے ہمارے اندر کینہ بھی ہے، ہمارے اندر بغض بھی ہے، ہمارے اندر حسد بھی ہے، ہمارے اندر تکبر بھی ہے، ہمارے اندر بد دیانتی بھی ہے، یہ ساری چیزیں بھری ہوئی ہیں، انہیں چھوڑ دیجئے، قرآن و حدیث کی تعلیم یہی ہے۔

بس اب بیان ختم کرتا ہوں، جس آیت کو میں نے شروع کیا تھا اس کو بیان بھی نہیں کر پایا، انشاء اللہ پھر زندگی رہی تو دیکھا جائے گا، اب وقت ختم ہو رہا ہے اس لئے ختم کئے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اے اللہ! ہم پر رحم فرما، ہماری ہدایت فرمادے، اے اللہ! ہمارے سینوں کو بغض سے، نفاق سے، شقاق سے پاک کر دے، اے اللہ! مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ڈال دے، مسلمان مل جل کر رہیں، اے اللہ! نفس و شیطان کی غلامی سے ہم چھوٹ جائیں، آپ کی اور آپ کے محبوب ﷺ کی فرماں برداری کریں، اور سچے پکے مسلمان بن جائیں، اے اللہ! ہم سب کو مسلمان بنادے، ہم کو مسلمان ہی زندہ رکھ، اے اللہ! ہمارا خاتمہ اسلام و ایمان پر ہو۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِیعُ الْعَلِیْمُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ ، بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

شرک کی مذمت

اقتباس

ہم لوگ کان کھول کر سن لیں! کسی کے قول کو حجت بنانا خواہ وہ عالم ہو یا شیخ ہو کوئی بھی ہو اگر اس کا قول کتاب وسنت کے خلاف ہے تو حجت نہیں بنا سکتے، ہم بزرگان دین کو اسی لئے تھامتے ہیں کہ ہم کو اللہ ورسول کی فرماں برداری آجائے، بزرگوں کو اس طرح ماننا تو معتبر ہے باقی ان کو رب بنالینا حتیٰ کہ واقعی ان کی پرستش کرنے لگنا یہ کب جائز ہوگا؟ یہ کھلا ہوا شرک اور صریح گمراہی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان مسجد مدرسہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد میں ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (پ۱۷)

اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے ، اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو،

اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا، پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول ﷺ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہ تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

کبھی تو دل یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی کتاب لے کر گھر گھر جایا جائے اور اس کو لوگوں کو سنایا جائے، دین کی دعوت دی جائے، سوتوں کو جگایا جائے، غافلوں کو بیدار کیا جائے، اور کبھی یہ دل چاہتا ہے کہ زبان بند کرلو، خاموش ہو جاؤ، اپنے حال میں لگے رہو، اس لئے کہ حالات کو دیکھ کر مایوسی چھا جاتی ہے کچھ بولنے کو جی نہیں چاہتا، دنیا میں غفلت چھائی ہوئی ہے، لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا، قیامت کو بھلا دیا، عذاب قبر کو بھلا دیا، موت کو بھلا دیا، موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو بھلا دیا، ہر طرف غفلت ہی غفلت ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غفلت ام الامراض ہے، جتنے امراض باطنی پیدا ہوتے ہیں وہ سب غفلت ہی سے ہوتے ہیں مگر بندہ بالکل غافل ہو گیا ہے اس نے اپنے انجام کو بھلا دیا، آغاز کو بھلا دیا کہ وہ کیا تھا پھر کیسے پیدا ہوا اور دنیا میں آنے کا کیا مقصد تھا؟ یہ سب کچھ نظر انداز کر دیا۔

ہم نے قرآن کو اللہ کی کتاب مانا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ ہی کی عظمت نہیں تو پھر کتاب اللہ کی عظمت کیسے ہوگی، سرور کائنات ﷺ جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ان کا حال تو یہ تھا کہ

ایک ایک آیت پر صبح ہو جایا کرتی تھی، حضور اقدس ﷺ کے حالات میں آتا ہے کہ ایک شب آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست قدرت والے ہیں اور حکمت والے بھی ہیں، پھر آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

میرے بزرگو! ہم کو چاہئے کہ ہم قیامت کا میدان یاد کریں، جہنم کے شعلوں اور انگاروں کو سوچیں، آخرت کے عذاب کو سوچیں، وہاں کے حساب و کتاب کو سوچیں، وہاں کے سب پیش آنے ولے واقعات اور ہولناک مناظر کو سوچیں، دنیا کی زندگی چند روزہ زندگی ہے، مٹ جانے والی اور فنا ہو جانے والی زندگی ہے، میرے دوستو! یہ سب کچھ یہیں چھوٹ جانے والا ہے، اگر یہاں ہم نے کچھ نہ کیا تو پھر وہاں جاکر بڑی شرمندگی اور ندامت ہو گی، بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ سب جانتے ہوئے بھی ہم غافل اور بے فکر ہیں، آزادی اور بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں، یاد رکھئے! مؤمن کی زندگی تو فکر کی زندگی ہوتی ہے، مؤمن بے فکر نہیں ہوتا، اس پر ہر وقت فکر آخرت چھائی ہوئی رہتی ہے، وہ کسی حال میں ہو چل رہا ہو، بول رہا ہو، کھاپی رہا ہو، تجارت کر رہا ہو، ملازمت کر رہا ہو، کاروبار کر رہا ہو، سفر میں ہو حضر میں ہو، ہر حال میں آخرت کو یاد رکھتا ہے، کوئی وقت بھی اس پر ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ

اللہ تعالیٰ سے غافل ہو اور آخرت کو بھولا ہو، وہاں کے عذاب کو بھولا ہو، اصل زندگی یہی ہے کہ آدمی کو آخرت کی فکر ہو جائے، اللہ کے جن خاص بندوں کو یہ چیز حاصل ہے ان کی زندگی نہایت مبارک اور کامیاب زندگی ہے، ہماری آپ کی زندگی کس کام کی زندگی ہے؟ ہم کو تو اس کی بھی خبر نہیں کہ زندگی کیا ہے اور جینے کا مزہ کس چیز میں ہے؟ ہم کیا جانیں کہ صبح میں کیا مزہ ہے اور شام میں کیا کیفیت ہے؟ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں لگے رہتے ہیں، اللہ کی یاد اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں ان کے لئے صبح کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے اور شام کا مزہ کچھ اور، ان کے دن کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے اور رات کا مزہ کچھ اور، ان کے جاگنے کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے اور سونے کا مزہ کچھ اور، ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملتا ہے، ان کی زندگی پاکیزہ زندگی ہے، ان کے اوقات اللہ کی یاد میں صرف ہوتے ہیں، انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ رِجَالٌ لَّاتُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں ہیں، ان کا ہر کام اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، اللہ کی یاد کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ آدمی کا سارا کام شریعت کے مطابق ہو جائے اور اس کا قدم اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے، اسی کو اخلاص کہتے ہیں، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو، یعنی اس سے

محض اللہ کی رضا مقصود ہو، یہ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل و بہتر ہے اس لئے کہ عارف کی نیت خالص ہوتی ہے، نیت کے درست کرنے ہی کا نام تو خلوص ہے، اور خود سے نیت کا درست کرلینا اور مقام اخلاص کو حاصل کرلینا نہایت دشوار امر ہے، اسی کے درست کرنے کے لئے تو اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں نہ مخلوق ہوتی ہے نہ دنیا ہوتی ہے نہ وہ نفع و نقصان کا مالک کسی کو جانتے ہیں، وہ تو کسی کو نہیں جانتے وہ کسی کو نہیں پہچانتے بس صرف ایک اللہ کو جانتے ہیں اسی وحدہ لاشریک لہ کو مانتے ہیں، اپنی نظر کو اسی پر جمائے رکھتے ہیں، وہ صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں، اللہ ہی کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

بھائی سنو! جس نے اللہ کو راضی کرلیا اس کو سب کچھ مل گیا اور جس نے اللہ کو ناراض کردیا اس نے سب کچھ کھو دیا، اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی برباد ہوئی، اب ہم اپنے حالات کو دیکھ لیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کی فکر کہاں تک ہے؟ جو کچھ اعمال ہم کرتے ہیں اس میں بھی روح نہیں، اعمال کی صورت تو ہے مگر حقیقت نہیں، ہم میں وہ روح کہاں وہ خلوص کہاں؟ اس کی فکر کریں۔

اور آپ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں کس مقصد کے لئے بھیجا اور ان کو وہ درجہ اور وہ مقام عنایت فرمایا جو مخلوق میں کسی

کو نہیں عطا فرمایا، وہ اللہ کا پیغام لانے والے، اللہ کے احکام کو پہنچانے والے اور اللہ کی باتیں بتانے والے ہیں، وہ اپنے جی اور اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُوْحیٰ﴾ اور آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے بلکہ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

جس نے نبی کا دامن تھام لیا فلاح پائی اور جس نے نبی کا دامن چھوڑ دیا ہلاک ہو گیا، اللہ کے آخری نبی ہمارے رسول مقبول ﷺ ہیں آپ نبیوں کے سردار ہیں، حضور ﷺ کا وہ مرتبہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور فرماتے ہیں ﴿مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ جس چیز کا رسول تم کو امر کریں اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے منع فرمادیں اس سے باز رہو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمی دعوت میں سب سے پہلی چیز اللہ کی توحید ہے، دنیا سے شرک کو مٹانے اور دنیا میں توحید کو پھیلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، بنیادی چیز یہی ہے، اگر کوئی شخص آسمان وزمین کے برابر اللہ کی عبادت کرے، چپے چپے اور گوشے گوشے میں اللہ کی بندگی کرے مگر اس کے ساتھ شرک میں بھی مبتلا ہو تو کبھی اس کی نجات نہیں ہو سکتی اور اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی، شرک ایسی بری بلا

ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں یہ اکبر الکبائر اور اتنا بڑا گناہ ہے کہ مشرک کی مغفرت نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔

سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید ہے اور دل سے اس کی تصدیق ہے کہ لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ ایک ہے، اللہ کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے، اللہ ہی مارنے والا ہے، اللہ ہی جلانے والا ہے، اللہ ہی روزی دینے والا ہے، اللہ ہی بیمار ڈالنے والا ہے، اللہ ہی شفا دینے والا ہے، وہی سب کچھ کرنے والا ہے، اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کا نفع و ضرر ہے، وہ غفار و تواب بھی ہے، جواد و کریم بھی ہے، رحمٰن و رحیم بھی ہے، شدید العقاب بھی ہے، قہار و جبار بھی ہے۔

عقل و فہم سے کوئی شخص اللہ کو نہیں پہچان سکتا ہے اس لئے کہ عقل کی رسائی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات تک ہو ہی نہیں سکتی، اس کو تو نبی ہی بتا سکتا ہے اور یہ چیزیں وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتی ہیں، توحید کی حقیقت کو دوسرا کوئی کیا جانے، نبی کی زبان سے اس راز کو ظاہر فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں "لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَاّيَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِیْرٌ " یہ کلمہ ہم کو کس نے سکھایا؟ یہ حقیقت ہم کو کس نے بتلایا؟ اس کے سکھانے والے اللہ کے محبوب ﷺ ہیں، اس کلمہ پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ کی ذات میں نہ تو کسی نبی کی شرکت ہے، نہ کسی ولی کی شرکت ہے، نہ فرشتوں کی شرکت ہے، وہ پورا با اختیار ہے، زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے، اسی کے لئے سب تعریف ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ زندہ رہنے والا ہے اس کو موت نہیں آسکتی، اسی کے ہاتھ میں ہر خیر ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کلمہ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی ہم در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں، دوسروں کے قول کو حجت بناتے ہیں، ارے اللہ کے بندو! اس کلمہ کو سمجھو، توحید اختیار کرو، حضور ﷺ بھی یہی پڑھتے تھے کہ "لَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ " اور اس کی حقیقت آپ پر منکشف تھی؛ آپ ہی نے ہم کو بتایا اور شرک سے ہم کو بچایا۔

ایک شخص نے آکر حضور اقدس ﷺ کے سامنے یہ کہہ دیا کہ اگر اللہ چاہے گا اور حضور ﷺ چاہیں گے تو فلاں کام ہو جائے گا، حضور اقدس ﷺ اس بات سے خفا ہوئے اور غصہ کے آثار چہرہ انور پر عیاں ہوگئے کیونکہ اس نے توحید کے خلاف بات کہی تھی اور اللہ کی مشیت میں آپ کی مشیت کو شریک کر دیا تھا، چنانچہ آپ نے اس پر نکیر فرمائی کہ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اللہ ہی چاہے گا تو ہو جائے گا مجھ کو اس میں کیوں شریک کرتے ہو۔

دیکھا آپ نے؟ حضور ﷺ نے توحید کی کیسی حفاظت فرمائی اور نبی سے بڑھ کر توحید کی حفاظت دوسرا کون کر ہی سکتا ہے؟ وہ تو اسی کام پر مامور ہو کر آتے ہیں اور اللہ کی توحید ہی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے مخالفت کی جاتی ہے، اور ان پر طرح طرح کے مصائب آتے ہیں جس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو آگ میں جھونکا گیا وہ توحید ہی کی وجہ سے، نمرود سے آپ کا مقابلہ ہوا جب وہ ہر طرح شکست کھا گیا تو آپ کو آگ میں جلانے کی سوجھی، میلوں لکڑیاں جمع کی گئیں اس میں آگ روشن کی گئی، جب شعلے بلند ہونے لگے اور اس کا یہ عالم ہوا کہ بہت دور تک اوپر سے چڑیا گذر نہیں سکتی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی اونچائی سے لے جا کر اس آگ میں گرایا گیا، آخر ان کی کیا خطا تھی، ان کا کیا قصور تھا؟ ان کا بس یہی جرم تھا کہ انہوں نے شرک سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور اللہ کی توحید اختیار کی اور ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

جب آپ کو ان فلک بوس شعلوں میں ڈالنے لگے تو آپ کے پاس تمام آسمانوں کے فرشتے آئے اور آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے خلیل! اگر آپ فرمائیں تو ہم آپ کی مدد کریں اور اس آگ کو اپنے پروں سے بجھا دیں، آپ نے فرمایا کہ نہیں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں میرا اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ مدد کے لئے کافی ہے، یہاں تک کہ سب سے آخر میں جبرئیل امین آئے اور

کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں اپنا پر مار دوں اور یہ سب آگ سرد پڑ جائے آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ نہیں اے جبرئیل! میرے مولیٰ کی مرضی اگر یہی ہے تو میں اس پر راضی ہوں، میرے مالک کا حکم یہی ہے تو میں اس کو بخوشی منظور کرتا ہوں۔

یہ ہے توحید کا اصل مقام کہ سب سے کٹ گئے اور صرف ایک ہی کے ہو رہے، اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیکھا کہ بیشک میرا خلیل میرا ہی ہے مقام خلت میں صادق اور توحید میں مخلص و کامل ہے تو آگ کی طرف حکم بھیجا کہ ابراہیم پر سرد ہو جائے ﴿قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْداً وَّ سَلاَماً عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ﴾ یعنی ہم نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا، پھر وہی بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیمؑ کے لئے گلزار بن گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ آپ اس میں نماز پڑھنے لگے، نمرود کی لونڈی اپنے بالاخانہ سے یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ آگ تو گلزار ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کے قلب میں بھی جوش اٹھا اور کلمہ پڑھتی ہوئی آگ میں کود پڑی، چنانچہ اس کو بھی آگ نے نہیں جلایا، یقیناً یہ کلمہ ایسا ہی ہے کہ جو شخص بھی صدق دل سے سچائی کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہے گا اس کو آگ ہرگز نہیں جلا سکتی، بس صدق شرط ہے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی زبان، اس کا خیال، اس کا دل، یہ سب کے سب شرک سے بچ جائیں اور توحید کامل اس کو حاصل ہو جائے۔

جانتے ہو ایک مقام عقل ہے اور ایک مقام عشق، دونوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے اور مقام عشق مقام عقل سے بہت آگے ہے اور جب تک آدمی مقام عشق میں نہ آئے اس کو سمجھ نہیں سکتا، اس راز کو علامہ اقبال نے فاش کیا ہے، کہتے ہیں ۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل　　عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یاد رکھئے! جب بندہ مقام عشق میں آجاتا ہے تو پھر اپنا تن، من، دھن، جان مال، عزت آبرو، سب کچھ اپنے مولیٰ پر قربان کر دیتا ہے اور میں اتنا اور بھی کہہ سکتا ہوں کہ اسی طرح عقل کامل کا بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہم کو پیدا کرنے والے، ہمارے خالق و مالک ہیں ان کی مرضی پر ہم اپنے کو قربان کر دیں اور ان کے حکم کے آگے اپنے کو بالکل مٹا دیں اپنی رائے اور تجویز کو بالکل ختم کر دیں۔

زبان سے وعظ کر دینا بہت آسان ہے مگر لوگوں کو حقیقت سمجھا دینا بہت مشکل ہے، اب لوگوں کا مذاق ہی بگڑ گیا ہے، وعظ و تقریر بھی حظ نفس کے لئے ہونے لگے، چاہتے ہیں کہ ایسی تقریر ہو کہ ہم لوگ سن کر بس واہ واہ کر کے اٹھ جائیں، ارے اللہ کے بندو! وعظ اور کس چیز کا نام ہے؟ اور تقریر آخر کسے کہتے ہیں؟ حقیقی وعظ تو وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو، اللہ کی بندگی کے لئے ہو، اللہ کے دین کی دعوت کے لئے ہو، اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو،

مخلوق ناراض ہو تو کیا اور مخلوق راضی ہو تو کیا، کیسا مال، کیسی دولت، کیسی عزت، کیسی راحت؟ سب کچھ اللہ کے نام پر قربان کر دینا ہے اور سب کچھ نثار کر کے اللہ کو راضی کرنا ہے، ہماری زندگی کا مقصد اللہ کے نام کو اونچا کرنا ہے، یاد رکھئے! اللہ کے نام کو اونچا کرنے کے لئے اور دین حق کی دعوت و تبلیغ کے لئے جو بندہ تیار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

جب تک ہم اللہ کے لئے جیتے تھے دنیا میں ہم کو عزت حاصل ہوئی اور ہر طرح کی ترقیات ہم کو ملیں، سب کچھ عطا ہوا اور جب سے ہم اپنے نفس کے لئے جینے لگے ہم گمراہ ہو گئے، ذلیل و خوار ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنی امت پر فقر و فاقہ سے اندیشہ نہیں کرتا، البتہ مال و دولت سے اندیشہ کرتا ہوں کہ لوگ آخرت کو بھلا دیں گے، چنانچہ جب فقر و فاقہ تھا تو اس وقت کچھ اور عالم تھا اور وہ لوگ جو پیٹ پر پتھر باندھنے والے، کھجوروں کی چٹائی پر لیٹنے والے، چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہنے والے تھے، جن کے رہنے کے لئے محل و مکان نہیں، کھانے کا سامان نہیں مگر ان کے قلب کے اندر اللہ کی توحید تھی اور ان کے قلب کے اندر اللہ کا خوف تھا، آخرت کا یقین تھا، اور ایسا جذبہ تھا کہ انہوں نے دین کو زندہ کیا اور سارے عالم میں اس کو پھیلا دیا اور ان کی ذات سے اللہ کا

کلمہ بلند ہوا، مگر اب ہمارے اندر اللہ کا خوف نہیں، اللہ کی توحید نہیں، وہ جذبہ اور داعیہ نہیں جو ان کے اندر تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَاباً وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لاَّ یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو! وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہو جائیں، اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا ہی نہیں سکتے، ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر، ان لوگوں نے اللہ کی تعظیم جیسی کرنی چاہئے تھی وہ نہ کی، اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھا رہے ہیں کہ اے لوگو! تم سے ایک مثال بیان کی جارہی ہے اس کو خوب دل سے کان لگا کر سنو، جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے، اگرچہ سب کے سب اس کے لئے جمع ہو جائیں، مطلب یہ کہ جن کو تم نے اپنا معبود بنالیا، مستعان بنالیا، حاجت روا بنالیا، ان کو اتنی قوت بھی نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کر سکیں اور اگر اس چڑھاوے میں سے جس کو غیر اللہ کے لئے چڑھایا ہے مکھی کچھ چوس لے تو اس کو واپس بھی نہیں لا سکتے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ

وَالْمَطْلُوْبُ﴾ طالب و مطلوب، عابد و معبود دونوں کمزور ہیں ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ بیشک اللہ قوی ہے زبردست ہے، اللہ حکمت والا ہے، اللہ مالک و خالق ہے، اللہ آسمان کو بنانے والا ہے، زمین کو بنانے والا ہے، سورج کو بنانے والا ہے، چاند ستاروں کا بنانے والا ہے، پہاڑوں کا بنانے والا ہے، دریاؤں کو جاری کرنے والا ہے ہواؤں کو چلانے والا ہے، سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے معبود کو چھوڑ کر غیر اللہ کو ہم پکاریں۔

یاد رکھئے! اللہ کے برابر کسی کے لئے علم ثابت کرنا، قدرت ثابت کرنا، اللہ کے سوا کسی کو مستعان سمجھنا، حاجت روا سمجھنا اور مصیبت میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا یہ سب شرک ہے شرک، مشرکین بھی اللہ کی ذات کو ایک مانتے تھے مگر صفات میں غیر اللہ کو لاکر شریک قرار دیتے تھے یہی ان کا شرک تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے بیشک اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں ایک ہے، اللہ کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا جب وصال ہوا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا سانحہ اور سب سے بڑی مصیبت اور رنج و الم کی جو چیز پیش آئی وہ

یہی ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان کے درمیان سے اٹھالیا، اس سے بڑھ کر اور کون حادثہ ہو سکتا ہے؟ صحابہ کرامؓ کی کیا کیفیت ہوئی، لوگ رو رہے ہیں، سکتے کا عالم طاری ہے، سناٹے میں ہیں، حواس بجا نہیں، دنیا اندھیری اور تاریک ہو گئی حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ تو تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ اگر کوئی شخص اپنی زبان سے یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔

ایسی حالت میں ان کو کوئی سنبھالنے والا نہیں تھا، حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ عجیب حال میں ہیں حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ بھی اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں تو اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے سب لوگوں کو سنبھالا، چنانچہ آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَإِنَّ مُحَمَّداً قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَاَّ يَمُوْتُ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَإِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ﴾

اے لوگو سن لو! جو کوئی محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ حضور ﷺ کی وفات ہو گئی اور جو کوئی اللہ کی پرستش اور بندگی کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ اللہ حی و قیوم ہے اس کو موت نہیں آسکتی (اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی)

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ اور محمد ﷺ نرے

رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

یہ سننا تھا کہ سب لوگ ہوش میں آگئے، فاروق اعظمؓ بھی سنبھل گئے اور فرمانے لگے کہ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہو، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہم کو سنبھال لیا بیشک آپ قدم نبوت پر ہیں۔

امت پر سب سے بڑا نازک وقت وہی تھا جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور آپ نے اس عالم سے پردہ فرمالیا، ایسے وقت میں سب لوگوں کو سنبھال لینا بہت دشوار امر تھا، یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا مقام تھا اور انہیں کا حق تھا کہ ایسے سخت وقت میں خود بھی سنبھلے رہے اور سب لوگوں کو سنبھال لیا، حالانکہ صدیق اکبرؓ کو سب سے زیادہ محبت حضور ﷺ سے تھی، تو ظاہر ہے سب سے زیادہ رنج و غم بھی ان کو ہوا، لیکن ایسی استقامت ان کو حاصل تھی کہ خود بھی سنبھلے اور دوسروں کو بھی سنبھالا، اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میری ساری عمر کی عبادت لے لی جائے اور صدیق اکبرؓ کے ایک دن اور ایک رات کی عبادت مجھے دے دی جائے تو میں بہت نفع میں رہوں گا، اس لئے کہ میری ساری عمر کی عبادت صدیق اکبرؓ کے اس ایک

رات اور اس ایک دن کے مقابل میں کم ہے، وہ رات تو ہجرت کی رات ہے جب حضور ﷺ کو صدیق اکبرؓ اپنے کاندھوں پر سوار کر کے لے گئے تھے اور غار ثور کے اوپر لے جا کر حضور ﷺ کو باہر بٹھادیا اور خود پہلے اندر گئے، غار کو صاف کیا اس میں کچھ سوراخ تھے ان کو بند کیا پھر حضور ﷺ کو بلایا، آپؐ غار میں تشریف لے گئے ادھر غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتر نے بولنا شروع کر دیا مشرکین آپ کی تلاش میں نکلے ان کے ساتھ قیافہ شناس بھی تھے وہ نشان قدم پہچاننے والے تھے چنانچہ نشانات قدم دیکھتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ غار ثور کے منہ پر لا کر کھڑا کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس سے آگے نہیں بڑھے ہیں اور اسی غار کے اندر ہیں، لوگوں نے کہا کہ اگر اس کے اندر ہوتے تو اوپر جو مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے وہ ٹوٹ جاتا، صدیق اکبرؓ گھبرا گئے اور حضور ﷺ سے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب! اب تو ہم پکڑے جائیں گے، اگر یہ لوگ اپنے قدموں کے نیچے دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کچھ اندیشہ مت کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے، رات تو یہی تھی جس کا ذکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اور دن وہی ہے جس دن آپ کی وفات ہوئی، اس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنا زبردست کارنامہ انجام دیا کہ امت کو سنبھال لیا ورنہ پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔

دوستو! کوئی بھی حال ہو توحید کو بڑی دولت سمجھنا چاہیے، انبیاء کرام علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لئے آئے تھے، سب سے زیادہ کامل

توحید ان ہی حضرات کی تھی، ابتدا میں بھی توحید ہے اور انتہا میں بھی، جس درجہ کی توحید انبیاء کے اندر ہوتی ہے دوسرے کے اندر بھلا کیا ہو سکتی ہے، وہ اپنے سارے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اپنے کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں اور تمام امور میں اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کے علاوہ کسی کو کارساز نہیں سمجھتے، سب سے پہلی چیز یہی توحید ہے پھر اعمال کا درجہ تو بعد میں ہے، جب تک توحید خالص نہ ہو کوئی عمل عند اللہ مقبول اور معتبر نہیں ہوتا، یوں تو مشرکین مکہ بھی اللہ کے خالق و مالک ہونے کے قائل تھے مگر ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی معبود بنائے ہوئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ "هُمْ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَاللّٰهِ" یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، مگر جب کوئی وقت پڑتا تو مدد کے لئے وہ بھی اللہ کو پکارتے تھے ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ جب ان کو موجیں گھیر لیتی تو خالص دل سے اللہ کو پکارتے تھے کہ اے اللہ آپ ہی نجات دیجئے۔

دیکھئے! مشرکین مکہ کا تو یہ حال تھا کہ جب مصیبت میں گرفتار ہوتے تو خالص دل سے اللہ کو پکارتے تھے اور جب مصیبت دور ہو جاتی تو پھر شرک

کرنے لگتے اور آج ہمارا حال دیکھئے کہ مصیبت ہی میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہتے ہیں کہ ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی

یاد رکھئے! قیامت میں ہم کو وہ مجرم گردانیں گے کہ تم نے مجھ کو اللہ کی ذات کے ساتھ کیوں شریک کیا اور اللہ کے برابر کیوں قرار دیا؟ عجب معاملہ ہے کہ مشرکین تو مصیبت میں اللہ کو پکاریں اور اس سے مدد چاہیں اور ہم غیر اللہ کو پکاریں! ہمارا معاملہ ان سے بھی بدتر ہو گیا اور جو کوئی اللہ کا بندہ اس شرک سے ان کو منع کرتا ہے تو اس سے برا بھی مانتے ہیں اور اس سے خفا ہو کر طرح طرح کے القاب سے یاد کرتے ہیں ان لوگوں کا عجب حال ہے کہ جو کفر و شرک سے روکتا ہے اسی کے خلاف فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

یاد رکھو! اللہ ہی مارنے والا ہے، اللہ ہی جلانے والا ہے، اللہ ہی روزی دینے والا ہے، اللہ ہی اولاد دینے والا ہے، اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے نفع وضرر سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے دوسرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت جعفر صادقؓ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ آپ ہم کو اسم اعظم سکھا دیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ جو میں کہتا ہوں وہ کرو اور اس کو ساتھ لے کر دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ ہمارا نام لیتے ہوئے اس دریا میں داخل ہو جاؤ اور جعفر صادق جعفر صادق کہتے ہوئے دریا پار کر جاؤ، چونکہ وہ طالب صادق تھا اس لئے ان کے نام کا ورد کرتے ہوئے

دریا میں کود پڑا مگر جب موج کے تھپیڑوں میں پڑا اور جان پر آبنی تو سب بھول گیا اور ان کے نام کا وظیفہ چھوڑ کر اللہ اللہ پکارنے لگا، اللہ کی طرف سے نظر رحمت ہوئی اور وہ بحکم خداوندی موج کے تھپیڑوں سے خود بخود ساحل کی طرف آ گیا، جب باہر نکل آیا تو پھر جعفر صادق سے درخواست کی کہ حضرت اب مجھ کو اسم اعظم بتادیجئے، انہوں نے فرمایا او نادان! تو نے اب بھی نہیں سمجھا؟ ارے جب تو موجوں میں گھر گیا تھا اور اپنی ہلاکت کا یقین کر لیا تھا اس وقت جس دل سے اور جس قدر خلوص سے تو نے اللہ کہا تھا اسی دل سے اور اسی خلوص سے اگر پکارا جائے تو اللہ کا ہر نام اسم اعظم ہے، بس دل چاہئے اور خلوص چاہئے، اسی پر میرا ہی ایک شعر ہے۔

خلوص دل سے پکارے اگر کوئی ان کو   ہر ایک نام ہی ان کا پھر اسم اعظم ہے

اللہ کی کتاب میں اگر ہم غور کریں تو ہم کو توحید کامل حاصل ہو جائے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات جو قرآن میں مذکور ہیں اس میں ہمارے لئے کامل نمونہ موجود ہے، سب نبیوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے کامل توحید پیش کی ہے اور ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قائم فرمادیا ہے، اس کو دیکھ کر ہم سمجھ سکتے ہیں اور یہ یقین پیدا کر سکتے ہیں کہ اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے اور وہی سب کا حاجت روا ہے، چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام باوجودیکہ بالکل بوڑھے ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں کہ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ﴾ اے میرے رب! مجھ کو پاکیزہ اولاد

عطا فرمائیے بیشک آپ تو دعاؤں کو سننے والے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے ایسے خلوص سے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور ظاہر ہے نبی جیسا خلوص اور دوسرا کون پیش کر سکتا ہے چنانچہ آپ کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہو گئی اور منجانب اللہ یہ خوش خبری سنائی گئی ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰي مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو ملائکہ نے آپ کو پکارا کہ اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتے ہیں جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتدیٰ ہوں گے اور اپنے نفس کو لذات سے بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام جب اپنے شہر سے نکل کر جانے لگے تو راستہ میں دریا حائل تھا اس کو عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے، جب کشتی نے کسی قدر فاصلہ طے کر لیا تو ہوا کا طوفان اٹھا جس سے قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے تو کشتی والوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی خطاکار شخص ہے جس کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت آرہی ہے، حضرت یونس علیہ السلام فوراً بول پڑے کہ کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے جب تک تم اس کو دریا

میں نہ ڈال دو گے تم نجات نہ پاؤ گے، یہ سب بلائیں تم پر میرے سبب سے ہیں مجھ کو تم دریا میں ڈال دو تو تم چین سے ہو جاؤ گے، حضرت یونس علیہ السلام نہایت حسین و جمیل تھے، ظاہر ہے نبی ہی تھے نبی کے چہرے پر تو انوار کی بارش ہوتی ہے اس لئے کشتی والوں نے آپ کو دریا میں ڈالنے سے توقف کیا اور کہا کہ یہ امر بے قرعہ ڈالے طے نہیں ہو سکتا البتہ جس پر قرعہ نکل آوے گا اس کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، یہ کہہ کر انہوں نے تین دفعہ قرعہ ڈالا اور ہر دفعہ حضرت یونسؑ ہی کا نام نکلا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ﴾ سو یونسؑ بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے۔

چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام اٹھے اور اپنے کپڑے اتار کر خود کو دریا میں ڈال دیا، فوراً ایک بڑی مچھلی نمودار ہوئی اور اس نے آپ کو نگل لیا، روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو محفوظ رکھنا اور ان کے کسی حصہ کو مت کھانا کیونکہ یہ تمہاری غذا نہیں ہیں بلکہ تمہارے شکم کو ان کے لئے قید خانہ بنایا گیا ہے، اور جس وقت مچھلی نے ان کو نگلا ہے وہ آدھی رات کا وقت تھا پس وہ تین تاریکیوں میں تھے، ایک تاریکی شب کی، دوسری دریا کی، تیسری شکم ماہی کی، ذرا غور فرمایئے ان تاریکیوں میں حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور مچھلی

والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ اپنی قوم سے (جبکہ وہ ایمان نہ لائی) خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے (اپنے اجتہاد سے) سمجھا کہ ہم ان پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے، پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں، میں بیشک قصوروار ہوں۔

دیکھا آپ نے حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے اللہ تعالیٰ کو کس دل اور کیسے خلوص سے پکارا اور اپنے قصوروار ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ ﴿لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ یعنی آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بیشک قصوروار ہوں۔

چنانچہ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے صحیح و سالم باہر نکال دیا، ورنہ اسی مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہ جاتے جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلاَ اَنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے، مگر انہوں نے خدا کو یاد کیا، اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہے اعترافِ قصور کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب تاریکیوں سے ان کو نجات عطا فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اس کے بعد فرماتے ہیں ﴿وَکَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

یعنی جس طرح یونس علیہ السلام نے مصیبت میں خدا کو پکارا اور اسی سے مدد چاہی تو ان کو نجات ملی اسی طرح جو کوئی شدائد و مصائب میں اللہ تعالیٰ کو پکارے گا ان کے سامنے گریہ وزاری کرے گا اور اپنے قصور کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی نجات عطا فرمائیں گے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی مہربانی ہے کہ تکلیف و مصیبت جو اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اس کو دور کرنے کا انتظام بھی خود ہے فرمادیا ہے اور اس کو بھی اپنی طرف توجہ کا اور مناجات کا ذریعہ بنادیا، حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرچکی ہے اور ان کی طرف منسوب ہے چنانچہ اس کو دعاء یونسی کہتے ہیں اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو پڑھ کر اپنی کسی حاجت کا سوال کرے گا وہ پوری کردی جائے گی (ترمذی شریف ابن کثیر ج/۴ ص/۵۸۹)

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے ہمارے سامنے گریہ وزاری کریں، ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور ہم سے مانگیں تاکہ ہم ان پر بخشش کریں، اسی کو ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم سے مانگو ہم دینے کے لئے تیار ہیں اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، نیز حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

خیر کثیر کو اپنے بندے سے روکے رہتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ جب تک میرا بندہ مجھ سے نہیں مانگے گا میں نہیں دوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھ سے مانگے تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنی سب حاجات کو اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے پیش کریں اور اسی سے سب کچھ مانگیں، مگر ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر مصیبت میں دوسروں کو پکارنے لگے شرک میں مبتلا ہو گئے۔

قرآن پاک میں شرک کی بھی بحث کی گئی ہے سارا قرآن شرک کی نفی اور توحید کے اثبات سے بھرا پڑا ہے اور مشرک کی مذمت بڑے شدومد کے ساتھ کی گئی ہے لیکن اس کو کون سنتا ہے؟ اگر ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کریں کشف و کرامات کی حکایتیں اور عجیب عجیب اچنبھے کی باتیں بیان کریں تو لوگ بہت خوش ہوتے ہیں اور خوب واہ واہ کرتے ہیں اور جب اللہ کی توحید کا بیان کیا جاتا ہے تو چہرہ پر دوسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، لوگوں کو اس میں لطف نہیں آتا، چاہتے ہیں کہ اس کا بیان نہ ہو، حالانکہ توحید ہی تو اصل دین ہے، اسلام کو جو فوقیت اور برتری حاصل ہے وہ اسی توحید خالص ہی سے حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے بے نیاز ہے، اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ کوئی اس کے برابر کا ہے، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ اَوْ حُرِّقْتَ" اگر تم قتل

بھی کر دیئے جاؤ اور جلا بھی دیئے جاؤ پھر بھی اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا۔

بھائی! شرک بری بلا ہے، نہ کوئی تاریخ منحوس ہے نہ کوئی دن منحوس ہے نہ کوئی مہینہ منحوس ہے، نہ کوئی چاند منحوس ہے، کسی چیز میں نحوست نہیں ہے، اللہ ہی نافع ہے اور اللہ ہی ضار ہے، نفع و نقصان سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اگر آپ آنکھ کھول کر دیکھیں تو نہ معلوم کتنی رسمیں شرک کی ہم میں آگئی ہیں شادی بیاہ میں، غمی میں، خوشی میں، جینے مرنے میں، لینے دینے میں کتنی باتیں شرک کی ہوتی ہیں لہٰذا آپ سے یہی کہتا ہوں کہ شرک سے بیزار ہو جایئے، توحید خالص اختیار کیجئے، شرک کو بالکل چھوڑ دیجئے چاہے دنیا کچھ بھی کہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا اسکا ذکر فرمایا ہے کہ تم شرک کو چھوڑ دو اور اللہ کی توحید پر آجاؤ، اللہ ہی کو معبود و مقصود بنالو، اللہ کی بندگی میں لگ جاؤ، اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں لگ جاؤ، یہی مقصود ہے فرماتے ہیں ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

اس آیت پر امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ ہے اور حنفیہ کے یہاں ثابت نہیں ہے، اس آیت میں ایمان والوں کو خطاب ہے کہ اے ایمان والو! جس نے اللہ کو مان لیا، توحید کو مان لیا، رسولوں کو مان لیا، قیامت کو مان لیا، ملائکہ کو مان لیا، جنت دوزخ کو مان لیا، بس ایمان والا ہو گیا ان کو خطاب ہو رہا ہے

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا ﴾ کہ اے ایمان والو! رکوع کرو، اللہ کے سامنے سر جھکاؤ اور سجدہ کرو یعنی اللہ کے سامنے اپنی پیشانی اور ناک رگڑو، بندے کی معراج یہی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے اپنے کو جھکادے جب بندہ اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے اور اپنی پیشانی کو ٹیک دیتا ہے اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے تو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندے کو سب سے زیادہ قرب اللہ تعالیٰ کا سجدے کی حالت میں نصیب ہوتا ہے۔

یاد رکھو! اللہ کے سوا غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں، اپنے جیسے انسانوں کو سجدہ کرنا بالکل حرام اور کھلا ہوا شرک ہے، یہ پیشانی مؤمن کی اللہ ہی کے سامنے جھک سکتی ہے غیر اللہ کے سامنے اس کو جھکانا کسی طرح زیب نہیں دیتا، جب تک مسلمانوں نے اس کو سمجھا اس وقت تک ان کو قوت، شوکت، عزت، سب حاصل تھی اور اب تو انسان خود ذلیل ہو گیا حتیٰ کہ اپنے جیسی مخلوق کے سامنے سجدہ کرنے لگا، آپ خود دیکھ لیجئے کہ کہاں کہاں انسان سر جھکا رہا ہے، قبروں کے سامنے جھکا رہا ہے، تعزیے کے سامنے جھکا رہا ہے اپنی جیسی مخلوق کے سامنے جھکا رہا ہے، اس نے خود سے اپنی ذلت مول لی ہے کیونکہ یہ پیشانی، وہ پیشانی ہے کہ خدا کے در کے علاوہ کہیں نہیں جھک سکتی، کسی غیر کے سامنے اس کو جھکانا اس کی توہین و تذلیل ہے۔

ایک صحابیؓ نے دیکھا کہ اونٹ نے حضور ﷺ کو سجدہ کیا اس کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس سے

زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے ارشاد فرمایا کیا میرے مرنے کے بعد تم میری قبر کو سجدہ کروگے؟ صحابی نے عرض کیا نہیں، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تب میری زندگی میں کیوں کروگے۔

اس میں آپ ﷺ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا کہ جس کو موت آنے والی ہے وہ معبود نہیں بن سکتا، جس کو فنا ہو اس کے لئے سجدہ کیسا، سجدہ تو بس ایک ہی ذات کے لئے ہے جو حی وقیوم ہے، اس لئے اللہ ہی کے سامنے سر جھکاؤ اور اللہ ہی کے لئے سجدہ کرو، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نہ باشد پائدار		عشق را باحی وباقیوم دار

جس کو موت آنے والی ہے اس کا عشق برقرار رہنے والا نہیں اس لئے اس ذات کے ساتھ عشق ومحبت قائم کرو جو حی وقیوم ہے، ہمیشہ رہنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور اپنے رب کی عبادت کرو، اس سے پہلے رکوع اور سجدہ کو علیحدہ بیان فرمایا حالانکہ عبادت میں وہ بھی شامل ہیں مگر مستقل طور پر ان کو الگ سے ذکر اس لئے فرمایا کہ رکوع اور سجدہ دونوں خاص چیزیں ہیں اور سجدہ تو عجیب چیز ہے، تمام بزرگان دین سجدے میں روتے ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی سجدے میں روتے تھے، چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ کے خلیل ہیں جب سجدے میں جاتے تو اتنا روتے تھے کہ آنسوؤں کا تار لگ جاتا تھا، ایک دن جبرئیل امین نے آکر کہا کہ اے اللہ کے خلیل! آپ اتنا کیوں روتے ہیں اور اس قدر گریہ

وزاری کیوں کرتے ہیں آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنالیا پھر آپ کو اس قدر گریہ وزاری کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل جب اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو دیکھتا ہوں اور اللہ کے عذاب کو سوچتا ہوں تو خلت اور دوستی کو بھول جاتا ہوں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تو یہ حال ہے اور صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام کی یہ کیفیت ہے کہ اللہ کے خوف سے روتے ہیں اور ہم لوگ نافرمانی اور گناہ کر کے مطمئن اور بے فکر ہیں جیسے ہمارے اندر کوئی کھوٹ ہی نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخشے بخشائے ہیں، ذرا اس میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ﴾ اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدے کرو، گریہ وزاری کرو، اللہ کے سامنے اپنی پیشانی کو جھکادو اور اپنے رب کی بندگی میں لگ جاؤ جو تم کو بنانے والا، نگرانی کرنے والا اور پالنے والا ہے، اسی نے کھانا عطا فرمایا، پانی عطا فرمایا، اسی نے ساری نعمتیں عطا فرمائیں پھر اس کو چھوڑ کر غیر کے سامنے کیوں جھکتے ہو؟ اے اللہ کے بندو! اللہ ہی کے سامنے جھکو اور اسی کی بندگی کرو ﴿ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ بھلے کام کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو، اچھے کام کرو، نیک کام کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، یہ ہے طریقہ فلاح پانے کا، نافرمان قوم کبھی فلاح نہیں پاتی، جو فرماں بردار ہوتے ہیں ان کو فلاح ہوتی ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ ﴿ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ مطلب یہ ہے کہ شریعت کے مطابق زندگی گذارو تاکہ تم فلاح پاجاؤ اور کامیاب

ہو جاؤ، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ جہاد کے معنی کوشش کے ہوتے ہیں، اس میں جہاد باللسان اور جہاد بالسنان سب شامل ہے، مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے دین کے لئے کوشش کرو جیسا کہ اس کا حق ہے یعنی اپنی طرف سے امکانی کوشش کرو اللہ کا دین دنیا میں اونچا ہو اور سرسبز وشاداب ہو، اللہ کا کلمہ دنیا کے اندر بلند ہو، ہماری زندگی کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت عام ہو، اللہ کی توحید کا سکہ لوگوں کے قلوب پر بیٹھ جائے۔

﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اللہ نے تم کو منتخب کرلیا اور چھانٹ لیا ہے، اور یہ کوئی معمولی کام نہیں جس کے لئے تم منتخب کئے گئے ہو یہ کار نبوت ہے اور تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی اور مشکل نہیں بلکہ دین کو بالکل آسان فرمادیا ہے۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اسی نے تمہارا نام پہلی کتابوں میں بھی اور اس کتاب میں بھی مسلم رکھا ہے، مسلم یعنی فرماں بردار، اور گردن جھکادینے والا، اللہ کے سامنے پیشانی ٹیک دینے والا، تو جب ہم کو مسلم کہا گیا ہے تو ہم اپنے نام کی لاج رکھیں اور فرماں بردار بن جائیں ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تاکہ رسول اللہ تم پر گواہ ہوں اور تم دنیا والوں کے لئے گواہ بنو ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾

تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

صلوٰۃ وزکوٰۃ دونوں دین کی اہم چیزیں ہیں، کیا نہیں معلوم کہ صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں جب بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے ساتھ جہاد کروں گا، صحابہؓ نے اس امر میں نرمی کا مشورہ دیا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ اے حضور کے خلیفہ! آپ نرمی کیجئے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں بڑے سخت تھے اور اسلام میں اتنے نرم ہو گئے؟ قسم اللہ کی جو شخص اونٹ کی ایک رسی نہیں دے گا جس کو وہ حضور ﷺ کے وقت میں دیتا تھا تو میں اس سے جہاد کروں گا اور اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے گا تو تنہا جہاد کروں گا، پھر حضرت عمرؓ اور سب ہی صحابہؓ نے صدیق اکبرؓ کی تائید کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ تو مشورہ تھا ویسے ہم ہر طرح آپ کے ساتھ ہیں۔

اس سے زکوٰۃ کی کس قدر اہمیت معلوم ہوئی، آج مسلمان زکوٰۃ سے غافل ہیں، حساب کر کے پوری زکوٰۃ نکالنے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں، قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی آئی ہے کہ لوگ زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے لگیں گے، ریشم کو حلال سمجھنے لگیں گے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کڑھن پیدا ہو گی، آج دیکھ لیجئے لوگوں کا کیا حال ہے کہ نمائش میں، نام و نمود میں، غیر ضروری روشنی میں روپیہ ضائع و برباد کرتے ہیں، اللہ ورسول

ﷺ کی مرضی کے خلاف جو لغویات اور فضولیات کرتے ہیں اس میں بے دریغ مال خرچ کرتے ہیں، یہ مجرم اور نافرمان لوگ ہیں، ان پر عذاب ہوگا اور ان کو جھیلنا پڑے گا، قیامت میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو مال دیا تھا اس کو کیوں ضائع کیا اور ان کا حق کیوں نہیں ادا کیا؟ اس لئے ہم کو چاہئے کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں، فضولیات میں مال کو صرف کرنے سے بچیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ حساب کر کے نکالیں اور اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اسی کو فرمارہے ہیں کہ ﴿فَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ﴾ نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ﴾ وہ تمہارا مالک ہے تو کیسا بہترین مالک اور مددگار ہے، ان الفاظ ہی میں کیسی لذت اور کیسی حلاوت ہے ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ﴾

ارے بھائی! ایسے مولیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاتے ہو؟ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان آیات پر گذر کر بھی ہمارے دل کے اندر توحید نہ آئے اور شرک میں مبتلا رہیں، اللہ کی عظمت نہ پیدا ہو، قرآن سے تعلق نہ ہو، آخرت کا یقین نہ ہو، جنت دوزخ کا یقین نہ ہو، بے فکری اور آزادی کی زندگی گذاریں۔

میرے بھائیو! اگر ہمارے اور تمہارے اور تمام مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کے سب کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ

ہمارا مولیٰ اللہ ہے، ہمارا کارساز اور ہمارا مالک و مددگار اللہ تعالیٰ ہے تو کیسی زندگی بن جائے اور زندگی کا لطف ہم کو آجائے، قربان جایئے اپنے مالک اور آقا کے اور فدا ہو جائیں حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک پر کہ آپ ہی کے واسطے سے ایسی اعلیٰ تعلیم ہم کو ملی، ہم کو قرآن ملا، ہم کو حدیث ملی، ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث موجود ہے، ہمارے سامنے سلف صالحین کی سیرت ہے اور سب سے بڑھ کر حضور اقدس ﷺ کی سوانح اور سیرت پاک ہمارے سامنے موجود ہے، پھر ہم کہاں جا رہے ہیں اور کدھر بھٹک رہے ہیں اور غیر اللہ کو مقصود بنا کر کیوں شرک میں مبتلا ہو رہے ہیں؟ یہ طریقہ تو گمراہوں کا طریقہ ہے، اہل یہود و نصاریٰ نے اسی قسم کا شرک اختیار کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا نکیر فرمائی ہے اور ان کی اس گمراہی پر متنبہ فرمایا ہے تاکہ ہم اس سے سبق حاصل کریں اور شرک سے بچیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ خدا ان کو غارت کرے، یہ کدھر جا رہے ہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عدی بن حاتمؓ جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے بعد میں اسلام قبول کیا اور صحابی ہیں، انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نے تو اپنے علماء و مشائخ کو رب نہیں بنایا تھا پھر ان کے رب بنانے کا کیا مطلب ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب کے خلاف ان کے قول کو حجت بناتے تھے اور جس چیز کو ان کے علماء و مشائخ حلال قرار دیتے اسی کو حلال سمجھتے اور جس کو حرام قرار دیتے اسی کو حرام سمجھتے اور اللہ کی کتاب اور اس کے حکم کو پس پشت ڈال دیا تھا، یہی رب بنانا ہے۔

ہم لوگ کان کھول کر سن لیں! کسی کے قول کو حجت بنانا خواہ وہ عالم ہو یا شیخ ہو کوئی بھی ہو اگر اس کا قول کتاب و سنت کے خلاف ہے تو حجت نہیں بنا سکتے، ہم بزرگان دین کو اسی لئے تھامتے ہیں کہ ہم کو اللہ و رسول کی فرماں برداری آجائے، بزرگوں کو اس طرح ماننا تو معتبر ہے باقی ان کو رب بنالینا حتیٰ کہ واقعی ان کی پرستش کرنے لگنا یہ کب جائز ہوگا؟ یہ کھلا ہوا شرک اور صریح گمراہی ہے کوئی اللہ کا ولی اور کوئی سچا عالم اللہ کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا، جو اپنی بات منوائے بھلا وہ ولی کہاں ہو سکتا ہے، سچے ولی تو وہی لوگ ہیں جو اپنی رائے کو مٹا چکے ہیں، اپنی بات کو مٹا چکے ہیں۔

ہم کو اپنے بزرگوں سے یہی ملا ہے اور ہم نے ان سے یہی سیکھا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری کریں اور ان کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کردیں ہم تو اپنی رائے اور بات کو مٹا چکے ہیں ہم تو اللہ کے محبوب ﷺ کو مانتے ہیں، قرآن و حدیث کو مانتے ہیں، اللہ و رسول ہی کو مانتے ہیں۔

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ جن کے ماننے کا دعویٰ آج بہت لوگ کرتے ہیں ان کا ارشاد سنئے! کیا فرماتے ہیں کہ ارباب میں بجز اللہ کے اور مخلوق میں بجز رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کو ہم پہچانتے ہی نہیں، اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ

سے ایسا تعلق ہو جاتا ہے اور ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں تو ان کے دل میں ایک حلاوت پیدا ہو جاتی ہے اور عجیب لذت محسوس ہوتی ہے جس کو الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا اس کو تو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اس کی کچھ چاشنی ملی ہو۔

زباں پہ بارے خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

ایک بزرگ جو متبع سنت تھے اور متبع سنت تو سب ہی بزرگ ہوتے ہیں، جو متبع سنت نہ ہو وہ بزرگ ہی کہاں ہو سکتا ہے، پھر بھی بعض حضرات کو اتباع سنت کا خاص مقام حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر خصوصیت کے ساتھ ان کے متبع سنت ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے، بہر کیف وہ بزرگ فرماتے تھے کہ جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو ایسی مٹھاس معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے میرے منہ میں شکر بھر دی ہو۔

یہ حضرات توحید کامل اور اتباع سنت خود بھی اختیار فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے، لہٰذا اگر ہم لوگ بھی نجات و فلاح چاہتے ہیں، جنت میں جانا چاہتے ہیں، اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو توحید اختیار کریں، شرک سے اپنے کو بچائیں اور کامل طور پر متبع ہو جائیں جناب رسول اللہ ﷺ کے، اسی کی تعلیم اپنے گھر میں دیں، اپنے بچوں کو دیں، اپنے پڑوسیوں کو دیں اور تمام مسلمانوں کو دیں کہ سب لوگ توحید پر آجائیں، شرک سے بیزار ہو جائیں، اتباع سنت اختیار کرلیں اور ان سب کو حاصل کرنے کا آسان ذریعہ اور سہل طریقہ یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار

کریں، یہ سب چیزیں اللہ والوں کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہیں، اللہ والوں کی صحبت تریاق ہے تریاق۔

ایک بزرگ تھے جو بوڑھے ہوگئے تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ کی عمر کتنی ہے تو فرمایا تین سال، یہ سن کر لوگ ہنسنے لگے کہ بوڑھے ہو کر اپنی عمر تین سال بتاتے ہیں، کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ بات آپ کیسے فرمارہے ہیں کہ آپ کی عمر تین ہی سال کی ہے؟ تو فرمایا کہ سنو! تین سال میں اپنے شیخ مرشد کی خدمت میں رہا ہوں اسی تین سال کو زندگی سمجھتا ہوں باقی عمر کو زندگی ہی نہیں سمجھتا۔

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہم نے جو کام کئے ہیں ہم کو اس پر اجر مل جائے اور آپ کے بعد جو اعمال کئے ہیں ان میں برابر برابر کا معاملہ ہو جائے تو ہم نفع میں رہیں گے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو صحابی ہیں، وہ فرماتے تھے کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے بعد بھی بہت سے کار خیر کئے ہیں اس پر بھی ہم کو اجر کی امید ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ ہمارے باپ سے زیادہ فقیہ تھے انہوں نے جو بات فرمائی وہ بہت اونچا اور بلند مقام ہے، تو بھائیو! اللہ والوں کی صحبت میں کوئی شخص جو بھی وقت گذارے در حقیقت وہی زندگی ہے کیونکہ حقیقی زندگی وہیں ملتی ہے، وہیں دل درست ہوتا ہے، دل وہیں بنتا ہے، بغیر کاملین کی صحبت کے کچھ نہیں حاصل ہوتا اور اللہ والے وہی لوگ ہیں جو کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، شریعت کے

مطابق زندگی گذارتے ہیں، خود بھی سنت پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی سنت ہی کی دعوت دیتے ہیں، چاہے مخلوق ان کو برا بھلا کہے، لعن طعن کرے، کچھ بھی ہو ان کو اس کی پروا نہیں، بس وہ ایک ذات کو جانتے ہیں اور اسی سے لو لگائے ہیں اور ان کو اسی کی دھن رہتی ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، ساری دنیا کے لوگ ناراض ہو جائیں تو بخدا کچھ نقصان نہیں اگر اللہ راضی ہو، اور اگر اللہ راضی نہیں تو ساری دنیا ہم کو ولی مان لے، بزرگ بنائے، اکرام و تعظیم کرے، ہاتھ چومے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ راضی نہیں تو کچھ نہیں اور اللہ راضی ہے تو سب کچھ ہے، رہا لعن طعن سننا تو یہ سب چیزیں اللہ والوں کے لئے اور حق پرستوں کے لئے اللہ کے راستے میں آتی ہیں اس کی ہمیں پروا نہیں، اس سے تو مؤمن اپنے ایمان میں اور پختہ ہو جاتا ہے، اسی کی وجہ سے وہ سب مخلوق سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کر لیتا ہے اور اپنی نگاہ کو صرف ایک اللہ پر متصور کر لیتا ہے، ہماری نگاہ تو صرف اللہ پر ہے ہمیں ان کو راضی کرنا ہے انہوں نے ہم کو بنایا، وہی ہمارے مالک و خالق ہیں، وہی ہمارے کارساز ہیں، سب کچھ انہیں کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہی ہمارے مولیٰ و مددگار ہیں ﴿ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ کیا ہی اچھا ہمارا مولیٰ اور مالک اللہ ہے اور کیا ہی اچھا ہمارا معین و مددگار اللہ ہے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ سبحان اللہ سبحان اللہ! یہ کیا عمدہ وظیفہ ہے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اسی کو ورد بنا لیجئے، اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت فرمائے۔

مقامِ صحابۂ کرام

اور ان کی خشیت الٰہی

اقتباس

صحابہ کے قلوب میں اللہ کا خوف اور اللہ کی یاد اس طرح سما گئی تھی کہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے کو خدا کے سامنے دیکھتے تھے، ان کو کسی وقت خدا کے حضور سے غفلت نہ ہوتی تھی، اور یہی زندگی کی روح ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بمقام الٰہ آباد (دائرہ شاہ محب اللہؒ) جلسہ اصلاح المسلمین میں ہوا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (پ ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حال میں جان مت دینا، یہ قرآن مجید اور فرقان حمید کی ایک مبارک آیت ہے جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ایسی مجلس اور محفل میں آئیں جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہو، اللہ کے محبوب ﷺ کا ذکر ہوتا ہو، اللہ والوں کا ذکر ہوتا ہو، یہ ذکر دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، ہمارے قلوب مریض ہیں اور علماء ربانی اللہ والے طبیب روحانی ہیں، روح کا علاج کرتے ہیں، دل کے امراض کی دوا دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا جہاں کی ہدایت کے لئے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا، یہ کتنی بڑی دولت اور کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر

اپنے محبوب پر اپنی مقدس کتاب کو نازل فرمایا جو اللہ کی آخری کتاب ہے، جس طرح حضور ﷺ قیامت تک کے لئے نبی بن کر آئے ہیں، اب کوئی نبی نہ آئے گا آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اسی طرح قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری پیغام ہے دل کی دوا ہے اور روح کی شفا ہے۔

وہ لوگ جو فاقہ کرتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کھجور کی چٹائی پر لیٹتے تھے، نہ ان کے پاس محل و مکان تھا نہ وہ لکھ پتی تھے، مگر ان کے پاس سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید تھی، وہ حضرات اللہ کی توحید میں ثابت قدم تھے، اللہ کی محبت سے سرشار تھے، حضور ﷺ کی محبت میں سب کچھ قربان کرنے والے تھے۔

یاد رکھئے! سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے اور سرور کائنات ﷺ کے ارشادات اور آپ کی سیرت پاک ہے اسی پر فلاح کا وعدہ ہے اسی میں بھلائی پوشیدہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو تبدیل کریں، ذرا فکر سے کام لیں، قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں، قرآن کی تعلیمات پر عمل کریں، یہ اللہ کی کتاب ہے، ابھی ایک جگہ سن رہا تھا کوئی قاری صاحب اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ پہاڑ تو لرز جائے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور

ہمارے قلوب اس کتاب سے متاثر نہ ہوں یہ وہی کتاب ہے، جس کو اللہ کے محبوب ﷺ جب خود تلاوت فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب اس مقدس کتاب کی تلاوت کرتے تھے تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی تھی کوئی رونے لگتا، کسی کی ہچکی بندھ جاتی اور بسااوقات بیہوش تک ہو جاتے تھے، آپ جانتے ہیں کیا بات تھی؟ ان کے قلوب میں اللہ کی محبت، ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت ان کے نفوس میں حضور ﷺ کا عشق و محبت گھر کئے ہوئے تھے، وہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور اللہ کی محبت میں سب کچھ قربان کر دینے والے اور جان کی بازی لگا دینے والے تھے، سچا عشق اور سچی محبت اگر دیکھنا ہو تو صحابہ کو دیکھ لو، حضور ﷺ کے عشق میں ان کا کیا حال تھا اس کو ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا

جس طرح شمع پر پروانے جان قربان کرتے ہیں اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اقدس ﷺ پر جان قربان کرتے تھے، بلکہ جان، کو مال کو، اولاد کو، عیش و راحت کو، عزت و آبرو کو سب کو قربان کرتے تھے اور اسی کی برکت ہے کہ آج ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ پڑھ رہے ہیں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اللہ تعالیٰ اپنی اس مقدس کتاب کے اندر فرماتے ہیں

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

مُّسْلِمُوْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی اور حالت میں جان مت دینا۔

ہمارے اکابر اور اسلاف جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا، کتابوں میں ان کے واقعات اسی لئے لکھے گئے ہیں کہ ہم لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور جو محبت ان حضرات کو حاصل تھی اس کا ایک ذرہ بھی اگر ہم پالیں تو بڑی دولت ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں ان کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اپنے مکان کی چھت پر تلاوت کر رہے تھے، قیامت کا ذکر آگیا تو ان کی عجیب کیفیت ہو گئی اور ایسا حال طاری ہوا کہ حواس بجا نہ رہے اور چھت سے نیچے گر پڑے، تھوڑی دیر میں جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات تھی تو فرمایا مجھ سے کچھ نہ پوچھو کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا تھا اس میں قیامت کا ذکر آگیا اسی کے خوف سے میری یہ کیفیت ہو گئی، سبحان اللہ! ان کے خوف کی یہ حالت تھی۔

ایک اور بزرگ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے ایک جنگل سے گذر ہوا اس میں ایک درخت کے نیچے پہنچے تو ٹھنڈی سانس لی اور سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود ان کی یہ حالت ہوئی کہ پسینہ جاری ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت، آپ کی یکایک کیا کیفیت ہو گئی تھی؟ فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو، اب سے بہت پہلے جوانی

کی حالت میں اسی مقام پر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی تھی آج ضعیفی میں وہ یاد آگئی تو اللہ کے خوف سے میری یہ کیفیت ہو گئی۔

ہمارے اکابر واسلاف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے تھے، اللہ کا خوف جس دل میں ہوتا ہے وہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے، اللہ کے راضی کرنے کی فکر رکھتا ہے، یاد رکھئے! ہم نے دنیا کو راضی کیا تو کیا حاصل ؟ ہم کو تو اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہئے، کیونکہ جس نے اللہ کو راضی کر لیا اس نے سب کچھ پالیا اس کے لئے دنیا میں بھی کامیابی اور آخرت میں بھی فلاح، جنت بھی اس کے لئے اور اللہ کا قرب اور اس کی رضا بھی اس کے لئے ہے۔

ہم سوچیں کہ دنیا میں ہم کیوں آئے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ دنیا کے افکار وخیالات میں ہم رات دن ڈوبے ہیں لیکن ہمارے دل اس فکر سے بالکل خالی ہو گئے ہیں کہ ہمیں مرکر اللہ کے سامنے جانا ہے اور قیامت آئے گی اس دن اس زندگی کا جواب دینا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کا حکم دیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اللہ کی ذات وصفات اور اللہ کے فرشتوں پر ایمان لائیں، اسی طرح اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہم قیامت پر ایمان لائیں اور اس بات پر ایمان لائیں کہ ہم کو مرکر دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اللہ کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا حساب دینا ہے، اس کو اگر ہم بھلادیں گے تو ہم غافل ہو جائیں گے، نافرمان ہو جائیں گے اور بالکل آزاد ہو جائیں گے، ہم سب اللہ کے بندے اور اس کے غلام ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو

بندگی ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں۔

﴿لِيَعْبُدُوْنِ﴾ کی تفسیر "لِيَعْرِفُوْنِ" منقول ہے یعنی جن وانس کو اس لئے پیدا کیا گیا تا کہ وہ ہم کو پہچانیں۔

بندگی اور غلامی یہی ہے کہ بندہ غلام بن کر رہے اور اللہ کی مرضی میں اپنے کو فنا کردے، اوامر کی پابندی کرے اور نواہی سے اجتناب کرے اور ہمہ وقت اللہ کے راضی کرنے کی فکر کرے، یقین جانئے کہ جو اللہ کی بندگی میں لگ جاتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور اللہ سے ڈرنے لگتا ہے اور اللہ کی محبت پا جاتا ہے اس کا کچھ اور ہی عالم ہو جاتا ہے، پھر وہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ پانے لگتا ہے، چنانچہ اسی بناء پر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سینے کے اندر ہے، اگر لوگ چھیننا چاہیں تو چھین نہیں سکتے، آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کرنے سے اور اللہ کا نام لینے سے عجیب کیف، عجیب لذت، عجیب حلاوت اور عجیب سرور حاصل ہوتا ہے۔

جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے اور جب طاعت کرتا ہے، اللہ کا نام لیتا ہے، اللہ کی کتاب پڑھتا ہے، نماز پڑھتا ہے تو قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے مگر ہمیں ان سب کی ذرا فکر نہیں، نہ تو نور کی خبر ہے نہ ظلمت کی اور ہم کو نہ جہنم کا خیال ہے نہ جنت کا بس بے

فکری کی زندگی گذار رہے ہیں، مؤمن کی شان یہ نہیں ہوتی کیونکہ مؤمن کے پیش نظر ہر وقت یہ رہتا ہے کہ ہمیں اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ اللہ کو کس طرح راضی کرے، اس لئے اس کو دوسروں کی کوئی فکر نہیں ہوتی، اگر ہم نے بھی اپنے اندر وہ فکر پیدا کر لیا تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے سارے افکار دور ہو جائیں گے، اسی فکر کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور مت مرو مگر مسلم فرماں بردار ہو کر۔

مسلمان اس کو کہتے ہیں جو گردن جھکا دینے والا، فرماں برداری کرنے والا، چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہو، اور یہ وصف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دل میں اللہ کا خوف اور اس کی محبت ہو، ہم لوگ تو محبت کی حقیقت بھی نہیں جانتے، ہاں دعویٔ محبت کرنے کو ہر شخص تیار ہے، جانتے ہو محبت کسے کہتے ہیں؟ محبت نام ہے فنافی المحبوب ہو جانے یعنی اللہ کی مرضی میں فانی ہو، حضور ﷺ کی محبت میں فانی ہو، اپنی رائے کو، اپنی چاہت کو، اپنی تجویز کو، اپنی پسند کو فنا کر دے، محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت میں مؤمن کا یہی مقام ہے، اسی مضمون کا اپنا ہی ایک شعر اس وقت یاد پڑا۔

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

مؤمن کی نظر ہر وقت محبوب پر ہوتی ہے اور وہ اسی کی نگاہ کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے راضی ہوں گے اور حضور ﷺ کس چیز سے خوش ہوں گے ، لیکن ہم نے تو اپنی زندگی کو من مانی زندگی بنالیا ہے ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں اور من مانی زندگی کو چھوڑ دیں، فرماں بردار بن جائیں، جانتے ہو من مانی زندگی کیوں بن جاتی ہے ؟ محبت کو ہم جانتے ہی نہیں محبت کیا چیز ہے۔

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

جب آدمی توحید کا جام پی کر مست ہو جاتا ہے تب محبت کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے اور مقام رسالت کی معرفت ہوتی ہے یہی وہ جام ہے جس کو صحابۂ کرام نے حضور اقدس، ساقیٔ کوثر ﷺ کے دست مبارک سے پیا، تابعینؒ نے پیا، اولیاء کرامؒ نے پیا ان سب کو مقام رسالت کی معرفت حاصل تھی۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

یاد رکھئے! محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور ان کا اتباع اتنی بڑی دولت ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے اللہ کا محبوب اور اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور دار دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں کہ بندہ اللہ کا محبوب اور دوست بن جائے، صحابہ کرامؓ نے سب کچھ قربان کر کے اللہ کی اور رسول ﷺ کی محبت

کو حاصل کیا تھا پھر وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ ان سے راضی ہوگیا ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ لیکن اس کے باوجود ڈرتے رہتے تھے اور ہم بڑے سے بڑا گناہ کرکے اللہ ورسول کی نافرمانی کرکے پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور چین کی نیند سوتے ہیں اور ہنستے بولتے ہیں، ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے، آیئے! ہم آپ کو بتلائیں کہ ہمارے اسلاف کیسے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں آپ جانتے ہی ہیں کہ تمام اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ "افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر الصدیق" ایک دفعہ صحابہ آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضور اقدس ﷺ تشریف لے آئے، اور دریافت فرمایا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو یاد رکھو! خبردار! ابوبکر پر کسی کو فضیلت مت دینا اس لئے کہ آفتاب نے کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں کیا جو نبی کے بعد ابوبکر سے افضل ہو۔

یعنی صدیق اکبرؓ کی یہ شان ہے کہ تمام عالم میں نبی کے بعد سب سے افضل ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ ایک درخت پر کچھ چڑیاں چہچہا رہی تھیں آپ نے ان کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا کہ تم بہت مزے میں ہو، تمہارے لئے ثواب وعذاب، حساب وکتاب کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح فاروق اعظمؓ کو دیکھئے جن کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے اور جن کی رائے کے مطابق کلام پاک کی آیتیں نازل ہوتی تھیں، ان کا حال یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو غلبۂ خوف سے روتے تھے، قرآن پاک پڑھتے اور سنتے تھے تو عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک مرتبہ جبکہ رات کو پہرہ دے رہے تھے رات کے آخری حصہ میں ایک بڑھیا کے مکان سے گذرے، سویرا ہو رہا تھا، اس بڑھیا نے اپنی لڑکی سے کہا بیٹی دودھ میں پانی ملادے، لڑکی نے جواب دیا کہ اماں تمہیں نہیں معلوم ہمارے امیر المؤمنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع فرمایا ہے، اس نے کہا اس وقت امیر المؤمنین کہاں ہیں اور یہاں کون دیکھتا ہے؟ ذرا غور فرمایئے! لڑکی کیا جواب دیتی ہے یہی اس واقعہ کی روح ہے، وہ کہتی ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ نہیں دیکھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں، اور یہ تو بہت ہی برا ہے کہ ہم امیر المؤمنین کی اطاعت ظاہر میں کریں اور باطن میں ان کی مخالفت کریں، حضرت عمرؓ کو لڑکی کا یہ جواب بہت پسند آیا، اس مکان میں ایک نشان لگادیا اور صبح کو اس کا پتہ بتا کر بڑھیا کو اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا کہ تم اپنی لڑکی کی شادی میرے لڑکے سے کر دو، پھر اسی لڑکی کی اولاد میں عمر ابن عبدالعزیز جیسی شخصیت پیدا ہوئی جن کا دورِ خلافت خلافت راشدہ کے منوال پر سمجھا جاتا ہے اور عمر ثانی کہلاتے ہیں، دیکھئے! یہ ہے تقویٰ اور یہ ہے

اللہ کا خوف جس کا نمونہ اس لڑکی نے پیش کیا۔

صحابہ کے قلوب میں اللہ کا خوف اور اللہ کی یاد اس طرح سماگئی تھی کہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے کو خدا کے سامنے دیکھتے تھے، ان کو کسی وقت خدا کے حضور سے غفلت نہ ہوتی تھی، اور یہی زندگی کی روح ہے، اسی کیفیت کا بیان حدیث میں کیا گیا ہے کہ "ان تعبد الله كانك تراه وان لم تكن تراه فانه يراك" یعنی نماز میں عبادت میں بلکہ اپنے ہر امر میں یہ خیال رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں، اللہ کی معیت بہت بڑی نعمت ہے اور یہ معیت اللہ کی طرف سے تو حاصل ہے ہی مگر ہم کو اس معیت کا احساس اور استحضار ہونا چاہئے، اسی سے اللہ والوں کو اطمینان اور سکون ہوتا ہے اور اپنی خلوت و جلوت میں اسی سے محظوظ ہوتے ہیں اور اسی سے وہ صحرا میں بھی گلشن کا مزہ پاتے ہیں۔

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

اگر ہم ہر وقت یہ استحضار رکھیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے تو پھر ہم سے نہ تو نافرمانی سرزد ہو اور نہ ہم گناہ کا ارتکاب کریں اور اپنے تمام حالات میں اطمینان وسکون کے ساتھ رہیں اور ہمارے اوقات فکر آخرت میں گذریں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک دوسرا واقعہ سنئے ! ایک دفعہ شدت کی دھوپ میں جب کہ گرم ہوا اور لُو چل رہی تھی، حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے مکان کے روشندان سے دیکھا کہ فاروق اعظمؓ اونٹوں کے پیچھے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ اتنی شدت کی لو اور دھوپ میں کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا کہ یہ اونٹ پیاسے ہیں ان کو پانی پلانے کے لئے جا رہا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام تو غلام بھی کر لیتا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ اونٹ پیاسا رہ جائے گا تو اس کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، غلام سے نہیں پوچھے گے، اس وقت میں خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اتنا خوف تھا کہ اگر ایک اونٹ بھی پیاسا رہ جائے گا تو میں اللہ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ ہم لوگوں کو چاہئے کہ ان واقعات سے سبق حاصل کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ رات کے وقت اپنے حجرہ میں چراغ جلا کر بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائے دروازہ بند تھا آپ نے آواز دی کہ دروازہ کھول دیجئے تو اندر ہی سے پوچھا کیا کام ہے؟ کچھ ذاتی کام ہے یا امور خلافت سے متعلق کوئی کام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنے ذاتی امور میں گفتگو کرنی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھول دیا اور ان کے اندر آتے ہی چراغ گل کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے

امیر المؤمنین! آپ نے میرے آتے ہی چراغ کیوں گل کر دیا؟ تو فرمایا کہ اے علی! یہ مال مسلمانوں کا ہے اس سے امور خلافت سے متعلق کاموں میں ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اس وقت ہماری آپ کی ذاتی گفتگو ہو گی اگر اس میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا تو خیانت ہو گی۔

آج ہم سوچیں کہ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں، امانت میں خیانت کرنا اور مال کا ضائع کرنا جائز نہیں یہ اللہ کی امانت ہے، قیامت میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مال دیا تھا اس کو تم نے کہاں خرچ کیا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال ضائع کرنے پر وعیدیں نازل ہوئی ہیں، فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَ کَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّهٖ کَفُوْراً﴾ بیشک بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

مگر مسلمان ناجائز کاموں میں تو مال خوب خرچ کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اس کا دل ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کی تعریف فرما رہے ہیں، ارشاد باری ہے ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ جو لوگ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اپنے مالوں کو رات اور دن میں پوشیدہ اور آشکارا سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس جاکر اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یہ آیت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے، آج اگر ہم اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں تو کتنے کام بن جائیں، مگر افسوس کہ مراسم میں اور ناجائز کاموں میں ہمارا مال بے دریغ صرف ہو رہا ہے، کیا آپ کو جنت میں جانے کی فکر نہیں ہے؟ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے مگر اس کے لئے کچھ کرنا ہوگا تب یہ کامیابی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (پ ۲)

دوسری بات سنو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ تم کو ہنوز ان لوگوں کا سا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو اُن کے ہمراہ اہل ایمان تھے (بیقرار ہو کر) بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کب ہوگی؟ (جس پر ان کو جواب سے تسلی کی گئی کہ) ﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت جلد ہونے والی ہے۔

دیکھئے! کیسی کیسی مصیبتیں اور آزمائشیں آنے کے بعد تب نصرت کا وعدہ اور کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی، اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنا بھی بہت بڑی نعمت ہے اور آخرت کی سعادت اور ترقی کا ذریعہ ہے۔

بھائیو! ذرا سوچو اور فکر سے کام لو، من مانی زندگی چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں پیدا کرو، اپنی زندگی کو کامیاب بناؤ، اصل کامیابی یہی ہے کہ

ہم اللہ کے احکام کی پابندی کریں، حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں اور فرماں بردار بندے بن جائیں، شریعت نے دنیا کا کام کرنے سے منع نہیں کیا ہے، تجارت کرنا، ملازمت کرنا، زراعت کرنا، کاروبار کرنا، کسی سے شریعت نے نہیں روکا، مگر ہاں اس کو سنت کے مطابق اور شریعت کے احکام کا لحاظ کر کے اگر کیا جائے تو وہ بھی عبادت ہو جائے، قربان جایئے سرکار دو عالم ﷺ پر کہ آپ نے ہماری عادت کو بھی عبادت بنادیا، اگر سنت کے مطابق استنجاء کریں تو وہ بھی عبادت ہو جائے۔

خواجہ حسن بصریؒ کو آپ جانتے ہیں کتنے بڑے محدث اور اللہ کے ولی تھے ان کا واقعہ ہے کہ پینے کے لئے پانی مانگا، جب پانی سامنے لایا گیا تو رونے لگے اور سامنے سے پانی ہٹادیا، آپ سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ جہنمیوں کی پیاس یاد آگئی کہ وہ پکار کر اہل جنت سے کہیں گے کہ ﴿اَنْ اَفِیْضُوا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ﴾ یعنی ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ تم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس میں سے دے دو۔

اور ان کو پانی نہیں ملے گا، ہم بھی دیکھ لیں کہ کبھی ہم کو اس کا خیال آتا ہے کہ جہنم کا عذاب کتنا شدید ہے، نہ تو ہم جہنم کے عذاب کو سوچتے ہیں نہ جنت کی نعمتوں کو، دنیا کے مال و متاع پر تو ہم جان دیتے ہیں مگر جنت کی نعمتوں کو کبھی یاد نہیں کرتے، جنت کوئی معمولی چیز نہیں ہے، ہم کو چاہئے کہ ہم جنت اور دوزخ کو سوچیں، ہم مؤمن ہیں مسلم ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہے، اللہ کے سامنے جانا ہے، قیامت آئے گی، جنت و جہنم

برحق ہے، اس لئے ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں، اپنے کو بدل ڈالیں، یعنی اپنے اخلاق کو، اپنی عادات کو، اپنے کردار کو، اپنی رفتار وگفتار کو، صورت وسیرت کو اور اپنے طریقے کو اور شادی وغمی میں اپنے سب طریقے کو بدل ڈالیں اور کل چیزوں میں ہم پابند بن جائیں محمد رسول اللہ ﷺ کے، بس یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اس کے لئے کوشش کرنا چاہئے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم بیٹھ کر سوچیں کہ یہ دنیا چھوٹ جانے والی، فانی اور مٹ جانے والی چیز ہے اور ہم کو یہ چند روزہ زندگی ملی ہے چاہے اس کو ہم کامیاب بنائیں اور چاہے برباد کر ڈالیں، مگر یہ بھی سمجھ لیں کہ خدا کے سامنے اس زندگی کا جواب دینا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

ایک بزرگ تھے ان سے کسی نے پوچھا حضرت آپ کا مزاج کیسا ہے؟ تو فرمایا اس شخص کا مزاج کیا پوچھتے ہو جس کی زندگی گھٹتی جارہی ہے اور گناہ بڑھتے جارہے ہیں، نہیں معلوم مرنے کے بعد جہنم میں بھیجا جائے گا یا جنت میں بھیجا جائے گا۔

ہاں! میں حضرت حسن بصریؒ کے خوف کا حال بیان کر رہا تھا، ایک دفعہ وہ حدیث پڑھا رہے تھے حدیث میں ذکر آیا کہ ایک شخص جو سب سے آخر میں جہنم

سے نکالا جائے گا وہ پچاس ہزار سال جلنے کے بعد نکالا جائے گا، تو حسن بصریؒ نے فرمایا کاش کہ وہ میں ہی ہوتا کیونکہ اس کے نکالنے کا وعدہ تو ہے، دیکھئے! کتنے بڑے اللہ کے ولی ہیں مگر خوف کی یہ کیفیت ہے، فرمارہے ہیں کاش کہ میں وہی ہوتا جو پچاس ہزار سال کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا، ہمارے بڑے بڑے اکابر اور اللہ والوں کا یہ حال تھا کہ اللہ کی بندگی کر کے ڈرتے تھے، اب ہم نافرمانی کر کے بے خوف و مطمئن ہیں، آیئے ہم سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ ہم صحیح معنوں میں پیروی کریں گے محمد رسول اللہ ﷺ کی، اگر ہم یہ کرلیں تو ہم کو سب کچھ مل جائے گا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اب دعا کرلیجئے اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا وَسَدِّدْنَا اے اللہ! ہمارے قلوب کو درست فرما، اے اللہ! ہم سب کو اپنی کامل محبت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے قلوب کا تزکیہ فرما، اے اللہ ہماری غفلتوں کو دور فرما، اے اللہ ہم سب کی اصلاح فرمادے، اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے، اے اللہ! ہم کو سچا پکا مسلمان بنادے، اے اللہ! ہم فرماں بردار بن کر زندہ رہیں اور فرماں برداری ہی پر مریں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،

فکر آخرت

اور اس کی تیاری

اقتباس

سنئے! ہمارا دین ہر طرح کامل ہو چکا ہے اور اس کے تمام شعبوں کی تکمیل ہو چکی ہے، عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاق، دین کے یہ پانچ اہم جز ہیں اور شریعت میں جس طرح عقائد و عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہے اور قرآن وحدیث سے اس کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بمقام الٰہ آباد (دائرہ شاہ محب اللہؒ) جلسہ اصلاح المسلمین میں ہوا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لاَيَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ (پ۲۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب لوگ ہیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس کلام ہے جو دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، ہم لوگوں کو چاہیے کہ اس پر غور کریں اور سوچیں کہ یہ زندگی ہم کو کیوں دی

گئی تھی، اس زندگی کا کیا مقصد تھا؟ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کس لئے پیدا فرمایا ہماری پیدائش سے کیا مقصد ہے ؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی ہم نے جناتوں اور انسانوں کو اپنی عبادت اور بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے، (اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری معرفت حاصل کریں)

آپ جانتے ہیں کہ عبادت اور بندگی کیا ہے ؟اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گذارنا، اللہ کی مرضی کے مطابق اپنے کو بنالینا، زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کے احکام کو جاری کرنا اور اللہ ہی کو راضی کرنے کے لئے سب کچھ کرنا یہی بندگی ہے اسی کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے وہاں ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ کا عنوان اختیار فرمایا ہے، اس عنوان میں بھی عجیب کیف اور بے انتہا لذت اور کشش ہے جس کو مؤمن ہی سمجھ سکتا ہے، دیکھئے! یہیں فرمارہے ہیں ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص یہ دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، یہاں بھی تقویٰ کا امر فرمایا ہے، اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں، ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلاَتَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرا کرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت میں جان مت دینا۔

ہم قرآن مجید کو اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھیں، غور و فکر سے پڑھیں،

ہمارے لئے نجات وفلاح کا ذریعہ تو یہی ہے کہ اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھیں، اس کے احکام کو معلوم کریں اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بنائیں، اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کی ذات وصفات پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر ایمان لائیں اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور اس بات پر ایمان لائیں کہ مر کر زندہ ہونا ہے اللہ کے سامنے جانا ہے، زندگی کا جواب دینا ہے، بھائی سچی بات تو یہی ہے کہ آج عشق ومحبت کی چنگاری ہمارے دلوں میں نہیں ہے، محبت ہی ہر چیز کو آسان بنانے والی ہے، یہ زندگی کامیاب زندگی اسی وقت بنے گی جب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت ہمارے دل کے اندر ہو اور ہم اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ کی مرضی کے تابع ہو جائیں، اللہ ہی کے لئے ہم جئیں اور اللہ ہی کے لئے مریں، آیئے! ذرا ہم غور کریں اور سوچیں کہ آج ہمارے دل میں اللہ کی محبت کتنی ہے اور اللہ کا خوف کتنا ہے؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کے قانون کو توڑتے ہیں، اللہ کے حدود سے منہ موڑتے ہیں، اللہ کے فرائض سے غافل ہیں، منکرات میں مبتلا ہیں، اگر اللہ کا خوف دل میں ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

انبیاء کرام علیہم السلام اسی لئے دنیا میں تشریف لائے تھے کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں، اچھی باتوں کا حکم کریں اور منکرات سے منع کریں، سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید ہے یعنی اللہ کی ذات وصفات کا اقرار کر لینا اور صحیح معنوں میں اس کلمہ کی تصدیق کرنا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول

ہیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صحیح معنوں میں تصدیق کرنے والے تھے، انہوں نے جب اس کلمہ کا اقرار کرلیا تو ان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں، انگاروں پر لٹکائے گئے، سینے پر پتھر رکھے گئے، وطن سے نکالے گئے، بدن میں کانٹے چبھوئے گئے، طرح طرح کی مصیبتیں آئیں مگر وہ ہر حال میں ثابت قدم رہے اور اسی ایمان پر ثبات کے صلہ میں ان کے لئے بشارت نازل فرمادی گئی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَنْ لاَّ تَخَافُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمارہے ہیں کہ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ان کو استقامت حاصل ہوگئی، اس پر اٹل رہے کوئی بھی حال ہو، مصیبت آئے تو، بیماری آئے تو، فقر و فاقہ ہو تو، خوشحالی ہو تو، تنگی ہو تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر موجود اور حاضر ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں، اللہ کے در سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، ان کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے، آخرت ہر وقت ان کے سامنے ہوتی ہے۔

آیئے! ہم اور آپ بھی سوچیں کہ اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر ہے یا نہیں؟ اور اللہ کا خوف دل میں ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نافرمانی

چھوڑ دے، گناہوں کو ترک کردے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے یعنی اوامر کا امتثال کرے اور نواہی سے اجتناب کرے، جب ہماری زندگی ایسی ہو جاوے تب سمجھیں کہ ہمارے دل میں اللہ کا خوف ہے۔

بھائی سنو! گناہ سنکھیا سے زیادہ مضر ہے، روح کو مردہ بنادینے والی چیز ہے، اللہ کی نافرمانی اور گناہ وہ چیز ہے جس سے انسان کے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے اور قلب سیاہ ہو جاتا ہے، مگر ہم کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں اور اس کی کوئی فکر نہیں، ہمارے بزرگانِ دین اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ حال تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اور اللہ کے ذکر میں اپنے اوقات صرف کرنے کے باوجود بھی روتے تھے کہ ہائے ہم سے اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی حق نہ ادا ہو سکا، اور اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان عبادت ہم سے نہ ہو سکی، ان کی نعمتوں کا کچھ بھی شکر ہم سے نہ ادا ہو سکا، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کو کھاتے پیتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر اللہ ہی کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور پھر بھی مطمئن اور بے فکر ہیں، ذرا بھی خوف ہمارے دل میں نہیں، اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں اس کو سنو! فرماتے ہیں ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے دن کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے؟

مگر صرف زبان سے نہیں بلکہ اس کا یہ حال ہو جائے اور یہ چیز اچھی

طرح دل میں بیٹھ جائے کہ قیامت کے دن ہم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، مگر ہم نے تو قیامت کو بالکل بھلا دیا اور اس دنیا کی زندگی ہی کو مقصود بنالیا ہے، ہمیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم کو مرنا ہے اور اللہ کے سامنے جانا ہے، اس زندگی کا جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا، اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے۔

نیکیاں اور برائیاں سب لکھی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی جارہی ہے۔

کیا ہم کو اس کا یقین ہے اور کبھی ہم سوچتے ہیں کہ ہم نے کتنے گناہ کیے؟ زندگی یوں ہی غفلتوں میں گذرتی جارہی ہے، خدا کا خوف دل کے اندر نہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، حرام مال کھاتے ہیں، ناجائز کام کرتے ہیں، اللہ کی مرضی کے خلاف ہم چلتے ہیں اور پھر بھی مطمئن ہیں، اگر ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت ہوتی تو یہ حال نہ ہوتا، اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دل خوف و محبت سے خالی ہیں، محبت کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن واقعی مقام

محبت حاصل کرنا بہت مشکل ہے، محبت کے معنی فنا فی المحبوب کے ہیں یعنی اللہ کی مرضی میں اور اللہ کے محبوب ﷺ کی مرضی میں آدمی فنا ہو جائے اور اپنی رائے کو، اپنی مرضی کو اور اپنی چاہت اور پسند کو چھوڑ دے، شادی و غمی میں، لینے دینے میں، کھانے پینے میں، چلنے پھرنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، تجارت وملازمت میں، صورت وسیرت میں، اخلاق و کردار میں، رفتار و گفتار میں، ہر چیز میں ہم نمونہ بن جائیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا، تو یہ ہے اصلی محبت اور اسی کو فنا فی المحبوب ہونا کہتے ہیں۔

یہ چند روزہ زندگی جو ہم کو دی گئی ہے یہ اسی وقت کامیاب بنے گی جب ہم تقویٰ اختیار کریں، اللہ سے ڈریں اور نافرمانی کو چھوڑ دیں۔

حضور ﷺ کے خوف کا کیا حال تھا کہ جب تیز ہوا چلتی اور آندھی آتی تو آپ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لاتے، صحابہؓ پوچھتے کہ حضور! آپ کا یہ کیا حال ہوتا ہے تو فرماتے کہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے، اسی طرح بادل کو دیکھ کر گھبراتے اور جب پانی برسنے لگتا تو خوش ہو جاتے تھے، یہ تو حضور اقدس ﷺ کے خوف کا حال تھا اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خوف کا حال سنئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ رات کو عبادت کرتے اور گریہ وزاری کرتے تھے اور فاروق اعظمؓ بھی رات کو نماز میں قرآن پڑھتے اور روتے تھے، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی حال تھا کہ

رات رات بھر اللہ کی بندگی میں گذارتے تھے، صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظامؒ کا بھی یہی حال تھا کہ ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی تھی، وہ اللہ سے ڈرتے تھے اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے تھے، ہماری زندگی من مانی زندگی ہو کر رہ گئی ہے، جو نفس کہتا ہے اور جو جی چاہتا ہے وہی ہم کرتے ہیں، ایسی زندگی کس کام کی؟ زندگی کامیاب تو جبھی ہوگی جب ہم اللہ سے ڈریں اور یہ دیکھ بھال لیں کہ ہم نے کل کے دن کا یعنی قیامت کا کیا سامان کیا ہے؟ ہم نے اگر مال و دولت جمع کیا، کاروبار کیا، محل و مکان بنایا، سب کچھ ہم نے مہیا کرلیا تو منع یہ بھی نہیں ہے اچھا کیا لیکن ہم کو یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حال میں نہ بھولیں، قیامت کو نہ بھولیں، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو نہ بھولیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا اور نفس کو، خواہشات سے روکے گا تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔

اس لئے ہم کو چاہئے کہ نفس کی بات نہ سنیں کیونکہ نفس برائی کی طرف لے جاتا ہے، آیئے ہم سوچیں کہ آج ہماری یہ کیفیت کیوں نہیں ہے؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت صحیح معنوں میں نہیں رہ گئی ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

عشق و محبت کی چنگاری ہمارے دل کے اندر ہو تو اللہ کی نافرمانی سے ہم کو روک دے، یاد رکھئے! جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کو بغیر عمل صالح

کے چین نہیں آتا اس وقت اپنا ہی ایک شعر یاد آیا ؎

کمالِ عشق تو مر مر کے جینا ہے، نہ مرجانا
ابھی اس راز سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

یہ بڑے مبارک جلسے ہیں اور علماء کا بیان بہت عمدہ چیز ہے لیکن بھائی ہم یہ بھی سوچ لیں کہ ہم کو سننا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرنا ہے، اپنی زندگی کو بدلنا ہے، آج ہم اسراف بے جا کرتے ہیں، مال کو اللہ کی مرضی کے خلاف خرچ کرتے ہیں، قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، کس طرح مال حاصل کیا اور کس طرح اڑایا؟ ہم اپنے مال کو من مانی خرچ کرنے والے نہیں، اللہ کی مرضی کے خلاف مال کو خرچ کرنا جائز نہیں، اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ بیشک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی مرضی کے خلاف ناجائز کاموں میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ شیطان کے بھائی بند ہیں، پس ہم کو اگر اللہ تعالیٰ مال دے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کو خرچ کریں، حساب کر کے اس کی زکوٰۃ نکالیں، کار خیر میں صرف کریں، مساجد کی تعمیر میں، بیواؤں بیکسوں یتیموں کی مدد میں خرچ کریں، دینی مدارس کی خدمت میں حصہ لیں، یہ مدارس دین کی حفاظت کے قلعے ہیں ان کی حفاظت بہت ضروری ہے، ان کی خدمت کرنا تمام

مسلمانوں کے ذمہ ہے، بھائی! اللہ کا ذکر کرنا اللہ کو یاد کرنا اور دین کے کاموں میں مشغول رہنا ہی تو زندگی ہے، حدیث میں آتا ہے اور بہت موٹی سی بات ہے جو ہر ایک سمجھ سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے جو کچھ کھالیا وہ مٹی ہو گیا اور تم نے جو پہن لیا وہ چیتھڑا ہو کر گھورے پر گیا اور تم نے جو چھوڑ دیا وہ تمہارے وارثوں کا ہے تمہیں بھول کر یاد کریں یا نہ کریں، مطلب یہ کہ تمہارے لئے تو بس وہی ہے جو تم اپنی زندگی میں کر جاؤ گے۔

بھائی، یہ مال چھوٹ جانے والا ہے، یہ دولت مٹ جانے والی ہے، یہ زندگی فنا ہو جانے والی ہے، یہ محل و مکان سب یہیں رہ جانے والے ہیں، اگر ہم اس کو سوچا کریں اور قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قیامت کے دن کو یاد کریں تو ہماری حالت بدل جائے، اللہ کا خوف پیدا ہو جائے، دنیا اور اس کے ساز و سامان میں دل نہ لگے، ہمارے اکابر کا یہی حال تھا، ان پر ہر وقت اللہ کا خوف طاری رہتا تھا، اس لئے ان کو کسی حال میں چین نہیں رہتا تھا، وہ قیامت کے دن کو اور وہاں پیش آنے والی چیزوں کو ہر وقت یاد رکھتے تھے اسی بناء پر وہ ساری ساری رات جاگ کر اللہ کی عبادت میں گذار دیتے تھے، اللہ کے نیک بندوں کا یہی حال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّ طَمَعاً وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (پ۲۱)

یعنی ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ

اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں، (مطلب یہ کہ ایمان والوں کی یہ صفات ہیں) سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کے اعمال نیک کا صلہ ملا ہے۔

دیکھئے! اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ عشاء کی نماز بھی جماعت سے پڑھتے ہیں اور پھر تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں، حضور ﷺ ایک دفعہ تہجد کی فضیلت بیان فرمارہے تھے تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے محبوب! ہم کاروبار کرتے ہیں کھیتی باڑی میں رہتے ہیں اس لئے رات کو تھک کر سو جاتے ہیں پھر فجر ہی کے وقت آنکھ کھلتی ہے لہٰذا ہم تہجد نہیں پڑھ سکتے پھر اس کی فضیلت ہم کو کیسے حاصل ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے آدھی رات عبادت میں گذار دی اور جس نے پھر فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے پوری رات عبادت میں گذاری۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ اسرارہم اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد اپنے اصحاب میں نظر کی ایک شخص کو نہ پایا تو دریافت فرمایا کہ آخر فلاں شخص کیوں نہیں آئے؟ حاضرین نے عرض

کیا کہ وہ اکثر شب میں بیدار رہتے ہیں ممکن ہے کہ اس وقت ان کو نیند آ گئی ہو تو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمام شب سوتے رہتے اور صبح کی جماعت میں حاضر ہوتے تو اس سے کہیں بہتر ہوتا۔

سبحان اللہ! قربان جایئے اس لطف و کرم پر کہ تھوڑی سی محنت پر اجر کثیر عطا فرماتے ہیں اور اس سے فرض باجماعت کی اہمیت بھی کس قدر معلوم ہوتی ہے، البتہ فرائض کے اہتمام کے ساتھ اگر کوئی رات کو اٹھ کر تہجد پڑھے، اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر روئے گڑگڑائے، گریہ وزاری کرے تو اس کا لطف کچھ اور ہی ہے اور اس کی مستقل فضیلت ہے، مولانا رومؒ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

خواب را بگذار امشب اے پسر
یک شبے در کوئے بے خواباں گذر

اے بیٹے آج کی رات نیند کو چھوڑ دو اور ایک شب بیداروں کی گلی میں گذرو اور ان کا حال دیکھو۔

بعض لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم ہے، اللہ معاف کرنے والا ہے، تو بیشک ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے، اللہ عفو کریم ہے لیکن اللہ کے قانون کو بھی تو دیکھنا ہے، اللہ کی آیات کو بھی تو سامنے رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

قریب ہونے کے لئے محسن و نیکوکار ہونا ضروری ہے اور محسن کون لوگ ہیں؟ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ وہ لوگ اس سے قبل دنیا میں نیکوکار تھے وہ لوگ رات میں بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں (اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر) استغفار کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ محسن وہ لوگ ہیں جو رات کو کم سوتے ہیں، اللہ کی بندگی میں، تہجد پڑھنے میں، قرآن کی تلاوت میں رات گذارتے ہیں، روتے اور گڑگڑاتے ہیں اور صبح ہونے لگتی ہے تو استغفار کرتے ہیں اور معافی مانگتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی شان کے لائق مجھ سے عبادت نہ ہوسکی، بھائی دیکھو! اگر کوئی عبادت کرکے غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے اور تکبر کرنے لگے تو اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور نافرمان تو اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہی ہے اور اگر نافرمانی اور گناہ کے بعد ندامت پیدا ہو، آدمی نادم اور شرمندہ ہو، روئے اور معافی مانگے تو اللہ کی رحمت سے قریب ہو جاتا ہے، بندہ جب نادم ہو اور سچی ندامت اس پر طاری ہو کہ آنسو بہہ پڑیں تو اس میں بھی ایک حلاوت ہوتی ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

تسلی ہم گنہگاروں کو بھی اب ہو گئی حاصل
بجھادیں گے جہنم کو یہ آنسو ہیں ندامت کے

وہ آنسو جو گناہوں پر ندامت اور اللہ کے خوف کی وجہ سے نکلتا ہے وہ

جہنم کو ٹھنڈا کر دے گا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو آنسو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، ایک تو وہ آنسو جو اللہ کے خوف میں نکل پڑتا ہے اور دوسرے وہ آنسو جو اللہ کی محبت میں نکلتا ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ان کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے اور آدمی جب اپنے گناہوں پر نادم ہو اور اپنے کو درست کر لے تب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لیے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

یہ نہیں کہ ہم شرک و کفر کرتے رہیں، نافرمانی کرتے رہیں، نمازیں قضا کریں، روزے نہ رکھیں، زکوٰۃ نہ ادا کریں، سود میں مبتلا ہو جائیں، اللہ کے قانون کو توڑیں، اللہ کی حدود سے تجاوز کریں، اللہ کو ناراض کرنے والی سب چیزیں اختیار کئے رہیں، ان کو چھوڑنے کا ارادہ بھی نہ کریں اور پھر یہ کہیں کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، پھر تو قرآن کے نازل کرنے کا مقصد ہی پورا نہ ہوا کیونکہ قرآن تو اسی لئے نازل کیا گیا ہے کہ جو اس کو مانے گا اس کے احکام کے مطابق عمل کرے گا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گا اور نجات و فلاح پائے گا اور

جو کوئی اس کو نہ مانے گا اس کے مطابق عمل نہ کرے گا وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا اور اس کو عذاب دیا جائے گا، پس اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لئے گناہوں کا ترک اور سچی توبہ ضروری ہے، یہ نہیں کہ عملاً تو گناہوں پر اصرار کرتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا رہے کہ اللہ غفور رحیم ہے، ایسا جری اور بے باک تو مستحق عقوبت ہے نہ کہ مستحق رحمت، حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَاالَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً﴾ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں (یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (کہ کس نے دل سے توبہ کی) حکمت والے ہیں (کہ دل سے توبہ نہ کرنے والے کو فضیحت نہیں کرتے) اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (پس نہ تو ایسوں کی توبہ قبول) اور نہ ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے، ان لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا (یعنی عقوبت

دوزخ) تیار کر رکھی ہے۔

پس ہم کو چاہئے کہ گناہوں کو ترک کریں اور دل سے توبہ کریں اور پھر جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور فرماں برداری اختیار کریں اور اپنے دل کو ایسا بنالیں کہ جیسے پیاسے کو پانی کے بغیر چین نہیں آتا اور بھوکے کو بغیر کھانے کے قرار نہیں آتا اسی طرح بغیر اللہ کی عبادت اور طاعت کے ہم کو چین وقرار نہ آوے، اور پھر دل میں یہ تڑپ پیدا کر لینے کے بعد بھی نظر اپنی طاعت پر نہ رکھیں بلکہ اللہ کے رحم وکرم ہی پر نظر رکھیں اور یہی سمجھتے رہیں کہ نجات تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے ہوگی، ہمارے اعمال بھلا ان کی شان کے لائق کہاں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس طرح مچھلی پانی کے اندر رہتی ہے اور اس کی زندگی پانی ہی میں ہے اگر اس کو باہر نکال دیا جائے تو تڑپ تڑپ کر ختم ہو جاوے گی، اسی طریقہ سے روح کی غذا اللہ کا ذکر اور آخرت کی فکر ہے، اگر یہ ذکر وفکر اس کو نہ دیا جائے تو روح مردہ ہو جائے گی، مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کو اپنے جسم کی تو بڑی فکر ہے اور کھا کھا کر اس کو خوب موٹا کرتے ہیں، اور اس کی بڑی حفاظت کرتے ہیں لیکن روح کو بھوکا رکھتے ہیں اور دل کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، اللہ کا ذکر ہی دل کی دوا اور روح کی غذا ہے، ہم کو چاہئے کہ اللہ کو یاد کریں، قرآن مجید خود بھی پڑھیں اور اپنے بچوں کو پڑھائیں اس کی تلاوت کا اہتمام کریں اور قرآن مجید پر عمل کر کے اپنی زندگی

کو کامیاب بنائیں اور اس دن کو یاد کریں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے قیامت کے دن کے لئے کیا سامان کیا ہے اور وہاں کے لئے کیا جمع کیا ہے؟ آگے فرماتے ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ان کی شان تو یہ ہے کہ جو خطرہ قلب میں گذرتا ہے اس کو بھی وہ جانتے ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

آیئے! ہم اس بات کا عہد کریں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے اس پر عمل کریں گے اور صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے جو گردن جھکادینے والا اور "کیوں میوں" "اگر مگر" کو چھوڑ دینے والا ہوتا ہے، مؤمن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ ورسول ﷺ کے احکام میں اپنی رائے شامل کرنا چاہے اور کہنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا گیا اور ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کا اختیار کسی مؤمن کو نہیں دیا گیا، پس ہم اپنی رائے کو اپنے اختیار کو، اپنی پسند کو، اپنی مرضی کو چھوڑ دیں اور شریعت و سنت کو پیشوا بنائیں، شادی و غمی میں جو خلاف شریعت مراسم ہوتے ہیں ان کو ترک کردیں اپنے مال کو ضائع نہ کریں، اسی مال کو کار خیر میں صرف کریں، نیک کام میں لگائیں تاکہ آخرت میں کام آوے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کسی نے ایک گٹھلی کھجور کی اللہ کی راہ میں نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں اور

قیامت کے دن وہ احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گی، خلوص کے ساتھ کار خیر میں مال خرچ کرنے کا بڑا اجر ہے، مؤمن کا مال اسی طرح خرچ ہونا چاہئے اور اس مال کو اللہ کی عطا سمجھ کر ان کی مرضی کے مطابق صرف کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کو یہ بھی متحضر رکھنا چاہئے کہ یہ مال اللہ کا عطا کیا ہوا ہے ہم اس کے خرچ کرنے میں خود مختار نہیں ہیں۔

اور ایمان بالغیب یہ ہے کہ اللہ کو نہیں دیکھا، جنت کو نہیں دیکھا، جہنم کو نہیں دیکھا، فرشتوں کو نہیں دیکھا لیکن ان سب کا یقین رکھتے ہیں، ایمان بالغیب ہی تو اصل شئی ہے، اگر کسی کو ایمان بالغیب حاصل ہو جائے تو پھر کیا کہنا، صدیق کا مرتبہ نبی کے بعد اسی لئے ہے کہ وہ ایمان بالغیب میں قدم نبوت پر ہوتا ہے، صدیق کا مقام یہ ہے کہ اگر آج ان کے سامنے جہنم و جنت حاضر کر دی جائے تو پہلے سے جتنا یقین ان کو حاصل ہے دیکھنے سے اس میں کچھ زیادتی نہ ہو، اتنا یقین ان کو بغیر دیکھے ہی حاصل ہو جاتا ہے، بھائی! ہم کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے اور یہ غور کرنا چاہئے کہ ہمارے دلوں میں امراض تو نہیں ہیں، ہم خود دیکھ لیں کہ وہ مریض جو کسی مرض میں مبتلا ہو اور اس کو اپنے مرض کی اور اس کے علاج کی کچھ فکر نہ ہو، طبیبوں کے پاس نہ جائے اور پرہیز

نہ کرے، دوا نہ کرے ایسا مریض بہت خطرے میں ہے، اسی طرح ہم امراض روحانی میں مبتلا ہیں اگر اس کی فکر نہ کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ امراض جسمانی کی تو ہم کو کچھ فکر بھی ہے اس کے لئے ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں، طبیبوں کے پاس جاتے ہیں، علاج کرتے ہیں، پرہیز کرتے ہیں کڑوی دوائیں پیتے ہیں تاکہ ہم کو شفا ہو جائے، مگر حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے قلوب میں روحانی امراض بھرے ہوئے ہیں، کہیں حسد ہے کہیں کینہ ہے، کہیں بغض ہے کہیں تکبر ہے، کہیں حب جاہ ہے، کہیں حب مال ہے، ان رذائل سے دل کو پاک کرنے کی ہم کو ذرا بھی فکر نہیں، حالانکہ یہ وہ امراض ہیں جن کا نقصان دنیا ہی تک محدود نہیں آخرت کو تباہ و برباد کر دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ اور ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو۔

لہٰذا ظاہری و باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو، پھر دیکھو دل میں کیسا نور پیدا ہوتا ہے، اللہ کی بندگی اور اطاعت سے، ذکر و تلاوت سے دل میں ایسا نور پیدا ہوتا ہے اور ایسی لذت و حلاوت ملتی ہے جو کسی چیز میں نہیں، ذرا جا کر اللہ والوں سے پوچھو کہ ان کو کیا مزہ ملتا ہے اور کیسی لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، ارے ان کو تو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے، بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سینوں میں ہے۔

سنئے! ہمارا دین ہر طرح کامل ہو چکا ہے اور اس کے تمام شعبوں کی تکمیل

ہو چکی ہے، عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاق، دین کے یہ پانچ اہم جز ہیں اور شریعت میں جس طرح عقائد و عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہے اور قرآن وحدیث سے اس کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی نے چھ رتی مال دوسرے کا ناجائز طریقے سے لے لیا یا غصب کر لیا تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سات سو نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوادیں گے، صفائی معاملات بڑی زبردست چیز ہے، چاہئے کہ ہمارے آپس کے معاملات شریعت کے مطابق ہوں، نہ ہم کسی کا حق ماریں، نہ کسی کا مال بغیر اجازت صرف کریں، اور اس کا اہتمام اسی وقت پیدا ہوگا جب کہ اللہ کا خوف دل میں ہو، اصل چیز خوف ہی ہے، جب اللہ کا خوف دل میں ہوتا ہے جب ہی معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہوتا ہے اور معاشرت و اخلاق بھی درست کرنے کی فکر ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت جب دل میں آجاتی ہے تو آدمی کے لئے جان و مال سب کچھ قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے، یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب کچھ قربان کر دیا، ہم ان کے حالات میں غور کریں تو معلوم ہو کہ وہ کیسے تھے اور ان کا کیا مقام تھا۔

میں تو بیان سے بالکل معذور ہوں مریض اور کمزور ہوں مگر میرے محترم قاری ودود الحی صاحب نے اور ہمارے محترم و مکرم مولانا ابوالوفاء صاحب مد ظلہ نے (اللہ ان کو شفا عطا فرمائے) حکم فرمادیا اس لئے کچھ کہنے پر

مجبور ہو گیا ورنہ تو سچی بات یہ ہے کہ میں بیان کرنے کے قابل نہیں ہوں مگر خیر! اللہ کے حکم سے جو کچھ ہو سکے گا بیان کروں گا بلکہ بیان کر ہی چکا اب تو ختم کرنے جا رہا ہوں۔

ہاں! یہ بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دیکھنا ہو تو صحابہؓ کی زندگی کو دیکھ لیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ قربان کر دیا اور واقعی محبت کا اصلی نمونہ پیش کر دیا، محبت تو محبوب کی مرضی میں مر مٹنے کا نام ہے اور اس کا اصلی رنگ صحابۂ کرام ہی نے پیش فرمایا، مسلمان کی اصلی شان کیا ہونی چاہئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیش نظر کیجئے، اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ اِنَّ صَلوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

مسلمان وہی ہے جو اللہ ہی کے لئے جئے اور اللہ ہی کے لئے مرے، من مانی زندگی چھوڑ دے، اللہ کا خوف پیدا کرے، اللہ کا ذکر کرے اللہ کی محبت قلب میں پیدا کرے، اور جانتے ہیں یہ سب چیزیں کہاں سے حاصل ہوں گی اور یہ دولت کہاں ملے گی؟ اللہ والوں کے پاس جانے سے اور اہل اللہ کی صحبت

اختیار کرنے سے یہ سب کچھ حاصل ہوگا، بزرگان دین کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے، اہل اللہ کی صحبت سے انسان کا دل سنور جاتا ہے، قلب کی دنیا بدل جاتی ہے، اسی بنا پر بڑے بڑے اکابر علماء بزرگان دین کے پاس جاتے تھے اور اپنے قلوب کا علاج کراتے تھے اور شفا پا جاتے تھے، اور ان کے قلوب پاک وصاف ہو جاتے تھے، وہ اللہ والے ہو جاتے تھے، اللہ کے دوست بن جاتے تھے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے دلوں میں جو امراض ہیں ان کی ہم فکر کریں اور اللہ والوں کے پاس جا کر ان کا علاج کریں اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے اولیاء کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لاَخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَهُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ لاَتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے اولیاء وہ لوگ ہیں جن کا ایمان کامل ہے، اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے، وہ متقی اور پرہیزگار ہیں، کبائر سے بالکل اجتناب کرتے ہیں صغائر سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر بشریت سے خطا ہو جاتی ہے تو سچی توبہ کرتے ہیں، دل سے نادم ہوتے

ہیں، اللہ سے معافی مانگتے ہیں، روتے گڑگڑاتے ہیں، توبہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں حالانکہ توبہ کی منزل بڑی سخت منزل ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی گھاٹی کو بہت سخت پایا، سچی توبہ بہت مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر اس کے بعد اپنی زندگی کو تبدیل کردے، عمل صالح اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے اور اپنی نظر کو اپنی پسند کو، اپنی رائے کو چھوڑ دے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کا خوف اپنے دل کے اندر پیدا کرے، تھوڑا وقت نکال کر کبھی کبھی کسی اللہ والے کی مجلس میں جائے، ان کی صحبت میں بیٹھے پھر خود ہی دیکھ لے گا کہ اس کے دل کی دنیا بدلتی ہے یا نہیں، آج ہمارے دل میں آخرت کا یقین نہیں، خدا کے سامنے پیشی کا استحضار نہیں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص یہ دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے؟

یہ صرف زبان سے کہنے سننے کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ کیفیت اور حال طاری ہو جائے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، ہم کچھ نیکی کرلیں قیامت میں نیکیاں ہی کام آویں گی اور کوئی چیز کام نہ آوے گی، اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب یہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہے اور ایمان والوں کو بھی اسی کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اس میں شامل ہونا چاہتے ہو تو اس کی شرط کو بھی پورا کرو، یعنی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروگے خیر امت میں شامل نہیں ہو سکتے، تم دنیا جہان کے لئے نمونہ بنا کر کھڑے کیے گئے ہو تو نمونہ بن کر دکھلاؤ، تم خود بھی اوامر کی پابندی کرو دوسروں کو اس کا حکم کرو اور خود بھی نواہی سے بچو اور دوسروں کو بھی بچنے کی تاکید کرو، اس امت کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ خود معروف کو اختیار کرے اور اس کا سارا کام اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق ہو اور معروف میں اپنے کو فنا کردے، اسی طرح منکرات سے بچے اور اس کو سوچے کہ گناہ کرنے سے اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، امم سابقہ پر اسی وجہ سے طرح طرح کا عذاب آیا، کسی پر پانی کا عذاب آیا اور غرق کر دیئے گئے، کسی پر آگ برسادی گئی جل کر ختم ہو گئے، کسی کی صورت بدل دی گئی آدمی سے بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے۔

آج کون سا گناہ ہے جو ہم نہیں کر رہے ہیں؟ آپ مانیں یا نہ مانیں مگر واقعہ یہی ہے کہ آج عام طور سے ہم لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں اور پھر بھی مطمئن اور بے فکر ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا خوف ہمارے دل سے نکل گیا ہے، میں اپنے لئے خود کہتا ہوں کہ وہ خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا جو ہمارے اکابر میں تھا، وہ قرآن سن کر لرز جاتے تھے، اللہ کے خوف سے

کانپنے لگتے تھے، اور مؤمن کی یہی شان ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ بس ایمان والے تو وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

ان صفات کو ہم اپنے اندر پیدا کریں، اللہ کا خوف اللہ کی محبت پیدا ہو جائے تو سارا کام بن جائے، مسائل کو علماء سے سیکھیں اور پوچھ پوچھ کر عمل کریں بزرگان دین نے تصوف کی تعریف اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ اس کو جائز و ناجائز کی فکر پیدا ہو جائے، یعنی یہ فکر پیدا ہو جائے کہ کون سی چیز جائز ہے کہ ہم اس کو کریں اور کیا چیز ناجائز ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں، سبحان اللہ! کیسی جامع تعریف ہے، ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے اندر وہ فکر پیدا کریں، ہر مسلمان کو یہ فکر پیدا کرنی چاہئے اور ہر شخص اس کا مکلف ہے خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا

بوڑھا، ہر ایک میں یہ فکر ہونی چاہئے کہ اس کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھے اور اس کا سب وقت اللہ کے قانون کی فرماں برداری میں گذرے، اللہ کی کتاب پر عمل کرے اور رسول ﷺ کی سنتوں پر عمل کرے اس کی زندگی ایسی بن جائے کہ اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف کرنے پر اس کو ندامت ہو خدا کا خوف پیدا ہو جائے، قیامت کا یقین ہو جائے، اللہ سے ڈر جائے، پھر دیکھئے کیا سے کیا بن جائے، سب سے بڑی کامیابی تو یہی ہے کہ قیامت کے دن عذاب جہنم سے بچ جائیں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ مگر آج ہمارے دلوں میں نہ جہنم کا خوف باقی رہا نہ جنت کا شوق باقی رہا، اگر ہے تو مبارک ہو نہیں ہے تو رونے کا مقام ہے، روئیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ یا اللہ! ہم کو اپنی محبت دے، اپنا خوف دل میں ڈال دے، نافرمانی سے بچنے کی ہم کو توفیق دے، ہم دین کے لئے نکلیں دین کا کام کریں دین کی تبلیغ کریں لوگوں کو دین کی طرف بلائیں تھوڑا وقت اللہ کی راہ میں نکالیں اس ماحول سے نکلیں اللہ والوں کے پاس جائیں پھر دیکھیں کہ دل کی دنیا کیسی بدل جاتی ہے، ارے بھائی! یہ دنیا مٹ جانے والی، فنا ہو جانے والی اور چھوٹ جانے والی ہے، فانی سے کیا دل لگانا؟ اصل دولت باقی ہے، صحابہ و تابعین کا، ہمارے بزرگان دین کا یہی حال تھا کہ آخرت کا ان کو یقین تھا، آخرت ہی کے لئے وہ اعمال اختیار کرتے تھے اور خلوص سے کرتے تھے، بزرگان دین کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے، اللہ کی بندگی ہے پھر بھی روتے اور ڈرتے رہتے ہیں، ہم لوگ نافرمانی کر کے ہنستے ہیں کھا پی کر مست ہو کر سو جاتے ہیں اللہ کو راضی کرنے کی

کوئی فکر نہیں کوئی پرواہ نہیں، بھائی؟ ایسی زندگی تو نہایت خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو آپ سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم دین پر عمل کریں۔

یا اللہ! ہم سب کو آخرت کا، جنت کا، جہنم کا یقین دے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما، طاعات کی توفیق عطا فرما، منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرما، معروف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! جو ہم نے سنا ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! اس زندگی میں پھر یہ جلسہ دیکھنا اور علماء کرام کے مواعظ کا سننا ہم کو نصیب فرما، علماء آئیں اور ہم کو اللہ و رسول کی باتیں سنائیں، اے اللہ! ہمارے دل میں خوف ڈال دے اور اپنی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اے اللہ! ہم کو شفاء جسمانی و روحانی عطا فرما، اے اللہ! اسلام کو سرسبز رکھ، اے اللہ اسلام کو بلند رکھ، اپنے کلمہ کو بلند رکھ، یا اللہ! ہم کو دین کی خدمت کا جذبہ اور شوق عطا فرما، اے اللہ! ہم سب کی زندگیوں میں تبدیلی فرما، یا اللہ! ہم آپ ہی کے لئے جئیں اور آپ ہی لئے مریں، یا اللہ! ہمارے اندر ذوق و شوق خلوص و محبت پیدا فرمادے، اے اللہ ہماری جو زندگی گذر گئی اس کے تقصیر کی تجھ سے توبہ کرتے ہیں، معافی چاہتے ہیں اور جو زندگی باقی رہ گئی ہے اس میں ہم سب کو توفیق دے کہ حضور ﷺ کی سنت پر عمل کریں، یا اللہ! ہم سب کو قبول فرمالے آمین ثم آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب

اقتباس

جس کو اللہ کی طلب ہو جاتی ہے اللہ سے محبت ہو جاتی ہے اس کی کیفیت کچھ اور ہو جاتی ہے، دنیا مٹ جانے والی چیز ہے آخرت باقی رہنے والی ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ گناہوں سے ناراض ہوتے ہیں اور طاعت سے خوش ہوتے ہیں، ہم دن رات اپنے دلوں کو دیکھتے رہیں اللہ کی نافرمانی سے بچیں فرماں بردار بن جائیں ہر کام جو کریں سنت کے مطابق کریں اور خلاف سنت ہرگز ہرگز نہ کریں۔

حضرتؒ کا یہ بیان یکم رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶/اپریل ۱۹۸۹ء کو حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کے مکان ۷۰۴ر بخشی بازار الہ آباد میں بموقع مجلس خاص خواتین کے مجمع میں ہوا بیان کے بعد بیعت کی مجلس بھی ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اس وقت جو میری کیفیت ہے جو مولانا نے بیان فرمایا میں بالکل سچ کہتا ہوں میں نے دل سے سنا اور میرے اوپر بہت زیادہ اثر ہوا، بھئی ایک چیز ہے سننا اور دوسری چیز ہے عمل کرنا سننا بھی بہت بڑی بات ہے اس سے بڑی چیز ہے اطاعت و عمل سمعنا و اطعنا، آخرت کا یقین ابھی سنا آپ نے جہنم اور جنت کا یقین، یہ دنیا فانی اور دنیا مٹ جانے والی ہے اور فنا ہو جانے والی ہے چند روزہ زندگی کی بہار کس کام کی بہار اور عیش و عشرت جنت میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنا ہے اللہ پاک کا دیدار ہو گا جنت میں،

دیکھو! موسیٰ علیہ السلام نے یہاں درخواست کی تھی "اے اللہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں" تو تجلی ہوئی اور پہاڑ جل گئے، اللہ پاک کا دیدار ہو گا جس کو اللہ کی طلب ہو جاتی ہے اللہ سے محبت ہو جاتی ہے اس کی کیفیت کچھ اور ہو جاتی ہے دنیا مٹ جانے والی چیز ہے آخرت باقی رہنے والی ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ گناہوں سے ناراض ہوتے ہیں اور طاعت سے خوش ہوتے ہیں، ہم دن رات اپنے دلوں کو دیکھتے رہیں اللہ کی نافرمانی سے بچیں فرماں بردار بن جائیں ہر کام جو کریں سنت کے مطابق کریں اور خلاف سنت ہرگز ہرگز نہ کریں۔

بس اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اتنا بڑا اکرم واحسان ہے کہ کوئی شمار نہیں کر سکتا ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کون شمار کر سکتا ہے کوئی نہیں کر سکتا، لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ یہ جان جانے والی اور فنا ہو جانے والی ہے خوش قسمت ہیں وہ عورتیں اور مرد جو بیان سننے آتے ہیں، جمع ہوتے ہیں، اور ان کا ہر قدم جو اُٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ان پر پڑتی ہے، بھئی سنیں اور اس کے ساتھ پھر عمل کا ارادہ کر لیں اور عمل انسان خود بھی کرتا ہے کر سکتا ہے مرد ہو یا عورت، جنہیں اللہ والوں کے پاس جانے کی توفیق ہو جاتی ہے اور عمل کرنے لگتا ہے اس کو کسی چیز میں لذت نہیں ملتی کھانا ہے، پینا ہے سب ہے لیکن نماز میں جو مزہ و لذت ہے قرآن پاک میں جو لذت ہے بڑے بڑے بزرگان دین قرآن پاک کی جب تلاوت کرتے تھے تو گریہ طاری ہو جاتا تھا اور روتے تھے۔

حضور ﷺ تہجد کی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ایک آیت پر صبح ہو جایا کرتی تھی ایک جگہ حضور ﷺ تہجد پڑھ رہے تھے اس آیت پر ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم﴾ اس آیت کو آپ بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

قرآن پاک میں اس قدر لذت ہے اگر دل ہمارا پاک ہو جائے، دل جو ہے ہمارا وہ دل بن جائے صحیح معنوں میں، اس میں کینہ نہ ہو بغض نہ ہو تکبر نہ ہو

حسد نہ ہو، ابھی آپ نے سنا مولانا نے فرمایا۔

بھئی دل میں کیا ہو؟ دل دل بن جائے یعنی اللہ کی محبت پیدا ہو جائے اس کے اندر اللہ تعالیٰ اور پھر اللہ کے رسول پاک ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے اور اللہ والوں کی محبت پیدا ہو جائے تب کچھ کامیاب ہے۔ زندگی گھٹتی جا رہی ہے روز، صبح شام گھٹتی جا رہی ہے ایک بزرگ تھے وہ جا رہے تھے کسی نے سوال کیا: حضرت کہئے کیا حال ہے؟ دیکھئے اس کو کہتے ہیں خوف، فرمایا کہ اس کا کیا حال پوچھتے ہو جس کے پیچھے ملک الموت لگے ہوئے ہیں، اسے معلوم نہیں کہ مر کے جنت میں جائے گا یا جہنم میں بھیجا جائے گا، جس کے گناہ بڑھتے جا رہے ہیں اور نیکیاں کم ہیں اس کا کیا حال پوچھتے ہو!

تو صحیح طریقے سے ہم دن گذاریں پھر رات کو غور کریں، میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ جب رات کو سب چیزوں سے فارغ ہو جائیں اور بستر پر جائیں تو سوچیں سمجھیں حساب لیں کہ آج کا دن ہمارا کیسا گذرا؟ کتنی ہم نے نیکیاں کیں اور کتنے ہم سے گناہ ہوئے اگر نیکیاں زیادہ ہوئیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اور اگر گناہ زیادہ ہوئے تو روئیں اور معافی مانگیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے، اور کوشش کریں کہ کل انشاءاللہ ایسا نہ ہوگا کل اس کے خلاف کریں گے، نیکی ہی کام آئیگی۔

جب اللہ کا خوف دل میں آجاتا ہے، خوف و محبت دو چیزیں ہیں دونوں اللہ کو بہت پسند ہے ایک خوف سے آنسو نکل آتا ہے، سنی کوئی بات اور آنسو

نکل آیا اللہ کے خوف سے، یہ آنسو جہنم کو سرد کر دیگا اور اللہ تعالیٰ اس کو پیار کریں گے محبت کریں گے۔

ہم لوگ غفلت میں ہیں غافل ہیں یعنی کام بھی کرتے ہیں مگر اس کی روح ہمارے دل میں نہیں، ہے عبادت کی روح جو ہے وہ کیا ہے اللہ کے ساتھ اس کا تعلق قوی ہو اور صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں زبان چلتی رہے، کام کرتے رہیں مگر زبان پر اللہ کا نام اور دل میں اس کا خیال رہے۔

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ دنیا تو قلیل ہے کچھ بھی نہیں ہے اور آخرت تو ہمیشہ رہنے والی اور باقی رہنے والی چیز ہے، اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کے دل میں ڈال دیا اور روزانہ صبح بیان ہوتا ہے اور آپ لوگ جمع ہوتی ہیں بڑی بات ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

تو بھئی اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اس کا قدم اٹھتا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر سنے اللہ کی یاد دل کے اندر پیدا ہو، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کرے، یہ دنیا مٹ جانے والی ہے آخرت کام آنے والی ہے ہمیشہ ہمیش ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ اور اس میں داخل ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، جنتی لوگوں کو خطرہ لگا رہے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو اللہ تعالیٰ جہنم میں بھیج دیں جنت سے نکال کے تو ان کو مطمئن کر دیا جائے گا کہ ہمیشہ رہو جنت کے اندر کبھی ایسا نہ کیا جائے گا، جو جنت میں داخل ہو گیا بس وہی کامیاب ہے۔

جہنم سے پناہ مانگنا چاہئے، بزرگان دین رویا کرتے تھے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے، روتے تھے اور تڑپتے تھے ہم لوگ نافرمانی اور گناہ کر کے بھی سست ہیں جہاں تک ہو قرآن پاک کی تلاوت کریں، اللہ کا ذکر کریں، کلمہ شریف پڑھیں اللہ کا نام لیں لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ نفی اثبات اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں ﴿وَ الذّٰاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰاكِرَات﴾ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ان کی مغفرت کر دی جائیگی اور جنت میں داخل ہوں گے آپ لوگ واقعتاً جنت کی طرف جارہی ہیں اللہ کی بات سننے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں، حضور ﷺ کی بات سننے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں، بزرگان دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں اور اس کو سنیں ماشاء اللہ یہ بہت بڑی نیکی ملی ہے آپ کو بہت بڑی صحبت ملی ہے اور پھر اس کے ساتھ اللہ سے توبہ اور دعا بھی کریں کہ یا اللہ جو سنا ہے ہم نے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

حضرت بی بی رابعہ بصریہ جو ہیں ایک عورت ذات اور نہایت اللہ کی ولی اور بہت زیادہ بزرگ تھی وہ کہتی تھی یا اللہ رات کو لمبی کر دے ؎

جاگنا ہو تو جاگ لے افلاک کے سائے تلے

حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

زندگی چند روزہ ہے جاگنا ہے تو جاگ لے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا نفل کا پڑھنا، تہجد کا پڑھنا، قرآن کا پڑھنا، کلمہ شریف کا پڑھنا، اللہ کے ذکر

میں مشغول رہنا شریعت کا قانون ایسا ہے سارا کام عبادت بن گیا، ہر چیز عبادت بن گئی، اللہ کی مرضی کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا جب اللہ راضی ہو گیا تو سب کچھ مل گیا، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنادی ﴿رضی اللہ عنهم ورضوا عنه﴾ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی، بس اس سے بہتر اور کوئی بھی نہیں اور اگر اللہ ناراض ہو گیا دنیا اگر ساری راضی ہو گئی تو نقصان ہی نقصان، دنیا ناراض ہو جائے کوئی پرواہ نہیں اللہ راضی ہو اللہ کے رسول پاک ﷺ راضی ہوں وہ کیسے راضی ہوں؟ شریعت و سنت کے مطابق عمل کرے، شادی میں غمی میں اور جو بھی حالات پیش آتے ہیں تمام معاملات میں سنت اور شریعت کے مطابق عمل کریں، خلاف شرع کام نہ کریں اور اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کریں اللہ تعالیٰ معاف فرمادینے والے ہیں۔

تو بھئی زندگی چند روزہ ہے کیا ٹھکانہ ہے اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہم اللہ کی یاد میں لگے رہیں اللہ کے ذکر میں لگے رہیں اور دنیا کے کاروبار سب کچھ کریں بس سارا کام بن جائے گا۔

بھئی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہے میں بولنے سے بالکل معذور ہوں لیکن میں آیا تو کچھ نہ کچھ بولنا پڑا، بہت اچھا آج کا بیان سن کر میری عجیب کیفیت ہوئی میرے اوپر جو اثر ہوا میں بیان نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل عطا فرمائے جو سنتے ہیں اس سے دل میں اثر ہو اور عمل کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ

ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرماوے اور اللہ ہم سب سے راضی ہو جائے اور ہمارا ایمان پر خاتمہ ہو، لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

ایمان پر خاتمہ ہو بزرگان دین رویا کرتے تھے، خواجہ حسن بصریؒ بہت بڑے محدث بہت بڑے اللہ کے ولی ہیں، بہت رویا کرتے تھے، تڑپتے رہتے تھے بہت زیادہ روتے تھے لوگوں نے پوچھا حضرت آپ کیوں روتے ہیں کیا گناہوں کی وجہ سے؟ فرمایا نہیں میں خاتمہ کے خوف سے روتا ہوں ایمان پر ہمارا خاتمہ ہو اس خوف سے میں روتا رہتا ہوں، ہم لوگوں کو کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ایمان پر خاتمہ ہو "تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ" یہ دنیا چند روزہ ہے مٹ جانے والی اور فنا ہو جانے والی ہے ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ دنیا قلیل ہے فانی ہے مٹ جانے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی چیز ہے، اے اللہ ہم سب کو جو حاضر ہیں اس وقت اور جو غائب ہیں ان کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، ہم سب کو اپنی محبت عطا فرما اور حضور ﷺ کی محبت عطا فرما، اللہ والوں کی محبت عطا فرما اور اللہ پاک اپنے ذکر کی اور فکر کی توفیق عطا فرما، ہماری زندگی کامیاب ہو جائے بس! رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ، لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، دعاء کرو اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہو جائے۔

بیعت بعد مجلس

مسعودہ خاتون، صدیقہ خاتون، آمنہ خاتون بنات حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب، عارفہ خاتون بہو حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب، و والدہ اکبر خاں صاحب جالیوالے۔

پڑھئے جو میں پڑھا رہا ہوں: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم، لَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنْ لاَّاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتی ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، ایمان لائی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کل کتابوں پر اور اس کے کل فرشتوں پر قیامت کے دن پر تقدیر پر دوزخ پر اور جنت پر، یا اللہ! میں توبہ کرتی ہوں کفر سے شرک سے بدعت سے اور تمام گناہ کبیرہ سے اور صغیرہ سے، یا اللہ! میں عہد کرتی ہوں کہ جہاں تک ہوگا شریعت کے مطابق عمل کرونگی اور خلاف شرع باتوں سے پرہیز کرونگی، یا اللہ! توفیق عطا فرما، میں

بیعت ہوئی ہوں بزرگان دین کے چاروں سلسلے میں نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، ان چاروں سلسلے میں میں نے بیعت کیا آپ قبول فرمالیں اور ہم سب کو اپنی محبت عطا فرمائیں اور حضور ﷺ کی محبت عطا فرمائیں، اور بزرگان دین کا فیض و برکت ہم سب کو نصیب فرما اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! ہم سب کو اپنا بنالے اور ہم سب سے راضی ہو جا۔

لَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

نسخہ رضاء الٰہی

اقتباس

افسوس! کیا بتاؤں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ غفلت طاری ہے اور غفلت چھائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لا تلهكم اموالكم ولا اولادكم عن ذكر الله﴾ یعنی تم کو تمہارے اموال اور اولاد اللہ کی یاد سے، اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے، غفلت ام الامراض ہے، اس لئے بیدار ہو جاؤ، جاگو اس سے پہلے جگائے جاؤ، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر عمل کرو، ہم کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے آخری یادگار بیان جو حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے مکان پر بموقع مجلس خاص (خواتین) ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۳ اپریل ۱۹۹۱ء کو ہوا تھا۔ ضبط و ترتیب محمد عبد اللہ قمر زمان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کی یہ بہت بڑی مہربانی اور کرم و احسان ہے کہ ہمارے حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب نے اس مجلس کو قائم کیا، بس اللہ نے دل میں ڈال دیا جسکی وجہ سے کیسی کیسی باتیں ہم سن رہے ہیں، یہ اسلئے تاکہ ہمارے دل میں اس کا اثر ہو جب اثر ہوگا تو دل کی حالت بدل جائے گی، دوسری ہی حالت ہو جائے گی، اللہ اور رسول ﷺ کی اگر یہ باتیں دل میں اثر کر جائیں اور اس کے بعد عمل کی توفیق ہو جائے تو یہی کامیابی ہے

زندگی گھٹتی جارہی ہے

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا حضرت! آپ کا کیا حال ہے؟ (وہ اللہ کے ولی تھے، بہت بڑے عالم تھے) فرمایا اس کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی زندگی گھٹتی جارہی ہے اور گناہ بڑھتے جارہے ہیں، اسے نہیں معلوم کہ مر کے جہنم کی طرف جائے گا یا جنت کی طرف، دیکھئے! اتنے بڑے ولی، مگر خوف کا یہ حال تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزائے خیر دے۔

خیر! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو یہ توفیق عطا فرمائی

جس کی وجہ سے یہ مجلس قائم ہوئی جس سے مرد بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، عورتیں بھی فائدہ اٹھا رہی ہیں، آپ لوگ سنیں اور سن کر عمل کریں، عمل بڑی چیز ہے، بس یہ مجلس ایک بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کے دل میں ڈالا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزادے اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

نافرمانی اور گناہ سے طاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے

یہ کیسا مبارک مہینہ آیا تھا، اللہ والے روتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! یہ مبارک مہینہ پھر عطا فرما، اس کے تین عشرے ہیں حدیث میں ہے کہ "اوله رحمة واوسطه مغفرة وآخره عتق من النيران" یعنی پہلا عشرہ رحمت کا ہے اور دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے اور آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے، اس ماہ مبارک میں اللہ کی رحمت کی بارش ہوتی ہے، یہ مبارک مہینہ ہے اس کی رعایت کریں، گناہوں سے بچیں، نافرمانی اور گناہ کے بعد طاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت، طاعت اور ذکر میں وہ لذت ہے کہ اللہ اکبر! اسے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے!؟

معرفت رب اور خشیت رب دونوں ضروری ہے

دیکھیں! ہمارا کیا حال ہے؟ اپنے کو دیکھ لیں، دل ٹٹولیں، اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت دونوں ضروری ہے، اللہ کا خوف دل کے اندر آجائے تو پھر وہ نافرمانی سے بچے گا، امم سابقہ پر جو عذاب آئے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے

آئے، کوئی بندر بنادیا گیا، کوئی خنزیر بنادیا گیا، کوئی زمین میں دھنسادیا گیا، کسی پر آگ برسادی گئی، یہ سب نافرمانی کا نتیجہ ہے، جہاں تک ممکن ہو نافرمانی سے بچیں، اللہ سے توفیق مانگیں۔

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کریں

یہ مبارک مہینہ اب جارہاہے خدا جانے پھر ملے نہ ملے (۱) زندگی کا کیا ٹھکانہ ہے، اس مبارک مہینہ مین بھی ہم نے اگر اپنے آپ کو نہ بدلا اور ہماری حالت جیسی کی تیسی ہی رہی تو افسوس کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا بنالے اور ہم سے راضی ہو جائے، حضور اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے ﴿رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی ہوگئے اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، تو بھائی! اللہ کو راضی کرنے کی فکر کریں اور اس کی صورت یہی ہے کہ نافرمانی سے بچیں اور فرماں بردار بن جائیں۔

غفلت ام الامراض ہے

افسوس! کیا بتاؤں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ غفلت طاری ہے اور غفلت چھائی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لاتلھکم اموالکم ولا اولادکم عن

(۱) قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید! حضرتؒ کی زندگی کا یہ آخری رمضان تھا بلکہ آخری بیان تھا اس لئے کہ اس کے بعد اتنا طویل بیان نہیں فرمایا اس کے بعد آپ اپنے رب حقیقی سے جاملے اناللہ وانا الیہ راجعون حق تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائیں۔

ذکر اللہ ﴾ یعنی تم کو تمہارے اموال اور اولاد اللہ کی یاد سے، اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے، غفلت ام الامراض ہے، اس لئے بیدار ہو جاؤ، جاگو اس سے پہلے کہ جگائے جاؤ، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر عمل کرو، ہم کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

دین کی طرف تشویق و ترغیب

یہ جو مجلس ہو رہی ہے بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر جانیں اور زیادہ سے زیادہ مرد و عورت آکر ان بیانوں کو سنیں اور فائدہ اٹھائیں، میرا دل معترف ہے کہ اللہ نے مولانا کے دل میں ڈال دیا جس کی وجہ سے یہ مجلس ہو رہی ہے، یہ ایک عظیم نعمت ہے، اس لئے اللہ کا شکر ادا کرو۔

دوستو! بزرگو! مولانا کے لئے دعا کرو، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ آپ دین اور قرآن و حدیث کی باتیں بتاتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، اللہ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے۔

یا اللہ! تو ہماری دعاؤں کو قبول فرمالے اور سب کے سب اللہ کے خاص بندے بن جائیں، نافرمانی چھوڑ دیں، اللہ راضی ہو جائے، بس اسی فکر میں رہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں سے اور نافرمانی سے ناراض ہوتے ہیں، اور فرماں بردار بن جانے سے راضی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہم

کوشش اور فکر کریں، بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور اپنا بنالے اور راضی ہو جائے۔

یہ مبارک مہینہ جارہا ہے "و آخرہ عتق من النیران" رمضان کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے، سبحان اللہ! ایسی ایسی نعمتیں ہم کو ملیں پھر بھی ہم ناشکری کریں! اور کفران نعمت کریں! اللہ تعالیٰ ہمیں شکر کی توفیق دے، ہم سب کو اپنا بنالے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نافرمانی سے بچائے اور اپنا فرماں بردار بنالے، اپنا خوف دل میں ڈال دے، ہم سب کو اپنی محبت عطا فرمائے، ہمارے دل میں وہ نور آجائے جس سے اللہ تعالیٰ دکھلاتا ہے، اپنا بنالیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور یہ مجلس ایسی ہی قائم رہے اور ہم سب کو فائدہ پہنچتا رہے، یا اللہ! قبول فرمالے (آمین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،
لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ .

چند زریں نصیحتیں اور

جامع دستور العمل

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ یہ زرین نصیحتیں جی چاہا کہ اس کتاب ''روح البیان'' حصہ اول کا اختتام بھی مرشدی و مولائی حضرت اقدس پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے دست مبارک سے تحریر کئے ہوئے ایک مضمون پر کیا جائے جس کو عارف باللہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ایک مسترشد کی درخواست پر ایک روز قلم برداشتہ خود تحریر فرمادیا تھا، بلاشبہ یہ مضمون ہر طالب آخرت کے لئے ایک بہترین دستور العمل ہے ہم سب کو چاہئے کہ بطور وظیفہ و شجرۂ مسلسلہ اس کو پڑھا کریں اور ان بیش بہا نصائح کو حرز جان بنائیں۔

وھو ھذا

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ پاک کی توحید پر قائم رہیں، سنت کی پابندی کریں، خلاف شریعت اور خلاف سنت کوئی کام نہ کریں، حضور اقدس ﷺ کے حکموں پر پابندی سے عمل کریں، اللہ پاک کی نافرمانی سے بچیں اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے فوراً سچے دل سے توبہ کریں، اللہ پاک اور حضور ﷺ کی مرضیات پر عمل کریں، تقویٰ اختیار کریں، حرام سے پرہیز کریں، حلال روزی حاصل کر کے کھائیں، اللہ کا

ذکر کرتے رہیں، خوب عاجزی سے گڑ گڑا کر اللہ پاک سے دعا مانگیں، اللہ سے ڈرتے رہیں۔

اللہ کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمت کو سوچا کریں، اس سے اللہ پاک کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور اللہ کی محبت بزرگان دین کی صحبت میں حاصل ہوتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی مجلس میں حاضری دیا کریں، کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق پیدا کرنا بھی بہت ضروری ہے، اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں جو مومن کامل اور متقی ہیں، شریعت مقدسہ اور سنت مطہرہ کے مطابق عمل کرتے ہیں، پس جو شخص خلاف شریعت عمل کرتا ہے وہ ہرگز بزرگ اور ولی نہیں ہے، دھوکہ نہ کھائیں۔

تمامی معاملات میں شریعت و سنت کے مطابق عمل کریں، شادی و غمی وغیرہ میں کوئی بات خلاف شریعت ہرگز نہ کریں، چاہے کوئی بھی ناراض ہو جائے اس کی پرواہ نہ کریں، بس اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے راضی کرنے کی فکر کریں، صفائی معاملات کا خاص خیال کریں اور اخلاق کی درستگی کا بھی اہتمام کریں، اللہ کے ذکر میں جہاں تک ہو سکے مشغول رہیں۔

باجے گاجے سے بالکل پرہیز کریں، شرک و بدعت کے قریب نہ جائیں، شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں اور بدعت سراسر ضلالت اور سب سے بڑی معصیت ہے لہٰذا ہرگز ہرگز ان کے قریب نہ جائیں، بدعتی کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، نماز نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ نفل، نہ فرض، کچھ بھی مقبول نہیں،

دین میں جو نئی باتیں ایجاد کی گئی ہیں ان کے قریب ہرگز نہ جائیں، بس حضور ﷺ کی سنت پر مضبوطی سے عمل کرتے رہیں، انشاء اللہ فلاح دارین حاصل کرلیں گے، اللہ راضی ہو جائے گا اور جس سے اللہ راضی ہو گیا، اس کو سب کچھ مل گیا اور جس سے اللہ ناراض ہو گیا وہ سب کچھ کھو بیٹھا، اسے دین و دنیا میں خرابی اور خسارہ کے علاوہ کچھ نہ ملے گا، سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ راضی ہو جائے، بس تعلق مع اللہ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

مسائل کو علماء ربانی سے پوچھتے رہیں اور پوچھ پوچھ کر اس پر عمل کریں، اپنی مرضی اور تجویز سے کوئی کام نہ کریں، قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہیں، درود شریف اور استغفار کی کثرت کریں، موت کو کثرت سے یاد کریں اور موت کا مراقبہ کرتے رہیں۔

دنیا کو بالکل معتبر نہ سمجھیں، اکثر کو بچپن ہی میں اور بہتوں کو جوانی میں موت آجاتی ہے اور بعضے بڑھاپے تک پہنچ جاتے ہیں مگر تمام عمر دنیا کا دھندا ختم نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن سوائے دین اور تقویٰ کے کوئی چیز کام نہیں آوے گی، وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے تھے بلکہ وہاں صرف تقویٰ کام آئے گا، واجبات کو ادا کرنا اور محرمات، مکروہات و مشتبہات کو ترک کرنا اسی کا نام تقویٰ ہے اس کا اہتمام رکھیں اور جس جگہ

دینی ودنیوی دونوں مصلحتیں جمع ہوں وہاں دینی مصلحت کو مقدم رکھیں، جو شخص دینی مصلحت کو مقدم رکھتا ہے دنیا بھی تقدیر کے موافق اس کو مل جاتی ہے، اور جو شخص دنیا کی مصلحت کو مقدم رکھتا ہے تو دنیا بھی اس کو ہاتھ نہیں آتی۔

حقوق العباد کی ادائیگی کا خاص اہتمام کریں ان کو تلف نہ ہونے دیں اس لئے کہ حق تعالیٰ تو خود رحیم و کریم ہیں اور پھر ان کے دربار میں انبیاء کرام اور پیران عظام شفاعت بھی کریں گے، اس لئے ان کے حقوق میں تو عفو و درگذر کی امید ہے لیکن حقوق العباد کا معاملہ بہت اہم ہے ان کی مغفرت نہیں ہوگی، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کچھ دوسری نصیحتیں جو دین و دنیا کے لئے مفید ہیں

وہ یہ کہ اپنی بیوی بچوں، نوکر چاکر اور رعایا و ماتحت میں سے ہر ایک کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ وہ خوش ہوں اور محبت رکھیں اور ان کے ساتھ اس قدر اخلاق و مروت اور غم خواری و حسن سلوک برتیں کہ وہ لوگ بجان و دل تمہارے گرویدہ ہو جائیں، ان سب کے باوجود اگر کوئی شخص محض اپنے حسد کی وجہ سے تم سے ناخوش ہو تو وہ معتبر نہیں۔

اپنے بڑوں کو ادب و فرمانبرداری اور خدمت گذاری سے راضی رکھیں مگر جس چیز میں وہ لوگ معصیت کا امر کریں اس میں ان کی اطاعت ہرگز نہ

کریں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ“ حق تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کریں اور اپنے عزیزوں، بھائیوں اور دوستوں، ہم نشینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اخلاص و محبت اور غمخواری و تواضع کے ساتھ رہیں، ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آئیں، ہر مسلمان سے سلام کرنے میں پیش قدمی کریں۔

دنیا چند روزہ ہے، دنیوی معاملات کی وجہ سے آپس میں قطع تعلق نہ کریں کیونکہ کوئی گھر اسی وقت برباد ہوتا ہے جب اس میں رہنے والے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔

بس ان نصیحتوں پر عمل کریں، اوامر کی پابندی کریں اور نواہی سے بچنے کا اہتمام کریں، خود بھی نیک بنیں اور دوسروں کو بھی نیک بنانے کی سعی کریں، اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَةِ وَالْهُدٰى ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

بحمد اللہ تم

قرب الٰہی
کے دو ذریعے ذکر و فکر

اقتباس

ہمیں چاہئے کہ اپنا معمول بنالیں اور کسی وقت بیٹھ کر اپنے عمل کا محاسبہ کریں، مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اگر اچھا پاتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور اگر نقصان و قصور پاتا ہے تو توبہ و استغفار کرتا ہے اور اس بات کی فکر کرتا ہے کہ دوسرے دن اس کی تلافی ہو جائے اسی طرح ہم کو چاہئے کہ روزانہ ہم سوچا کریں کہ آج کے دن ہم نے کتنے گناہ کئے ہیں؟ اور آج ہم نے کتنی نیکیاں جمع کی ہیں؟ بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس فکر میں رہتے ہیں۔

حضرتؒ کا یہ بیان دار العلوم محمدیہ، قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کے سنگ بنیاد کے موقع پر ہوا، جس میں حضرت والاؒ نے سامعین کو قرب الٰہی کے حصول کی ترغیب دلاتے ہوئے اس کے ذرائع کو اجاگر فرمایا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ، أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لَايَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو

اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب لوگ ہیں۔

میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ ایسے اکابر علماء کے سامنے زبان کھولوں آپ حضرات کی یہ محبت اور حسن ظن ہے کہ مجھ سے بیان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اس بستی میں میرا آنا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا، یہ بھی آپ حضرات کی محبت اور طلب ہی ہے کہ مجھ جیسا ضعیف و ناتواں اور کمزور و بیمار اتنے دور دراز کا سفر کر کے آپ کی بستی میں حاضر ہو گیا اس سے میرا دل مسرور ہے مسرور ہی نہیں بلکہ مخمور ہے، آپ حضرات سے ملاقات کر کے دل بہت خوش ہوا مدرسہ کی بنیاد پڑی اس میں شرکت نصیب ہوئی، یہ میری سعادت ہے، میں نے دل و جان سے مدرسہ کی تعمیر و ترقی اور کامیابی کے لئے دعا کیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

بیان سے پہلے یہ عرض ہے کہ ہم سب لوگ یہ بات سمجھ لیں کہ جب بھی ہم کسی مجلس وعظ میں شرکت کے لئے اپنے گھر سے چلیں تو اپنے کو مریض سمجھ کر چلیں، اس لئے کہ درحقیقت علماء ربانی طبیب ہیں اور ہم لوگ مریض ہیں لہٰذا ہم کو ان سے اپنے امراض روحانی کا علاج کرانا چاہئے اور اس سلسلہ میں جو باتیں یہ حضرات بتادیں ان پر عمل کرنا چاہئے، پس ہم سب لوگ اپنی نیت کو صحیح کرلیں، یعنی اپنی نیت اصلاح کی ہی ہونی چاہئے کیونکہ یہ ذکر کی محفل ہے، یہاں اللہ کا ذکر ہوگا، اللہ کے محبوب حضور ﷺ کا ذکر ہوگا، اولیاء کرام کا ذکر ہوگا، بزرگان دین کے تذکرے ہوں گے، نیت کو بڑا دخل ہے، حدیث پاک میں آیا ہے "انما الاعمال بالنیات" یہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے،

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اس لئے پہلے ہم اپنی نیتوں کو درست کریں، بیان کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ ہی کے لئے بولیں، ہمارے دل میں یہ تڑپ ہو اور ہمارے دل میں یہ درد ہو اور ہم دل و جان سے یہ بھی دعا کریں کہ اے اللہ! ہمارے بولنے میں برکت عطا فرما اور ہمارے بولنے سے نفع ہو، حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ اپنے وعظ میں بیان فرماتے ہیں کہ "اے اللہ! میں گونگا تھا آپ مجھ کو مخلوق کے درمیان لائے لہٰذا آپ ہی سے درخواست ہے کہ میرے بولنے سے لوگوں کو نفع ہو اور اگر میرے بیان سے نفع نہ ہو تو پھر مجھ کو اسی گمنامی میں لوٹا دیجئے"

اس سے ہم کو سبق لینا چاہئے کہ ہم اللہ ہی کے لئے بولیں اور اللہ ہی کے لئے سنیں، سننے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ عمل کریں گے، اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں گے، بیان اور وعظ روح کی غذا اور دل کی دوا ہے، قرآن مجید اللہ کی مقدس کتاب ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔

اس کتاب پر ہمیں دل سے ایمان لانا چاہئے اور اس کی تصدیق کرنی چاہئے، یہ ایمان و تصدیق بہت بڑی دولت ہے، ہمارے اسلاف کو یہی دولت حاصل

تھی اور یہی ان کا اصل سرمایہ تھا، جس کی وجہ سے وہ دنیا و ما فیہا سے مستغنی تھے، ہمارے اسلاف کا کیا حال تھا؟ نہ ان کے پاس اونچے اونچے مکان تھے، نہ بہت زیادہ مال و دولت تھی، مگر پھر بھی ان کا یہ حال تھا کہ پھٹے پرانے کپڑے ہیں، پیوند لگے ہوئے ہیں اور پیوند بھی کپڑے کے نہیں بلکہ چمڑے کے پیوند ہیں لیکن قلب میں ایسی قوت تھی کہ کسریٰ اور قیصر سے مقابلہ کا عزم رکھتے تھے اور بڑی بڑی طاقتور حکومتوں سے ذرہ برابر نہیں ڈرتے تھے، ایک شاعر نے صحابہؓ کی اس شان کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے اور بہت عمدہ انداز سے اس کو ادا کیا ہے۔

عباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر قدم کے تلے تاج کسریٰ و قیصر
غذا نان جو، وہ بھی کمتر میسر مگر ہاتھ میں زور تسخیر خیبر
کبھی اہل ایماں کی پہچان یہ تھی کبھی اہل اسلام کی شان یہ تھی

جھونپڑوں میں رہتے ہیں کپڑے پھٹے ہوئے پہنے ہیں مگر دل میں اللہ و رسولؐ کی محبت پیوست ہے صحابہ کرامؓ کی یہ شان تھی کہ اللہ کی راہ میں مر مٹنے والے اور اللہ کی راہ میں جان و مال، عزت و آبرو، سب کچھ قربان کر دینے والے تھے، ان کو اللہ و رسولؐ کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروانہ تھی، انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا قرآن پاک سے ان کا تعلق صحیح ہو گیا تھا اس لئے وہ اللہ کی کتاب کو اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھتے تھے جس کی وجہ سے دلوں میں ایک

عجیب کیفیت پیدا ہوتی تھی، ان کے دل دہل جاتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

اللہ اکبر! یہ اللہ کی کتاب ایسی ہے کہ پہاڑ بھی نہ برداشت کرتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، آج ہمارے قلوب اس کتاب سے بھی نہیں متاثر ہوتے اور ہم اللہ کی آیات کو سنتے ہیں مگر جہاں تھے وہیں ہیں، ہماری زندگی میں تبدیلی نہیں آتی، ہمارے حالات نہیں بدلتے، ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف نہیں پیدا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت ہمارے دلوں میں نہیں پیدا ہوتی جو سب کی محبت پر غالب آجائے حالانکہ قرآن کہتا ہے ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ یعنی مؤمنین اللہ تعالیٰ کی محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشد ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب کی محبت پر غالب اور سب سے زیادہ ہونی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہیں ان کے دل کے اندر اللہ کی محبت سب پر غالب ہوتی ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں، نیز حضور اقدس ﷺ کی محبت میں سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

آپ خود غور فرمائیے کہ آخر یہ قرآن کیوں آیا ہے؟ محض اس لئے کہ خوب عمدہ جزدانوں میں لپیٹ کر رکھ دیں؟ بھائی! قرآن اس لئے نہیں آیا اور

عمدہ جزدانوں میں لپیٹ کر رکھنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کی تلاوت کرنی چاہئے اور اس کو خدا کی کتاب سمجھ کر پڑھنا چاہئے، اس کی تلاوت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، احادیث میں اس کے بہت سے فضائل آئے ہیں حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، پھر آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمّٓ﴾ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے، تو ﴿الٓمّٓ﴾ پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

سبحان اللہ! قربان جایئے تھوڑے سے عمل پر کتنا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، اگر آدمی اس کو پیش نظر رکھے تو عمل آسان ہو جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والی کون سی چیز ہے؟ نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد کام آئے گی، نہ دوست واحباب کام آئیں گے، نہ عزیز واقارب، یہ مال تو مٹ جائے گا، دولت فنا ہو جائے گی، دنیا کی ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی، آخرت میں کام آنے والی چیز تو بس یہی نیکیاں ہیں جو انسان دنیا میں کمالے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان کا دنیا میں تین چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے، مال، اہل وعیال اور اعمال، مرنے کے بعد مال تو فوراً چھوٹ جاتا ہے، اہل وعیال قبر تک ساتھ دیتے ہیں اور اعمال آدمی کے ساتھ رہتے ہیں، مگر دنیا میں انسان کو مال سے بے حد محبت ہے اہل وعیال سے بھی محبت ہے، اور یہ محبت منع بھی نہیں ہے لیکن اعمال جو قیامت میں کام آنے والے ہیں اور یہی اصل

سرمایہ ہے اس کی محبت ہمارے دلوں میں اتنی نہیں ہے جتنی کہ ہونی چاہئے۔

بھائی! مال بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بہت اچھی چیز ہے، اسی طرح اہل و عیال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، لیکن یہی مال و اولاد بسا اوقات خدا سے غافل بھی کر دیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔

اللہ کی محبت جب دل میں غالب ہوتی ہے اور انسان کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے قوی ہو جاتا ہے تو پھر اس کا کچھ اور ہی حال ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ حال تھا کہ اس مقدس و مبارک کتاب کی جب آپ تلاوت فرماتے تو دو دو رکعت میں صبح ہو جایا کرتی تھی، پائے مبارک ورم کر آتے تھے، صحابہ عرض کرتے کہ حضور! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے، تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے کہ ''اَفَلا اکونُ عبداً شکوراً'' کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

یہ اللہ تعالیٰ کی وہی مقدس کتاب ہے جس کو پڑھ کر لوگ روتے تھے اور کانپتے تھے مگر اب ہم لوگ اپنا حال دیکھ لیں کتنا فرق ہو گیا ہے، فاروق اعظمؓ سورہ طٰہٰ کی ایک آیت سن کر ایمان لائے، صدیق اکبرؓ کا کیا حال تھا؟ قرآن

مجید کی تلاوت کرتے تھے اور روتے تھے جملہ صحابہ کرامؓ کی یہی کیفیت تھی کہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور اللہ کے خوف سے لرزتے اور کانپتے تھے، اللہ کے ڈر سے ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا، آج وہی کتاب ہمارے پاس موجود ہے مگر ہم کو اس کی کوئی قدر نہیں، ہمارے دلوں میں اس کی کوئی عظمت نہیں، اسی بناء پر ان مدارس کی طرف بھی ہماری توجہ نہیں جن میں قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ مدارس دین کے قلعے ہیں ان کی حفاظت بہت ضروری ہے، ان کی امداد واعانت ضروری ہے یہ بچے جو علم دین کے طالب ہیں ان کی بڑی شان ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ فرشتے ان کے لئے پر بچھاتے ہیں۔

یہ بات درمیان میں آگئی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن مجید اللہ کی مقدس کتاب ہے لہٰذا ہم اس کی تلاوت کریں تو اس طرح کریں کہ دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ جائے اللہ کا خوف پیدا ہو جائے، بھائی سنو! قرآن پاک میں جو لذت وحلاوت ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے، اس لذت وحلاوت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، ہمارے بزرگوں نے اس کو حاصل کیا اور کتاب اللہ کی تلاوت سے لذت وحلاوت حاصل کرتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے، ہم کو بھی اس کے حاصل کرنے کی فکر ہونی چاہئے۔

حضرت عثمان ذی النورینؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے قلوب پاک ہو جائیں اور ان کا زنگ دور ہو جائے تو تم کو قرآن پاک سے کبھی سیری نہ ہو، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ جو اپنے دور کے بہت بڑے محدث،

عالم ربانی اور قطب زمانہ تھے اور اللہ کے بہت بڑے ولی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جو مزہ مجھ کو قرآن میں ملتا ہے اگر تم کو وہ مزہ ملنے لگے تو تم کپڑے پھاڑ کر جنگل میں چلے جاؤ، نیز فرماتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران جنت میرے پاس آویں گی تو ان سے کہوں گا کہ بی بیو! تم بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھوں تم سنو، جو مزہ قرآن میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔

دیکھئے! ہمارے اکابر تو یہ فرما رہے ہیں کہ جو مزہ قرآن میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں اور ان کا یہ ارشاد بیشک حق اور یقیناً صحیح ہے مگر ہمارے قلوب چونکہ بیمار ہیں اور ہمارے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اس لئے قرآن پاک کو سن کر ہمارے اندر وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اللہ کی یہ کتاب ایسی شان رکھتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔

یہ قرآن کیا ہے؟ دل کی دوا اور روح کی غذا ہے، کسی زمانہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی تھی، حضرتؒ کو مجھ سے غایت درجہ کا تعلق تھا، میرے مکان پر بھی تشریف لائے تھے، بہت کچھ ارشاد فرماتے تھے اس کے ذکر کا موقع نہیں، اس وقت جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اسی زمانہ میں اللہ کی توفیق سے میں نے قرآن مجید پر ایک نظم لکھی تھی، حضرت پھولپوریؒ اس کو سنتے تھے تو ان پر عجیب کیفیت طاری

ہو جاتی تھی اور ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا کیونکہ قرآن پاک سے ان کو بہت گہرا تعلق اور بہت زیادہ لگاؤ تھا، اس نظم کے چند اشعار اس وقت آپ کو سناتا ہوں ۔

وہ قرآں جو غذا بھی ہے، دوا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآں جس سے طے ہوتے ہیں سب درجات روحانی
وہ قرآں جس کی برکت کا بیاں ہو ہی نہیں سکتا
بناتا ہے جو اپنے ماننے والوں کو ربانی
وہ قرآں جو سراپا نور ہے، رحمت ہے، برکت ہے
پلاتا ہے جو اپنے عاشقوں کو جام عرفانی
وہ جس کے حکمراں ہوتے ہی دنیا بن گئی جنت
نرالا ہے جہاں میں جس کا آئین جہانبانی
وہ جس کا ایک نقطہ بھی نہ بدلے گا قیامت تک
وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے نگہبانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ بیشک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی حفاظت اس طرح ہو رہی ہے کہ حفاظ کے سینوں میں وہ محفوظ ہے، ہمارے بچے اس کو یاد کرتے اور پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایسی حلاوت و لذت رکھی ہے کہ اس کی تلاوت سے روح مست ہو جاتی ہے، اللہ والوں کو اس کی تلاوت سے ایسی لذت حاصل ہوتی ہے اور ایسی روحانی غذا ملتی ہے جو کسی چیز میں نہیں ملتی۔

ایک بزرگ کا واقعہ سنئے وہ فجر کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کوئی صاحب اسی وقت میں ان سے ملنے کے لئے آئے، دیکھا کہ حضرت مصلے پر بیٹھ کر کچھ پڑھ رہے ہیں، وہ لوٹ گئے، کچھ دیر کے بعد دوبارہ آئے تو دیکھا کہ ابھی اسی حال میں مشغول ہیں، پھر لوٹ گئے، تیسری مرتبہ آکر دیکھا تو حضرت مشغول ہی تھے، چوتھی دفعہ آئے تو وہ فارغ ہو چکے تھے، ملاقات ہوئی، اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے پاس تین مرتبہ آکر لوٹ گیا، آپ یہ کیا کر رہے تھے؟ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے تھے کہ میں قرآن پڑھ رہا تھا مگر یہ جواب نہیں دیا اور جو جواب دیا وہ واقعی سننے کے قابل ہے اور اس میں بڑی ہی عبرت و نصیحت ہے وہ جواب یہ تھا کہ میں اپنی روح کو ناشتہ کرا رہا تھا، سبحان اللہ! کیا ہی خوب جواب ہے۔

تو دیکھا آپ نے تلاوت کلام اللہ، اللہ والوں کے نزدیک روح کا ناشتہ ہے، وہ اپنی روح کو ذکر و تلاوت سے غذا پہنچاتے ہیں، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے جسم کو تو خوب کھلاتے پلاتے ہیں مگر روح کو بھوکا رکھتے ہیں، اسی طرح جسم کے لباس کا تو خوب اہتمام ہے مگر روحانی لباس سے عاری ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ تو فرما رہے ہیں کہ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے مگر ہم کو اس کا ذرا بھی خیال نہیں، آپ خود دیکھ لیجئے کہ ہمارے دل میں اللہ کا خوف کتنا ہے، آج اگر خوف خدا پیدا ہو جائے تو زندگی بدل جائے، اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہیں ان کی نعمتیں ہم پر بیشمار

ہیں ہم لوگ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر بھی ان کا شکر نہیں ادا کرتے بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احصا کر نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ہی ناشکرا ہے۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہماری آنکھوں کے اندر جو یہ روشنی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے جس سے ہم دیکھ رہے ہیں یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر قیامت تک ہم اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں تو بھی اس ایک نعمت کا شکر نہیں ادا ہو سکتا، اسی طرح ٹھنڈا پانی جو ہم پیتے ہیں وہ بھی حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا کہ اس نعمت کا کیا شکر ادا کیا؟ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ یعنی قیامت کے دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور بالضرور سوال کیا جائے گا، تو صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سے کن کن نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی جو تم پیتے ہو اس کے متعلق بھی قیامت میں پوچھا جائے گا کہ اس نعمت کا کیا شکر ادا کیا؟

اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہم کو ملی ہیں مگر ہم نہ ان نعمتوں پر غور کرتے ہیں اور نہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، یہ ایمان کی دولت جو ہم کو ملی ہے یہ کوئی معمولی نعمت ہے؟ اور ہماری زبانوں پر جو یہ کلمہ جاری ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ اسے کیا جانتے ہیں؟ اس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے، اس

کی قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھو جن پر اس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ سنئے! ان کے ایک مرید تھے، ان پر ان کی بستی والوں نے ایک جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا، انہوں نے آکر اپنے شیخ سے عرض کیا کہ لوگوں نے مجھ پر جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا ہے تو شیخ نے فرمایا صبر سے کام لو اور اللہ کا شکر ادا کرو، پھر کچھ دنوں بعد ان کو سزا ہو گئی تو عرض کیا کہ حضرت! مجھ کو سزا ہو گئی میں جیل میں بند ہوں، شیخ نے پھر وہی فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو، پھر کچھ دنوں بعد انہوں نے لکھا کہ حضرت مجھ کو قید خانہ میں ایک یہودی کے ساتھ کر دیا گیا ہے اب میرا کھانا پینا سب اسی کے ساتھ ہے بہت مصیبت میں ہوں، شیخ نے پھر جواب تحریر فرمایا صبر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو، تو اس نے جھلا کر یہ لکھا کہ حضرت! میں تو اس حال میں ہوں کہ سزا ہو گئی، قید خانہ میں ہوں اور دن رات یہودی کا ساتھ ہے، اب شکر کس چیز کا ادا کروں؟ تو شیخ نے تحریر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان چھین کر اس یہودی کو دے دیں اور اس کا کفر تم کو دے دیں تو تم کیا کر سکتے ہو؟ یہ کم نعمت ہے کہ ایمان کی دولت تمہارے پاس باقی ہے؟ لہٰذا تم اس بات کا شکر ادا کرو کہ تمہاری زبان پر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری ہے۔

سبحان اللہ! کیسی معرفت کی بات ارشاد فرمائی، اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے، واقعی حقائق کو یہی حضرات جانتے پہچانتے ہیں اگر یہ حضرات نہ سمجھائیں نہ بتلائیں تو آدمی بھٹک جائے مگر شیخ کامل ایسے ہی موقع پر رہبری کرتا ہے۔

سنئے! یہ کلمہ اتنا وزنی ہے کہ ساتوں طبق زمین اور ساتوں طبق آسمان اس کے مقابلہ میں ہلکے ہیں، بیشک یہ توحید کی دولت ہی اصل دولت ہے، اللہ کی توحید بہت بڑی نعمت ہے اس کو اختیار کریں اور اللہ کی مقدس و مبارک کتاب کو سمجھ کر پڑھیں تو آج کام بن جائے، ہمارے بزرگان دین اور سلف صالحین کا تو یہ حال تھا کہ قرآن کو پڑھتے تھے اور روتے تھے، اور اسکے احکام پر عمل کرتے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان قرآن کی عملی تفسیر ہے اس لئے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے کو عمل سے دکھلائے اپنے اچھے اخلاق و معاملات سے دکھلائے اور قرآن پاک نے جو مسلمانوں کے صفات بتلائے ہیں ان کو اختیار کر کے بتلائے کہ مسلمان اسے کہتے ہیں اور جب تک یہ نہ ہو محض دعویٰ سے کچھ نہیں ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کی عمر مبارک تو ابھی کچھ زیادہ نہیں ہوئی لیکن ضعف کے آثار آپ پر نمایاں ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو قرآن کی ان چار سورتوں نے بوڑھا بنا دیا، سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات اور عم یتساء لون، اور آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا کہ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قیامت کا ذکر فرمایا ہے نیز انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے اس لئے آپ کے دل و دماغ پر ان سورتوں کی تلاوت کا خاص اثر ہوتا تھا جس کی وجہ سے موئے مبارک سفید ہو گئے اور ہونا بھی چاہئے اس لئے کہ قیامت کا دن کوئی معمولی

دن نہیں، بہت ہی ہیبت ناک اور ہولناک دن ہے، وہ ایسا دن ہے کہ لوگوں کے حواس بجا نہ رہیں گے، ہوش گم ہو جائیں گے، اس دن کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بہت ہی اہتمام کے ساتھ یاد دلاتے ہیں اور پورا قرآن قیامت کے ذکر سے بھرا ہوا ہے لیکن آج ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن سنتے ہیں مگر ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا.... اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

یہ وہی قرآن ہے کہ جب اہل مکہ اس کو سنتے تھے تو ان کے دل کا حال بدل جاتا تھا اور وہ ایمان لاتے تھے اس لئے مشرکین مکہ لوگوں کو قرآن پاک سننے ہی سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اس کو سننے کا امر فرما رہے ہیں اور دوسری طرف مشرکین کی پوری سعی اس بات کی ہوتی تھی کہ لوگ قرآن کو نہ سنیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَاتَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ یعنی اور یہ کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اگر (پیغمبر سنانے بھی لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچایا کرو، شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو (اور پیغمبر ہار کر چپ ہو جائیں)

سنئے! اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ دو چیزیں ہیں، ایک ذکر

دوسرے فکر، اس لئے ہم کو چاہئے کہ اللہ کا ذکر بھی کریں اور فکر بھی کریں، فکر بھی بڑے درجے کی عبادت ہے، فکر ایک آئینہ ہے جس میں بندہ اپنے رب کو دیکھتا ہے، پس قرآن پاک میں تفکر کریں یہی معرفت الٰہیہ کا ذریعہ ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ یعنی بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور غور کا جو نتیجہ ہوتا ہے یعنی خلوص ایمان یا تجدید و تقویت ایمان اس کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس مخلوق کو لایعنی پیدا نہیں کیا، ہم آپ کو اس سے منزہ سمجھتے ہیں، سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچالیجئے۔

اللہ اکبر! دل ہو تو فکر کرے اور آنکھ ہو تو یہ پہاڑ، یہ اونٹ یہ آسمان، یہ زمین، ان سب کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے، بیشک ان سب میں ہمارے لئے کافی عبرت کا سامان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی

الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴾ تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح عجیب طور پر پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے، اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا بعث پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے) تو آپ (بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں اور آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو روگردانی اور کفر کرے گا تو خدا اس کو آخرت میں بڑی سزا دے گا، کیوں کہ ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہوگا، پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیشمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایک ایک نعمت اتنی عظیم اور بڑی ہے جس کا شکر ادا کرنے سے انسان قاصر ہے، غلے ہی کو دیکھ لیجئے کتنی بڑی نعمت ہے، اگر غلہ نہ ہو تو انسان کیا کھائے گا؟ پانی نہ ہو تو انسان کی زندگی محال ہو جائے گی، ہوا بند ہو جائے تو تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے، اسی طرح کتنے رنگ کے میوے اور پھل اور طرح طرح کی ترکاریاں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں، ہر موسم میں الگ الگ پھل ہوتے ہیں ہم ان سب نعمتوں کو

استعمال کرتے ہیں اور بجائے شکر کے ناشکری کرتے ہیں، کیا یہ حیرت کا مقام نہیں ہے؟ آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر انسان نہ ہو تو ان نعمتوں کا کیا نقصان؟ پھلوں کا اور ترکاریوں کا کیا نقصان؟ پانی اور ہوا کا کیا نقصان؟ لیکن اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو انسان کا جینا محال ہو جائے، اب یہ سمجھئے کہ ساری چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بنایا ہے جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً﴾ یعنی زمین میں جو کچھ ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے مگر انسان کو صرف اپنے لئے بنایا ہے اور اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے گویا ہم سے یہ مطالبہ فرمایا ہے کہ تم میرے ہی بن کر رہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں، میں ان سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں، اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا، نہایت ہی قوت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ ہم اس کی عبادت اور بندگی کرتے رہیں، تمام عمر عبادت و بندگی میں گذارنے کے بعد بھی ان کی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا، بس یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں اسی طرح اپنے فضل

وکرم ہی سے جنت میں بھی داخل فرمائیں گے، یہ بھی مستقل ایک مسئلہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص اپنی عبادت کی وجہ سے نہیں جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم ہی سے جائے گا، اور یہ مسئلہ اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کی نظر اپنی عبادت پر نہ ہو اور ہمیشہ باوجود عبادت کرنے کے اپنی نظر کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر مقصور رکھیں اور اس کی رحمت سے بخشش کی امید رکھیں۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے دو سو برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی، جب اس کا انتقال ہوا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو میری رحمت سے جنت میں جائے گا یا اپنی عبادت سے؟ اس نے کہا میں اپنی عبادت کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا اتنے میں اس کو پیاس معلوم ہوئی اور پیاس کی شدت سے تڑپنے لگا اور کہنے لگا مجھ کو جلدی سے پانی پلا دو، جواب ملا کہ اپنی زندگی میں جو تم نے دو سو سال عبادت کی ہے اس کے بدلے میں ایک گلاس پانی پلایا جا سکتا ہے اس نے کہا میں تیار ہوں ہماری کل عبادت لے لی جائے اور پانی پلا دیا جائے، یہ مجھے منظور ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تو دنیا میں ایک نہیں ہزاروں لاکھوں گلاس پانی پی چکا ہے لہٰذا پہلے اس کی قیمت ادا کر دے اس کے بعد اپنی عبادت سے جنت میں داخل ہونے کا استحقاق جتلا، اس بات سے وہ عابد محجوج ہو گیا اور مان گیا کہ واقعی ہم ایک گھونٹ پانی کا بھی شکر ادا نہیں کر سکے تو پھر کس منہ سے جنت میں جانے کا دعویٰ کریں۔

اس واقعہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ اپنی عبادت پر نظر نہ

کریں اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہیں، عبادت کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اگر وہ توفیق نہ دیں تو بندہ کچھ نہیں کر سکتا، اور اپنی عبادت پر ناز کرنا یہ تو انتہائی خطرناک چیز ہے، کتنے عبادت گذار اسی ناز کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ کرامت عطا فرمائی تھی کہ جب وہ اپنی مجلس سے اٹھ کر چلتا تھا تو ابر کا ایک ٹکڑا اس پر سایہ کر لیتا تھا، اس سایہ میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جاتا تھا، ایک گنہ گار نہایت خستہ حال تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ میں نے اپنی ساری عمر تو گناہ اور نافرمانیوں میں گنوا دی اب ان بزرگ کے پاس چلیں شاید ہماری اصلاح ہو جائے، یہ سوچ کر اس عابد کی مجلس میں شریک ہوا، عابد اسکو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا اور سخت سست کہہ کر اس کو اپنی مجلس سے نکال دیا، دوسرے دن پھر حاضر ہوا مگر عابد نے پھر یہی معاملہ کیا، تیسری بار پھر حاضر ہوا پھر عابد نے اس کو بہت ڈانٹا اور تکبر اور عبادت کے غرور میں یہ کہہ دیا کہ تو اس لائق کہاں کہ میری مجلس میں شریک ہو، گنہگار ان باتوں کو سن کر بہت نادم ہوا اور دل سے توبہ استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی عاجزی اور گریہ و زاری کو شرف قبول بخشا اور رحم فرمادیا چنانچہ جو ابر کا ٹکڑا عابد پر سایہ فگن رہتا تھا وہ اس گنہگار تائب پر آ گیا اور وہ اس بادل کے سایہ میں چلنے لگا۔

دیکھا آپ نے کہ کبر و غرور کی وجہ سے عابد کا کیا حشر ہوا کہ اتنی بڑی کرامت سے محروم کر دیا گیا اور گنہگار قصوروار اپنے قصور کے اعتراف اور توبہ

واستغفار کی وجہ سے آن کی آن میں اتنی بڑی کرامت سے نوازا گیا، بات یہ ہے کہ وہ عابد تو تھا مگر عارف نہ تھا، خدا پرست نہ تھا بلکہ عبادت پرست تھا، جس کا یہ نتیجہ ملا، اسی لئے کہا گیا کہ جو عاصی اپنے گناہوں کی وجہ سے سرنگوں و شرمسار ہو اس عابد سے بہتر ہے جو مدعی و متکبر ہو۔

یاد رکھو! یہ خیال بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ آدمی کو اپنی خستہ حالی اور گناہوں پر ندامت ہو اور اصلاح کی فکر غالب ہو، زندگی اصل سرمایہ اور پونجی ہے جو ضائع ہوتی چلی جارہی ہے، یہ زندگی ہمیں اس لئے دی گئی تھی کہ ہم اللہ کی بندگی اور عبادت کریں، نماز روزہ عبادت ہے، زکوٰۃ دینا بھی عبادت ہے لیکن یہ ساری چیزیں اسی وقت عبادت ہوسکتی ہیں جبکہ قانون شریعت کے مطابق ہوں حتیٰ کہ بشری تقاضے کے مطابق جو کام کئے جاتے ہیں مثلاً کھانا، پینا اور استنجا کرنا یہ بھی اگر سنت کے مطابق ہوں تو عبادت شمار ہوتے ہیں، غرض مؤمن کا سارا ہی کام شریعت و سنت کے مطابق انجام دینے سے عبادت بن جاتا ہے، اس لئے ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی سعی کرنی چاہئے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ داہنے پاؤں سے مسجد میں داخل ہونا یہ سنت ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی، پس اگر کوئی سو مرتبہ ہوا پر اڑتا ہو تو وہ اس شخص کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جس نے ایک سنت پر عمل کیا کیونکہ سنت پر عمل کرنے سے اللہ کا قرب بڑھ جاتا ہے، اللہ سے محبت میں ترقی ہو جاتی ہے اور آدمی اللہ کا دوست ہو جاتا ہے، اور ہوا پر اڑنے سے قرب

الی اللہ میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا، چڑیا بھی تو ہوا میں اڑتی ہے تو کیا یہ اس کے قرب الی اللہ کی دلیل ہے؟

پس سمجھ لینا چاہئے کہ اصل کرامت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت حاصل ہو اور سنت کے مطابق زندگی گذارے اور آدمی اپنے سارے معاملات میں، شادی غمی میں، لینے دینے میں، سونے جاگنے میں، تجارت و زراعت میں، محبت و عداوت میں، غرضیکہ ساری چیزوں میں اپنی مرضی کو چھوڑ دے اور اللہ ورسول کی مرضی میں فانی ہو جائے اور ہر وقت یہ سوچتا رہے اور اس فکر کو اپنے اوپر غالب کرلے کہ ہم کو خدا کے سامنے جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، اس چیز کا جتنا زیادہ یقین ہوگا اسی قدر ایمان میں قوت ہوگی، ایمان یقین ہی کا نام ہے اسی یقین کو بڑھانے کا حکم اس آیت میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ ورسول پر ایمان لانے میں ثابت قدم رہو یعنی اپنے ایمان پر قائم رہو، اور ایک مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ ورسول پر ایمان کو بڑھاؤ اور اپنے ایمان میں ترقی کرو۔

ایمان و یقین کے بہت سے مراتب ہیں جن کو مؤمن طے کرتا ہے اور اس طرح بتدریج اپنے ایمان میں ترقی کرتا ہے، جو آدمی اللہ اللہ کرتا ہے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، اللہ کو یاد کرتا ہے، بزرگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے دل سے گناہوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور ایمان و یقین کے نور سے اس کا

قلب منور ہو جاتا ہے اور اس کو حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے، اس موقعہ پر ایک بات یاد آگئی تو عرض کرتا ہوں، غور سے سنئے، دل کے زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ طاعت سے خوشی ہو اور معصیت سے ندامت اور شرمندگی ہو، نبی کریم ﷺ اس کی خاص طور پر دعا فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دعا میں فرماتے ہیں ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَ اِذَا اَسَاءُوْا اِسْتَغْفَرُوْا '' یا اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجئے کہ جب نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو (نادم ہوں اور) مغفرت چاہیں۔

آخرت کا یقین اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ایسی چیز ہے جس سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اسی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اس میں ایمان والوں کو خطاب ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے لئے اس نے کیا عمل کیا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس مضمون کو بیان فرمایا ہے، ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا (یعنی کامل تقویٰ اور کامل اسلام پر تادم مرگ قائم رہنا)

میں کہا کرتا ہوں کہ جس طریقہ سے ایک آلہ ہوتا ہے تھرما میٹر، وہ

بتادیتا ہے کہ آدمی کو کتنے ڈگری بخار ہے، اسی طرح اگر کوئی آلہ ہو تو ہم دیکھ لیں کہ ہمارے دل کے اندر اللہ کا کتنا خوف اور کتنی محبت ہے۔

سنئے جب دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے تو بندہ نافرمانی چھوڑ دیتا ہے اور اگر بشریت سے کبھی خطا ہو جائے تو نادم و شرمندہ ہوتا ہے روتا گڑگڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، اس کی زندگی بے کیف ہو جاتی ہے بندہ سے جب گناہ ہو جاتا ہے پھر وہ نادم و شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

یاد رکھئے! گناہ اور نافرمانی کر کے کبھی فلاح نہیں مل سکتی ہم قرآن کو دیکھیں اور اس میں تفکر اور تدبر کریں کہ امم سابقہ کا اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے کیا انجام ہوا، کیا کچھ نہیں ہوا، صورتیں مسخ کر دی گئیں، بندر، سور بنادیئے گئے، زمین میں دھنسا دیئے گئے، آسمان سے پتھر برسائے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو قرآن میں اسی لئے بیان فرمایا ہے کہ ان کو سن کر امت محمدیہ سبق حاصل کرے اور عبرت پکڑے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ اللہ تعالیٰ خود فرمارہے ہیں کہ ان واقعات میں عقل مندوں کے لئے عبرت ہے لہٰذا ہم کو چاہئے کہ عبرت حاصل کریں، اللہ کی نافرمانی چھوڑ دیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری زندگی تقویٰ کی زندگی ہو جائے، تقویٰ ہی اختیار کرنے سے آدمی اللہ کا دوست ہو جاتا ہے اور اللہ والا بن جاتا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

دیکھئے! اولیاء اللہ کی یہ صفات بیان کی جارہی ہیں کہ ان کو ایمان کامل حاصل ہوتا ہے اور وہ لوگ متقی ہوتے ہیں یعنی وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں، اور عبادت کر کے بھی خوف زدہ رہتے ہیں کہ پتہ نہیں کیا حشر ہوگا، ان کی نظر اپنی عبادت پر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی عبادت پر بھی اس وجہ سے نادم ہوتے ہیں کہ اس کو حق تعالیٰ کی شایان شان نہیں پاتے اسی بنا پر

وہ اپنی عبادت پر بھی استغفار کرتے ہیں اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کے لائق ہم عبادت نہیں کر سکے اس لئے آپ معاف فرمایئے اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادت کو اپنے فضل و کرم سے شرف قبول عطا فرمایئے۔

اب دیکھئے کہ ہم میں اور ان میں کتنا فرق ہو گیا کہ وہ تو عبادت کر کے ڈرتے اور روتے تھے اور ہم نافرمانی کر کے مطمئن ہیں اور ہنستے ہیں، اگر اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر ہو تو یہ کیفیت نہ ہو بلکہ زندگی تبدیل ہو جائے صحیح معنوں میں مؤمن وہی ہے جو فرماں بردار ہو اور احکام شرعیہ کے سامنے گردن جھکادے اور چون وچرا کو چھوڑ دے، اللہ و رسول کے فیصلے پر راضی رہے، مؤمن کی یہی شان ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ یعنی جس چیز کا رسول تم کو حکم کریں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری چال چلو اللہ تم کو محبوب بنالے گا۔

ایک نسخۂ کیمیا

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آیئے ہم آپ کو ایک نسخۂ کیمیا بتائیں وہ یہ ہے کہ ہم جو بھی کام کریں اس میں

سنت کا لحاظ کریں، مثلاً جب کھانا کھائیں تو اکڑو بیٹھ کر یا ایک پاؤں کھڑا کر کے کھائیں یہ سمجھ کر کہ یہ سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی، اسی طرح جب سونے کے لئے لیٹیں تو دائیں کروٹ پر لیٹیں کہ یہ سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی، اور مسجد میں دائیں پیر سے داخل ہوں اور بائیں پیر سے نکلیں اور استنجاء خانہ میں بائیں پیر سے داخل ہوں اور دائیں پیر سے نکلیں یہ قصد کر کے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی، اسی طرح ہر کام کو اس استحضار کے ساتھ کریں کہ یہ اللہ کے محبوب ﷺ کی سنت ہے، چند روز کوئی اس طرح کر کے دیکھ لے اگر وہ صاحب نسبت نہ ہو جائے تو میرا ذمہ ہے ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ تم میری چال چلو، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا ہر کام یعنی اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، رہنا سہنا، ملنا جلنا، لینا دینا، سب سنت کے مطابق ہونا چاہیے۔

قبولیت عمل کی دو شرطیں

بزرگوں نے فرمایا ہے اور میں اس کو برابر بیان کیا کرتا ہوں کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور دوسرے یہ کہ اللہ ہی کے لئے ہو، یعنی اس میں اخلاص ہو، پس جو کام سنت کے مطابق نہ ہوگا وہ بھی قبول نہ ہوگا اور جس عمل میں اخلاص نہ ہوگا وہ بھی قبول نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ اے لوگوں! یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک و ریا سے) خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔

سنئے! علماء کرام کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ شریعت کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اللہ

ورسول کے احکام بتلاتے ہیں، لوگوں کو عمل کی دعوت دیتے ہیں اور صوفیاء کرام اعمال کو خالص اللہ کے لئے بناتے ہیں اور اس کے طریقے بتلاتے ہیں، نفوس کا تزکیہ فرما کر اخلاص پیدا کرتے ہیں یہی ان کا منصب ہے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ جب ہم مؤمن ہیں تو ہم کو چاہئے کہ اللہ سے ڈریں مؤمن کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے، اللہ کی نافرمانی سے بچے، کبائر سے اجتناب کرے اور صغائر سے بھی بچنے کی کوشش کرے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب دل میں اللہ کا خوف ہوگا اور اس کے سامنے پیشی کا استحضار ہوگا، چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اسی امر کی جانب متوجہ فرما رہے ہیں کہ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے، یہی مراقبہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ ہم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اور خدا کے سامنے کیا چیز لے کر جائیں گے؟

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے احوال و کیفیات میں یوں تو ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن سب کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا، حق تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئی محض ہونا، ان سب چیزوں کا پورا پورا یقین ان کو حاصل تھا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ دنیا فانی ہے، مٹ جانے والی ہے اور آخرت باقی ہے، اس بنا پر وہ ہر وقت آخرت کی تیاری میں لگے رہتے تھے۔

اکابر امت اور بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ سلف صالحین کے بعد اس امت سے سب سے پہلے جو چیز رخصت ہوئی وہ آخرت کا یقین ہے، آج یہی یقین کمزور ہو گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ آخرت کی طرف سے غافل ہو گئے ہیں اور دنیا میں ایسا منہمک ہیں کہ آخرت ان کو بھول کر یاد نہیں آتی، اسلاف کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آخرت ہر وقت ان حضرات کے سامنے رہتی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ایک نواب صاحب آئے اور انہوں نے ایک بہت قیمتی لباس حضرت کو پیش کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کو میں کسی کو نہیں دوں گا اس کو صرف اپنے لئے رکھوں گا، اتنے میں ایک صاحب آئے اور رو کر کہنے لگے کہ میں مفلس آدمی ہوں، میری دو لڑکیاں جوان ہو چکی ہیں ان کی شادی کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، کیسے انتظام کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی میرے پاس اور تو کچھ نہیں ابھی ایک شخص نے ایک عبا پیش کیا تھا لاؤ اسی کو دے دوں، چنانچہ دے دیا۔

حضرت کے وہاں یہ بھی معمول تھا کہ جو بڑے بڑے لوگ وہاں موجود رہتے تھے وہ اس قسم کی چیزیں تبرکاً خرید لیا کرتے تھے، چنانچہ ایک بڑے رئیس نے اس عبا کو ایک ہزار روپیہ دے کر خرید لیا، اس نے بڑی خوشی سے وہ عبا دے دیا اور روپیہ لے کر چلا گیا، کسی خادم نے اس کے جانے کے بعد حضرت سے پوچھا کہ ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس عبا کو میں کسی کو نہ دوں گا صرف

اپنے لئے رکھوں گا پھر آپ نے اس کو کیوں دے دیا؟ فرمایا کہ ارے بھائی تم نے نہیں سمجھا، رکھ تو لیا، اللہ کے یہاں جمع ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّ اَعْظَمَ اَجْراً﴾ اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

اسی طرح یہ آیت ہے ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ یعنی تمہارے پاس والی سب چیزیں فانی ہیں اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔

آخرت کا توشہ سفر سے پہلے جاتا ہے

سنئے! سفر دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو دنیا کا سفر ہے اور ایک آخرت کا سفر ہے، دنیا کے سفر میں تو آدمی زادِ راہ اور راحت کا سامان ساتھ لے کر جاتا ہے اور آخرت کے سفر میں زادِ راہ پہلے ہی بھیج دیا جاتا ہے، دنیا سے کچھ بھی ساتھ لے کر نہیں جاتا بلکہ جاتے وقت بالکل خالی ہاتھ ہوتا ہے، مطلب یہ کہ جو کچھ نیکی دنیا میں کر چکا ہوتا ہے وہی وہاں کام آوے گی، اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمارہے ہیں ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّ اَعْظَمَ اَجْراً﴾ یعنی جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے یہاں پہنچ کر اس سے بہتر اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ یعنی جو تمہارے پاس ہے وہ مٹ جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

آخرت کی راحت کا سامان

یہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی مگر عمل صالح اور اس کا ثواب باقی رہے گا پس انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل صالح کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے، قیامت کے لئے کچھ سامان مہیا کرے تاکہ وہاں پہنچ کر راحت پائے، قیامت میں یہی نیکیاں کام آئیں گی، عمل صالح کام آئے گا اور کچھ بھی کام نہ آئے گا، نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی، نہ اقربا کام آئیں گے نہ احباب کام آئیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ یعنی وہ دن ایسا ہوگا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد، مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا۔

قلب سلیم وہ قلب ہے جس میں روگ نہ ہو، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے قلب سلیم کا ترجمہ یہ فرمایا ہے کہ ایسا دل جو نروگا ہو، مطلب یہ کہ رذائل سے پاک ہو، بھائی جس طرح جسمانی بیماری ہوتی ہے اسی طرح بہت سی روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انسان کا قلب مریض ہو جاتا ہے اور اس کو علاج کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً کبر، ریا، حب جاہ، حب مال، طمع، حرص، حسد، کینہ، بغض، یہ سب قلب کے امراض اور روحانی بیماریاں ہیں ان سے قلب کا پاک کرنا ضروری ہے، جس قلب میں یہ امراض نہ ہوں اسی کو قلب سلیم کہا جاتا ہے۔

انسان رذائل اور فضائل کا مجموعہ ہے اس کے اندر دونوں ہی قسم کی

استعداد رکھی گئی ہے اور اس کو اس بات کا مکلّف کیا گیا ہے کہ رذائل کو دور کرے اور فضائل کو اپنے اندر پیدا کرے، فضائل سے مراد وہ اخلاق حسنہ ہیں جن کو مؤمن کے قلب کے اندر ہونا چاہئے مثلاً تواضع، صبر، شکر، توکل، تسلیم، رضا وغیرہ، یہ سب اخلاق حسنہ ہیں ان کو دل کے اندر پیدا کرنا چاہئے اور رذائل سے قلوب کا تزکیہ کرنا چاہئے، قلوب کا تزکیہ بھی ایک اہم مقصد ہے، قلوب کو پاک کرنے ہی کے لئے حضور اقدس ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یعنی وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی نظر میں وہ تاثیر تھی کہ جس پر ایک نظر پڑی اس کا حال بدل گیا، چنانچہ عقائد کا یہ مسئلہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد جس نے حضور اقدس ﷺ کو ایک نظر دیکھ لیا وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ بعد کا بڑے سے بڑا قطب اور غوث بھی اس کے مرتبے کو نہیں پا سکتا، بات یہ ہے کہ جس درجہ کا تزکیہ ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے اللہ کے وہاں مرتبہ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ

سے بڑھ کر کس کا تزکیہ ہوسکتا ہے اسی بنا پر صحابہؓ کو جو مقام ملا وہ بعد والوں کو نہیں مل سکتا جس طرح نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوگیا اسی طرح آپؐ کے بعد اب قیامت تک صحابیت کا مقام بھی ختم ہوگیا کوئی ولایت کے بڑے سے بڑے درجے پر بھی پہنچ کر ادنیٰ صحابی کے برابر تو کیا اسکی خاکِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا اب کوئی وہ نظر وہ تاثیر اور وہ تزکیہ کہاں سے لا سکتا ہے۔

الغرض قلوب کا تزکیہ بھی ایک اہم مقصد ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان کے نائبین اولیاء کرام اور بزرگان دین اس خدمت کو انجام دیتے ہیں، اللہ والوں کی نگاہ میں بھی بڑی تاثیر ہے، بسا اوقات اللہ والوں کی ایک نگاہ سے انسان کامیاب ہو جاتا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے ہمارے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ اسی موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

سحر میں سامری کے کیا قدرت　　　تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

اللہ والوں کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے ان کے پاس بیٹھ کر قلوب بدل جاتے ہیں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، نفس کے رذائل مٹنے لگتے ہیں، اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ کل کے لئے اس نے کیا سامان کیا ہے اور قیامت کے لئے اس نے کیا تیاری کی ہے؟

ہم سوچیں، سمجھیں، محاسبہ کریں اور غور سے کام لیں کہ ہماری زندگی کس طرح گذر رہی ہے، ہم نے اپنی عمر طاعت میں گذاری یا نافرمانی میں؟ اب

جو زندگی باقی ہے اس کو دیکھیں، آئندہ کے لئے عہد کریں کہ اللہ کی فرماں برداری کریں گے حضور اقدس ﷺ کی مرضی پر چلیں گے، گناہوں سے بچیں گے، تھوڑی زندگی جو رہ گئی ہے اسے کام میں صرف کریں گے، صحیح مقصد میں لگائیں گے۔

یہ زندگی اسی لئے دی گئی تھی کہ ہم اس کو کامیاب زندگی بنادیں اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں، ایمان کے بعد عمل کا درجہ ہے اور عمل کے لئے علم کی ضرورت ہے، بغیر علم کے نہ جائز کا علم ہوگا نہ ناجائز کا، نہ حلال کا علم ہوگا نہ حرام کا، اسی لئے بقدر ضرورت علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ تو حدیث ہی ہے کہ ”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ“ یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) پر فرض ہے۔

تو علم بھی ضروری ہے اور اس کے بعد عمل کی بھی ضرورت ہے کیونکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے، پھر اس کے اندر اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے اخلاص ہی کے اعتبار سے عمل کے مراتب قائم ہوتے ہیں چنانچہ اسی اخلاص کے اعتبار سے عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے اور صحابی کا ایک مُد جَو جس کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا غیر صحابی کے اُحد پہاڑ کے برابر سونے سے بڑھ کر ہے، یہ فرق اخلاص ہی کی وجہ سے ہے، پس ہم کو چاہئے کہ علم بھی حاصل کریں اور عمل صالح بھی اختیار کریں اور

اعمال میں اخلاص کا اہتمام کریں اور یہ سوچیں کہ قیامت کے لئے کیا سامان کیا ہے، کتنی نیکیاں جمع کی ہیں وہاں جا کر ایک ایک نیکی کی بڑی قدر ہو گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ یعنی سو جس شخص کا (ایمان کا) پلہ بھاری ہو گا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا (ایمان کا) پلہ ہلکا ہو گا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، نیز ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا۔

چاہئے کہ اس مضمون کا مراقبہ برابر کرتے رہیں اور اس کو دھیان میں رکھیں کہ ذرہ برابر نیکی کا بدلہ بھی ملے گا، اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ بھی ملے گا، آدمی کا ہر عمل محفوظ کیا جا رہا ہے، اس کے لئے فرشتے مقرر ہیں جو ہمارے ہر عمل کو لکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے، قرآن پاک میں ہے ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ اور تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہوں گے آگے اس کا

ثمرہ مذکور ہے کہ) نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار کافر لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا فرمایا ہے، جو شخص جنت کے اعمال کرے گا وہی اس میں داخل ہو گا، جنت بھی مفت سفت نہیں ملے گی اس کے لئے بھی کچھ کرنا ہو گا، آزمائش اور امتحان سے بھی گذرنا ہو گا، خوب سمجھ لیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَّسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُاللّٰهِ اَلاَ اِنَّ نَصْرَاللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ دوسری بات سنو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہوں گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز ان لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو اُن کے ہمراہ اہل ایمان تھے (بے قرار ہوکر) بول اٹھے کہ اللہ کی امداد موعود کب ہو گی؟ (جس پر ان کو جواب سے تسلی کی گئی کہ) یاد رکھو! بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہونے والی ہے۔

مؤمن کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے، یہ دنیا اور دنیا کی تکلیف چند روزہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلاَّ مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی تو جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں، صرف ایسی چیز ہے جیسے دھوکے کا سودا ہوتا ہے (جس کی ظاہری آب وتاب دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے بعد میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے، اسی طرح دنیا کی چمک دمک سے دھوکہ کھاکر آخرت سے غافل نہ ہونا چاہئے)

بھائی! ہمیں چاہئے کہ اپنا معمول بنالیں اور کسی وقت بیٹھ کر اپنے عمل کا محاسبہ کریں، مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اگر اچھا پاتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور اگر نقصان و قصور پاتا ہے تو توبہ و استغفار کرتا ہے اور اس بات کی فکر کرتا ہے کہ دوسرے دن اس کی تلافی ہو جائے اسی طرح ہم کو چاہئے کہ روزانہ ہم سوچا کریں کہ آج کے دن ہم نے کتنے گناہ کئے ہیں؟ اور آج ہم نے کتنی نیکیاں جمع کی ہیں؟ بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس فکر میں رہتے ہیں، بہرکیف اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو الحمد للہ شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر گناہ زیادہ ہوں تو رونے کا مقام ہے، توبہ و استغفار کرے، گریہ وزاری کرے، روئے اور گڑگڑائے۔

اگر زندگی کو کامیاب بنانا ہے تو اللہ کا خوف پیدا کریں، اعمال صالحہ میں لگ جائیں، اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں اور اس کو سمجھ لیں

کہ اللہ ہر وقت دیکھ رہا ہے، ہمارے ہر حال سے باخبر ہے، سمیع و بصیر ہے، حاضر وناظر ہے، ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس کی معیت ہر وقت ہم کو حاصل ہے، اللہ والوں کو اس معیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار ان کے لئے تسلی اور سکون کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے اور یہ میرا ہی شعر ہے ؎

معیت گر نہ ہو تیری، تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

قیامت کا دن ایسا دن ہے جس کو سن کر بڑے بڑے لرز جاتے ہیں، اور اس کو یاد کر کے تھرا جاتے ہیں کہ کیسی مصیبت کا دن ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور لوگ تھرا جائیں ہائے ہائے سنئے کیا فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتاً لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (مراد بوجھ سے دفینے اور مردے ہیں) اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟ اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر

(موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کے ثمرات کو دیکھ لیں سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امام نے یہی سورت پڑھی، نماز بعد مقتدی، امام، سب نماز پڑھ پڑھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے مگر ہمارے امام اعظمؒ پر ایسا حال طاری ہوا کہ مسجد ہی میں رہ گئے اور رات بھر اپنی ڈاڑھی پکڑے رو رو کر یہ کہتے رہے کہ اے وہ ذات کہ ذرہ برابر نیکی کا بدلہ نیکی سے اور ذرہ برابر برائی کا بدلہ بدی سے دے گی اس عبد نعمان کو آگ سے بچا لیجئے، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

دیکھئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا کیسا ذکر فرمایا ہے اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ﴾ جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے) اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی (ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا، دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ

سُجِّرَتْ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ وَاِذَا الْمَوْءٗ وْدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ ﴾ جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے (کافر الگ مسلمان الگ پھر ان میں ایک ایک طریقے کے الگ الگ) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟ اور جب نامۂ اعمال کھول دیئے جائیں گے اور جب آسمان کھل جائے گا اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جائے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جائیگی تو اس وقت ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے۔

قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا اس قدر ذکر فرمایا ہے اور جا بجا قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ گویا اس کو سامنے ہی کر دیا، اگر ہم اس میں غور کریں تو ہمارے دلوں میں ضرور خوف پیدا ہو جائے اور ہم خدا کے سامنے پیشی سے ڈر جائیں اور ہمارے اندر اس کی فکر پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑا ہونا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اس آیت میں متوجہ فرمایا ہے کہ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ

مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ہر نفس دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا سامان کیا ہے، اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت یہ دو چیزیں ہیں جن پر کامیابی کا مدار ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ بیشک جو لوگ اپنے رب سے بغیر دیکھے ہوئے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

مؤمن کی کامیابی اسی سے ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ کا خوف پیدا کرے، اور اللہ کی محبت کو سب کی محبت پر غالب کرے، حدیث شریف میں ایمان کامل کا مقام ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماں باپ سے زیادہ، اولاد سے زیادہ، مال سے زیادہ، جان سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو جائے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعاً لِمَا جِئْتُ بِهٖ" یعنی اس وقت تک تم میں کا کوئی مؤمن کامل نہیں ہوتا جب تک اپنی خواہش کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کردے۔

ایمان کامل اسی وقت ہوتا ہے کہ نہ اپنی رائے ہو نہ اپنی پسند ہو، نہ اپنی مرضی ہو، اپنے تمام امور میں شادی غمی، لین دین، تجارت زراعت، غرض ہر چیز میں اللہ و رسولؐ کی مرضی کے مطابق کام کرے، احکام شریعت کے مطابق چلے، تب محبت کامل ہو گی اور ایمان کامل ہو گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ فاروق اعظمؓ درّہ لے کر گھومتے تھے اور یہ اعلان فرماتے تھے کہ مسائل سیکھ لو ورنہ حرام میں مبتلا ہو جاؤ گے، بھائی خرید و فروخت سے متعلق بھی تو مسائل ہیں اگر ان کو آدمی نہیں جانے گا تو حرام میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی، ایک آدمی سو رکعت نفل نماز پڑھے اور دوسرا آدمی ایک مسئلہ سیکھ لے تو یہ اس سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

اس لئے علم کی بھی بہت ضرورت ہے، یہ مدارس اسی لئے ہیں کہ یہاں علم حاصل کیا جاتا ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے، حدیث پڑھی جاتی ہے، مسائل شرعیہ پڑھے جاتے ہیں، فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن حفظ کیا جاتا ہے، اللہ اکبر! حق تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ یعنی ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

وہ وعدہ اسی طرح پورا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں قرآن محفوظ کیا جاتا ہے، ہمارے دینی مدارس میں آپ دیکھتے ہوں گے کہ کہیں حفظ ہو رہا ہے اور کہیں تفسیر پڑھائی جا رہی ہے، اس طرح قرآن پاک کے الفاظ و معانی دونوں کی حفاظت ہو رہی ہے اس لئے اس کو بھی ایک اہم کام سمجھا جائے کہ اپنی ضروریات سے بچا کر مدارس اسلامیہ کی امداد و اعانت کی جائے، یہی مال اللہ تعالیٰ کے وہاں کام آئے گا ورنہ جو کچھ چھوڑ کر جائے گا وہ دوسروں کا ہوگا، معلوم نہیں وہ بھول کر آپ کو یاد کریں یا نہ کریں۔

مال و اولاد ترے قبر میں جانے کے نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کے نہیں
جز عمل گور میں کوئی بھی ترا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبردار نہیں

حضرت سید احمد کبیرؒ رفاعی علماء کو کیسی عمدہ نصیحت فرماتے ہیں۔

علماء کو نصیحت

بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو، احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، لوگوں کو مفتی بن کر احکام بتلاتے ہو، خبردار! چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا دوسروں کو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ (البیان المشید ص/٦٥)

تو بھائی! ہم سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ قیامت کے لئے ہم نے کیا سامان کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دے اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آیئے اب دعا کرلیں۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا وَسَدِّدْنَا، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا وَاغْفِرْلَنَا اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَالْهُدٰى، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم، آمین.

حقوق علم دین

اقتباس

حقیقی علم یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کے مکائد سے واقف ہو جائے، جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوگا آدمی کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ ناتمام علم کی وجہ سے دعویٰ اور پندار میں مبتلا ہو جائے گا جو سخت مضر چیز ہے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا جس میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

ابھی واقف نہیں تو نفس و شیطاں کے مکائد سے
مگر افسوس، کرتا ہے تو دعوائے ہمہ دانی

حضرت والا کا یہ بیان دار العلوم مئو ناتھ بھنجن میں ہوا، اس سے قبل حضرت مولانا عبد الحق صاحب مد ظلہ کا تعارفی بیان ہوا، پہلے وہی تعارفی بیان ملاحظہ فرمائیں۔

تعارف

از مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ ☆ شیخ الحدیث دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڈھ

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ کا کس قدر احسان اور اس کا بے انتہا انعام ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنی عبادت کے لئے منتخب فرمایا، ہمارے وجود کو اپنی عبادت ہی کے لئے بنایا، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

یعنی ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور اطاعت و عبادت کے اوپر ہم سے عہد و پیمان لیا، یہ عہد و پیمان ہمارے لئے کافی تھا پھر مزید کسی اطلاع و خبر کی ضرورت نہیں تھی لیکن حق تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ازل میں عہد و پیمان لینے کے بعد بھی انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے قوانین و ضوابط کی کتابیں بھی نازل فرمائیں تاکہ یاد دہانی ہوتی رہے، اخیر میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے جو خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں، آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد وہ ساری ذمہ داریاں علمائے ربانیین پر عائد ہوئیں، یہ حضرات نائبین رسول ہیں، فرمایا گیا کہ "العلماء ورثة الانبياء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

☆ اب اس وقت دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ بھی بہت بڑا احسان ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کو انسانوں کی ہدایت کے لئے اس عالم میں بھیجتا رہا، آج کا یہ دور جسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ دہریت اور زندیقیت کا دور ہے، مادیت اور الحادیت کا دور ہے، ہر طرف سے ضلالت کی مسموم ہوائیں چل رہی ہیں اور ہر جانب سے مسلمانوں کے دین پر ڈاکہ ڈالنے کی ترکیبیں کی جارہی ہیں ایسے دور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی اپنے کامل بندوں کو ہماری ہدایت کے لئے اس عالم میں رکھا ہے انہیں کاملین میں سے وہ ہستی بھی ہے جو آج یہاں موجود ہے، جن کے نام نامی اسم گرامی سے آپ حضرات خوب واقف ہیں جن کی صداقت اور ولایت پر اور جن کی بزرگی پر اکابر امت نے اتفاق کیا ہے۔

چنانچہ جو ذات گرامی یہاں موجود ہے یعنی بقیۃ السلف، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم ان کے بارے میں ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہ کے عجیب تأثرات ہیں، ان کی ایک کتاب ہے معرفت الٰہیہ، اس کے اندر بڑے عجیب انداز سے حضرت مولانا دامت برکاتہم کا تذکرہ فرمایا ہے، آپ کے اشعار سے بہت ہی محظوظ ہوتے تھے، اور واقعی آپ کے اشعار بہت ہی درد انگیز ہوتے ہیں، آپ کی باتیں نہایت قلب پر اثر کرنے والی ہوتی ہیں، اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارے اندر اس نعمت غیر مترقبہ کو بھیج دیا ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا احسان مانیں اور ان کا شکر ادا کریں کم ہے۔

میرے دوستو اور بزرگو! جب نعمتیں آتی ہیں تو ان کی قدر کرنی چاہئے، ورنہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ نعمتیں چھن جاتی ہیں، یہ اکابر امت ہیں ان کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ لاکھوں انسانوں کو ہدایت مرحمت فرماتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں ان کی قدر دانی کرنی چاہئے، ان کے ایک ایک حرف سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے، ان کی ہر بات سے ہمیں سبق لینا چاہئے، یہ حضرات ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔

میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا اس لئے کہ وقت بہت تھوڑا ہے، اب میں اپنے مقدس اور بزرگ حضرت مولانا دامت برکاتہم سے درخواست کروں گا کہ حضرت مولانا تشریف لے آئیں اور اپنے کلمات عالیہ سے ہم مسلمانوں کو مستفید فرمائیں۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے کہیں برابر ہوتے ہیں؟

حضرات! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ کی بستی میں میرا آنا ہوا، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، شیخ الحدیث سے میری بہت پرانی محبت ہے، حضرت مولانا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ گھوسی سے واپسی پر ہمارے یہاں (یعنی مئوناتھ بھنجن) آجائیں اور کم از کم ایک روز ضرور قیام کریں، اس لئے ان کی خاطر آج صبح یہاں حاضر ہوا، دارالعلوم میں کبھی نہیں آیا یہ پہلی مرتبہ حاضری ہوئی ہے آپ حضرات کی ملاقات سے میرا دل مسرور ہوا، آپ

لوگوں کے تعلق و محبت اور حسن سلوک کا میرے دل پر بہت اثر ہے، آپ نے بہت بڑا اعزاز مجھے بخشا، میں اس قابل نہیں، میں اس کا اہل نہیں میں اپنی حقیقت کو جانتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور ہر گز اس لائق نہیں کہ آپ ایسے اہل علم کے سامنے کچھ بولوں، یہ بڑی جسارت ہے اس لئے کہ نہ میرے اندر علم ہے نہ عمل ہے، ہاں بزرگوں کا ارشاد ہے اور ان کا حکم ہے اس لئے ان کے حکم کی تعمیل میں کچھ بول دیتا ہوں، یہ دارالعلوم حقیقت میں کیا ہے، ہم لوگ سمجھ لیں اور اس میں غور کریں کہ اس کی حقیقت اور روح کیا ہے۔

دارالعلوم روح کے جلنے کا نام ہے

دارالعلوم دل کے پگھلنے کا نام ہے

کیوں؟ اس لئے کہ یہاں علم حاصل کریں گے اور علم سے اصل مقصود یہ ہے کہ اس پر عمل کریں اور اپنے دل میں اللہ کی معرفت اور محبت پیدا کریں اور اپنی روح کو عشق الٰہی سے تازہ کریں جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت میں دل جل کر کباب نہ ہو جائے زندگی سے کیا حاصل؟

علم سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہونی چاہئے چنانچہ مدرسہ نظامیہ جو بغداد میں قائم تھا اور کسی وقت وہاں امام غزالی، شیخ سعدی شیرازی جیسے حضرات پڑھتے تھے، ایک دن خلیفۂ وقت دارالعلوم نظامیہ میں آئے اور تمام طلباء سے الگ الگ دریافت کیا کہ تم علم کس لئے حاصل کر رہے ہو؟ ہر ایک نے اپنا اپنا مقصد بیان کیا، کسی نے کہا کہ ہمارے والد قاضی تھے، ہم

اس لئے پڑھ رہے ہیں تاکہ ہم کو بھی عہدۂ قضامل جائے، کسی نے کہا ہمارے والد مفتی تھے، ہم اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ہم کو یہ منصب حاصل ہو جائے، غرض سب نے اسی طرح کے مقاصد بتلائے، خلیفۂ وقت بہت ہی مایوس ہوا کہ یہ سب دنیا کے لئے پڑھ رہے ہیں اور ہم نے تو مدرسہ اس لئے کھولا تھا کہ علم دین اللہ کے لئے پڑھا جائے اور لوگ علم دین حاصل کر کے آخرت کو درست کریں، آخر میں دیکھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک گوشہ میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے ان کے پاس بھی جاکر خلیفہ نے پوچھا کہ میاں صاحب زادے! تم کس لئے پڑھ رہے ہو؟ اور علم حاصل کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ فرمایا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا مالک اور خالق اللہ ہے، ہم اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ اس کی مرضیات کا ہم کو علم ہو اور ہم کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں تاکہ اس کو ہم اختیار کریں اور وہ کس چیز سے ناراض ہوتے ہیں تاکہ اس کو ہم ترک کر دیں، اس طرح مرضیات پر عمل کر کے اور نامرضیات سے اجتناب کر کے اپنے مالک حقیقی کو راضی کریں، خلیفہ ان کے جواب سے بہت خوش ہوا اور ان کو بہت داد دی اور یہ کہا کہ تم واقعی طالب علم ہو، اب تو بس تمہارے ہی لئے اس مدرسہ کو جاری رکھوں گا ورنہ اور لوگوں کی نیات کو سن کر میں نے آج مدرسہ ختم ہی کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

ہمارے اسلاف کیسے تھے اور طلبہ کیسے تھے اور کس طرح وہ علم حاصل

کرتے تھے، اس کو معلوم کرنے کے لئے اکابر کی سیرت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسی سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک علم کی کس قدر عظمت اور کتنی قدر و منزلت تھی، جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں، تو ظاہر ہے کہ علم کا مقام کتنا بلند ہوگا۔

ہمارے اکابر اس مقام کو پہچانتے تھے اور اس کی قدر جانتے تھے، اس لئے اہل علم کے ساتھ اسی کے مناسب معاملہ فرماتے تھے، اللہ اکبر! ان کے نزدیک استاد کا وہ احترام تھا اور وہ ادب تھا کہ جس سے ایک دن بھی سبق پڑھ لیا اس کا بھی بے انتہا احترام کرتے تھے۔

استاد کا احترام

ایک بزرگ ہیں جو بہت بڑے عالم تھے اور بہت بڑے اللہ کے ولی بھی تھے ان کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی سواری سے جارہے تھے، ان کے ساتھ کوئی اور عالم بھی تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک نابینا شخص جارہے ہیں، ان کے ساتھ ایک لڑکا ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جارہا ہے ان نابینا کو دیکھ کر وہ بزرگ جو بہت بڑے عالم تھے سواری سے اتر گئے، ان کے ساتھی نے کہا کہ حضرت کیا بات ہے، آپ کیوں اتر رہے ہیں؟ فرمایا کہ اس وقت مجھے پیدل چلنے دیجئے پھر سوار ہو جاؤں گا، چنانچہ سواری سے اتر کر نابینا کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگے اور جہاں تک ان کا ساتھ رہا پیدل چلتے رہے، جب ان کا راستہ

الگ ہونے لگا اور وہ اپنے راستہ پر مڑنے لگے تو ان کو رخصت کیا اور کچھ ہدیہ بھی پیش فرمایا پھر آکر جب اپنی سواری پر بیٹھے تو دوسرے عالم جو پہلے سے ان کے ساتھ بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا کہ آخر یہ نابینا کون صاحب تھے کہ آپ نے اتنے بڑے عالم اور اتنے بڑے بزرگ ہوتے ہوئے اس قدر ان کا اکرام کیا کہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور دور تک ان کے ساتھ پیدل چلتے رہے، پھر اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو رخصت کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک دن ان سے سبق پڑھا تھا اس لئے یہ میرے استاد ہوئے ان کے ادب کا یہ تقاضا ہوا کہ ان کے ہوتے ہوئے میں سواری پر نہ چلوں بلکہ اتر کر پیدل چلوں اس لئے میں اتر گیا اور ان کے اکرام میں ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلا۔

سبحان اللہ! یہ احترام تھا استاد کا، طالب علم اگر واقعی استاد کا ادب اور احترام کرے تو اس کو حقیقی علم حاصل ہو لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ طالب علم اساتذہ کا ذرا بھی احترام واکرام نہیں کرتے، اسی وجہ سے حقیقی علم سے بھی محروم رہتے ہیں، علم کو اس لئے حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ راضی ہو جائے، علم اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے آگے دنیا ومافیہا سب ہیچ ہیں، جس کو قرآن کا علم حاصل ہو گیا، جس نے حدیث پاک کا علم حاصل کر لیا اس نے بہت بڑی دولت کما لیا، بہت بڑی چیز حاصل کر لیا، جن کو اللہ نے یہ دولت عطا فرمائی ہے انہیں اس کی بڑی قدر کرنی چاہئے۔

خلیفہ ہارون رشید کے دونوں بیٹے امین اور مامون کو قاضی یحییٰ پڑھاتے

تھے، ایک دن استاد جب پڑھا کر اٹھے تو دونوں لڑکے ان کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے لپکے، ہر ایک چاہتا تھا کہ میں ہی سیدھا کروں، قاضی صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں ایک ایک جوتا سیدھا کردیں چنانچہ اس پر صلح ہوگئی، کئی دن کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے قاضی یحیٰی کو کھانے پر مدعو کیا اور وہیں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ قاضی صاحب اس وقت سب سے زیادہ عزت اللہ تعالیٰ نے کس کو بخشی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہی کو بخشی ہے اس لئے کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، خلیفہ نے جواب دیا کہ آپ کا جواب صحیح نہیں ہے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ پھر آپ ہی بتایئے کس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عزت بخشی ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ آج اس شخص کو سب سے زیادہ عزت اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے خلیفۂ وقت کے لڑکے آپس میں جھگڑا کرتے ہیں اور پھر اس پر صلح ہوتی ہے کہ دونوں ایک ایک جوتا سیدھا کریں۔

علم کا مقام نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور علم بہت بڑی دولت ہے مگر ہاں اس نیت سے علم حاصل کریں کہ ہم کو عمل کرنا ہے اور اپنی زندگی کو سنوارنا ہے، کتاب وسنت کے مطابق زندگی گذارنا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، آج ہم دنیا کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آگیا وہ فرماتے ہیں کہ بھائی عجیب بات ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر لوگ بھائی بند کو

راضی کرتے ہیں، برادری کو راضی کرتے ہیں حتیٰ کہ پرجوں کو راضی کرتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرتے ہیں، خدا ناراض ہو جائے تو پروا نہیں، رسول ناراض ہو جائے تو پروا نہیں، قرآن و حدیث کے خلاف کریں کچھ پروا نہیں، ہمارا عجیب حال ہے ایسے کام جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ناجائز قرار دیا ہے اس کو ہم کریں پھر بھی مطمئن رہیں، کس قدر تعجب کی بات ہے، چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی پر عمل کریں، اللہ اور رسول ﷺ کے حکموں پر چلیں اپنی زندگی کو شریعت کے سانچہ میں ڈھال دیں، عقائد میں، عبادات میں، معاملات میں، معاشرت میں اور اخلاق میں، الغرض اپنے تمام حالات میں ہم نمونہ بن جائیں محمد رسول اللہ ﷺ کے۔

علم حاصل کرنا ضروری ہے اور علم بہت بڑی دولت ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ آپ کہہ دیجئے کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں؟

علماء کی شان استغناء

پہلے زمانہ کے طلبہ فاقہ کر کے علم حاصل کرتے تھے، طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے، چنانچہ ہمارے اس آخری دور کے ایک بہت بڑے بزرگ اور بہت بڑے عالم گذرے ہیں حضرت مولانا شاہ مملوک علی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ جب دلی میں علم حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں تو اس زمانہ میں دو پیسے میں دونوں وقت گوشت روٹی لوگ کھالیا کرتے تھے لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ عسرت کی وجہ سے پھر بھی فاقہ ہو جایا کرتا تھا، مگر کسی سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ جب بھوک زیادہ محسوس ہوتی تو بازار میں سبزی فروش ترکاریاں بیچتے تھے اور فاضل پتوں کو توڑ توڑ کر پھینک دیا کرتے تھے مولانا وہاں جاکر انہیں پتوں کو اٹھالایا کرتے تھے اور اس کو چاقو سے کاٹ کر، نمک ڈال کر اباں کر کھالیا کرتے تھے ان کے استغناء کا یہ عالم تھا تب ان کو علم آیا، ان کے قلب کے اندر خشیت پیدا ہوئی، اللہ کا خوف پیدا ہوا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ہندوستان کے بڑے بڑے اکابر علماء و مشائخ ان کے شاگرد ہوئے۔

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ اکثر طالب علمی کے زمانہ میں ان کے پاس چراغ بھی نہیں رہتا تھا کہ کتابوں کا مطالعہ کریں تو سڑک پر کھڑے ہو کر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس میں کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اسی طرح مطالعہ دیکھتے ہوئے رات گذر جاتی تھی۔

ایک دن شاہزادے کی سواری چلی آرہی تھی اور شاہی چوبدار آگے آگے ہٹو بچو کہتے ہوئے چلے آرہے تھے، وہ کتاب کے مطالعہ میں ایسا مشغول تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے ان کے قریب جاکر ڈانٹ کر کہا کہ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ نہیں دیتے

ہو، انہوں نے جواب دیا کہ ہوں گے تمہارے شہزادے میرے نزدیک وہ کچھ بھی نہیں، ابھی اگر کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

علم کا وہ نشہ تھا کہ اسی میں وہ مست رہا کرتے تھے اور سب سے بڑی دولت اسی کو سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ سب سے مستغنی رہتے تھے اور واقعی علم ایسی ہی دولت ہے کہ جس کو قرآن وحدیث مل جائے وہ سب سے مستغنی ہو جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کو قرآن کی دولت دی گئی اور پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو للچائی نگاہ سے دیکھا تو اس نے بہت بڑی نعمت کی ناقدری کی، اللہ کے کلام کی عظمت نہیں کی، جس کو اللہ تعالیٰ قرآن دے دیتا ہے اس کا دل مستغنی ہو جاتا ہے، اللہ کے ساتھ اس کا تعلق قوی ہو جاتا ہے، لہٰذا علم دین حاصل کریں اور پھر اس پر عمل بھی کریں، علم سے مقصود عمل ہی ہے جس علم پر عمل مرتب نہ ہو اس علم سے کیا فائدہ؟

پہلے زمانہ کے اساتذہ ایسے ہوا کرتے تھے کہ طالب علم ان سے علم بھی حاصل کرتے تھے اور ان کے فیض صحبت سے وہ پڑھنے کے بعد ہی اللہ کے ولی ہو جایا کرتے تھے، ان کی زندگی عملی زندگی تھی، وہ عمل کرتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، اللہ کا خوف ان کے اندر تھا، اللہ کی محبت ان کے دل میں تھی اس لئے ان کے ساتھ رہ کر طلبہ پر یہ اثر پڑتا تھا کہ ان کے اندر بھی یہ صفات پیدا ہو جاتی تھیں۔

بھائیو! ہم لوگ کسی وقت سوچیں اور غور و فکر سے کام لیں کہ یہ

زندگی ہم کو کیوں دی گئی ہے، اس کا کیا مقصد ہے؟ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو ہمیں کامیاب بنانا ہے اور کامیاب زندگی اسی وقت ہوگی جب اللہ ورسول کی مرضی میں ہم فانی ہوں گے اور اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں گے۔

ہمارے اکابر کا یہ حال تھا کہ اللہ کا خوف ان کے اندر تھا، وہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے تھے، وہ اللہ کی محبت میں سرشار رہتے تھے، ان کی زندگی پاکیزہ زندگی تھی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ یعنی جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ہم اس کو خوش گوار زندگی عطا کریں گے۔

حیات طیبہ کہتے ہیں مزیدار اور لطف کی زندگی کو، ایسی زندگی مؤمن کو دنیا ہی میں ملتی ہے اور برزخ میں اور ترقی ہو جاتی ہے اور اس کا اعلیٰ مقام تو جنت ہی میں ہے دنیا میں رہ کر اللہ ورسول کی اطاعت کرنا اور جو کچھ میسر آئے اس پر قناعت کرنا، معروف پر عمل کرنا، منکرات سے بچنا، اسی میں حیات طیبہ ہے، پس ہمیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

علم اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اللہ کی مرضی کا علم ہو جائے اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کریں، ایمان والوں کا یہی مقام ہے کہ معروف کو اختیار کریں اور منکر کو ترک کریں، اللہ تعالیٰ مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ فرمارہے ہیں کہ اے امت محمدیہ! تم لوگ (سب اہل مذاہب سے) اچھی جماعت ہو (مطلب یہ کہ تم جب خیر الامم ہو تو تمہیں اس کی لاج رکھنا ہے، آگے ان کا وظیفہ ذکر فرماتے ہیں کہ) تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

پس ہم کو دیکھنا ہے کہ ہم اپنا وظیفہ ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ایسا تو نہیں کہ اس کو ترک کر کے ہم اللہ تعالیٰ کو ناراض کر رہے ہوں؟ اللہ کے رسول کو ناراض کر رہے ہوں؟ اگر ہم نے اللہ کو ناراض کر لیا اور پھر بھی بے فکر رہے تو سمجھ لیجئے کہ سب کچھ کھو دیا،﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ دنیا و آخرت دونوں کا نقصان اٹھایا اور یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے، اور اگر اللہ کو راضی کر لیا تو سب کچھ مل گیا﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

سنئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ﴾ یعنی ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو، جوارح کے بھی گناہ چھوڑ دو اور قلب کے بھی، اور جوارح کو اعمال صالحہ سے اور قلب کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرو، اسی کو صوفیاء کرام "تعمیر الظاهر والباطن" سے تعبیر فرماتے ہیں، یہی تصوف اور سلوک کی حقیقت ہے کہ آدمی کا ظاہر اعمال شریعت سے

آراستہ ہو اور اس کا قلب اخلاق فاضلہ سے پیراستہ ہو، یہ فکر اگر امت کے اندر پیدا ہو جائے کہ ہمارا کوئی قدم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھنے پاوے، نیز ہمارا ظاہر بھی درست ہو جائے اور باطن بھی، تو سمجھ لیجئے کہ سب کچھ درست ہو جاوے گا، مگر اب ان باتوں کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے اس کو آپ خود دیکھ لیجئے کہ ہر طرف غفلت چھائی ہوئی ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غفلت ام الامراض ہے، سارے گناہوں کی جڑ یہی غفلت ہے، جب انسان غافل ہو جاتا ہے تو اس کے قلب کے اندر امراض نفسانی پیدا ہو جاتے ہیں، اللہ کی یاد سے وہ قلب غافل ہو جاتا ہے، آپ سمجھ لیجئے کہ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

سنئے! ہماری زندگی کے ہر شعبے سے متعلق شرعی احکام و مسائل ہیں اگر وہ مسائل معلوم ہوں تو اس پر عمل کریں، جو اہل علم ہیں وہ تو خود کتابوں کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کریں، اور جو اہل علم نہیں وہ علماء سے استفسار و استفتاء کر کے شریعت کے مطابق عمل پیرا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

بھائی! ہم آزاد نہیں ہیں بلکہ ہم غلام اور محکوم ہیں، ہم کو اللہ کی مرضی کے مطابق ہر کام کرنا ہے، خواہ تجارت ہو، خواہ ملازمت ہو، خواہ کوئی کاروبار ہو سب اللہ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوں۔

اللہ والے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں، لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، آنکھ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے، پاؤں اللہ کی مرضی کے خلاف نہ چلے، ہاتھ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے، زبان اللہ کی مرضی کے خلاف نہ بولے، دماغ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ سوچے، ان کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں، یہ ان کے تقویٰ واخلاص کی علامت ہے، اسی کو کہا گیا ہے کہ "وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ"۔

ایک بزرگ تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے، ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ مریدین بھی تھے، راستہ میں ایک درخت ملا جب وہ بزرگ اس درخت کے قریب پہنچے تو سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود ان کو پسینہ جاری ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیوں آپ کی یہ حالت ہو گئی؟ تو فرمایا کہ اس کے متعلق نہ پوچھو، اصرار کرنے پر بتلایا کہ جوانی کے زمانہ میں اس مقام پر اسی درخت کے نیچے مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا تھا آج بڑھاپے میں یہاں پہنچ کر وہ یاد آ گیا اس لئے خوف سے میری یہ کیفیت ہو گئی۔

گناہ سنکھیا سے زیادہ مضر ہے، سنکھیا سے تو جان چلی جاتی ہے، جسم مردہ ہو جاتا ہے مگر گناہ سے تو دل مردہ ہو جاتا ہے جو جسم کی موت سے بدرجہا بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ دل کو زندہ کرنے کی کیا صورت ہے ؟ تو سنئے ! دل کو زندہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کیا جائے اور موت کو یاد کیا جائے ، اللہ کا ذکر دل کی دوا اور روح کی شفا ہے ، پس ہم کو چاہئے کہ ذکر و فکر میں مشغول ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اوامر کا امتثال ، اور معاصی و منکرات سے اجتناب کریں اور زیادہ اہتمام منکرات سے بچنے کا کریں اس لئے کہ معروف پر عمل کرنا تو آسان ہے مگر منکرات سے اجتناب دشوار ہے ، حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ معروف پر عمل کرنا تو بہت آسان ہے لیکن منکرات سے بچنا بہت دشوار ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہ صدیق کا مقام ہے۔

سنئے ! صدیقین کا مقام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا مقام ہے، شہداء اور صالحین کا درجہ ان کے بعد ہے ، مقام صدیقت نبوت کا پرتو اور ظل ہے، صدیق قدم نبوت پر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح شاہی دعوت میں وزراء و امراء اور خواص مدعو ہوتے ہیں اور ان کے لئے انواع واقسام کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں اور جب دستر خوان لگایا جاتا ہے اور مدعو حضرات کھا کر اٹھ جاتے ہیں تو جو کچھ کھانا بچا رہتا ہے وہ پرجے وغیرہ کھاتے ہیں پس کھانا تو وہی رہتا ہے جو امراء و وزراء کھاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اول کھانے والے مقصود

بالذات ہوتے ہیں اور بعد میں کھانے والے ان کے طفیلی ہوتے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جو خوان چنا جاتا ہے ان کے طفیلی صدیقین ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مقام کو سمجھانے کے لئے اس سے اچھی مثال نہیں ہو سکتی۔

اسی ضمن میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ شہداء کا مقام اگرچہ بہت ارفع واعلیٰ ہے مگر صدیقین کا مقام ان سے بھی بڑھ کر اس لئے ہے کہ کار نبوت کو انجام دینے والے اور اس کو قیامت تک باقی رکھنے والے صدیقین ہی ہوتے ہیں اگر سب لوگ شہید ہی ہو جاتے تو کار نبوت ختم ہو جاتا حضور اقدس ﷺ کے بعد سے لے کر اب تک دین جو باقی ہے وہ ان ہی نائبین کے ذریعہ سے باقی ہے، شہداء تو ایک وار میں شہید ہو جاتے ہیں اور ان حضرات پر زندگی بھر نہ معلوم کتنے آرے چلائے جاتے ہیں اور کس قدر مصائب و شدائد آتے ہیں اور یہ حضرات ان کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں اور سب آلام و مصائب کو برداشت کرتے ہوئے دین کی گاڑی کو آگے بڑھاتے ہیں اسی کو میں نے اپنے اس شعر میں کہا ہے۔

کمال عشق تو مر مر کے جینا ہے، نہ مر جانا
ابھی اس راز سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

اس راز کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی رہبری فرماتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر اولیاء میں سے ہیں ان کا واقعہ

کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ فلاں جگہ جہاد ہو رہا ہے چلو اس میں شریک ہو کر شہید ہو جائیں اور یہ خیال بار بار آنے لگا تو حضرت جنیدؒ نے اس پر غور کیا کہ آخر آج یہ خیال بار بار کیوں آرہا ہے تو اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں ڈالی کہ یہ نفس روز روز کے مجاہدہ سے گھبرا گیا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ جہاد میں جا کر قتل ہو جائیں تا کہ روز کی ریاضت و مجاہدہ سے نجات پا جائیں، تو اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری چال سمجھ گیا، تو مجاہدہ سے گھبرا کر یہ خواہش کر رہا ہے کہ اس قید و بند کی مشقت سے تو یہی اچھا ہے کہ ایک بار جان چلی جائے چل کر شہید ہو جائیں، کسی طرح ان مجاہدات سے تو چھٹکارا مل جائے گا تو میں تیری یہ خواہش ہرگز نہیں پوری کروں گا اور اسی حجرہ میں تجھ کو رکھوں گا اور یہیں تیری موت آئے گی۔

واقعی حقیقی علم یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کے مکائد سے واقف ہو جائے، جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوگا آدمی کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ ناتمام علم کی وجہ سے دعویٰ اور پندار میں مبتلا ہو جائے گا جو سخت مضر چیز ہے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا جس میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے ؎

ابھی واقف نہیں تو نفس و شیطاں کے مکائد سے
مگر افسوس، کرتا ہے تو دعوائے ہمہ دانی

غرض علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور ہم کو یہ

معلوم ہو جائے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز، اور کیا حلال ہے اور کیا حرام، تاکہ ہم جائز اور حلال کو اختیار کریں اور ناجائز اور حرام سے بچیں اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں یعنی اچھی باتوں کا امر کریں اور بری باتوں سے منع کریں یہ بھی عالم دین کا ایک وظیفہ ہے اگر اس میں کوتاہی کرے گا تب بھی حق تعالیٰ ناراض ہوں گے۔

چنانچہ ایک بستی تھی جس میں اسی ہزار آدمی بستے تھے، اسمیں ایک عابد و زاہد بھی تھا جو دن کو روزے رکھتا تھا، رات کو شب بیداری کرتا تھا اور بستی کے لوگ نافرمان تھے، اللہ کی مرضی کے خلاف کام کرتے تھے مگر وہ عابد ان لوگوں سے ملا جلا رہتا تھا ان کے اعمال کو دیکھ کر کبھی اس کے چہرے پر تغیر نہیں آتا تھا اور نہ ان سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا تھا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس بستی کو الٹ دو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ اس میں تیرا ایک بندہ ایسا ہے جو بڑا عابد و زاہد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں تم اس بستی کو الٹ دو اور پہلے اسی عابد سے شروع کرو، اس لئے کہ یہ نافرمانوں سے ملا جلا رہتا ہے ان سے محبت رکھتا ہے اس لئے یہ بھی انہیں لوگوں کی طرح مجرم ہے، ان سے نفرت نہیں کرتا لہٰذا وہ بھی سزا کا مستحق ہے، چنانچہ وہ بستی الٹ دی گئی اور سب لوگ ہلاک اور تباہ ہو گئے۔

ہم لوگوں کو ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہئے، حدیث شریف

میں آتا ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك ادناہ ولیس وراء ذلك حبة خردل من الایمان“ تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کردے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس پر نکیر کرے، اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے براجانے اور نفرت کرے، اور یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا (مطلب یہ کہ جو شخص منکرات کو قلب سے بھی برانہ جانے اور اس سے دلی نفرت نہ رکھے تو اس کو اب اپنے ایمان ہی کی خیر منانی چاہئے، مؤمن کی شان سے یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ وہ منکرات کو دل سے بھی برانہ جانے اتنا تو اسے کرنا ہی چاہئے)

آج ایسا معاملہ ہو گیا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں اور ہمارے سامنے گناہ کئے جاتے ہیں مگر ہمارے دلوں میں ذرا بھی اثر نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ بہترین اعمال میں سے ہیں۔

تو بھائی! ہماری یہ زندگی جو ہم من مانی گذار رہے ہیں یہ کامیاب زندگی نہیں ہے جب ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں تب کامیاب زندگی نصیب ہوگی جس کو حیوۃ طیبہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ جو بندہ اپنی ہواو خواہش کے مطابق چل رہا ہے اور من مانی زندگی گذار رہا ہے تو اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے بات یہ ہے کہ اپنے نفس سے محبت ہے، اپنی ہوا سے محبت ہے اور اپنے خالق و مالک سے محبت نہیں اس لئے یہ سب باتیں ہیں اگر محبت کی حقیقت ہم جان لیں تو اپنی من مانی کو چھوڑ دیں میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ۔

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

چنانچہ آج کل دیکھ لیجئے کہ لوگ دعویٰ تو محبت کا خوب کرتے ہیں مگر محبت کی حقیقت نہیں جانتے، بھائی! محبت تو فنا فی المحبوب کا نام ہے، یعنی محبوب کی مرضی کو ہر وقت ملحوظ رکھیں، اسی کو فنا فی المحبوب کہتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ جو زبردست عالم اور اللہ کے بہت بڑے ولی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں چلنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہاتھ میں اللہ کی کتاب ہو اور دوسرے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہو، ان دونوں کی روشنی میں بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے اور بایزید بسطامی فرماتے ہیں "الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق" یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے راستے ہیں جتنی کہ مخلوق کی سانسیں ہیں۔

مگر اللہ تک پہنچنے کے سارے دروازے بند کردیئے گئے ہیں صرف ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا دروازہ ہے یعنی جو

آپ کے نقش قدم پر چلے گا وہی خدا تک پہنچے گا اور اسی کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اسی کو میں نے اس شعر میں کہا ہے۔

اتباع سید کونین ہر ہر بات میں
ہے اسی پر زندگی والوں کے جینے کا مدار

پس اگر ہم علم اس لئے حاصل کریں کہ اللہ و رسول کی مرضی معلوم کر کے اس کا اتباع کریں تو اس اعتبار سے علم کا بہت بڑا مقام ہے، اور ایسے ہی عالم کی اس آیت میں مدح کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں، یعنی عالم و جاہل میں بڑا فرق ہے عالم کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس کے اندر خوف و خشیت ہو، روز قیامت اور وہاں کی پیشی سے ڈرتا اور لرزتا ہو، جس کو جتنا زیادہ علم ہوگا اسی قدر اس کے اندر خوف و خشیت کا ظہور ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ یقیناً اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قیامت کا اسلام میں ایسا اہم عقیدہ ہے کہ اگر واقعی ہمیں یقین ہو جائے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے، زندگی کا جواب دینا ہے تو سب کام بن جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی﴾ یعنی جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ تو قطعی جنتی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مگر ان

کے خوف کا کیا حال تھا اور اپنی کتنی فکر تھی کہ رات کو پہرہ دیتے تھے اور اجنبی بن کر لوگوں سے پوچھتے تھے کہ عمر کیسا آدمی ہے؟ تاکہ اپنی خامی کا علم ہو اور اگر لوگوں کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہو تو اس کو دور کریں، ایک دن گشت کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا بیٹھی ہے اس سے پوچھا کہ اماں! عمر کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا کہ عمر بہت برا آدمی ہے، پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگی کہ جب سے وہ خلیفہ ہوا ہے اور امیر المؤمنین بنا ہے مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ تو کس حال میں ہے، حضرت نے پوچھا تم نے عمر سے اپنی کوئی حاجت بیان بھی کیا ہے؟ کہنے لگی مجھے بیان کرنے کی کیا حاجت، وہ میرا امیر ہے اسے خود چاہئے کہ میرے احوال سے واقف ہو، اتنے میں کچھ لوگ آگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کیا، بڑھیا لرز گئی اور کانپنے لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اماں! تم بالکل مت ڈرو اور کچھ خوف نہ کرو اور اس کو لے دے کر راضی کیا اور یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے میری شکایت مت کرنا۔

دیکھا آپ نے! فاروق اعظمؓ کے خوف کا یہ حال تھا، ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرے کے جھروکے سے باہر دیکھ رہے تھے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوپہر کی دھوپ میں حضرت عمرؓ کچھ اونٹوں کو لے کر جا رہے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ اس شدت کی دھوپ میں اونٹوں کے پیچھے کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا یہ زکوٰۃ کے اونٹ ہیں انہیں پانی

پلانے کے لئے لے جارہا ہوں، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ کام تو کوئی غلام بھی انجام دے دیتا تو فرمایا کہ عثمان! اگر ایک اونٹ بھی پیاسا رہ جائے گا تو قیامت کے دن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، غلام سے نہیں پوچھیں گے تو اس وقت میں کیا جواب دوں گا؟

آج ہم لوگ دیکھ لیں کہ کتنے گناہ کرتے ہیں اور پھر بے فکر رہتے ہیں ہمارے دلوں کے اندر وہ خوف نہیں، قیامت کا وہ یقین نہیں، اگر قیامت کا یقین پیدا ہو جائے تو ہماری حالت بدل جائے، علم یقین ہی کا نام ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم ایک نور ہے جو مؤمن کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کو خیر و شر کی تمیز ہونے لگتی ہے اور وہ نفس و شیطان کے کید سے واقف ہو جاتا ہے، جب تک یہ نور نہیں حاصل ہوتا آدمی نفس و شیطان کے مکر و کید سے بچ نہیں پاتا، بھائی! یہ نفس و شیطان ہمارے دشمن ہیں اور ہم ان کو اپنا دوست سمجھیں اور ان ہی کے کہنے پر چلیں، کس قدر تعجب کی بات ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ یعنی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس کو دشمن بنالو۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ دشمن کا سا معاملہ کرو، اور اس کے کید سے پُر حذر رہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو (ہر ایک کا) بری ہی بات

بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (اور اس میں امر بالسوء کا مادہ نہ رکھے جیسا انبیاء کے نفوس ہوتے ہیں) نیز حدیث میں آتا ہے کہ ''اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَینَ جَنبَیْكَ'' یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے۔

نفس کے مراتب ہیں، ایک نفس امارہ ہوتا ہے اور ایک نفس لوامہ، اور ایک نفس مطمئنہ ہوتا ہے، کوشش اس کی ہونی چاہئے کہ ہمارے نفس کی امارگی ختم ہو جائے اور ہمیں نفس مطمئنہ بلکہ راضیہ مرضیہ نصیب ہو اسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء بھی ایسے حضرات کے پاس گئے جو اصطلاحی عالم نہیں تھے مگر ان کے قلب میں اللہ کا نور تھا وہ اللہ کے ولی تھے، عارف باللہ تھے، اس لئے ان کی خدمت میں جا کر علماء نے اس نور کو حاصل کیا جو ان کے سینے میں رسول اللہ ﷺ سے وراثتاً منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، جب تک اس نور کو نہ حاصل کیا جائے صرف علم کچھ نفع نہیں دے سکتا۔

علم نبوت اور نور نبوت

ایک بزرگ کا قول ہے جس کو میں برابر بیان کیا کرتا ہوں کہ ایک چیز ہے علم نبوت اور ایک چیز ہے نور نبوت، علم نبوت تو کتابوں میں ہے، اور نور نبوت اہل اللہ کے سینوں میں ہے، حضور اقدس ﷺ کے سینۂ مبارک سے اس نور کو صحابۂ کرامؓ نے آپ کے پاس رہ کر آپ کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل

کیا، پھر صحابہ سے تابعینؒ نے حاصل کیا پھر تبع تابعینؒ نے حاصل کیا اور ان سے بزرگان دین اور اولیاء کاملین نے حاصل کیا، اور اس نور کی تحصیل کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ کے وقت سے اب تک چلا آرہا ہے اور قیامت تک ایک جماعت اس نور نبوت کی حامل ضرور موجود رہے گی، کوئی زمانہ اللہ والوں سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ وہی نور ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے پروردگار کے عطا کئے ہوئے نور پر ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالہ مالابد منہ میں فرماتے ہیں کہ "نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینۂ درویشاں باید جست و بداں نور خود را منور باید گردانید" یعنی پیغمبر ﷺ کے نور باطن کو اللہ والوں کے سینے سے ڈھونڈنا چاہئے اور اس نور سے اپنے قلب کو منور کرنا چاہئے۔

سنئے! قلب میں نور اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ کی کثرت کی جائے، اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھا جائے، اس طرح یہ نور حاصل ہوگا اور قلب میں حیات پیدا ہوگی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آدمی کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس آدمی کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے یعنی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو اللہ کے ذکر سے غافل ہے وہ مردہ ہے، ہر چند کہ چلتا پھرتا، کھاتا پیتا ہے لیکن زندگی جس

چیز کا نام ہے وہ تو اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، بغیر ذکر اللہ کے دل مردہ رہتا ہے میرا اپنا ہی شعر ہے کہ۔

زندگی نام ہے اطاعت کا اور غفلت کا نام ہے مرنا
مر کے ہوتی ہے زندگی حاصل اس کو کہتے ہیں دوستو، مرنا

یہ جو کہا گیا ہے کہ "موتوا قبل ان تموتوا" یعنی مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مرنے کے بعد مردہ بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے اور غسال کے ہاتھ میں اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ جدھر چاہتا ہے الٹتا پلٹتا ہے اسی طرح انسان زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا ہو جائے اور انہی کے بلانے سے بولے اور ان کے خاموش کرنے سے خاموش رہے، غرض ان ہی کی مرضی سے ہر کام کرے، اپنے ارادہ اور اختیار کو ان کی مرضی کے تابع کر دے، اسی کا نام فنا ہے۔

جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کی نعمتیں ان کو حاصل ہو جائیں گی اور سب سے بڑی نعمت یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا، تو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے دریافت فرمائیں گے کہ اے میرے بندو! کیا تم واقعی راضی ہو؟ جنتی عرض کریں گے کہ اے اللہ آپ نے بہت زیادہ نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں، ہم آخر کیوں نہ راضی ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ابھی ایک اور نعمت بہت بڑی تم کو ملنے والی ہے بندے عرض کریں گے یا اللہ وہ کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ یہ ہے کہ اب میں تم سے راضی ہو گیا

کبھی ناراض نہیں ہوں گا ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو گی ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے، نیز اہل جنت سے یہ بھی کہہ دیا جائے گا کہ اب تم جنت سے نکالے نہیں جاؤ گے اب ہمیشہ ہمیش اسی میں رہو گے، یہ بشارت دے کر ان کو مطمئن کیا جائے گا اس لئے کہ اگر یہ خطرہ لگا رہتا کہ پتہ نہیں کب ہم سے یہ نعمتیں لے لی جائیں اور جنت سے ہم نکال دیئے جائیں تو ان نعمتوں کا کیا لطف باقی رہتا مگر جب یہ سن لیں گے کہ اب ہمیشہ ہمیش اس میں رہنا ہے، اللہ تعالیٰ اب کبھی ہم سے ناراض نہیں ہوں گے تو کیسا کچھ سرور جنتیوں کو اس سے حاصل ہو گا اس کا صحیح اندازہ تو وہیں ہو گا۔

اس بشارت کو سننے کے لئے ہمیں چاہئے کہ دنیا میں اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں، نافرمانی کر کے کوئی قوم فلاح نہیں پا سکتی، نافرمانی کا انجام دنیا و آخرت دونوں جگہ ناکامی ہے، مسلم تو فرماں بردار، اللہ کے حکموں پر مر مٹنے والا، چون و چرا کو ترک کرنے والا، اللہ و رسول کے حکموں پر چلنے والا ہوتا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اپنی زندگی کو بدل ڈالیں، اپنے اندر تبدیلی لائیں، اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھیں بلکہ اپنے کو کسی اللہ والے کے اس طرح سپرد کر دیں جیسے مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، اس سے سب کچھ آسان ہو سکتا ہے اور ہمیں چاہئے کہ علم اس لئے حاصل کریں کہ اس پر عمل کریں اور ہمارا کوئی کام اللہ و رسول کے خلاف نہ ہونے پائے تا کہ حیات طیبہ نصیب ہو۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے اکابر میں سے ہیں، کتنے بڑے محدث اور بزرگ ہیں، مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ تھا اس میں آپ تشریف لائے، مجمع کافی تھا کئی ہزار کا مجمع تھا، اذان ہو گئی آپ نماز کے لئے چلے تو مسجد ایسے وقت میں پہنچے جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، تکبیر تحریمہ ہو چکی تھی، حضرت گنگوہیؒ کو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا بہت رنج ہوا، چنانچہ نماز کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت بہت زیادہ غمگین ہیں یہ کیفیت دیکھ کر بعض خدام نے عرض کیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، کیا بات ہو گئی جس کی وجہ سے اس قدر غمگین ہیں؟ تو فرمایا کیا رشید احمد کے لئے اس سے بھی زیادہ غم کی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ آج بائیس برس کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی؟

دیکھا آپ نے! یہ ہے اتباع سنت، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے آپ سب جانتے ہیں، جب اتنا اہتمام اتباع شریعت کا فرمایا ہے تب یہ مرتبہ پایا ہے اور جس کو کوئی مرتبہ ملتا ہے شریعت کے اتباع اور سنت کے اہتمام ہی سے ملتا ہے اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اصل کرامت استقامت علی الشریعہ ہے۔

اسی طرح امام غزالیؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے جو بہت بڑے اللہ کے ولی تھے کہ ایک دن انکی فجر کی جماعت فوت ہو گئی، نماز نہیں قضا ہوئی تھی

صرف جماعت نہیں ملی تو نہایت غمگین اور رنجیدہ ہو کر بیٹھے رہے جب لوگ ان سے ملنے کے لئے آئے تو آپ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت! کیا بات ہے کہ جس کی وجہ سے آپ بہت زیادہ غمگین ہیں تو فرمایا افسوس آج اسلام اس قدر کمزور ہو گیا، اگر آج میرا کوئی بیٹا فوت ہو گیا ہوتا تو اب تک سینکڑوں آدمی تعزیت کے لئے آچکے ہوتے مگر آج مجھ پر اتنی بڑی مصیبت پڑی کہ میری جماعت فوت ہو گئی تو ایک آدمی بھی تعزیت کے لئے نہیں آیا۔

اللہ اکبر! کیا شان تھی ہمارے بزرگوں کی اور کیا حال تھا ان کا، اصل بات یہ تھی کہ ان کی نگاہ میں دین کی عظمت تھی، شریعت کی اہمیت تھی اپنے سارے معاملات میں اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق رہنا چاہتے تھے، کسی امر میں ادنیٰ کوتاہی کو بہت بڑا جرم تصور کرتے تھے تو بھائی جس کے دل میں اللہ کی عظمت ہے اللہ کی محبت ہے اس کا حال کچھ اور ہی قسم کا ہوتا ہے اس کو ہمہ وقت یہی فکر اور دھن رہتی ہے کہ وہ اللہ کو کیسے راضی کرے۔

ہم کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات سے نصیحت حاصل کریں ہم کاروبار بھی کریں تجارت بھی کریں، ملازمت بھی کریں، کھیتی باڑی بھی کریں، سارے کام کریں، شریعت نے روکا نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف نہ کریں، خرید و فروخت کے متعلق بھی مسائل ہیں، کاروبار کے متعلق بھی احکام ہیں، ان کو سیکھیں اسی کے مطابق عمل کریں من مانی چھوڑ دیں۔

بھائیو! یہ درسگاہ ہیں، یہ دار العلوم یہ سب اسی لئے ہیں کہ ہم علم دین حاصل کریں، علم بہت بڑی دولت ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم حاصل کرو اور اس کے حاصل کرنے میں اس قدر کوشش کرو کہ تم تھک کر بیٹھ جاؤ، عالم ربانی کا بہت بڑا درجہ ہے، وہ نائب رسول ہے، نبی کا وارث ہے، پیغمبر کا جانشین ہے اس لئے کہ علماء ربانی وہ کام کر رہے ہیں جس کو انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں لے کر آئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں۔

حضور اقدس ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اس لئے وہ کام علماء ہی کے ذمہ ہے جو نائبین رسول ہیں ان کو چاہئے کہ دین کی ترویج کریں، اس طرح کہ درس وتدریس کا کام بھی کریں، وعظ و تبلیغ بھی کریں، اللہ کے دین کی باتیں بیان کریں، زندگی کا مقصود بتادیں یہ عالم ربانی کا وظیفہ ہے، دین کے مبلغ کا یہ حال ہوتا ہے اور اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دل جوش مارتا ہے اور یہ خیال امنڈتا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں، جس محفل میں بیٹھیں اللہ و رسول ہی کا ذکر کریں، اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ ﴿لاَ يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لاَئِمٍ﴾ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے کوئی کچھ بھی کہے وہ اپنا کام کئے جاتا ہے، مدح وذم کی پروا نہیں کرتا وہ جس محفل میں جاتا ہے اللہ ورسول کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سرائے میر کے جلسہ میں مجھے بلایا تھا اس جلسہ میں مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری بھی تشریف لائے تھے، جمعہ کے بعد ان کا وعظ طے تھا حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت آپ بھی کچھ بیان کردیں، میں ان کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا اور بیان شروع کردیا اور اللہ کی مہربانی سے کچھ ایسا عالم طاری ہو گیا کہ لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا، میں نے اس بیان میں یہ شعر پڑھا تھا کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

اس کے دوسرے مصرع میں میں نے ترمیم کردی ہے کسی شاعر نے یوں کہا تھا ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل یاد کرتے ہیں

اور میں نے اس کو بدل کر یوں کردیا ہے کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نگاہوں میں ایسا بسے ہیں کہ ہر وقت بس ان ہی کا خیال غالب رہتا ہے اور جس محفل میں جاتے ہیں قال رسول اللہ کا ترانہ چھیڑ دیتے ہیں اور آپ کی زندگی کا نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔

حضوری کے دو درجے

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اگر پل بھر کے لئے بھی میری نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے کو مؤمن نہ کہوں، شیخ کے اس قول کا مطلب یہی ہے کہ ہر وقت آپ کے ارشادات، آپ کے احکامات اور آپ کی احادیث ہمارے سامنے ہیں تو گویا حضور اقدس ﷺ ہی ہمارے سامنے ہیں۔

سنئے! حضوری کے دو درجے ہیں، ایک حضوری تو بلاواسطہ ہوتی ہے جو کبھی کبھی ہوتی ہے اور غیر اختیاری ہے، اگر یہ حضوری ہر وقت رہے تو استغراقی کیفیت پیدا ہو جائے، پھر آدمی اعمال سے رہ جائے گا اور ترقی اعمال ہی سے ہوتی ہے پس ترقی سے رہ جائے گا، اور ایک حضوری بالواسطہ ہوتی ہے جو ہر وقت ہو سکتی ہے اور اس حضوری کا حاصل یہ ہے کہ ہماری نگاہوں میں وہ اس طرح بس جائیں کہ ہر وقت ہمارے پیش نظر بس یہ بات رہے کہ اللہ و رسول کس چیز سے راضی ہوتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کریں اور کون سی بات ان کو ناپسند ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جائیں، اس طرح ہر آن ہم ترقی کر سکتے ہیں، آخرت کی ترقی کا مدار اعمال ہی پر ہے، ہم جس قدر اوامر کا اہتمام کریں گے اور نواہی سے اجتناب کریں گے اسی قدر ترقی ہم کو حاصل ہو گی۔

بھائی! دنیا کی یہ زندگی چند روزہ ہے اور یہاں کی بہار بھی چند روزہ ہے یہ

سب فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔

حصول خشیت کا آسان ذریعہ

یہ مضامین اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمائے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو، اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو، اللہ کی محبت پیدا ہو، سنئے! اہل اللہ کی صحبت سے انسان کے دل بدل جاتے ہیں، خوف و خشیت پیدا ہوتی ہے اور ان کی پاک صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی صحبت بھی بہت ضروری چیز ہے اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے لہٰذا جیسے ہم اپنے کاروبار کے لئے، تجارت و ملازمت کے لئے سفر کرتے ہیں اسی طرح سال میں دو چار روز کے لئے سہی وقت نکال کر کسی اللہ والے کی خدمت میں جائیں، ان کی پاک صحبت میں بیٹھیں، ان کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کریں، علم کی بھی اصل غرض و غایت خوف و خشیت ہی ہے اور یہ خوف و خشیت ایک کیفیت ہے جس سے اہل اللہ متصف ہوتے ہیں اس لئے جو شخص ان حضرات کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ان کیفیات سے متکیف ہو جائے گا اور راستہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مبلغ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے، جہاں جاتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے،

اس کا کوئی مقصد نہیں، اس کی ذاتی کوئی غرض نہیں وہ محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے بولتا ہے، امت کو دین کی طرف بلاتا ہے، امت کو اللہ ورسول کی فرماں برداری کی طرف بلاتا ہے اور امت کو اللہ ورسول کی مرضی کی طرف دعوت دیتا ہے، اس کا مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے ﴿قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ آپ فرمادیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے) بالیقین میری نماز اور ساری عبادات اور میرا مرنا جینا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا، پس ہمارا بھی یہی حال ہونا چاہئے کہ ہماری صورت، ہماری سیرت، ہمارا لباس، ہمارا کردار، رفتار وگفتار اور معاملات، شادی بیاہ، لینا دینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ساری چیزیں شریعت اور سنت کے مطابق ہونا چاہئے، یقیناً اس سے بڑی کوئی دولت نہیں اللہ جسے نصیب فرمادے وہی کامیاب ہے ﴿ذلک هو الفوز العظیم﴾ سب سے بڑی کامیابی یہی ہے ورنہ قیامت میں پچھتانا پڑے گا پھر کچھ بات بنائے نہ بنے گی۔

سنئے! یہ زندگی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذارنا چاہئے ورنہ جب موت آجائے گی تو ایک ساعت کی بھی مہلت نہ ملے گی، ایک لمحہ کے لئے ترسے گا کہ کاش ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا موقع مل جاتا مگر اس وقت کی بیداری سے کیا فائدہ؟ ارشاد باری ہے ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاخِرُوْنَ

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

مال مٹ جائے گا، دولت فنا ہو جائے گی، اہل و عیال یہیں رہ جائیں گے وہاں صرف عمل ہی کام آئے گا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو تم نے کھالیا مٹی ہو گیا اور جو تم نے پہن لیا وہ چیتھڑا ہو کر گھورے پر چلا گیا اور جو تم نے چھوڑ دیا وہ تمہارے وارثوں کا ہے، تمہیں بھول کر یاد کریں یا نہ کریں، پس تمہارے لئے کیا رہ جائے گا سوائے تمہارے عمل کے جو تم نے کیا ہے یہی ساتھ جائے گا یہی نماز روزہ جو کر رہے ہو جس کی زیادہ اہمیت نہیں اور وہ مال جو اللہ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو، بس یہی سب اعمال کام آئیں گے، یوں تو ہم خرافات میں بہت مال خرچ کر ڈالتے ہیں اگر اللہ کی راہ میں خرچ کریں اللہ کے کام میں، اللہ کے دین کے لئے مال خرچ کریں تو بڑا اجر و ثواب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس (جاکر) اور نہ (اس روز) ان پر کوئی خطرہ (واقع ہونے والا) ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یہ مدارس دینیہ جو قائم ہیں ان کی خدمت کرنا،ان کے لئے کوشش کرنا، بڑے اجر وثواب کا کام ہے اس میں بھی حصہ لیں۔

میں ایک بات بہت بیان کیا کرتا ہوں وہ یہ کہ سفر دو طرح کا ہوتا ہے ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا، دنیا کے سفر میں توزاد سفر اور توشہ ساتھ لیا جاتا ہے اور آخرت کے سفر میں آدمی خالی ہاتھ جاتا ہے زاد راہ پہلے ہی بھیج دیا جاتا ہے ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یعنی جو نیکی تم اپنے لئے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔

یہ دنیا دار العمل ہے، جزا کی جگہ نہیں، عمل یہاں ہے اور اس کی پوری پوری جزا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے جب وہاں مؤمن صالح کو جزا ملے گی تب معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر کتنا رحم وکرم فرمایا اور ہمارے ناقص اعمال پر کس قدر ہم کو نوازا ہے، وہیں پہنچ کر مؤمن اور کافر، صالح اور فاسق کا فرق اچھی طرح ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لَا يَسْتَوُوْنَ﴾ کیا مؤمن فاسق کی طرح ہے؟ دونوں برابر نہیں۔

فسق وفجور اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے، ایمان وعمل اللہ سے نزدیک کرنے والی چیز ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو حیات طیبہ نصیب فرمائے ہم اللہ ورسول کی مرضی کے

مطابق زندگی گذاریں، ہم فرماں بردار بن جائیں نافرمانی سے بچیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

آیئے دعا کریں، اے اللہ! ہم کو صحیح معنوں میں مسلمان اور فرماں بردار بنادے، اپنی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اپنے محبوب ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اے اللہ! ہماری غفلتوں کو دور فرما اور اپنی یاد کی ہم کو توفیق عطا فرما، اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم سب کے اندر محبت، انسانیت اور اخوت پیدا فرما، اے اللہ! ہم سب پر رحم فرما، ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہم کو ایمان کامل عطا فرما، اپنی محبت اور معرفت کی دولت سے ہم سب کو مالا مال فرما، ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين،

نوٹ: یہاں پر دار العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ کا بیان تمام ہوا، اب اس کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی تعارفی تقریر ہے پھر حضرت اقدس دامت برکاتہم کا وہ بیان ہے جو بعد عشاء حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کے دولت کدہ پر ہوا۔

مقصد زندگئ انسان

بندگئ رحمٰن

اقتباس

آدمی اگر اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے تو اس کے اندر بڑائی آ ہی نہیں سکتی پس ہمیں چاہئے کہ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھیں اور عبدیت کی شان اپنے اندر پیدا کریں، شریعت کے مطابق زندگی گذاریں، اللہ کی نافرمانی سے بچیں، اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں ہماری ہر بات سن رہے ہیں، وہ سمیع وبصیر ہیں، اگر ان کی معیت کا استحضار ہو جائے تو ہمارے اندر خوف پیدا ہو جائے اور اگر قیامت کا یقین ہو جائے تو ہم نافرمانی کے قریب نہ جائیں، قیامت کا دن ایسا ہے کہ لوگ اس کو سوچ کر لرز جاتے ہیں اور قیامت کو یاد کر کے تھرا جاتے ہیں کہ وہ کتنی مصیبت اور پریشانی کا دن ہے۔

تعارف

از محدث دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم قَالَ اللّٰهُ تبَارَكَ وَتَعَالٰى﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

آج کل جن حالات سے میں گذر رہا ہوں ان سے ایسا متأثر ہوں کہ وعظ و تذکیر کے کام سے برداشتہ خاطر ہو چکا ہوں، اس لئے اب تک جن جن محلوں کی طرف سے میرے پاس دعوتیں آئیں میں نے معذرت کر دی آج بھی تقریر کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہیں ہوں مگر آج کے حال نے مجھے تقریر کرنے پر مجبور کیا اس لئے بیٹھ گیا ہوں۔

آپ حضرت نے اجمالاً جان لیا ہوگا کہ آج صبح کو آپ کے قصبہ میں ہندوستان کی ایک برگزیدہ ہستی جن کو وقت کے مغتنمات میں سے ہم کو اور

آپ کو تصور کرنا چاہئے اور ہم سب لوگوں کو اللہ رب العزت کے اس انعام عظیم کا اس طرح شکر ادا کرنا چاہئے کہ ان کی ذات سے جو فیوض جاری ہیں ان فیوض سے ہم اور آپ سب حصہ لیں۔

وہ میری محبت میں اور میری گذارش پر آج صبح کو یہاں تشریف لائے، وعظ کے سلسلہ میں کل تک میں نے ہر آدمی سے یہی جواب دیا تھا کہ میں ان کو یا کسی کو بھی کوئی زحمت دینا پسند نہیں کرتا، میرا معمول اور میرا اصول یہ ہے کہ کسی بزرگ یا کسی دوست کے ساتھ ایسا سلوک یا برتاؤ ہونا چاہئے جس میں عقیدت کے مظاہرے سے زیادہ یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو، اس پر کوئی بار نہ ہو بلکہ اس کو راحت ملے، اسی بناء پر جن لوگوں نے مجھ سے مولانا کے وعظ کی فرمائش کی ان سے میں نے صاف کہہ دیا کہ اگر ان کی مرضی نہ ہوگی تو میں کچھ ان سے نہ کہوں گا لیکن اگر وہ پورے انشراح کے ساتھ تیار ہوں گے، وہ بھی میرے کہنے کے اثر سے نہیں تو گذارش کردی جائے گی، بہرحال مجھے بات لمبی نہیں کرنی ہے، ہماری اور آپ کی خوش قسمتی سے حضرت مولانا دامت برکاتہم نے پوری بشاشت قلب اور انشراح خاطر کے ساتھ اسے منظور فرمالیا کہ وہ آپ کو اور ہم کو اپنے فیض سے محروم نہ رکھیں گے اور اپنی ایمان افروز اور روح پرور تقریر سے ہم کو فائدہ پہنچائیں گے۔

ان کے اعزاز و اکرام اور ان کے احترام میں میرے لئے لازم تھا کہ میں ان کا تعارف کرادوں اور ان سے پہلے چند منٹ بول کر ان کے لئے راستہ

ہموار کردوں، اس لئے کہ ایک مہمان کی عزت افزائی میں یہ بھی داخل ہے، ہمارے دین اور ہمارے اسلام نے جو ضیف کا اکرام واجب کیا ہے اس اکرام ضیف کے اندر یہ بات بھی داخل تھی، اس بناء پر میں اپنے ارادے کے برخلاف اور جو میں نے طے کر رکھا تھا اس کے برخلاف گویا خرق عادت کے طور پر تھوڑی دیر کے لئے آپ کے سامنے کچھ بولنے کے لئے آمادہ ہوگیا ہوں۔

بات یہ آگئی تو اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دوں کہ دین کی باتوں سے جتنا تھوڑا بہت تعلق ہمارا رہ گیا ہے اس تعلق کی بھی شکل بالکل بگڑ چکی ہے، یہ بات بہت غور سے سننے کی ہے اور بہت دھیان دینے کی ہے، مثال کے طور پر آپ سمجھئے کہ مثلاً بزرگوں کے ساتھ عقیدت، ان سے برکت اور نفع حاصل کرنا، بہتیرے مسلمان ہیں جن کے اندر ابھی یہ روح بیدار ہے، مگر اسی کے ساتھ ہم سب کو جاننا چاہئے کہ ایسی کوئی صورت برکت حاصل کرنے کی اور ایسی کوئی صورت نفع حاصل کرنے کی اختیار کرنا ہمارے لئے ناروا ہے جس سے اس شخصیت کو کوئی تکلیف پہنچے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو محبت رکھتے تھے اور ان کو جو عقیدت آپ سے تھی اور ان کو حضور ﷺ سے برکت حاصل کرنے کا جو جذبہ تھا قیامت تک پورے مسلمان مل کر وہ بات نہیں پیدا کرسکتے جو ایک صحابی کے اندر تھی، مگر ان کا تحصیل برکت کا طریقہ سمجھ بوجھ کا تھا، اور اس ادب اور

ہشیاری کا تھا جس کا کہ دین ہم سے متقاضی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی بزرگ شخصیت ہم میں آجاتی ہے تو اور کچھ تو رہ نہیں گیا ہے بس یہ ہے کہ جب وہ تقریر کر کے فارغ ہوں یا کہیں مل جائیں تو دھکے دے دے کر مصافحہ کرو، مسلمانوں کو بھی تکلیف پہنچاؤ اور ان بزرگ کو تو بالکل چور چور کر دو، قطعاً تحصیل برکت کا یہ طریقہ دینی اصول کے اعتبار سے صحیح نہیں، اسلامی تعلیم کے لحاظ سے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ حج میں حجر اسود کو بوسہ دینا، اس سے برکت حاصل کرنا کتنا ضروری کام ہے مگر اس کے لئے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا منع ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زحام میں ہاتھ سے بوسہ دینا ضروری نہیں اگر ہاتھ نہ پہنچ سکے تو کسی لکڑی سے مس کر کے اس کو بوسہ دے لو، ورنہ دور سے اشارہ پر اکتفاء کرو مگر یہ نہیں کہ افغانیوں کی طرح ادھر ادھر دھکے دے کر کسی طرح پہنچ کر بوسہ دے ہی لو، یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

ایک صحابی تھے ان کی تمنا تھی کہ آں حضرت ﷺ میرے جنازے میں شرکت کریں، اتفاق سے رات کے وقت ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نہایت سختی سے اپنے گھر والوں کو منع کیا کہ آں حضرت ﷺ کو میرے مرنے کی خبر نہ کرنا، کیونکہ مدینہ منورہ یا دنیا کا کوئی شہر جس دن کی میں بات کر رہا ہوں ایسا نہیں تھا کہ رات بقعۂ نور بنی رہتی ہو، بجلیوں کے قمقمے، بلب اور راڈ لگے ہوئے ہوں، ارے کہیں کہیں کوئی ٹمٹماتا چراغ ہوتا تھا اور بس، اس لئے ان

صحابی نے سوچا کہ رات کو اندھیرے میں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی جائے، آپ کو قبرستان تک لے جایا جائے، ممکن ہے راستہ میں کوئی موذی جانور ہو اس سے آپ کو تکلیف پہنچ جائے، تو ان صحابیؓ نے اپنے فائدے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تکلیف کا احتمال جس چیز میں تھا اس کو گوارہ نہیں کیا اور کہا کہ ہرگز ہرگز میرے مرنے کی خبر نہ کرنا، مگر اب یہ بات نہیں ہے، آج تو حال یہ ہے کہ اگر وہ بزرگ مصافحہ کرتے کرتے مرجائیں مگر ہم کو برکت ضرور حاصل ہونی چاہئے۔

بہر حال مجھے یہ گذارش کرنا ہے کہ ان مغتنم اور برگزیدہ ہستی کے اکرام واحترام میں میں نے چاہا کہ چند منٹ آپ کے سامنے کچھ کہہ دوں، یہ جلسہ نہ تو میرے لئے منعقد کیا گیا ہے، نہ میرا بیان کا ارادہ ہی تھا، میں بالتبعیۃ محض حضرت مولانا کے اکرام واحترام میں بیٹھ گیا ہوں۔

میں نے اس وقت جو آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے بہت مختصر ہے اور نہایت ہی اہم اور ضروری مضمون اس میں بیان ہوا ہے، بس ہمارے اور آپ کے دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

حق تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ ﴿وَذَكِّرْ﴾ تذکیر، نصیحت اور یاد دہانی آپ فرماتے رہئے اس کے بعد فرمایا کہ ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی ذکریٰ، نصیحت اور یاد دہانی بالیقین بلاشبہ ایمان والوں کو نفع پہنچاتی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ اتنے دعوے کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ بیشک یقیناً تذکیر مومنین کو نفع پہنچاتی ہے، اب ہمارے اور آپ کے سوچنے کی بات ہے کہ آج روزانہ یہ وعظ کے جلسے اور یہ محفلیں جو منعقد ہوتی ہیں اگر یہ تذکیر کے لئے نہیں ہیں تو پھر اس کا مقصد بتایا جائے کیا ہے؟ اور اگر تذکیر کے لئے ہیں تو اس تذکیر سے کتنا نفع پہنچتا ہے وہ آپ سوچ کر مجھے بتائیں، میں تو بہت سوچ چکا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ بالکل سو فیصد نفع سے خالی ہیں، چنانچہ ایک آدمی کے سامنے اگر جھوٹ بولنے کی مذمت بیان کی جائے تو اس تذکیر سے پہلے جتنا جھوٹا تھا کل کو اس سے کچھ بڑھ ہی کے جھوٹا ملے گا، بہرحال کم تو ہوتا نہیں، نماز کا پابند نہیں ہے، کوئی پابندی اس میں نماز کی پیدا نہیں ہوتی، حرام مال کھاتا ہے قطعاً اجتناب کا جذبہ نہیں ہوتا، پس ہم کو اور آپ کو غور کرنا چاہئے کہ اس کی وجہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو دعوے کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ تذکیر مومنین کو نفع پہنچاتی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری تذکیر سے نفع نہیں ہورہا ہے تو اس کی دو ہی وجہ ہوسکتی ہے، یا تو تذکیر کے نام سے ہم جو کام کرتے ہیں وہ حقیقتاً تذکیر نہیں یا پھر جو ایمان ہم سے مطلوب ہے وہ ایمان ہم میں نہیں، ورنہ اگر صحیح معنوں میں تذکیر ہو اور صحیح معنوں میں ہم مومن ہوں تو ناممکن ہے کہ نفع نہ ہو، ضرور نفع ہوگا، حق تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے۔

پس یہ بات میرے سوچنے کی بھی ہے جو مذکر بن کر اس کرسی پر بیٹھتا ہوں اور آپ کے بھی سوچنے کی ہے جو متذکر بن کر وہاں بیٹھتے ہیں، میں اپنی

نسبت کہہ دوں کہ خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہماری تذکیر تذکیر نہیں ہے، ہم قرآن کی آیت بھی پڑھتے ہیں، ہم حدیث بھی سناتے ہیں، ہم بزرگوں کے واقعات بھی بتلاتے ہیں مگر تذکیر بالحقیقت تذکیر کی صورت کا نام نہیں ہے، جس طرح شیر کی تصویر کا نام شیر نہیں ہے، درخت کی تصویر کا نام درخت نہیں ہے، اگر درخت کا فوٹو کسی کاغذ پر اتار لیجئے تو وہ فوٹو درخت نہیں ہے بلکہ درخت یہ ہے جو ہمارے سامنے کھڑا ہے، درخت کی حقیقت کے اوپر جو نتائج مرتب ہو سکتے ہیں وہ اس پر ہو سکتے ہیں، اس کی تصویر پر نہیں ہو سکتے، اسی طرح شیر جو بڑا بہادر اور جری جانور تصور کیا جاتا ہے وہ کاغذ پر جو اس کا فوٹو بنا ہوتا ہے وہ نہیں ہے کیونکہ شیر کی صفات اس میں نہیں پائی جاتیں، وہ حملہ آور نہیں ہوسکتا، وہ شجاع اور بہادر نہیں ہے۔

اچھا میں اس سے بڑھ کر مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، نماز جو مدار نجات ہے، جو موجب دخول جنت ہے، جو جہنم سے نکالنے والی ہے، جس سے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، وہی مدار ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہونے کا، وہ صرف اس ظاہری رکوع و سجود کا نام نہیں ہے، بلکہ آپ اللہ اکبر کہہ کہ جتنے ارکان جتنے واجبات اور جتنے سنن و مستحبات نماز کے ہیں ان سب کی رعایت کر کے نماز پڑھئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے پڑھئے تو وہ نماز ہے، چنانچہ دو شخص اسی طرح نماز پڑھیں جو شکل و صورت کے لحاظ سے، اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے بالکل یکساں ہوں مگر نیت

کے اعتبار سے مختلف ہوں تو بظاہر تو دونوں برابر معلوم ہوں گی مگر ایک کی نماز واقعی نماز ہے اور دوسرے کی نماز نماز نہیں، چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

کلید درِ دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

یعنی جو نماز لوگوں کو دکھانے کے لئے لمبی لمبی پڑھو وہ دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے، یعنی اس سے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا بلکہ اس سے جہنم کا دروازہ کھلے گا۔

تو آخر کیا بات ہے کہ اس نماز کو جہنم کے دروازے کی کنجی کہا جارہا ہے، بات یہ ہے کہ نماز کی صورت کا نام نماز نہیں ہے، حقیقی نماز کا نام نماز ہے اور حقیقی نماز وہ ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ پڑھی جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو دکھانے کے لئے پڑھی جائے اور اللہ ہی کی رضا و خوشنودی اس سے مقصود ہو۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَنْ صَلّٰی وَھُوَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ وَھُوَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ"

یعنی جس نے نماز پڑھی مگر ریاکاری سے تو اس نے شرک کیا اور جس نے روزہ رکھا ریاکاری سے تو اس نے بھی شرک کیا۔

بس اس تمثیل کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم قرآن کی آیتیں سناتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سناتے ہیں، بزرگوں کے واقعات و ملفوظات سناتے ہیں تو اگر اس سنانے کا مقصد یہ ہے کہ پوری دلسوزی سے

آپ کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں، آپ کو بھولا ہوا سبق یاد دلانا چاہتا ہوں، اس میں دوسری کوئی اور غرض شامل نہیں ہے تب تو یہ تذکیر واقعی تذکیر ہے لیکن یہی سارے کام اگر اس لئے کروں کہ لوگ کہیں گے کہ مولانا نے بہت لاجواب تقریر کی اور واقعی آج تو دل خوش ہوگیا تو عربی کا ایک فقرہ مشہور ہے.... ع

اَلشَّیْءُ اِذَا خَلَا عَنْ مَقْصُوْدِہٖ لَغٰی

جس نے بھی یہ بات کہی بالکل اصولی بات کہی کہ کوئی چیز اگر اپنے مقصود سے خالی ہے تو لغو اور بیکار ہے، ہماری یہ تذکیر اگر اپنے مقصود اصلی سے خالی ہے تو یہ تذکیر ہی نہیں ہے، اور آج ہماری تذکیر کے غیر نافع ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے اور دوسرا سبب اُدھر بھی ہے یعنی اِدھر (تذکیر میں) بھی نقص ہے اور اُدھر بھی پانی مرتا ہے کہ جو ایمان مطلوب ہے اس ایمان سے ہم عاری اور خالی ہیں ورنہ تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی بہت دنوں تک اس تذکیر کا یہ حال تھا کہ مذکر کرسیٔ تذکیر پر بیٹھتا تھا اور وعظ کہتا تھا تو مجلس میں کئی کئی لاشیں ہوتی تھیں لوگ تڑپ تڑپ کر مر جاتے تھے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تذکیر کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، آپ کی جان کے دشمن، خون کے پیاسے، شرک سے آلودہ، ہمیشہ کے شرابی کبابی جواری بھی آپ کی ایک تقریر سن کر ہر چیز سے تائب ہو جاتے تھے اور ایک ہی مجلس میں پاک و صاف ہو جاتے تھے اس لئے کہ آپ کی تذکیر حقیقی تذکیر تھی، وہ نبوت و رسالت کی طاقت الگ سہی مگر تذکیر حقیقی تھی، اسی حقیقی

تذکیر کا یہ اثر ہوتا تھا۔

آپ کہیں گے وہ تو نبی تھے ان کی کیا مثال دیتے ہو تو میں عرض کرتا ہوں کہ اچھی بات ہے جو غیر نبی تھے میں ان کی مثال دیتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اعلان کر دیا کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملاوے، آج دیکھ لیجئے ملاوٹ کے اوپر کتنے کتنے قانون بنتے ہیں، کیسی کیسی سزائیں مقرر ہوتی ہیں، کیسی کیسی جانچ اور انکوائری ہوتی ہے، مگر آپ دیکھ لیجئے کچھ رک رہا ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور دیکھئے کہ انہوں نے اس کی ممانعت کر دی کہ دودھ میں کوئی پانی نہ ملاوے، ایک لڑکی سویرے سحر کے وقت اٹھی اور دودھ دوہا، اس کی ماں نے کہا کہ ابھی تو اندھیرا ہے، دیکھتا کون ہے اس میں تھوڑا پانی ملا دے، لڑکی نے کہا اماں! شاید تم مجھے یہ بتانا چاہتی ہو کہ عمر کو کیا خبر ہوگی، تو ٹھیک ہے عمر کو خبر نہیں ہوگی مگر عمر کا پیدا کرنے والا تو دیکھ رہا ہے، (جس کے حکم سے عمر کی اطاعت واجب ہوئی ہے)

دیکھا آپ نے یہ ان لوگوں کی تذکیر تھی، ان کی تذکیر دل سے ہوتی تھی، صحیح مقصد کو لئے ہوئے ہوتی تھی اس لئے اس کا اثر ہوتا تھا، چنانچہ مشہور ہے ع.....

آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد

یعنی جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔

پس یہاں تذکیر کے نافع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک تو صحیح

معنوں میں تذکیر ہو، دوسرے سامعین میں جو ایمان مطلوب ہے وہ موجود ہو، اور میں سمجھتا ہوں کہ اب بڑی حد تک یہ دونوں ہی شرطیں مفقود ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹھاٹ سے جلسے ہوتے ہیں، ہزار ہزار، دس دس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مجمع ہوتا ہے، تین تین دن جلسے ہوتے ہیں، دس دس مقرروں کی تقریریں ہوتی ہیں اور تقریر کرنے والے بھی پورا زور صرف کر ڈالتے ہیں دو دو چار چار گھنٹے تقریر کر جاتے ہیں، مگر نفع کچھ بھی نہیں، اور یہ لمبی لمبی تقریریں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم صحیح معنوں میں سنت کے مطابق تذکیر نہیں کرتے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقَصْرَ خُطْبَتِهٖ مِئِنَةٌ مِنْ فِقْهِهٖ

یعنی کوئی آدمی نماز تو لمبی پڑھے لیکن وعظ مختصر کرے یہ اس کے عقل مندی کی دلیل ہے، گویا حضور اقدس ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ حماقت ہے کہ نماز تو بہت مختصر پڑھے اور خطبہ خوب لمبا دے، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اصول تذکیر یہ نہیں تھا جو اب ہے۔

صحیح بخاری پڑھو، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے تذکیر کے لئے پنج شنبہ کا دن مقرر کر رکھا تھا لوگوں نے ان سے فرمائش کی کہ حضرت! ہفتہ میں ایک آدھ دن کا اور اضافہ فرمادیتے تو بہتر ہوتا، آپ نے فرمایا کہ :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا

یعنی آں حضرت ﷺ کا معمول تذکیر کا یہ تھا کہ آپ گاہ گاہ اور کبھی کبھی ہماری خبر گیری نصیحت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں۔

دیکھئے! میں بتاتا ہوں کہ آج ہماری تذکیر میں بھی نقص ہے، صحیح معنوں میں اور صحیح طریقہ سے نہیں ہورہی ہے، اس لئے نفع نہیں دے رہی ہے، آپ جلسوں میں جاکر دیکھ لیجئے کیا ہوتا ہے کہ ایک مقرر تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ بھر لوگ سنتے سنتے جب بھاگنے لگتے ہیں تو مقرر صاحب کہتے ہیں بس دس منٹ میں ختم کرتا ہوں، پھر انہوں نے دس کا بیس منٹ لیا، پھر لوگ بھاگنے لگے تو کہتے ہیں بس اب ختم ہی کرتا ہوں دعا سن کے چلے جایئے۔

بہر حال میں یہ کہتا ہوں کہ یہ نبوی طریقہ نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تو اسی قدر پلاتے تھے جتنا آسانی سے پی سکیں، زبردستی نہیں تھی اور اسی معمول کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اپنایا تھا، چنانچہ صاف فرمادیا کہ جی نہیں وعظ و تذکیر میں آں حضرت ﷺ کا جو معمول تھا وہی طریقہ ہم کو اختیار کرنا چاہئے اور دیکھ لیجئے کہ اس کا کیا اثر تھا اور آج ہم نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے اس کا کیا اثر ہے۔

بس اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، آپ کو بھی شدید انتظار ہوگا اس لئے اب میں حضرت مولانا دامت برکاتہم سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے مواعظ حسنہ سے آپ کو مستفیض فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نوٹ: یہاں حضرت مولانا اعظمی قدس سرہ کا بیان ختم ہوا اس کے بعد حضرت مرشدی پرتاپگڈھی قدس سرہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلاَيُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً﴾

حضرات! میں اپنے دل کی بات آپ سے بیان کررہا ہوں، نہ اس میں کوئی تکلف ہے اور نہ تصنع ہے، حضرت مولانا دامت برکاتہم کی محبت میرے دل کے اندر آج سے نہیں، تیس پینتیس سال سے ہے اور یہ محبت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ دونوں جانب سے ہے یعنی حضرت مولانا بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں اور الحمد للہ! میرے دل میں بھی حضرت مولانا کی جیسی کچھ محبت ہے اسے لفظوں میں کیسے بیان کروں، جو محبت اللہ کے لئے ہو وہ بہت بڑی نعمت ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس سایہ میں ان لوگوں کو بھی جگہ ملے گی جو اللہ ہی

کے لئے محبت کرتے ہیں، ملتے ہیں تو اللہ کے لئے اور جدا ہوتے ہیں تو اللہ کے لئے، یعنی ان کی محبت اور عداوت کا مدار اللہ کی رضا پر ہے اور کوئی غرض اس میں شامل نہیں، بعضے بزرگوں کا ارشاد میں نے پڑھا ہے انہوں نے فرمایا کہ حب فی اللہ میں شیخ کی محبت بھی داخل ہے اس لئے کہ اس محبت سے دین حاصل ہوتا ہے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے، یہ بہت ہی عمدہ اور بہتر غرض ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا غرض ہو سکتی ہے لیکن وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگوں سے بھی محبت کی جائے جس میں یہ غرض بھی شامل نہ ہو، تاکہ محض اللہ ہی کے لئے وہ محبت ہو جائے۔

حضرت مولانا سے مجھ کو محبت ہے اور آپ ہی کی محبت مجھ کو یہاں لائی، آپ کی طبیعت ناساز اور کمزور تھی اس کے باوجود محض میری مبت میں آپ گھوسی تشریف لے گئے، واپسی کے وقت مجھ سے فرمایا کہ یہاں سے واپسی میں میرے گھر پر حاضر ہو جانا، میں نے بسر و چشم قبول کیا اور اس کو بہت بڑی نعمت سمجھا چنانچہ میں حاضر ہوا اور یہاں آکر اس قدر مسرور ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا بس میرا دل ہی جانتا ہے، آپ حضرات سے ملاقات ہوئی، آپ لوگوں کی محبت سے بھی دل خوش ہوا۔

میں اس قابل نہیں ہوں اور بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ نہ میرے پاس علم ہے، نہ کوئی عمل ہے، نہ میرے پاس کمال کی کوئی چیز ہے، مگر چونکہ بزرگوں کا

ارشاد اور ان کا حکم ہے اس لئے کچھ ٹوٹی پھوٹی باتیں بیان کر دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر دے اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے تو ان کا کرم ہے۔

جی چاہتا ہے کہ پہلے ایک بات بیان کر دوں وہ یہ کہ آج ہی شام کو عصر کے بعد عزیز محترم مولانا رشید احمد سلمہ اللہ کے گھر پر حاضر ہوا وہاں آپ کے صاحبزادے مولوی انور سلمہ نے حضرت مولانا مدظلہ کی نعت سنائی، ہم سچ کہتے ہیں کہ بہت لوگوں نے سنایا اور بہت سی نعتیں سننے کا اتفاق ہوا لیکن اس نعت کو سن کر میرے دل کی کچھ عجیب کیفیت ہو گئی، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، ماشاء اللہ نعت بھی عجیب کیفیت اور عجیب شان کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عزیزم سلمہ کے پڑھنے میں بھی عجیب اثر ہے ابھی ابھی اس جلسہ میں بھی انہوں نے اس نعت کو سنایا میں اس وقت کھانا کھا رہا تھا نعت کو سن کر میری عجیب کیفیت ہو گئی۔

اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج حضرت مولانا نے ہماری محبت کی وجہ سے خود بھی کچھ بیان فرمایا اور وہ بیان نہیں بلکہ بیان کی روح ہے، نہایت اہم اور ضروری مضمون کی طرف متوجہ فرمایا ہے، ہمارے اندر جو امراض ہیں جن کی اصلاح کی ہمیں ضرورت ہے اسی کے مطابق بیان بھی ہونا چاہئے، اللہ والوں کا بولنا اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتا وہ اللہ ہی کے لئے بولتے ہیں، بلکہ ان کو بلوایا جاتا ہے تب بولتے ہیں خود سے نہیں بولتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں جیسے ایک برتن ہے اس میں پانی بھرا جائے جب وہ

برتن بھر جائے گا اور پانی آتا رہے گا تو اس برتن کے اوپر سے ہر طرف کو پانی بہنے لگے گا اور اس بہنے میں اختیار نہ ہو گا بلکہ خود بخود بہنے لگے گا، اسی طرح اللہ کے ذکر و فکر سے، اللہ کا نام لینے سے، بزرگوں کی صحبت سے، اللہ اللہ کہنے سے جب دل دل بن جاتا ہے اور اللہ کی محبت اور معرفت سے منور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے قلب میں علوم ڈالتے ہیں، من جانب اللہ علوم و معارف کا القاء ہوتا ہے، الہام فرمایا جاتا ہے پھر باطنی طور پر ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ بولو، تب وہ بے اختیار ہو کر بولتے ہیں، اس میں اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اور جب اس طرح کوئی بولتا ہے تو اس کے بولنے سے اللہ کی مخلوق کو نفع ہوتا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ کے کتنے شیخ ہیں؟ فرمایا کہ ابتدا میں تو میرے ایک ہی شیخ ہوئے جن سے ہم نے دین حاصل کیا ان کی پاک صحبت میں مجھے فائدہ پہنچا، میری اصلاح ہوئی لیکن ان کے بعد مشائخ کی تعداد بتلا نہیں سکتا اس لئے کہ میرے مشائخ بے شمار ہیں، میں جہاں بھی گیا، نشیب زمین بن کر گیا اس لئے ہر جگہ سے مجھے فائدہ پہنچا۔

اللہ والوں کی مجلس میں اور علماء ربانی کی محفل میں بیٹھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے قلب کو خالی کر کے جائے اور یہ سمجھے کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں، اگر ہم کچھ لے کر جائیں گے تو وہاں سے بھی خالی واپس ہوں گے، اس لئے کہ اللہ والے بھی دیکھتے رہتے ہیں کہ ہمارے قلب کے اندر کون کون سے امراض ہیں، وہ بھانپ لیں گے اس لئے اپنے قلب کو فارغ کر کے ان کی

طرف متوجہ ہونا چاہئے اسی لئے کہا گیا ہے۔

ز دعویٰ تہی آئی، تا پُر شوی　　　　تواز خود پُری زاں تہی میروی

(ترجمہ: کمال کے دعوے سے خالی ہو کر آؤ تاکہ کمال سے پُر ہو کر واپس جاؤ، تم اپنے دعوئ کمال سے پُر ہو اس لئے خالی ہی واپس جارہے ہو)

جس طرح امراض جسمانی ہوتے ہیں اسی طرح امراض روحانی بھی ہوتے ہیں امراض جسمانی کی ہم کو کتنی فکر ہوتی ہے، ڈاکٹروں کے یہاں جاتے ہیں، کڑوی دوائیں استعمال کرتے ہیں، پرہیز کرتے ہیں، اپنی مرغوب چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ہم کو شفا ہو جائے، لیکن عجیب بات ہے کہ امراض روحانی میں مبتلا ہونے کے باوجود ہم مطمئن اور بے فکر ہیں، اللہ کے خاص بندے تو اللہ کی بندگی اور اطاعت کرکے اور حضور اقدس ﷺ کی مرضی پر قربان ہو کر بھی ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ کے خوف سے روتے رہتے ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کرکے ہنستے ہیں، کوئی فکر اور کوئی خیال نہیں، تو سمجھ لیجئے کہ وہ مریض جس کو اپنے مرض کا احساس ہو اور اپنے کو مریض سمجھتا ہو اور دوا علاج کی بھی فکر کرتا ہو، اس کے لئے شفا کی بھی توقع ہے، مگر ایسا مریض جو بیمار ہونے کے باوجود اپنے کو تندرست سمجھے وہ بہت خطرے میں ہے، امراض روحانی کے بارے میں آج ہمارا یہی حال ہے کہ ہم کو اس کا احساس تک نہیں کہ ہم باطنی اعتبار سے مریض ہیں، ہم اپنے دلوں کو ٹٹول کر نہیں دیکھتے کہ ہمارا کیا حال ہے اور ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے ابھی جو کچھ بیان فرمایا اصلی وعظ یہی ہے میرا دل اس وقت اتنا خوش ہوا کہ کیا عرض کروں، ممکن ہے کہ کوئی سوچے کہ میں کسی تصنع سے کہہ رہا ہوں تو ایسا ہرگز نہیں، اللہ ہی جانتا ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے، میرے دل پر مولانا کے بیان کا بہت اثر ہوا اور مجھے بہت فائدہ پہنچا، آج بالکل یہی حال ہے کہ سچے مصلح اور دین کی صحیح دعوت دینے والے بہت کم رہ گئے ہیں، اللہ کے لئے بولنے والے اس زمانہ میں ناپید ہو رہے ہیں۔

میں نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں پڑھا ہے کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جب فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے تو ان کا وعظ ہوا اور بہت دیر تک بیان ہوا، بہت سی عمدہ عمدہ باتیں بیان فرمائیں لیکن کسی پر کچھ اثر نہ ہوا، رمضان کا زمانہ تھا، ان کو یہ خیال ہوا کہ میں نے اتنا لمبا بیان کیا، قرآن کی آیتیں پڑھیں، حدیثیں پڑھیں، بزرگوں کے واقعات سنائے مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا، آخر کیا بات ہے؟ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا آپ مجلس میں تشریف لائے ابھی سامعین بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ بھائی میری سحری کے لئے دودھ رکھا ہوا تھا، رات میں بلی دودھ پی گئی اس وجہ سے میں نے بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا، اتنا کہنا تھا کہ سارے مجمع پر گریہ طاری ہو گیا، سب لوگ رونے لگے عجیب حال ہو گیا گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ

گیا، حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پاک میں وہ اثر تھا جس سے سارا مجمع متأثر ہو گیا، آپ کے دل میں وہ سوز تھا جس کا اثر لوگوں پر پڑتا تھا، حضرت غوث پاکؒ نے اپنے اس حال سے ظاہر فرمایا کہ علم اور چیز ہے اور یہ باطنی دولت و کیفیت اور چیز ہے۔

بیشک علم بہت بڑی دولت ہے اور بہت بڑا انعام ہے مگر علم حاصل کرنے کے بعد اپنی اصلاح کی ضرورت ہے دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے علم پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ والے جب بولتے ہیں تو اللہ ہی کے لئے بولتے ہیں، اس واسطہ ان کے بولنے میں اثر ہوتا ہے ابھی آپ نے سنا حضرت مولانا نے جو بیان فرمایا وہ حضرت غوث پاکؒ ہی کا حال تھا اور بہت سے اکابر کا یہی حال تھا کہ جب وہ بیان فرماتے تھے تو کتنے لوگ بے ہوش ہو جاتے تھے اور بہت سے لوگ تڑپ تڑپ کر ختم ہو جاتے تھے۔

اسی طرح حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وعظ ہوتا تو ایسا بیان فرماتے تھے کہ جب جنت کا ذکر آتا تو جنت کو گویا نظروں کے سامنے کر دیتے تھے، اور جب جہنم کا بیان ہوتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم گویا نگاہوں کے سامنے ہے اور کتنے وعظ ہی سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے، اور کلمہ پڑھنے لگتے تھے، کتنے فاسق و فاجر تائب ہو جاتے تھے یہ ان کے کمال اخلاص اور للہیت کی وجہ سے ہوتا تھا۔

چنانچہ آپ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے، کتابوں میں درج ہے اور علماء بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازہ کی طرف چل دیئے جو قلعہ کی جانب ہے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (جو شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ کے چھوٹے بھائی ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو، میں اس وقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا، اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گا، مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جارہا ہوں تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ، میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چل دیئے، میں بھی ذرا فاصلہ سے پیچھے پیچھے ہولیا، خانم کے بازار میں ایک بڑی مشہور اور مال دار بازاری عورت کا مکان تھا اور اس کا نام موتی تھا، مولانا اس مکان پر پہنچے اور آواز دی تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے، انہوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں، وہ لونڈی یہ سن کر چلی گئی اور جاکر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے، بازاری عورت نے کچھ پیسے دیئے اور کہا کہ جاکر دے دے، وہ لڑکی پیسے لے کر آئی اور مولانا کو دینا چاہا مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں، تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سن لے، اس نے جاکر کہہ دیا اور بازاری عورت نے کہا اچھا بلالے، وہ بلاکر لے گئی مولانا جاکر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور آپ نے سورہ والتین ﴿ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ﴾ تک تلاوت

فرمائی (حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جا کر مولانا کے پیچھے کھڑا ہو گیا، مولانا نے اس قدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرا دیا، اس بازاری عورت کے یہاں بہت سی اور بھی بازاری عورتیں تھیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگ تھے ان پر اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا اور انہوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کیے اور موتی اور اس کے علاوہ اور کئی بازاری عورتیں تائب ہو گئیں، اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر چل دیئے، میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا یہاں تک تو باستثناء مضمون تمہیدی تمام روایت کرنے والوں کا اتفاق ہے، یہاں سے خاص حاجی منیر خاں کی روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسماعیل تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں میں تو اس روز سمجھوں گا کہ آج میری عزت ہوئی جس روز دلی کے شہدے میرا منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں نکالیں گے

اور میں کہتا ہوں گا قال اللہ کذا و قال رسول اللہ کذا یہ سن کر میری یہ حالت ہوئی کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور زبان بند ہو گئی اور اس کے بعد کبھی مجھے ان سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ہی کا دوسرا واقعہ سنئے، وہ یہ ہے کہ مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھنو میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عید گاہ میں وعظ کہیں گے چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے، اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا، مولانا ممبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا، مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی عبدالحئ صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے، وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اڑائیں اس وعظ میں دو نوعمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا تھا اور دوسرے کا نام محمد مرتضیٰ، مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر سن کر میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بیباکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی دبلا اور پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب، نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار، پھر باوجود اس بے کسی اور بے بسی کے جو یہ اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ

کون سی بات ہے جو اس کو اس بیباکی اور سر فروشی پر آمادہ کر رہی ہے، وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں، ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ ان کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ کسی جن کی اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو در کنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف صاف بات نہ کہتے تھے اس سے تو میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیوں کہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا ان کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔

اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہل سنت والجماعت جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور باایمان تھے اور ان کی شان ﴿لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم﴾ تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں اس کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ ان کا افتراء ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہل سنت کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہل سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، اس کو سن کر بڑے بھائی نے کہا مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے، جب وہ دونوں بھائی متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا مولانا ذرا منبر پر سے اتر جائیے مجھے کچھ عرض کرنا ہے، مولانا سمجھے شاید میری تردید کرے گا اور یہ خیال

کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے، اس لڑکے نے منبر پر جا کر تمام شیعوں کو مخاطب کر کے کہا صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب تشیع کی تردید فرمارہے تھے، نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا اور نہ ارکان دولت کا اور نہ عام رعایا کا، محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ ان کو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے، پھر باوجود اس بے کسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرأت دکھلا رہے تھے اس کا سبب کیا ہے اور وہ کون سی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جانباز اور جری بنادیا ہے؟ میرے نزدیک وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے، اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے، اگر اس کا یہ سبب ہے کہ ان میں قوت نہ تھی تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ قوت میں مولوی اسماعیل صاحب سے کسی صورت میں کم نہ ہوں گے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسماعیل کی سی جرأت نہ تھی؟ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسماعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہل سنت اور یا تو ائمہ (نعوذ باللہ) سر اسر بے ایمان تھے جیسے کہ خوارج

کہتے ہیں اور یا وہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں، یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے، ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا، اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا، اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا آخر وہ منبر پر سے اترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا اب آپ وعظ فرمائیں، مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا اس لئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب یہ سنی ہو گئے تو انہوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ جہاد میں مولاناؒ کے ساتھ شہید ہو گئے۔

اللہ اکبر! یہ تھے ہمارے اکابر، ان کی ہمت دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ ایمانی قوت عطا فرمائی تھی کہ جہاں پہنچتے تھے ایک ہی وعظ میں لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے تھے۔

ان حضرات نے دین کی خاطر اپنی عزت و آبرو، جان و مال، سب کچھ قربان کر دیا تھا اور چونکہ یہ حضرات اللہ ہی کے لئے بولتے تھے اور اللہ ہی کی طرف سے بولتے تھے اس لئے ان کے کلام میں ایسی تاثیر تھی کہ چند منٹ میں محفل کا رنگ بدل دیتے تھے، اور وہ اپنی عزت اسی میں سمجھتے تھے کہ چاہے

مخلوق ہم کو کچھ کہے اور ہمارے ساتھ کیسا ہی برتاؤ کرے، مگر ہم ہر حال میں قال اللہ کذا و قال الرسول کذا کی صدا لگاتے رہیں، ان کی یہی صدا تھی، ان کے دل کی یہی آواز تھی، ان کے اندر وہ للہیت تھی اور ان کے باطن میں ایسی قوت تھی کہ مخالفین کے مجمع میں بھی بے دھڑک اور بے جھجک حق بات بیان فرمادیتے تھے، ان کے دل میں وہ نور تھا کہ جس بزم میں گئے اسے منور و روشن کردیا اور جس پر نظر پڑگئی وہ کامیاب و بامراد ہوا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر آپ کی صحبت کی برکت سے پچاسوں ہزار شہدے اوباش تائب ہو کر اللہ والے بن گئے اور جو صالح اور دیندار تھے ان کا تو پوچھنا ہی کیا، آپ کی پاک صحبت سے وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے۔

تو بھائی اصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کی نیتیں درست تھیں، وہ اللہ کے لئے بولتے تھے اور لوگ عمل کے لئے سنتے تھے اس لئے ان کے بولنے میں اثر ہوتا تھا اور لوگ عمل صالح پر لگ جاتے تھے ہماری نیتیں خراب ہو چکی ہیں اور نیت ہی پر سارا دارومدار ہے بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے ”انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئٍ مانوی“ یعنی عملوں کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی نیت کرے نیت کی درستگی ہی اصل شئی ہے اسی کو اخلاص کہتے ہیں اور اسی کا نام تصوف ہے کہ نیت خالص ہو جائے اور یہ بات دل میں راسخ ہو جائے کہ ”لامعبود الا اللہ“ اللہ کے

سوا کوئی معبود نہیں اور ”لا مقصود الا اللہ“ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں، مقصود حقیقی اللہ کی ذات پاک ہے۔

ہم دنیا کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کرتے، ارے ساری دنیا ناخوش ہو جائے اور اللہ راضی ہو جائے تو ہم نفع میں ہیں ہمیں فائدہ ہی فائدہ ہے ہم کو سب کچھ مل گیا اور اگر اللہ ناراض ہو جائے اور ساری دنیا راضی ہو جائے ہمیں بزرگ کہے، ہمارا احترام کرے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ نقصان ہی نقصان ہے، اللہ کے بندے اللہ کو راضی کرنے ہی کی فکر میں رہتے ہیں اور اللہ کو راضی کرنے کی صورت یہی ہے کہ اس کے حکموں پر عمل کریں اور اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کر دیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ“ یعنی تم میں سے کوئی مؤمن کامل نہ ہوگا جب تک اپنی خواہش کو ہماری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کرے گا۔

یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ ہمارا ایمان اس وقت تک ناقص رہے گا جب تک کہ ہم اپنی خواہش اور اپنی مرضی کو شریعت میں فنا نہ کر دیں۔

ایک بزرگ تھے، وہ بصرہ کے بازار میں گئے جہاں لونڈی غلام فروخت ہوتے تھے، ایک غلام سیاہ فام بدصورت تھا اس کو کسی نے نہیں خریدا، وہ بزرگ اس کو تھوڑے داموں پر خرید کر اپنے گھر لائے، اور اس سے پوچھا کہ اے غلام! تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرا جو بھی نام رہا ہو اب تو جس نام

سے آپ مجھے پکاریں وہی میرا نام ہے، انہوں نے پوچھا تم کیا کھاؤ گے؟ غلام نے جواب دیا حضور! جو آپ کھلائیں گے وہی کھاؤں گا، اس طرح ہر سوال پر وہ یہی جواب دیتا کہ آپ جو فرمائیں گے وہی کروں گا، میں تو غلام ہوں آپ آقا ہیں، میں آپ کے حکم کے تابع ہوں جو آپ کا حکم ہوا سے بجالاؤں گا۔

غلام کے اس حال کو دیکھ کر ان بزرگ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی کہ اللہ اکبر! یہ غلام جس کو میں چند روپے میں خرید کر لایا ہوں اس کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے اور ہم تو اللہ کے غلام ہیں اور وہ ہمارا خالق و مالک ہے مگر ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ ایسا نہیں ہے، پھر اس غلام سے کہا کہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہہ کر اس کو آزاد کر دیا غلام نے کہا کہ یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھ کو آزاد کر دیا لیکن میری ایک خواہش ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی زبان مبارک سے قرآن مجید کی چند آیتیں مجھ کو سنادیں، چنانچہ انہوں نے اس کے سامنے چند آیتوں کی تلاوت کی جس سے اس پر ایسا حال طاری ہوا کہ وہ فوراً لیٹ گیا اور اس کی روح پرواز کر گئی، سبحان اللہ! کیسے کیسے اللہ کے بندے تھے، یہ لوگ واقعی قرآن کے عاشق تھے، قرآن پاک سے ان کو سچا عشق تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھئے، حضور ﷺ کی محبت میں ان کا کیا حال تھا، حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ نے ایک چہل حدیث لکھی ہے اس کے اخیر میں اپنے کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جس میں یہ دکھلایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے صحابہؓ کا کیا حال تھا، فرماتے ہیں کہ

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعویٔ الفت احمدؐ تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا
کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

صحابہؓ کی یہ شان تھی کہ انہوں نے جان ومال، عزت و آبرو، عیش وراحت سب کچھ قربان کردیا تب ان کو یہ مقام ملا ﴿رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ﴾ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، وہ قرآن کو سن کر لرز جاتے تھے، قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کا تار لگ جاتا اور دل دہل جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک آیت پر صبح ہو جایا کرتی تھی، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک شب حضور اقدس ﷺ اس آیت کو پڑھ رہے تھے کہ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ یعنی اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمائیں تو آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اسی طرح اور بھی وارد ہے کہ بسا اوقات آپ ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا کرتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا کہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا کہ قرآن کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کا تار لگ جاتا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو پوری سورۂ قاف یاد کر لیا اس کے بعد پوچھا کہ اس وقت کون سا عمل سب سے بہتر ہے جس کو میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو ان کو بتایا گیا کہ حرم شریف میں جا کر قرآن سناؤ، چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حرم شریف میں گئے اور سورۂ قاف پڑھنا شروع کیا، جب آپ نے تلاوت شروع کی تو مشرکین ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور آپ کو مارنا شروع کیا مگر آپ نے تلاوت کو موقوف نہیں کیا بلکہ مار کھاتے رہے اور تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کر لی اور اس وقت جسم کا یہ حال تھا کہ سارا جسم لہولہان ہو چکا تھا۔

مشرکین مکہ قرآن کو سننے سے اس لئے روکتے تھے کہ لوگ سن سن کر ایمان لاتے تھے اس وجہ سے مشرکین مکہ قرآن کی آواز کو دبا دینا چاہتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لاَ تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اور یہ کافر باہم یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے بھی لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو۔

وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے کانوں میں تلاوت قرآن کی آواز ہی نہ پڑے

مگر اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو پہنچانا چاہا اور اس کی طرف کان لگانے کا حکم فرمایا تو جہاں تک چاہا پہنچا دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

قرآن پاک میں کیا لذت ہے اس میں کیسا مزہ ہے اور کیسی کیفیت وحلاوت ہے اس کو صحابہ ہی سے پوچھو، ہم کو تو دنیا کے خرافات میں، قصے کہانی میں، اخبار پڑھنے میں، لغو ولاطائل باتوں میں مزہ ملتا ہے، اللہ کی کتاب میں مزہ نہیں ملتا، اللہ کی کتاب کی ہم تلاوت نہیں کرتے اور جو تلاوت کرتے بھی ہیں تو بالکل سرسری اور رسمی، نہ اس بات کی طرف دھیان رہتا ہے کہ ہم اللہ کے کلام کی تلاوت کر رہے ہیں اور نہ اصل مقصد ہی کی طرف توجہ ہوتی ہے، یہ تو ٹھیک ہے کہ محض الفاظ کی تلاوت سے اجر وثواب ملتا ہے لیکن جو اصل مقصد ہے قرآن کے نازل کرنے کا کہ ہم قرآن کو سمجھیں اور قرآن کے مطابق زندگی بنائیں اس کی طرف بہت کم توجہ ہے مسلمانوں کو تو قرآن کی عملی تفسیر ہونا چاہئے، اسی پر عمل کرنے سے فلاح ملے گی، اللہ کی نافرمانی کرکے کوئی فلاح نہیں پاسکتا، امم سابقہ کو اسی بنا پر ہلاک کیا گیا، قرآن پاک میں جابجا ان کے واقعات مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو آخر کیوں بیان کیا ہے؟ اسی لئے تو کہ ہم اس سے عبرت ونصیحت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ یعنی یقیناً

ان لوگوں کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے عبرت و نصیحت ہے، اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کردیئے گئے، بندر بنادیئے گئے زمین میں دھنسا دیئے گئے، آگ برسادی گئی، پانی کا عذاب آیا، غرق کردیئے گئے، یہ سب نافرمانی اور گناہوں کی وجہ سے تو ہوا، لہٰذا ہم گناہ چھوڑدیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں مگر اب غفلت کا تو یہ عالم ہے کہ نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ مال کی زکوٰۃ دیں، باجے گاجے میں مشغول رہیں، اور طرح طرح کی نافرمانی کریں لیکن جب کوئی ان سے کچھ کہتا ہے تو جواب دیتے ہیں اللہ بڑا غفور ورحیم ہے، اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

میں تو ان سے کہتا ہوں کہ کیوں بھائی، پھر تو شریعت کا نازل کرنا اور قرآن کا اتارنا بے کار ہو گیا، اللہ تعالیٰ کے غفور ورحیم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ پر دلیر ہو جائیں اور بے دھڑک اللہ کی نافرمانی کریں، یہ تو بڑی جسارت کی بات ہے، ہاں اگر بشریت سے قصور ہو جائے، خطا سرزد ہو جائے، اور بندہ اس پر نادم ہو، توبہ کرے، اس کا دل دہل جائے، دنیا تاریک نظر آئے، عیش ختم ہو جائے، نیند اڑ جائے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے یہ کہے کہ اے اللہ! ہم کو معاف فرمادے، اے اللہ! ہمارے گناہ بخش دے، بیشک تو غفور ہے، تو رحیم ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو گی اور اس کے غفور ورحیم ہونے کا ظہور ہو گا، اور اب اس کو کہا جائے گا کہ ”التائب من الذنب کمن لا ذنب له“ یعنی سچی توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو، ہاں

توبہ سچی ہونی چاہئے جس کی علامت یہ ہے کہ نافرمانی کے صدور سے اس کا قلب پاش پاش ہو رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے وہ بے چین ہو تو اس کے زخم کا مرہم یہ ہے ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ یعنی اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (یعنی کفر و شرک اور گناہوں میں مبتلا رہے ہیں اور پھر سچی توبہ کر کے خدا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اپنی نافرمانیوں پر بہت زیادہ نادم و شرمندہ ہیں، ان سے یہ فرمادیجئے کہ) اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، بلاشبہ وہ بہت معاف کرنے والے اور بہت رحم کرنے والے ہیں۔

پس یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے گناہوں پر نادم ہو کر سچی توبہ کرنے والے ہیں اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم گناہ و نافرمانی کریں، سرکشی کریں، اللہ کے احکام سے منہ موڑیں، اللہ کی حدود کو توڑیں، اللہ کی مرضی کے خلاف زندگی گذاریں اور پھر کہہ دیں کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں سنئے ﴿ثُمَّ اِنَّ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ یعنی پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کرلیا، پھر اس کے بعد توبہ کرلی (جو طریقہ توبہ کا مقرر ہے اس طریقہ پر اور آئندہ

کے لئے) اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح اور توبہ کے بعد مغفرت اور رحمت کا ظہور ہوتا ہے، ہاں ابھی حضرت مولانا بیان فرما رہے تھے کہ جلسے ہوتے ہیں کئی کئی گھنٹے تقریریں ہوتی ہیں، ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے مگر ہم اپنی حالت نہیں بدلتے جہاں پہلے تھے وہیں تقریر و وعظ سننے کے بعد بھی رہتے ہیں۔

تو بھائی بات یہ ہے کہ ہم کو عمل کی فکر ہی نہیں، بس ایک رسم کے طور پر وعظوں میں آنا جانا ہوتا ہے حالانکہ وعظ کا سننا تو وہ معتبر ہے جو دل سے ہو اور عمل کرنے کے لئے ہو، مؤمن دل سے سنتا ہے اور اس طرح سنتا ہے کہ بات دل کے اندر اتر جاتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے سنا، اس نے مانا اور جس نے نہیں مانا اس نے گویا سنا ہی نہیں، مولانا کی یہ بات مجھے بہت زیادہ پسند آئی اور ابھی میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کی محبت ہی مجھے کھینچ کر یہاں لائی اور یہ محبت آج سے نہیں ہے بہت دنوں سے ہے اور اس کو بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت سمجھتا ہوں اور دل و جان سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو شفا عطا فرمائے اور بہت دنوں تک ان کی ذات باقی رہے اور ان کا فیض جاری رہے، عالم ربانی کا کیا مقام ہے آپ جانتے ہیں؟ عالم ربانی کے لئے زمین کے کیڑے مکوڑے اور سمندر کی مچھلیاں دعا کرتی ہیں۔

میں نے کل ایک واقعہ بیان کیا تھا، جی چاہتا ہے کہ اس واقعہ کو آج پھر

دوہرادوں اس لئے کہ آپ حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے تواس کو نہیں سنااس لئے سن لیجئے،ایک بزرگ فجر کی نماز کے بعد اپنے مصلے پر کچھ ذکر وتلاوت میں مشغول تھے،ایک صاحب ان سے ملنے گئے،دیکھاکہ مشغول ہیں تو واپس چلے آئے،دوسری مرتبہ گئے،پھر مشغول دیکھ کر لوٹ آئے،تیسری مرتبہ گئے تو بھی دیکھاکہ مشغول ہی ہیں پھرلوٹ آئے،چوتھی مرتبہ گئے تو دیکھاکہ فارغ ہیں تو ملاقات ہوئی،اس کے بعد انہوں نے عرض کیاکہ میں تین مرتبہ حاضر ہوامگرآپ مشغول تھے اس لئے واپس ہو گیااب کی بار ملاقات ہوئی اور پوچھاکہ آپ اس وقت کیاکر رہے تھے؟وہ جواب میں یہ فرماسکتے تھے کہ میں قرآن شریف پڑھ رہاتھایادرود شریف پڑھ رہاتھا،ذکر کر رہاتھا،مگریہ نہیں فرمایااور جوبات فرمائی وہ واقعی سننے کے قابل ہے فرمایاکہ میں اپنی روح کو ناشتہ کرارہاتھا۔

سبحان اللہ!کیابات فرمائی واقعی صبح کوجب کوئی اللہ کاذکر کرلیتاہے تواس کااثر دن بھراس کے قلب پر رہتاہے اور کچھ عجیب حال اورکیف محسوس ہوتا رہتاہے،مگرآج ہمارایہ حال ہے کہ اصل چیز یعنی روح سے ہم غافل ہیں جسم کو تو خوب کھلاتے پلاتے ہیں لیکن روح کو بھوکارکھتے ہیں روح کی غذااللہ کاذکر ہے، قرآن پاک کی تلاوت ہے،اگر ہم یہ غذااس کو نہیں دیں گے تو روح مردہ ہوجائے گی،افسوس قرآن پاک ہمارے گھروں میں ہے اور ہم نے جزدانوں میں کرکے اس کو طاق میں رکھ دیاہے،لڑکیوں کو جہیز میں دے دیتے ہیں اور

بس، کیا قرآن صرف اسی لئے آیا تھا؟ جس مقصد کے لئے قرآن آیا تھا افسوس صد افسوس کہ آج ہم اس سے بالکل غافل ہیں، ہمیں چاہئے کہ قرآن مجید کو پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں، تدبر و تفکر کے ساتھ اس کی تلاوت کریں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

یہ سمجھ کر پڑھیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، یہ دل کی دوا ہے، روح کی شفا ہے، قرآن ہمارے پاس موجود ہے تو گویا ہمارے گھر میں ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے، قرآن پاک پر میں نے ایک نظم لکھی تھی، کل کے بیان میں میں نے اس کے چند اشعار پڑھے تھے، اس وقت ایک شعر یاد پڑا، سنئے ؎

وہ قرآں جو غذا بھی ہے، دوا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآں جس سے طے ہوتے ہیں سب درجات روحانی

بھائی! بزرگان دین نے جو اذکار واشغال بتلائے ہیں وہ اسی لئے کہ ہم کو قرآن سے مناسبت پیدا ہو جائے، حقیقی نماز پڑھنی آجائے، یکسوئی حاصل ہو جائے، اللہ کا تصور اور دھیان بندھ جائے، احسان کی کیفیت پیدا ہو جائے، اصل چیز تو قرآن ہی ہے، یہی اصل خزانہ ہے، اپنی نظم کا جو شعر میں اس وقت پڑھنا چاہتا تھا وہ یہ ہے ؎

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ! مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سو، اے وائے نادانی

حضور اقدس ﷺ مؤمنین کے سامنے عجیب شان سے تلاوت فرماتے تھے اور اسی سے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے، اسی لئے آپ تشریف لائے تھے آپ کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب ودانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں۔

تزکیہ کا حاصل یہ ہے کہ رذائل دور ہو جائیں اور فضائل پیدا ہو جائیں، ظاہری امراض کی طرح بہت سی باطنی بیماریاں بھی ہیں، کیا کبر کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ حسد کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ حرص کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ ریا کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ حب جاہ اور حب مال کی بیماری بیماری نہیں ہے؟

یہ سب امراض جسمانی نہیں بلکہ امراض روحانی ہیں اور یہ امراض جسمانی سے زیادہ خطرناک ہیں امراض جسمانی کی تو انتہا بس یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اپنی اس زندگی سے ہاتھ دھولے مگر یہ امراض روحانی جو ہمارے اندر موجود ہیں یہ مرنے کے بعد ہمارے لئے عذاب بن کر ہم پر مسلط ہوں گے یہ جہنم میں لے جانے والے ہیں مگر اب تو ہمارے دلوں میں نہ جہنم کا خوف باقی ہے نہ جنت کا شوق باقی ہے، اس لئے بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں، ہم

کسی وقت اپنے دل کا جائزہ لیں اور ٹٹول کر دیکھیں ہمارے دل کا کیا حال ہے، دل بگڑ گیا ہے، اور یہ صرف میں آپ کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اپنے لئے بھی کہتا ہوں کہ ہمارے دل بگڑ گئے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے "الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب" یعنی انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لو تھڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے اور سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور سن لو کہ وہ انسان کا قلب ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام دل کو سنوارنے اور دل کو دل بنانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے، انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان کے سچے جانشین بھی یہی کام کرتے ہیں کہ قلب کو سنوارتے ہیں اور دل کو دل بناتے ہیں مگر ہم بجائے قلب کی اصلاح کرنے کے اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں، اپنی ہوائے نفسانی کو ہم نے اپنا معبود بنالیا یعنی جو نفس کہتا ہے وہی ہم کرتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا حلال، ہم بالکل من مانی زندگی گذارتے ہیں، بھائی! مؤمن کی زندگی تو من مانی نہیں ہوتی، وہ تو فرماں بردار ہوتا ہے، وہ گردن جھکا دینے والا، چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ہمارے قلوب میں نہیں اترا ورنہ ہمارا یہ حال نہ ہوتا، حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان تمہاری زبان پر ہے اور تمہارا دل خالی ہے، تیری زبان شکر ادا کرتی ہے اور تیرا دل ناشکری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں ان سب پر ہم سے سوال ہوگا ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی جو ہم پیتے ہیں اس پر بھی حساب ہوگا، مال کا حساب ہوگا کہ ہم نے تم کو مال دیا تھا اس کو کہاں خرچ کیا؟ بیجا خرچ کرنے پر تو وعید نازل ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ یعنی بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔

اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرنا چاہئے ورنہ ہم سے باز پرس ہوگی اور اب جو ان باتوں کا خیال نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا یقین کمزور ہو گیا ہے ورنہ تو جب قیامت کا یقین ہوگا، اللہ کے سامنے جانے کا یقین ہوگا تو ہر وقت اس کی فکر ہوگی کہ ہم اعمال صالحہ اختیار کریں نافرمانی چھوڑ دیں، اللہ ورسول کی فرماں برداری کریں، انسان سب کچھ کرے لیکن اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق کرے، اگر عالم ہے تو علم کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر عامی ہے تو علماء سے پوچھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو، دین سیکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ پوچھ پوچھ کر عمل کرے، یہ معلوم کرے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟ جائز کو اختیار کرے، ناجائز کو ترک کرے، اکابر اور بزرگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق تصوف کی تعریف کی ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ نے یہ

تعریف نقل فرمائی ہے کہ **تعمیر الظاهر والباطن** یعنی تصوف کی حقیقت ظاہر کو اعمال صالحہ سے اور باطن کو اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں (غالبًا یہ قول حضرت بایزید بسطامیؒ کا ہے) کہ تصوف یہ ہے کہ جائز اور ناجائز کی فکر پیدا ہو جائے، یعنی یہ فکر پیدا ہو جائے کہ کون سی چیز جائز ہے کہ اس کو اختیار کریں اور کون سی چیز ناجائز ہے کہ اس کو ترک کریں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مقصود تمام سلوک سے یہی ہے کہ معاصی سے نفرت ہو جائے اور طاعات کی طرف رغبت ہو جائے، اور حالات، تڑپ، بیقراری مقصود نہیں، بندہ بندگی کو بنا ہے، نہ بے قراری کو۔ (مکتوبات رشیدیہ ص ۹۴)

نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "**حقیقة التصوف التخلق باخلاق الله تعالىٰ وسلب الارادة وكون العبد فی رضاء الله تعالىٰ**" تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کی نفی کرنا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال کے پیش نظر شرم کے مارے ماسوا اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔

حضرت سیدنا احمد رفاعی قدس سرہ جو اپنے دور کے زبردست بزرگ

گذرے ہیں اور حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے ہم عصر ہیں، اپنی کتاب البیان المشید میں تحریر فرماتے ہیں "اسلام نام ہے شریعت کی پابندی اور تقاضائے طبیعت سے بے رخی اختیار کرنے کا"

سبحان اللہ! اسلام کی حقیقت کو کیسے عمدہ عنوان سے سمجھا دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے، نفسانی تقاضوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور ہر امر میں سنت کی پیروی کو لازم پکڑے، نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ "بزرگو! درویش اسی وقت تک طریقت پر ہے جب تک سنت پر جما ہوا ہے اور جس وقت وہ سنت سے ہٹے گا طریقت سے علیحدہ ہو جائے گا" نیز فرماتے ہیں کہ "تصوف کی حقیقت غیر اللہ سے منہ پھیر لینا اور اللہ کی ذات میں غور نہ کرنا، اللہ پر بھروسہ کرنا اور ہر حالت کی باگ تفویض و تسلیم و رضا کے دروازے پر ڈال دینا اور دروازۂ کرم کے کھلنے کا منتظر رہنا، اللہ کے فضل پر اعتماد کرنا، ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ہے" اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "تصوف کے مینار کو بلند کرو اور تصوف نام ہے ترک اختیار کا کہ بندہ اپنے تجویز و ارادہ کو رضائے حق میں فنا کر دے"

سبحان اللہ! کتنی عمدہ اور کیسی جامع تعریف تصوف کی فرما دی اور کتنے مختصر الفاظ میں اتنی بڑی حقیقت کو واضح فرما دیا۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت

خواجہ محمد معصوم قدس سرہ مکتوبات معصومیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ’’مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید گرفتن نیست، مقصود ازاں ادائے وظائف بندگی است بے منازعت نفس و نیز مقصود نیستی و گمنامی است و زوال رعونت و انانیت امارہ کہ معرفت بداں مربوط است‘‘ یعنی سیر و سلوک سے مقصود پیر بنانا نہیں ہے بلکہ وظائف بندگی کا اسطرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے، نیز طریق کا مقصود نیستی و گمنامی کو حاصل کرنا اور نفس کی سرکشی و خودرائی کو دور کرنا ہے اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صوفی کا بلکہ ہر مؤمن کا اصل وظیفہ یہی ہے کہ وہ وظائف بندگی کو ادا کرنے میں مشغول ہو اور نفس کی سرکشی و خودرائی کو فنا کرے اور ہر امر میں شریعت و سنت کی پیروی کو لازم پکڑے، شریعت کے نزول سے مقصود یہی ہے کہ بندہ حقیقت میں بندہ بن جائے اور بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی میں فنا کردے۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ عبدیت و عبودیت پر کلام کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ’’میرے بھائی شمس الدین، خدا کی بندگی اور عبادت میں زندہ رہو، سنو! برادر عزیز! فرزند آدم جو خلاصۂ آفرینش (مخلوق) ہے، اس کی سعادت و عزت

جانتے ہو کس بات میں ہے؟ بندگی میں ہے اور اس کے در پر سرافگندگی (سر ڈال دینے) میں، بلکہ بندہ بودن اس انسان کے وجود میں لانے کا مقصود ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی جنات وانسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں۔

سنو! جب آدمی بندہ بن جاتا ہے تو اس کو آزادی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا "مَا الْحُرِّیَّۃ" حریت یعنی آزادی کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا "عبودیت" سائل نے کہا میرا سوال تو آزادی کے بارے میں تھا، آپ نے فرمایا جب تک تم بندہ نہ ہو جاؤ گے آزاد نہیں ہو سکتے، اور حقیقت حال بھی یہی ہے تو جو شخص آزاد نہیں ہوتا وصل سے دلشاد نہیں ہو سکتا، طوق عبودیت جس کی گردن میں ہے اس کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ سردار عالم ہے، محققوں کا قول ہے کہ اگر خداوند ذوالجلال والاکرام کے خزانے میں عبودیت سے بہتر کوئی خلعت ہوتا تو ضرور بالضرور ﴿قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ﴾ کے مقام میں حضرت خواجہ عالم ﷺ کو پہنایا جاتا، قطع نظر اس کے جس وقت آنحضرت ﷺ کو ملک و بادشاہی عطا ہو رہی تھی آپ ہرگز یہ نہ فرماتے "لاَاُرِیْدُ اَنْ اَکُوْنَ مَلِکاً نَبِیًّا بَلْ اُرِیْدُ اَنْ اَکُوْنَ عَبْداً نَبِیًّا" یعنی میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ اور نبی بنوں، بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک بندہ اور نبی بنوں۔

سرِ عروج ہمت کو عبودیت کی چوکھٹ پر آپ نے رکھ دیا اور بندگی کو

دونوں جہاں کی بادشاہی پر ترجیح دی پھر فرماتے ہیں کہ

برادر عزیز! بندگی عجیب چیز ہے، دیکھو یہ بات تواظہر من الشّمس ہے کہ ضعیف کو قوی کے مقابلہ میں، عاجز کو قادر کے مقابلہ میں، فقیر کو غنی کے مقابلہ میں بندہ کو خداوند عزوجل کے مقابلہ میں کوئی وسیلہ بندگی اور سرافگندگی کے سوا نہیں، بے نفسی وخاکساری بھی اسی بندگی کی شاخ ہے۔

مردان راہ خود اپنے کو اپنی نظر میں اس قدر ذلیل وخوار سمجھتے ہیں کہ عام مسلمان گبر (آتش پرست) و جھود (یہودی) وترسا (نصرانی) کو بھی نہ سمجھتے ہوں گے ان کا خیال ہے کہ وہی شخص اس راہ کا مرد ہو سکتا ہے جو گبر وجھود کے در کی خاک اپنی ریش دراز سے بُہارے اور اس کے دل میں اس بات سے مطلق ننگ وعار پیدا ہونے نہ پائے اگر ذرہ برابر بھی ننگ وعار پیدا ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ ہماری خواجگی کے دامن میں دھبہ آیا تو یہ سمجھو کہ ایک قدم بھی وہ اس راہ میں نہیں چلا ہے۔

اپنے کو اپنی نظر میں ساقط کرو

اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مدبر (بدبخت) وبدنصیب ہے اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے، مرد وہ ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرادے، ہر در سے جب تک وہ نکالا نہ جائے گا اور جب تک سب کے ہاتھوں میں کھوٹا ثابت نہ ہو چکے گا، ہر ترازو میں جب تک اس کی بے وزنی ثابت نہ ہوگی ہرگز اس کا

خیال نہ کرو کہ عبودیت کی شان اس میں آئی۔

طلب حق کی راہ وہ راہ ہے کہ اس بارگاہ میں پشۂ ناچیز شیر دل نظر آتے ہیں اور مور ضعیف میں صفت سلیمانی پیدا ہوتی ہے، ہمارا تمہارا یہاں پر کیا ذکر ہے، ہم پر تم پر تو خود سے اٹھ کر روٹی کھانا اور پانی پینا بھی جبر ہے، ہاں اس کی قدرت اگر کار فرما ہو تو کچھ مشکل نہیں، پہلے قدم میں دنیا اور دوسرے قدم میں آخرت طے ہوتی ہے، تیسرے قدم میں ﴿فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (مقام صدق میں خدائے بزرگ و برتر کے پاس) کے آستانہ پر پہنچتے ہیں، ایک عزیز نے کیا خوب کہا ہے ؎

تو مرا دل دہ و دلیری بیں روبہِ خویش خواں و شیری بیں

یعنی تو میری دل دہی کر پھر میری بہادری دیکھ، اپنی لومڑی کہہ کر پکار اور شیر کی جرأت مجھ میں دیکھ۔

برادر عزیز! زمانہ کا عجب حال ہو رہا ہے، ہر شخص کی نظر اپنے علم و عبادت پر ہے اور اپنی پونجی میں مست ہے فردائے قیامت جس وقت شان ربوبیت اپنے استحقاق کا دیوان قائم کرے گی، انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھو گے کہ باوجود کمال و جمال و جلال حال اس طرح تشریف لائیں گے کہ حدیث علم بالکل غائب ہو گی، ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا﴾ وہ کہتے ہوں گے تیری پاک ذات ہے ہم بالکل جاہل ہیں اور ملائکہ ملکوت کو دیکھو گے کہ عبادت کے صومعہ میں آگ لگا کر کہہ رہے ہیں "ماعبدناك حق عبادتك" یعنی جو تیری

عبادت کا حق تھا ہم سے ادا نہ ہو سکا، اور عارفان عالم و موحدان جہاں کو دیکھو گے کہ مفلس و بے نوا کی طرح خالی ہاتھ جھاڑے ہوئے آتے ہیں اور کہے جاتے ہیں ''ماعرفناك حق معرفتك'' یعنی تیری معرفت جس کی مستحق تھی ہم تجھ کو نہ پہچان سکے۔

برادر عزیز! اس کی عزت نے عزتوں کو ذلت کا جامہ پہنادیا ہے اور اس کی عظمت و جلال نے تمام عظمتوں پر چھوٹے پن کا دھبہ لگادیا ہے اور اس کے کمال نے کل کمالات پر نقصان کی مہر کر دی ہے اور اس کی ہستی نے سب ہستیوں کو نیست بنا رکھا ہے اور اس کی الٰہیت نے عالم و عالمیاں کو بندگی و سر افگندگی سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے، چشم بصیرت کھولو اور دیکھو، حضرت آدمؑ پر نگاہ کرو، نوح علیہ السلام کی فریاد سنو، خلیل علیہ السلام کی ناکامی دیکھو، مصیبت یعقوب علیہ السلام کی حدیث کو گوشہ دل میں جگہ دو، یوسف علیہ السلام کے قید خانہ کا نظارہ کرو، زکریا علیہ السلام کے سر پر آرہ ملاحظہ کرو، یحییٰ علیہ السلام کی گردن پر تیغ جفاکش کی برش کا معائنہ کرو، سب سے بڑھ کر جگر سوختہ و دل کباب گشتہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو چشم عبرت سے دیکھ کر اس آیت شریف کو پڑھو ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلاَّ وَجْهَهٗ﴾ (ہر چیز مٹ جانے والی ہے مگر اس کی پاک ذات) والسلام

سبحان اللہ! حضرت شیخ قدس سرہ نے عبدیت اور عبودیت کی حقیقت کو کیسا واضح فرمایا اور حق تعالیٰ کی کبریائی و عظمت کو کس قدر عمدہ انداز میں ظاہر

فرمایا، واقعی ان حضرات پر چونکہ ہر چیز کی حقیقت منکشف ہوتی ہے اسلئے جس چیز کو بیان فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت کو سامنے فرمادیا، دیکھئے یہ نکتہ کیسا بیان فرمایا کہ "اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مدبر و بدنصیب ہے" اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ "خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے، مرد وہ ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرادے"

سبحان اللہ! کیا عمدہ بات فرمائی، واقعی آدمی کو جب چشم بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی نظر اپنے عیوب پر ہو جاتی ہے تو وہ خود اپنی نظروں میں گر جاتا ہے اس مضمون کا میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت　　　اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

آدمی اگر اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے تو اس کے اندر بڑائی آہی نہیں سکتی پس ہمیں چاہئے کہ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھیں اور عبدیت کی شان اپنے اندر پیدا کریں، شریعت کے مطابق زندگی گذاریں، اللہ کی نافرمانی سے بچیں، اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں ہماری ہر بات سن رہے ہیں، وہ سمیع و بصیر ہیں، اگر ان کی معیت کا استحضار ہو جائے تو ہمارے اندر خوف پیدا ہو جائے اور اگر قیامت کا یقین ہو جائے تو ہم نافرمانی کے قریب نہ جائیں، قیامت کا دن ایسا ہے کہ لوگ اس کو سوچ کر لرز جاتے ہیں اور قیامت کو یاد کر کے تھرا جاتے ہیں کہ وہ کتنی مصیبت اور پریشانی کا دن ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے محدث اور اپنے وقت

کے امام تھے، ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو طبیب بلائے گئے ایک نصرانی طبیب بھی آپ کو دیکھنے آیا اور اس نے نبض و قارورہ دیکھ کر کہا کہ ان کو کوئی حسی مرض نہیں ہے بلکہ خوف خداوندی کی وجہ سے ان کا جگر پگھل پگھل کر پیشاب سے خارج ہو رہا ہے اور پھر وہ طبیب اس قدر متأثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا، اللہ اکبر! کیسا خوف تھا سفیان ثوریؒ کا کہ جگر پاش پاش ہو کر پگھل رہا تھا، قیامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

نیز فرماتے ہیں ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ

اَنۡتَثَرَتۡ ﴾ یعنی جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا (شور اور شیریں) بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی (یعنی ان کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ وَاِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ وَاِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ وَاِذَا الۡجَنَّۃُ اُزۡلِفَتۡ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ﴾ یعنی جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے اور جب ایک ایک قسم کے لوگ جمع کئے جاویں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی اور جب نامۂ اعمال کھولے جاویں گے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جاوے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی تو اس وقت ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا

جو لے کر آیا ہے۔

ان آیتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سامنے آگئی ہے پس قرآن کو پڑھیں اور قیامت کو یاد کریں اس لئے کہ قیامت آنے والی ہے قیامت کے دن کے لئے کچھ اعمال ہم کرلیں، اللہ تعالیٰ بار بار قیامت کو یاد دلاتے ہیں چنانچہ جابجا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے سامنے پیشی کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں وہ دلوں کے خطرات کو بھی جانتے ہیں ﴿اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ان کی شان ہے، ہم خوف پیدا کریں اسی سے نجات ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ﴾ یعنی بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

اللہ کا خوف اور اللہ و رسول کی محبت یہی دو چیزیں اصل ہیں، ایمان کی شان ہی یہ ہے کہ ماں سے زیادہ، باپ سے زیادہ، اولاد سے زیادہ حتیٰ کہ اپنی جان سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو، حدیث پاک میں وارد ہے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین" یعنی اس وقت تک تم میں کا کوئی مومن کامل نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

جب تک طبیعت کو شریعت کے تابع نہ کردے ایمان کامل نہیں ہوتا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به" یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو ایسا ہونا چاہئے کہ نہ اپنی رائے ہو، نہ اپنی پسند ہو، نہ اپنی چاہت ہو، نہ اپنی مرضی ہو بلکہ اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں، شادی بیاہ، لینا دینا، کاروبار سب شریعت کے مطابق کریں اور اس کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ شریعت کے مسائل سیکھیں۔

- حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک آدمی سو رکعت نفل پڑھے اور دوسرا آدمی ایک مسئلہ سیکھ لے تو یہ اس نفل پڑھنے والے سے بہتر و افضل ہے یہ مدارس دینیہ جو قائم ہیں یہاں علم ہی کی خدمت ہوتی ہے، علم پڑھا جاتا ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے، حدیث پڑھی جاتی ہے، فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن پاک حفظ کیا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! قرآن کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا ہے وہ اسی طرح پورا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے بچے قرآن حفظ کرتے ہیں، قرآن کی آیات کو اپنے سینے کے اندر محفوظ کرتے ہیں، یہ بہت بڑی دولت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے، مسلمانوں کے ذمہ ہے کہ اپنی ضروریات سے بچا کر ان مدارس کی امداد کریں، یہی مال آخرت میں کام آئے گا۔

مال و اولاد تری قبر میں جانے کے نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کے نہیں
جز عمل گور میں کوئی بھی ترا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبردار نہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق عطا فرمائے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول میں سنایا کرتا ہوں کہ انسان کی زندگی تین دن ہے ، ایک دن وہ جو گذر گیا اور ایک دن وہ جو آنے والا ہے ، وہ ملے یا نہ ملے ، ایک دن وہ جو موجود ہے ، گذرنے والا تو گذر گیا ، آنے والا کا پتہ نہیں ، اس لئے اسی ایک دن میں جو کرنا ہے کرلیں ، اور ایک صحابی سے منقول ہے کہ زندگی کل تین ساعت ہے ، ایک ساعت جو گذر چکی اور دوسری ساعت وہ جو آنے والی ہے پتہ نہیں آوے یا نہ آوے اور تیسری ساعت وہ ہے جو ملی ہوئی ہے اسی ایک ساعت میں جو کرنا ہے کرلیں۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ زندگی تین سانس ہے ، ایک سانس جو لے چکے اور دوسری سانس جو آنے والی ہے معلوم نہیں وہ آئے یا نہ آئے اس لئے ہر سانس کو آخری ہی سانس سمجھنا چاہئے۔

ہمارے بزرگوں نے موت کو کس طرح یاد رکھا اور ہر وقت آخرت کو پیش نظر رکھا اور ہر سانس آخرت کی تیاری میں صرف کیا ، ہائے افسوس! ہم نے موت کو بالکل بھلادیا ، آخرت سے بالکل غافل ہو بیٹھے ، سب سے زیادہ

دل کو نرم کرنے والی چیز موت کی یاد ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اکثروا ذکر ھازم اللذات الموت" لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔

آپ ﷺ نے یہ اسی لئے فرمایا کہ قلب میں رقت پیدا ہو اور آدمی آخرت کی طرف متوجہ ہو، لہٰذا ہم کو چاہئے کہ موت کا دھیان رکھیں اور اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ اللہ کے سامنے جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، سب کیا ہوا وہاں سامنے آئے گا اور یہاں جو کچھ ہم کررہے ہیں سب لکھا جارہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ یعنی ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جارہی ہے، نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾ یعنی جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا، نیز ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَایُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً﴾ یعنی سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور ان کا محبوب و مقرب بننا چاہے) تو (مجھ کو رسول مان کر میری شریعت کے موافق) نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی طاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

پس جس کو لقاء اللہ کا یقین ہوگا وہ عمل صالح کرے گا، ہمارے بزرگوں کو یہ بات حاصل تھی اس لئے اعمال صالحہ کے حریص تھے اور اپنے اوقات کو ذکر

وفکر میں گذارتے تھے جیسا کہ حضرت داود طائی کے متعلق میں نے پڑھا ہے اور یہ ان کا ایک حال تھا، دوسروں کیلئے ان کی تقلید اور نقل ضروری نہیں، بزرگوں کی سب احوال میں نقل نہیں کی جاتی، ان کی حالت یہ تھی کہ جب کھانے کی حاجت ہوتی تو ستو گھول کر پی لیا کرتے تھے، روٹی چاول وغیرہ نہیں کھاتے تھے، لوگ پوچھتے کہ حضرت! آپ صرف ستو کھاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرماتے کہ جتنی دیر میں کھانا کھاؤں گا میرا پچاس آیت کا نقصان ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! حضرت داود طائی کے نزدیک اپنے اوقات کی کتنی قدر و قیمت تھی اور ان حضرات کو قرآن پاک سے کیسا شغف تھا، بات یہ تھی کہ ہر وقت ان کو آخرت مستحضر تھی اس لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے تھے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس امت سے سب سے پہلے جو چیز نکلی یا کمزور ہوئی وہ آخرت کا تصور اور آخرت کا یقین ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

تو بھائی! اگر ہم کو یہ یقین ہے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا جواب دینا ہے تو ہم کو چاہئے کہ عمل کریں، شریعت کے مطابق زندگی گذاریں، اپنے سارے امور میں سنت کا لحاظ کریں خود بھی صالح بنیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، مومن کی یہی شان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ یعنی مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، ایک دوسرے کو اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں۔

اسی لئے میں تو برابر کہا کرتا ہوں کہ آپ دنیا کا سب کام کریں، تجارت کریں، ملازمت کریں، کاروبار کریں، شریعت نے منع نہیں کیا، روزی حاصل کرنا بھی عبادت ہے، ہاں بس اتنا لحاظ ضرور کریں کہ شریعت کے مطابق ہو، اپنے کو آزاد نہ سمجھیں، ناجائز میں مبتلا نہ ہوں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو تاجر سچا ہو وہ قیامت میں صدیقین کے ساتھ ہوگا، اس لئے تجارت کریں، روزی کمائیں مگر اعمال صالحہ سے غافل نہ ہوں، نماز روزہ سے غافل نہ ہوں، مال ہو تو حساب کر کے اس کی زکوٰۃ نکالیں، کسی کی حق تلفی نہ کریں، کسی کا مال غصب نہ کریں، کسی کی زمین غصب نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اللہ کے بندوں کے حقوق دونوں کو ادا کریں۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مکاتیب رشیدیہ میں تحریر فرماتے ہیں، حدیث کا مضمون ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا چھ رتی مال ناجائز طریقہ سے لے لے گا تو قیامت کے دن اس کی سات سو مقبول نمازیں اللہ تعالیٰ چھین کر صاحب حق کو دے دیں گے۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے ایک دفعہ دریافت فرمایا کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو مفلس اسے سمجھتے ہیں جس کے

پاس مال و دولت نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مفلس وہ ہے جو بہت سی نیکیاں لے کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا پھر ہر طرف سے مدعی کھڑے ہوں گے، کوئی کہے گا کہ اے اللہ! اس نے مجھے ستایا تھا، کوئی کہے گا کہ یا اللہ اس نے مجھے گالیاں دی تھیں، کوئی کہے گا میرا مال غصب کیا تھا، اسی طرح بہت سے مدعی اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور سب کو اس کی نیکیاں تقسیم کردی جائیں گی، بالآخر نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ سب نیکیاں ختم ہوجائیں گی اس کے بعد بھی مدعیوں کے حقوق باقی رہیں گے تو ان کے گناہ لے کر اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے، اس طرح وہ نیکیوں سے خالی ہوکر گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے جہنم میں بھیج دیا جائے گا، یہ ہے مفلس۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ یعنی مسلمان تو وہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

زبان کی حفاظت بے حد ضروری ہے، یہ زبان کبھی تھکتی نہیں، زبان سے بہت زیادہ گناہ ہوتے ہیں قیامت میں اس کی وجہ سے بہت ندامت اٹھانی پڑے گی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی ان کے زبان کی کھیتیاں ہوں گی، نیز حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہو اس کو چاہئے کہ بولے تو حق بولے، خیر کا تکلم کرے ورنہ خاموش رہے۔

بھائی! اگر کوئی چمچہ ہو اور اس میں نجاست لگی ہوئی ہو پھر اسی چمچہ سے گوشت یا فیرینی یا کوئی عمدہ سے عمدہ چیز نکالی جائے تو کیا کوئی شخص اس کو کھائے گا؟ اسی طرح سمجھئے کہ ہماری زبان دل کا چمچہ ہے، ہم نے زبان کو جھوٹ بول کر اور غیبت کر کے اور گالی گلوچ کر کے ناپاک کر لیا ہے اس لئے عمدہ سے عمدہ چیز بھی اس زبان سے لذیذ نہیں معلوم ہوتی، اللہ والوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ ان کی زبان پاک، ان کا دل پاک، ان کا خیال پاک، اس لئے ان کی ہر بات میں اثر ہوتا ہے، ان کو قرآن میں بھی لذت ملتی ہے اور ذکر اللہ میں بھی حلاوت ملتی ہے۔

بخدا قرآن میں آج بھی وہی اثر ہے لیکن چونکہ ہماری زبان ناپاک ہے ہمارا دل ناپاک ہے اس وجہ سے ہم پر اس کا اثر نہیں ہوتا، اللہ کے ذکر میں بڑی لذت ہے مگر اس لذت کو حاصل کرنے اور محسوس کرنے کے لئے دل چاہیئے گناہوں کے زنگ سے دل کو پاک کرنا چاہیئے تب ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ کی لذت و حلاوت محسوس ہوگی۔

اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ آدمی بہت نفیس حلوا بنائے مشک و عنبر اور زعفران وغیرہ شامل کر کے خوب لذیذ حلوا تیار کرے اور اس حلوے کو کھا کر پھر تھوڑا سا زہر اٹھا کر پی لے تو کیا حال ہوگا؟ حلوے کی قوت کچھ کام کرے گی یا زہر اس پر غالب آجائے گا؟ اسی طرح عبادت کر کے جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کو عبادت کی حلاوت نہیں ملتی، ورنہ اللہ کی عبادت میں، ذکر و نماز اور تلاوت میں وہ لذت، وہ حلاوت اور وہ مزہ ہے کہ آدمی کو دنیا ہی

میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

آہ! مولانا محمد علی جوہر کا ایک شعر یاد آیا، یہ عالم تو نہیں تھے لیکن علماء کی صحبت میں رہے تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ان کو پہنچا تھا تو دیکھئے ان کا کیا حال ہے اور کیا فرمارہے ہیں۔

ہر حال میں راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ		دنیا ہی میں بیٹھا ہوا جنت کا مزہ دیکھ

بہلول دانأ ایک بزرگ تھے، ایک دفعہ وہ مستانہ وار جھومتے ہوئے چلے جارہے تھے، کسی نے ان سے کہا حضرت! کہئے مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق سارا نظام عالم چلتا ہے، اس نے کہا اسی وجہ سے لوگ آپ کو دیوانہ کہتے ہیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سارا نظام عالم آپ کی مرضی کے مطابق چلتا ہو؟ تو فرمایا کہ بھائی پہلے اس بات کو سمجھو، اور یہ بتاؤ کہ عالم کا یہ نظام جو چل رہا ہے یہ کس کی مرضی سے چل رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، اور سارے نظام عالم میں اسی کی مشیت اور ارادہ کارفرما ہے، تو فرمایا کہ جب تم کو یہ تسلیم ہے تو اب میری بات سنو کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے میری اپنی کوئی مرضی نہیں اور اپنا کوئی ارادہ نہیں جو ان کی مرضی ہو وہی میری مرضی ہے، پس جو کچھ ہو رہا ہے وہ انکی مرضی سے ہو رہا ہے تو سمجھو کہ وہ میری ہی مرضی سے ہو رہا ہے۔

سبحان اللہ! فنائے ارادہ کو حضرت بہلول دانأ نے کیسے عمدہ عنوان سے

سمجھا دیا اگر انسان اپنی مرضی اور اپنے ارادہ کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے تو ہمیشہ باکیف رہے، کبھی اس کو بے کیفی حاصل نہ ہو کیوں کہ انسان بے کیف اور باکیف جو ہوتا ہے وہ اسی وجہ سے کہ اپنی تجویز کو باقی رکھتا ہے چنانچہ جب حالات اپنی مرضی کے موافق پیش آتے ہیں تو باکیف ہو جاتا ہے اور جب مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تو بے کیف اور مکدر ہو جاتا ہے اگر اپنی تجویز کو چھوڑدے اور اللہ کی تجویز پر راضی رہے تو راحت پاجائے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

چھوڑدے چون وچرا تجویز سے کیا کام ہے
ہے وہی فائز جو اُن کا بندۂ بے دام ہے

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ "والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ" جو کچھ پیش آتا ہے سب اللہ کی طرف سے آتا ہے، جو حالات اللہ کی طرف سے آتے ہیں اس میں بڑی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے، ہمیں کیا خبر، اللہ تعالیٰ ہی علیم و حکیم ہیں۔

ایک نادان بچہ جو بیمار ہے اور حکیم نے اس کے لئے میٹھا کھانا مضر بتلایا اور کہہ دیا کہ اس کو مٹھائی مضر ہے، اس کو ہرگز نہ دی جائے، اب وہ بچہ ضد کرتا ہے کہ ہم کو مٹھائی دیجئے مگر ماں باپ سمجھتے ہیں کہ بچے کے حق میں شفقت و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ جو چیز اس کے لئے مضر ہے اس کو نہ دی جائے، چنانچہ باوجود ضد کے بچے کو مٹھائی نہیں دیتے اور یہ نہ دینا عین شفقت و محبت ہے،

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں ہماری بھلائی مضمر ہے، ہم اس کی حکمت اور مصلحت نہیں جان سکتے، ہماری مثال بالکل نادان بچے کی سی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری مصلحت کو ہم سے کہیں زیادہ جانتے ہیں، چنانچہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿عَسیٰ اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسیٰ اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور واقع میں وہ تمہارے حق میں خیر اور مصلحت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور واقع میں وہ تمہارے حق میں باعث خرابی کا ہو اور (ہر شئی کی حقیقت حال کو) اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے (اس لئے اپنی رغبت و کراہت پر کبھی عمل نہ کرو جو کچھ حکم ہو جاوے اس میں مصلحت سمجھ کر اس پر کاربند رہا کرو)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے رؤوف بالعباد ہے اس کی مہربانی اور رحمت کی شان دیکھو کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اس کی عبادت سے روگردانی کرتے ہیں، اس کو نہیں مانتے، وہ ان کو بھی روزی دیتا ہے، مال دیتا ہے، اولاد دیتا ہے، دنیا میں ساری نعمتوں سے نوازتا ہے اس لئے کہ وہ رب العالمین ہے، ہاں مگر قیامت میں ایمان والوں اور تقویٰ کی زندگی گذارنے والوں کو جنت ملے گی ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَأْوٰی﴾ یعنی جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا

ہو گا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہو گا تو بیشک جنت اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اعمال کے عند اللہ قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس عمل میں اخلاص ہو یعنی وہ اللہ ہی کے لئے کیا جائے جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں تو سمجھو کہ کامیاب ہو گئے، اس لئے ہم کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ہمارا سب کام سنت کے مطابق ہو اور ہر عمل میں اللہ ہی کی رضا مطلوب ہو، ہمارا ہنسنا بولنا، کھانا پینا، ملنا جلنا، مرنا جینا، سب اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے، جب ہم اللہ کے بندے ہیں تو ہم کو اللہ ہی کا ہو کر رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو اس کو اجر و ثواب بھی خوب ہی خوب عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک کھجور کی گھٹلی اللہ کی راہ میں خالص نیت سے کسی نے دے دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کو احد پہاڑ کے برابر کر دیں گے۔

صحابہؓ کے اندر وہ خلوص تھا کہ ان کا ایک مُد جَو غیر صحابی کے احد پہاڑ کے برابر سونے سے بڑھ کر ہے، اس خلوص کو بھلا کون پہنچ سکتا ہے، جن کو یہ شرف ملا کہ حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ ﷺ کی پاک

صحبت سے نوازے گئے، آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ کے ساتھ جہاد کیا، ان کے حال کا کیا پوچھنا۔

﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لاَخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَهُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، اور وہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن کے اندر ایمان ہے اور وہ اللہ سے ڈرتے ہیں یہی اللہ کے ولی ہیں اور ایمان و تقویٰ کا نام ولایت ہے۔

اب دعا کیجئے کہ اے اللہ! ہم کو اپنی محبت عطا فرما اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، قرآن مجید سے اور حدیث پاک سے ہم کو صحیح و قوی تعلق پیدا ہو جائے، ہماری زندگی فرماں برداروں کی زندگی بن جائے، اے اللہ! ہم سب کو اپنی محبت عطا فرما اور اپنے پیارے محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت عطا فرما، آپ ﷺ کی اتباع ظاہری و باطنی ہم کو نصیب فرما، بزرگان دین کے فیض سے ہم کو مالا مال فرما، ہمارے مردہ قلوب کو زندہ فرما۔

اے اللہ! ہمارے اندر محبت و اتحاد پیدا فرما اور دین کا صحیح جذبہ ہم کو عطا فرما، ہماری غفلتوں کو دور فرما، اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما اپنی یاد کی ہم کو توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم نے اپنی زندگی برباد کرلی ہے ہماری باقی زندگی کو اپنی طاعت اور فرماں برداری میں لگا، اے اللہ! ہم سب پر رحم فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، آمین یا رب العلمین.

صفات المومنین

اقتباس

توبہ سے رکنا شیطانی اغواء ہے، اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے اور جب کہ توبہ پر ثابت قدم نہیں تو توبہ کس کام آئے گی ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا؟ یہ سب شیطانی چکمے ہیں، کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ تم گناہ کرنے تک زندہ رہو گے؟ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مر جاؤ، اس قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے، تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچے دل سے کرو۔

تعارف

از مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

حضرت مولانا دامت برکاتہم کی طبیعت یونہی ناساز رہتی ہے، آج الہ آباد سے آنے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑی چنانچہ عین جمعہ کی نماز کے وقت کار سے تشریف لائے اور آنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اگر تمہاری محبت کا خیال نہ ہوتا تو الہ آباد میں طبیعت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ جی چاہتا تھا کہ تار دے دوں کہ میں نہیں آسکتا مگر بس محبت میں چلا آیا، حضرت کا یہ میرے اوپر اور تمام اہل شہر پر بہت بڑا کرم اور احسان ہے کہ حضرت نے باوجود ناسازیٔ طبع کے تشریف لانے کی زحمت فرمائی اور حضرت کے دست مبارک سے جامعۃ الرشاد میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی، اس وقت بھی حضرت پر تکان اور ضعف غالب ہے اس لئے زیادہ زحمت تو نہیں دینا چاہتا لیکن دعا کے ساتھ کچھ تھوڑا سا بیان فرمانے کی درخواست کروں گا۔

ایک بات اور عرض کردوں کہ حضرت کے تعارف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کی چنداں حاجت تو نہیں اس لئے کہ حضرت کی ذات گرامی خود مشہور و معروف ہے لیکن میں اپنے جذبات کے اظہار کے لئے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ اس خادم کو تیس برسوں کے اندر جتنے لوگ گذرے ہیں سب کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہے اور سبھی کے یہاں اپنا کچھ وقت گذارنے کی کوشش کی ہے اور اب عمر کے

آخری حصہ میں حضرت مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم سے میرا تعلق ہے اور اس سلسلہ میں چونکہ حضرت خود یہاں موجود ہیں اس لئے بہت لمبی چوڑی بات نہیں کہتا بس صرف ایک شعر پڑھ کر اپنے تعارف کو ختم کرتا ہوں۔

آفاقہا گردیدہ ام ، مہر تاباں ورزیدہ ام
بسایار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یعنی بہت گھوما پھرا ہوں اور بہت دیکھا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جو تواضع، جو خاکساری و سادگی آپ کو عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق آپ میں محسوس ہوا وہ بہت کم دیکھا، اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ حضرت کی خدمت میں پہنچ جائیں تو ایسا محسوس کریں گے کہ گویا ہم ایک وادیٔ محبت میں پہنچ گئے ہیں اور یہ میں اس لئے عرض کردیتا ہوں کہ ہمارا یہ طریقہ ہوگیا ہے کہ بزرگوں کی قدر ان کی زندگی میں نہیں کرتے، ان سے تعلق تو کیا ان کی مخالفت کرتے ہیں مگر ان کے پردہ فرماجانے کے بعد ان کی خوب قدر کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اگر ان کی زندگی میں ان سے تعلق رکھیں اور ان کے پاس آمد و رفت رکھیں تو یہ حضرات بہت کچھ سکھادیں اسی بناپر الفرقان کے دو تین شمارے میں میں نے یہ مضمون لکھا تھا کہ بزرگوں کی قدر ان کی زندگی میں کرنی چاہئے وفات کے بعد ان کی قدر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

بس یہ چند باتیں مجھے عرض کرنی تھیں اب حضرت مولانا دامت برکاتہم سے گذارش کروں گا کہ جتنی دیر بہت آسانی سے ہوسکے کچھ ارشاد فرمائیں حضرت کے ضعف کے خیال سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا، اب آپ حضرت کا بیان سنیں۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، قَالَ اللّٰـهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰـهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

یعنی بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں، اور وہ لوگ اپنے رب

پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ (سورۂ انفال پ/۹)

صحابیت کا مقام کیسے ملا؟

قرآن تو قرآن ہی ہے، اللہ کا مقدس و مبارک کلام ہے، اس کی برکت کا کیا کہنا، اس کی حلاوت کا کیا پوچھنا، میں تو کہتا ہوں کہ یہ جو خطبہ پڑھا گیا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی پاکی بیان کی گئی، الحمد للہ یعنی اللہ ہی حمد کے لائق ہے، وہی قابل ستائش ہے اس لئے ہم اس کی حمد اور اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اسی پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں اس لئے کہ توکل اور بھروسہ کے لائق تو اللہ ہی کی ذات ہے، اگر ہم توجہ سے سنیں اور ہمارے دل کے اندر ایمان و یقین بھی ہو تو ہماری ہدایت کے لئے یہی خطبہ مسنونہ کافی ہے، چنانچہ ایک صحابی اسی خطبہ کو سن کر ایمان لائے، اور صحابیت کے مقام کو پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو کان سننے کے لئے دیا گیا، آنکھ دیکھنے کے لئے دی گئی، دل غور و فکر کرنے اور سوچنے کے لئے دیا گیا، اگر ان سے کام نہ لیا جائے تو ضلالت و گمراہی آجائے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے صفات میں بیان

فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّايُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّايَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے (نام کو تو) دل ہیں مگر ایسے ہیں جن سے (حق بات کو) نہیں سمجھتے (کیونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے) اور جن کے (نام کو تو) آنکھیں ہیں (مگر) ایسے ہیں جن سے (نظر استدلال کے طور پر کسی چیز کو) نہیں دیکھتے، اور جن کے (نام کو تو) کان ہیں مگر ایسے ہیں جن سے (متوجہ ہو کر حق بات کو) نہیں سنتے (غرض) یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ (ان چوپایوں سے بھی) زیادہ بے راہ ہیں (کیونکہ) یہ لوگ (باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے) غافل ہیں۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں یہ فرمارہے ہیں کہ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں، کان ہے مگر سنتے نہیں، دل ہے مگر سوچتے نہیں، پس ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھیں، کان سے حق بات کو سنیں اور دل سے سوچیں تاکہ ہمارا دل بھی واقعی دل بن جائے، اللہ کی یاد سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ کے تعلق سے، انبیاء علیہم السلام کی پاک صحبت سے کتنے لوگوں کے دل دل بن گئے، یعنی ان کے دل پاک ہو گئے ان کے دل کا تزکیہ ہو گیا، ان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو گیا اور قرآن مجید سے عشق ہو گیا، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات گرامی سے عشق ہو گیا، اللہ و رسولؐ

کے چاہنے والے ہوگئے، اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے ارشادات جن کو حدیث کہتے ہیں محفوظ نہ رکھتے تو ہم تک وہ ارشادات عالیہ کیسے پہنچتے؟

صحابہ کرامؓ نے قرآن پاک کی حفاظت کی، اس کو حفظ کیا، اور قرآن پاک کی تعلیم دی، قرآن پاک کے مطابق اپنی زندگی بنائی، اسی طرح انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی حدیثوں کو یاد کیا، اس کو محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے تو ان ہی حضرات کے ذریعہ دین کی حفاظت فرمائی اور اس کار عظیم کے لئے ان ہی کا انتخاب فرمایا اور ان کو اس خدمت عالی کے لئے چن لیا، صحابہ کرامؓ کی عجیب شان ہے اور ان حضرات کا بہت بڑا مقام ہے۔

سنئے! مگر دل کو متوجہ کر کے غور سے سنئے اور اس طرح سنئے کہ بات دل میں اتر جائے، اس نیت سے سنئے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کرنا ہے اپنی زندگی کو ایمانی اور اسلامی زندگی بنانا ہے، اپنے دل کو پاک کرنا ہے، اگر اس طرح سنا جائے تو آج ہماری اصلاح ہو سکتی ہے اور کام بن سکتا ہے، مگر سنتے کہاں ہیں اس لئے کہ سننے کے لئے دل چاہئے اور وہ مفقود ہے، دل ہی میں ایمان رہتا ہے، اور اصل شئ ایمان باللہ ہے، یہ بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَاللّٰهِ﴾ کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دے دیا جو کہ اللہ پر

اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو؟ یہ لوگ باہم برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔

ایمان نام ہے یقین کا، ایسا یقین جس میں کوئی شبہ اور تردد باقی نہ رہے، قرآن پاک کے شروع ہی میں فرمادیا گیا ہے ﴿الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، راستہ دکھاتی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو۔

مؤمن کا طغرائے امتیاز

یہ کتاب اللہ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ بھی ہے لیکن ہدایت الٰہی ان ہی کو ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور جن کے دل میں اللہ کا خوف ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ یعنی وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور مومن کا طغرائے امتیاز یہی ایمان بالغیب ہے، قیامت میں دیکھ کر تو کافر بھی ایمان لائیں گے مگر وہ ایمان مقبول نہیں ہوگا، ایمان وہی معتبر ہے کہ بن دیکھے ایمان لائے، اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمادیا ہے اس پر ایسا یقین ہونا چاہئے کہ آنکھ سے دیکھنے پر بھی اس درجہ کا یقین پیدا نہ ہو، ہم نے جب آپ کو رسول مان لیا تو پھر تردد اور شک کے کیا معنی؟ اگر شک اور تردد ہے تو پھر ہم نے رسول ہی کہاں مانا؟ چاہئے کہ حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس پر پورا یقین ہو، قرآن میں جو کچھ آیا اس کی کامل تصدیق ہو، اللہ کی کتاب ہمارے گھروں

میں ہے، مدارس میں اس کی تعلیم ہوتی ہے، حدیثیں پڑھائی جاتی ہیں، قرآن مجید کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، ہم خود بھی قرآن پڑھیں، اپنے بچوں کو بھی قرآن کی تعلیم دیں، یہ سب سے بڑی دولت ہے، قرآن عقیدے کی بھی دعوت دیتا ہے اور عمل کی بھی دعوت دیتا ہے، زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اس میں تعلیم موجود ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق، کون سی ایسی چیز ہے جس کی تعلیم قرآن میں موجود نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ﴾ فرمایا ہے۔

اگر ہم غور وفکر سے کام لیں تو ہم کو حقیقت معلوم ہو جائے، اس امت سے سب پہلے جو چیز کمزور ہوئی وہ آخرت کا یقین اور آخرت کا تصور ہے اس وقت تک انسان صحیح معنوں میں انسان نہیں بن سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل نہ کرے، اس کی کوئی مرضی باقی نہ رہے اس کی کوئی رائے باقی نہ رہے، مومن کا کام یہی ہے کہ وہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ یعنی اے ایمان والو! خدا کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔

پس ہم کو چاہئے کہ اللہ ورسول ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس کو کریں اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے باز آجائیں، بہت لوگ ایسے ہیں جو حضور ﷺ کی سنت سے انحراف کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے طریقہ سے بہت دور ہیں پھر بھی عشق ومحبت کا دعویٰ کرتے ہیں، بھائی! یہ دعویٰ تو غلط ہے، اللہ تعالیٰ کا تو یہ

ارشاد ہے کہ ﴿مَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ رسول جو تم کو حکم دیں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے باز رہو۔

فکر ایک آئینہ ہے

انسان خود اپنے اندر غور و فکر کرے، فکر ایک آئینہ ہے اس میں ساری چیزیں نظر آجاتی ہیں، اگر ہم غور کریں اور اپنے دل کو ٹٹولیں تو ہمیں نظر آجائے کہ ہمارے دل میں جیسا یقین قیامت کا، جنت و جہنم کا، جزا و سزا کا ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، اسی وجہ سے ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور پھر بھی مطمئن ہیں، مگن اور خوش ہیں، اگر یقین کامل ہوتا تو معصیت اور نافرمانیوں سے لرزتے، کانپتے، اس کے قریب نہ جاتے، مگر اصل بات یہ ہے کہ ہماری زندگی کا جو مقصد تھا اس مقصد ہی کو ہم نے بھلادیا، یعنی اللہ کی بندگی، اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی، اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔

عبادت تذلل اور عاجزی کا نام ہے، بندہ اللہ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کرے، لرزتا اور کانپتا رہے، اللہ کے قانون اور اس کی مرضی پر فدا ہو جائے اپنی مرضی کو چھوڑ دے، اپنے عقیدے کو اپنے عمل کو شریعت کے مطابق بنادے، یعنی شادی و غمی میں، لین دین میں، تجارت و ملازمت میں،

اخلاق و عادات میں، غرض اپنے تمام امور میں شریعت کا لحاظ رکھے اور ان کو سنت کے مطابق انجام دے۔

یہ زندگی جو ہمیں دی گئی ہے یہ بہت بڑی دولت ہے اس کے مقابلہ میں مال و دولت، محل و مکان سب ہیچ در ہیچ ہیں، اس زندگی میں سب سے بڑی دولت ایمان کی دولت ہے، پس اگر ایمان و یقین ہمارے اندر ہو، اللہ کا خوف ہمارے اندر ہو تو اسی سے ہماری زندگی بن جائے گی۔

وہ لوگ جو سرکش تھے، جو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، وہ لوگ جو کثرت سے شراب پیا کرتے تھے، چوری کرتے تھے، بدکاری کرتے تھے، ظلم و ستم کرتے تھے وہی ایمان لا کر حضور اکرم ﷺ کی پاک صحبتوں میں رہ کر کیا تھے اور کیا ہو گئے، جب انہوں نے کلمہ پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو ان کو وہ لذت و حلاوت ملی اور وہ کیفیت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اللہ و رسولؐ کے حکموں پر سب کچھ قربان کر دیا، اپنی آخرت کو سنوار لیا۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ دین پر عمل کرنے میں خسارہ ہے اور دنیا کی زندگی کامیاب نہ ہو گی، ایسا نہیں ہے بلکہ ہم جتنا بھی اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے اسی قدر ہم کو دنیا میں بھی فلاح و کامیابی حاصل ہو گی اور آخرت میں بھی کامیابی کا وعدہ ہے، ذرا ہم اس قرآن کو پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر عمل کریں تو دیکھیں پھر کیا ملتا ہے، یہ وہی قرآن ہے جس کو سن کر بڑے بڑے منکر اور سرکش کلمہ پڑھنے لگتے تھے، جب کفار کی یہ کیفیت ہوتی

تھی پھر مومن کی کیا کیفیت ہو گی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے :

اگر میرا بیان سننا تھا تو.....

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو اس آخری دور کے بہت بڑے عالم اور بزرگ گذرے ہیں، ایک دفعہ جب وہ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے، وہاں لوگوں نے بیان کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا بھائی! اس جگہ کچھ بیان کرنے کی میری ہمت نہیں پڑتی، احترام کے خلاف معلوم ہوتا ہے، پھر لوگوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت کے مرشد تھے سفارش کرائی تو حضرت نے منظور فرمالیا، وعظ سے پہلے ایک ترکی لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت کی، اس کی تلاوت سن کر حضرتؒ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور ایسا حال ہو گیا کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی! اگر میرا بیان سننا تھا تو اس لڑکے سے قرآن کیوں پڑھوایا اب تو اس کی قرأت سن کر مجھے قدرت باقی نہیں رہی کہ کچھ بیان کرسکوں، یہ کہہ کر وعظ سے عذر فرمادیا۔

سبحان اللہ! کیسا حال تھا کہ بیان پر قدرت نہ رہی اور یہ حال کچھ عربی جاننے پر موقوف نہیں ہے بلکہ جو دل سے قرآن پڑھے اور سنے تو یہ لطف و کیف ملتا ہے، بعض لوگ جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے اور قرآن کا مطلب نہیں سمجھتے ان کو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ تو یہ

خیال غلط ہے، قرآن کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے ہر طرح موجب اجر و ثواب ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا خواب

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور یہ سوال کیا کہ آپ کا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد! میرے کلام کی تلاوت سے، انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ ارشاد ہوا کہ جیسے بھی ہو، سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے، دونوں طرح قرب حاصل ہوتا ہے۔

اس خواب کو بزرگان دین اور علماء ربانیین نے بیان فرمایا ہے تو یہ حجت ہو سکتا ہے، اس لئے بالیقین سمجھنا چاہئے کہ بلا سمجھے تلاوت سے بھی اجر و ثواب ملتا ہے اور موجب قرب ہے چنانچہ ﴿الٓمٓ﴾ پڑھنے پر بھی تیس نیکی کا وعدہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ تو مقطعات میں سے ہے اور اس کے معنی ہم لوگ نہیں جانتے تاہم ثواب ملتا ہے، اسی طرح جملہ قرأت کا بھی یہی حال ہے یعنی ہر ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکی ملے گی، سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

صحابۂ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کاروبار بھی کرتے تھے، کھیتی باڑی بھی کرتے تھے، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا، اللہ کے محبوب ﷺ سے تعلق تھا، قرآن پاک سے تعلق تھا، اس لئے ان کی زندگی نمونہ بن گئی اور لوگ ان حضرات

کو دیکھ کر اور ان کے کلام کو سن سن کر اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔

ایک گذارش اور التماس

ہم کو ضرورت ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر انصاف سے غور کریں اور سوچیں کہ ہم نے اپنی زندگی کو کہاں خرچ کیا؟ اور اب تک جو زندگی ہماری گذر چکی اس میں ہم نے کیا کیا؟ چونکہ ہم غور نہیں کرتے اس لئے غافل ہیں، مہینوں گذر گئے، سالوں گذر گئے کتنے دن رات ہم پر آئے اور چلے گئے مگر ہم اس کو سوچتے ہی نہیں کہ ہمیں مرنا ہے، خدا کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا جواب دینا ہے، جہنم حق ہے اور جنت بھی حق ہے، پتہ نہیں کہ ہم کو جنت میں بھیجا جائے گا یا جہنم میں، ہم نے اپنی زندگی برباد کردی، سارا وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گذارا پھر بھی کوئی دھیان اس طرف نہیں۔

بزرگان دین اور بڑے بڑے اولیاء واکابر کا یہ حال تھا کہ عبادت کر کے بھی ڈرتے اور لرزتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے۔

فاروق اعظمؓ کی خشیت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت میں ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جہنم میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جنت میں بھیجا جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں، حالانکہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جب بھی اس قدر ڈرتے تھے، مگر

آج ہمارے دلوں میں اللہ کا ڈر باقی نہیں اور محبت تو بہت بلند چیز ہے۔

بھائی! قلب کو چین وسکون اور اطمینان بغیر ذکر اللہ کے حاصل ہو ہی نہیں سکتا، نہ مال سے سکون واطمینان مل سکتا ہے اور نہ دنیا کی کسی چیز سے، قلب کو سکون وراحت اور لذت وحلاوت تو بس اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد سے ہی مل سکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ یعنی آگاہ ہو جاؤ اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے۔

ذکر اللہ سے غفلت موت ہے

ایک بہت بڑے بزرگ تھے ان کے ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے شیخ کا انتقال ہو گیا، وہ مضطرب ہو کر گھر سے نکل پڑے، ان کی عجیب کیفیت ہو گئی، رنج وغم کے ساتھ شیخ کے گھر کے لئے روانہ ہوئے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں اور مریدین ومعتقدین ارد گرد جمع ہیں، اللہ کی باتیں ہو رہی ہیں، مجلس گرم ہے، یہ پہنچے تو دیکھ کر مسرور ہوئے پھر شیخ سے عرض کیا کہ حضرت! میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا جس کی وجہ سے مجھ کو بہت پریشانی لاحق تھی، اضطراب وبے چینی میں یہاں حاضر ہوا تو حضرت کو اچھا خاصا دیکھ کر اطمینان ہوا، پھر ان بزرگ نے فرمایا کہ تمہارا خواب بالکل سچا ہے اس لئے کہ جس دن تم نے خواب دیکھا تھا اس دن میرا وِرد ترک ہو گیا تھا یہی میری موت ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھلا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے غافل ہونا اور اللہ کی یاد سے دل کا خالی ہونا یہ بھی موت کے مترادف ہے، مگر آج ہم اپنے کو دیکھیں کہ اپنے دنیوی کاروبار میں پھنس کر اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے کس قدر غافل ہیں، یہی ہماری دینی موت ہے، ہمارے ایمان میں کمزوری آگئی ہے، ضعف پیدا ہو گیا ہے مگر اس کی ہم کو خبر بھی نہیں۔

سنئے! ایمان یقین کا نام ہے اور اسی یقین کے کمال وقوت کی وجہ سے صحابہؓ کا درجہ بڑا ہے، ایمان لانے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی صحبت میں رہے، بلکہ حضور ﷺ کو جس نے ایک نگاہ دیکھ لیا اس کی وجہ سے اتنے مقام پر پہنچ گئے کہ بعد والے غوث وقطب بھی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

بھائی! ہر چیز کے لئے ایک کسوٹی ہوتی ہے جس سے کھرا و کھوٹا ظاہر ہوتا ہے، سونے اور چاندی کے لئے کسوٹی ہوتی ہے وہ بتادیتی ہے کہ یہ سونا کھوٹا ہے اور یہ کھرا ہے، اسی طرح ایمان کو پرکھنے کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے اس پر ایمان کو پرکھنا ہوگا، ایمان کے لئے کچھ صفات کا ہونا لازم ہے لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ مومن کی صفات ہمارے اندر ہیں یا نہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت جگہ ان صفات کو بیان فرمایا ہے، اگر تدبر سے قرآن پڑھیں اور سنیں تو ان صفات کو معلوم کرسکتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿

یعنی بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں، اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ (سورۂ انفال پ/۹)

دیکھئے! اللہ تعالیٰ حصر کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ یقیناً وہی لوگ مومن ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں چونکہ اللہ کے نام کی عظمت مومن کے دل میں ہوتی ہے اور وہ اللہ کے محبّ اور عاشق ہوتے ہیں لہٰذا اللہ کا نام آتے ہی ان کے قلوب دہل جاتے ہیں اور کچھ اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے۔

جن کی سیرت سراپا عبرت ونصیحت

بھائی! سلف کا حال کیا بیان کروں، صحابہ و تابعین کی سیرت کیا بیان کروں، کتابوں میں درج ہے دیکھ لیجئے، ان حضرات کے احوال کو جانے دیجئے

اس اخیر کے زمانہ میں ایسے ایسے بزرگان دین ہوئے ہیں جن کی سیرت ہمارے لئے سراپا عبرت و نصیحت ہے، کرامات امدادیہ اٹھا کر دیکھئے اور اس میں جو کچھ درج ہے اس کی اکابر علماء نے تصدیق کی ہے اس لئے ہم اس میں ذرا شبہ نہیں کر سکتے، چنانچہ یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک مرید تھے جو معمولی پڑھے لکھے تھے، دیہات میں رہتے تھے، حضرت نے ان کو بارہ تسبیح کا ذکر تلقین فرما دیا تھا اور مغرب کے بعد کا وقت مقرر فرما دیا تھا وہ اسی وقت پڑھا کرتے تھے ان کے پڑوس میں ایک کمہار رہتا تھا اس نے برتن بنا کر اس کا آنواں لگا رکھا تھا اور وہ دہک رہا تھا، ان صاحب پر اثنائے ذکر میں ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ بے خودی کی حالت میں اچھل کر اسی آنوے میں کود پڑے اور دیر تک اسی پر لوٹتے پوٹتے رہے جب افاقہ ہوا تو اس پر سے ہٹ کر کنارے آئے مگر ایک رواں بھی ان کا جلا نہیں تھا اور آگ نے ذرا بھی اثر نہیں کیا تھا۔

واقعی اللہ کا ذکر کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آگ کو بھی اللہ تعالیٰ ان کیلئے گلزار بنا دیتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا تھا، عشق و محبت انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کس کے اندر ہو سکتی ہے انہیں کا عکس اور پرتو اور لوگوں پر بھی پڑتا ہے تو ایمان ان کے قلب میں آ جاتا ہے۔

ایک بزرگ اپنے شیخ کے بارے میں جن کی خدمت میں رہ کر دین سیکھا

تھاان کو دعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

وہ جس کی بدولت مجھے ایماں حاصل ہوا
اللہ جگہ دے اسے اللہ جگہ دے

دیکھئے! چونکہ شیخ کی بدولت ایمان قلب میں آیااور قلب روشن ہو گیااس لئے ان کے حق میں ایسادل سے دعافرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے یہاں اچھی جگہ دے اور خاص مقام عطافرمائے، ہم کو تواس کی کچھ قدر ہی نہیں بلکہ ہماری اکثریت کی حالت یہ ہے کہ گناہ و نافرمانی بھی کرتے ہیں، نمازیں قضا کرتے ہیں، زکوٰۃ کو ترک کرتے ہیں، اللہ کے حدود کو بھی توڑتے ہیں، اللہ کے ذکر سے غافل ہیں، بالکل من مانی زندگی گذار رہے ہیں مگر بے فکر ہیں کبھی زبان سے توبہ استغفار بھی کہہ لیتے ہیں مگر توبہ کی حقیقت اور کیفیت جو مطلوب ہے قلب میں نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس کے نتائج و ثمرات بھی مرتب نہیں ہوتے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ جو قطب زمانہ تھے، وہ توبہ کی حقیقت جو بیان فرماتے ہیں اس کو سنئے :

طریق کی پہلی منزل توبہ ہے

میرے عزیز بھائی شمس الدین! اللہ تعالیٰ تم کو توبہ کرنے والوں کی بزرگی عطافرمائے، تمہیں معلوم ہو کہ پہلی منزل اس راہ کی توبۂ نصوح ہے یعنی توبہ

خاص اور توبۂ خاص الخاص، یہ توبہ علیٰ قدر مراتب ہوتی ہے اس میں کسی کی قید نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ﴿تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو شاید تمہاری بہتری ہو جائے۔

توبہ ہر ایک پر فرض ہے

یہ آیت شریفہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی، وہ حضرات ہمہ تن تائب تھے، کفر سے سخت بیزار، ایمان سے نہایت رغبت و دلچسپی رکھنے والے، گناہ پر ان حضرات نے لات ماری تھی اور پس پشت ڈال دیا تھا، طاعت و عبادت میں مشغول تھے پھر بھی سبھوں کو توبہ کا حکم ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہوئے؟ ایک بزرگ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا، آپ نے فرمایا کہ توبہ ادنیٰ، اعلیٰ سب پر فرض ہے، ہر آن و ہر صورت، مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے، کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے، عاصیوں پر معصیت سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے، محسنوں پر فرض ہے کہ افعال حسن سے احسن کا قصد کریں، واقفان راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں روش سالکانہ اختیار کریں، مقیمان آب و خاک پر فرض ہے کہ عالم اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں طیر کی قوت حاصل کریں اور حضیض سفلی سے اڑ کر اوج علوی پر پہنچیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھہرنا گناہ ہے اس مقام سے اس کو توبہ کرنا چاہئے اور آگے قدم بڑھانا چاہئے ﴿تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُوْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ کی تفسیر یہی ہے، بات یہ ہے کہ جس مرتبہ میں سالک پہنچتا ہے اس سے اعلیٰ مرتبہ موجود ہے، مرتبہ اسفل سے ترقی کرنا اور مرتبہ اعلی پر پہنچنا فرض راہ ہے ورنہ سلوک ناتمام رہے گا، آگے فرماتے ہیں :

"توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں، رہا یہ کہ صفت رجوع مختلف ہوا کرتی ہے، جس حال، جس معاملہ، جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے توبہ ہوگی، عوام کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے نفس پر ظلم کیا ہے، نافرمانی کی ہے، اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں، خاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم وکرم ہوا اس اعتبار سے مطلق خدمت ادا نہ ہوئی، خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے کو صاحب قوت وطاقت کیوں سمجھا، ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا، عاجز ونیست کیوں نہ سمجھا؟ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے"۔

جب توبہ کے مراتب معلوم ہو چکے تو ایک مسئلہ بھی سن لو :

مسئلہ: توبہ کے لئے ہمیشگی شرط نہیں ہے یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اس سے عمر بھر سرزد نہ ہو، نیت البتہ صحیح ہونا چاہئے، جب توبہ کرے تو سچے دل سے قصد رکھے کہ اب یہ گناہ ہم

نہ کریں گے، توبہ ہو جائے گی اور وہ شخص ماجور ہو گا اور اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہو جائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا اور توبہ کا ثواب اس کو ملے گا۔

ان بزرگان دین سے تو بڑھ کر مقامات واحوال ومعاملات کا تجربہ کسی کو نہیں ہے، دیکھو! اس گروہ میں بھی بعض لوگ ایسے گذرے ہیں کہ توبہ کے بعد پھر گناہ میں مبتلا ہوئے اور پھر توبہ کی، ایک بزرگ کا قول ہے (رحمۃ اللہ علیہ) کہ میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے یہاں تک اکہترویں مرتبہ جب میں نے توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی۔

توبہ کی ترغیب

اس کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ توبہ کے متعلق بہت سے اقوال حضرات مشائخ کے نقل فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :

"اے بھائی! کیا کہیں اجل تاک میں ہے جو دم آدمی زندہ ہے غنیمت ہے اس وقت کی قدر کرنا چاہئے کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں توبہ سے غافل نہ رہو، ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ اب توبہ کرلیں، ان بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڑھے! تم چوک گئے، آنے میں بہت دیر لگادی، تمہیں جوانی میں آنا تھا، مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا اور توبہ کے فوائد سن کر آیا تھا کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ، میں تو جلد سے جلد آیا ہوں، اے جناب! توبہ وہ

نعمت ہے اگر مرنے سے قبل نصیب ہو جائے تو کیا کہنا! دیر ہونا بھی عین جلدی ہے، میں جلد سے جلد آیا ہوں۔

بھائی میرے! ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہو رہے ہو، توبہ کرو تو سہی، دیکھو توبہ تمہاری کیسی امید افزا ہوتی ہے، تم کو جاننا چاہئے کہ ساحران فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں، سگ اصحاب کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں، سنگ طور سینا سے تم زیادہ جامد نہیں، چوب حنانہ سے تم زیادہ بے قیمت نہیں، قطع نظر اس کے کوئی شخص حبش سے غلام لا کر اس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے، دیکھو! جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان کے) فساد کی طاقت نہیں ہے، ندا آئی ٹھیک ہے اس وقت یہ کہنا تمہارا درست ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمہارے دروازے پر ان کو بھیجتے یا تمہارے ہاتھ ان کو بیچتے اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا، شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلودگی ان کی ہماری قدسیت پر دھبہ لگا دے گی، کیا ممکن، یہ وہ مشت خاک ہیں کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں، جب ہم نے قبول ہی کر لیا ہے تو معصیت و لوث کی کیا مجال ہے کہ کچھ کر سکیں۔

سراسر ما ہمہ عیبم بدیدی و خریدی تو
زہے کالائے پر عیب وزہے لطف خریدارے

میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں، تو نے ٹھوک بجا کر مجھ کو

خریدا ہے، واہ کیا اچھی یہ عیب دار جنس ہے اور کیا خوب مہربان خریدار ہے، والسلام" (ترجمہ مکتوبات صدی ص/۵۵ تا ص/۵۹ ملخصاً)

توبہ کی اہمیت

نیز ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ :

"ذرا خبردار رہنا کہ یہ گھاٹی سخت کٹھن اور نہایت خطرناک ہے، سنو! خواجہ ابواسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علامہ تھے، آپ فرماتے ہیں میں تیس برس تک خدا سے توبہ نصوح چاہتا رہا مگر قبول نہ ہوئی، ایک دفعہ میں نے متعجب ہو کر کہا کہ تیس برسوں میں بھی ایک حاجت پوری نہ ہوئی، چنانچہ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے تمہیں تعجب ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تم کیا مانگ رہے ہو؟ چاہتے ہو کہ خدائے تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنالے، کیا یہ کوئی معمولی مراد مانگی ہے؟

صلحاء کہتے ہیں گناہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، اس کی پہچان یہی ہے کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا رہتا ہے، طاعت و عبادت میں لذت نہ ملے، کسی کی اچھی باتیں دل کو بری لگیں، اس لئے غفلت کا مطلق موقع نہیں، جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہئے کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے، میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر گناہ کرو گے تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے پھر توبہ کر لینا اور دل سے کہو کہ ممکن ہے گناہ سے پیشتر ہی مجھے

موت آدبوچے، اس طرح ہر بار جب گناہ سرزد ہو توبہ کرتے چلے جاؤ، کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں خرچ کرتے ہو اتنی ہمت توبہ کرنے میں خرچ کرو؟ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد؟

توبہ سے رکنا شیطانی اغواء ہے

توبہ سے رکنا شیطانی اغواء ہے، اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے اور جب کہ توبہ پر ثابت قدم نہیں تو توبہ کس کام آئے گی ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا؟ یہ سب شیطانی چکمے ہیں، کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ تم گناہ کرنے تک زندہ رہو گے؟ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مر جاؤ، اس قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے، تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچے دل سے کرو اس وقت نیت خالص رہنی چاہئے، رہا اس کی تکمیل اور اس پر ثابت قدم رکھنا، خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر اس نے ثابت قدم رکھا، سبحان اللہ! اور اگر نہ رکھا تو یہ کچھ کم نہیں کہ پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔

حضرت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ تم لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے کہ اگر گناہ زیادہ کرے تو توبہ بھی بہت کرے نیز ارشاد نبوی ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" یعنی جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔

حصول توبہ کا طریقہ

توبہ کا لب لباب یہ ہے کہ جب تم نے ارادہ کر لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اب گناہ نہ کریں گے اور تمہاری سچائی بارگاہ خداوندی میں بھی مقبول ہو گئی اور حتی الامکان اپنے دشمنوں کو بھی تم نے خوش کر لیا اور جو فرائض قضا ہوئے تھے بقدر امکان ادا ہو گئے اور جو باقی رہے ان کے لئے درگاہ خداوندی میں تم نے تضرع وزاری کی، بہترین طریقہ پاکی وطہارت کا میں تم کو بتاتا ہوں اس پر عمل کرو اور اپنے کو سچا تائب بنا ڈالو، اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ غسل کرو اور پاک وصاف کپڑے پہن کر چار رکعت نماز حضور دل سے ادا کرو اس کے بعد سجدہ میں جاؤ اور ایسی جگہ ہو کہ محض تخلیہ ہو، خدا کے سوا تم کو کوئی نہ دیکھتا ہو اور سر وریش کو خاک آلودہ کرو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں، دل میں سوز و قلق ہو، بآواز بلند جتنے گناہ تم کو یاد ہوں ان کو دہراؤ اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہو اے نفس! وہ وقت آگیا کہ توبہ نصوح کرے اور تو خدا کی طرف سچائی سے رجوع ہو کیونکہ تجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عذاب خداوندی برداشت کر سکے اور تیرے پاس وہ سرمایہ بھی نہیں جو تجھ کو خدا کے عذاب سے بچا سکے، اس قسم کے کلمات کی تکرار کرو اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح مناجات کرو، اے اللہ! بندۂ گنہگار بھاگا ہوا پھر آیا ہے، بندۂ گنہگار رحمت کا طلب گار ہے، بندۂ گنہگار عذر لایا ہے، بیشک اس ناچیز سے خطائیں ہوئیں تو ان کو معاف فرما اور اپنے فضل سے ہم کو قبول کر اور رحمت کی نظر سے ہماری

طرف دیکھ، اے اللہ! ہم کو بخش اور تمامی گناہ سے محفوظ رکھ کہ نیکی تیرے ہاتھ ہے، تو بخشنے والا اور بخشائش کرنے والا ہے۔

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید　　در چناں دریا کجا آید پدید

اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر بھی ہوئے تو اتنے بڑے سمندر میں کیوں کر معلوم ہو سکتے ہیں۔

نہ گردد تیرہ آں دریا زمانے　　ولے روشن شود کار جہانے

اس دریا کا پانی ذرا بھی گدلا نہ ہوگا اور جہاں والوں کا کام جس طرح چلتا ہے چلتا رہے گا۔

پھر خوب گریہ وزاری کرو پھر درود پڑھو اور اپنے جملہ مسلمانوں کے لئے مغفرت چاہو اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ تم نے توبہ نصوح کی اور سب گناہوں سے پاک ہو گئے اور ایسے پاک ہوئے جیسے آج پیدا ہوئے ہوں، اللہ نے تم کو دوست بنالیا اور بہت کچھ اجر و ثواب تمہارے ہاتھ آئے اور تم پر اس قدر رحمت و برکت نازل ہوئی کہ اس کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا تمہیں دنیا و آخرت کی بلا سے نجات حاصل ہوئی، اب ایک نکتہ سنو کہ اگر باعیب قبول نہ کرنا ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہ کرتا" (ترجمہ مکتوبات صدی ص ۶۱ تا ص ۶۴)

توبہ کی حقیقت

نیز یہ فرماتے ہیں کہ ایک ساعت بھی تجدید توبہ سے غافل مت رہو اور دل میں یہ ہمت رکھو کہ حق تعالیٰ سبحانہ توبہ کی حقیقت تک پہنچا دے

کیونکہ بدون توبہ کے عمل درست نہیں ہوتا، پھر فرماتے ہیں کہ "ہر دل میں آفتاب ایمان اسی قدر دکھائی دے گا جتنی جلا توبہ سے حاصل ہوگی، جس درجہ میں درگاہ توبہ وسیع ہوگی اسی قدر آفتاب ایمان کی روشنی ہوگی اب یہ بھی سن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے، اس کی حقیقت یہی ہے کہ تائب کے صفات ذمیمہ صفات حمیدہ سے بدل جائیں۔ (ترجمہ مکتوبات صدی ص/۶۶)

سبحان اللہ! کیسا محققانہ اور مؤثر کلام ہے اگر اس کو غور سے بار بار پڑھا اور سنا جائے تو ضرور اثر ہوگا اور عمل کے لئے کمر ہمت باندھ لے گا، توبہ پر کیسا مبسوط اور مفصل کلام فرمایا ہے، اور توبہ کی حقیقت کو کتنے عجیب وغریب انداز سے سمجھا دیا کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ صفات ذمیمہ صفات حمیدہ سے بدل جائیں، یعنی حقیقت توبہ اسی وقت نصیب ہوگی جب آدمی رذائل سے نکل جائے اور فضائل اپنے اندر پیدا کرلے اس لئے کہ جب تک رذائل انسان کے اندر رہیں ممکن نہیں کہ وہ نافرمانی سے بچ جائے اور جب تک فضائل قلب میں نہ آویں طاعات پر مداومت مشکل ہے۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ توبہ کی منزل کو ہم نے بہت سخت پایا اور یہ سالک کے لئے اول منزل ہے، اسی پر جملہ منازل کا مدار ہے جو اس سے بخیر وخوبی گذر گیا تو پھر آگے کی منازل اس کے لئے آسان ہیں۔

تخلیہ اور تحلیہ کس طرح

سنئے! انسان رذائل وفضائل کا مجموعہ ہے اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے

رذائل و فضائل دونوں کو رکھ دیا ہے تاکہ رذائل سے بچے اور فضائل کو اختیار کرے، رذائل سے بچنے کو تخلیہ اور فضائل کے اختیار کرنے کو تحلیہ کہتے ہیں، اسی سے انسان فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے، اس کے اندر رذائل بھی ہیں، خواہشات بھی ہیں، اس کے اندر تکبر بھی ہے، حسد بھی ہے، کینہ بھی ہے، حب جاہ بھی ہے اور یہ ساری چیزیں جہنم میں لے جانے والی ہیں۔

چنانچہ تکبر کے بارے میں آتا ہے کہ جس کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا، لہٰذا تکبر خواہ مال پر ہو یا حسب نسب پر ہو، یا عبادت ریاضت پر ہو اس کو مٹانا ہوگا اور اس کی جگہ تواضع و مسکنت پیدا کرنا ہوگا، اگر آج ہم اپنے اندر تواضع و مسکنت پیدا کرلیں تو کیا سے کیا ہو جائے اور ہمارا تکبر خود بخود پاش پاش ہو جائے، ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

یعنی جتنا ہی دل ٹوٹے گا اس کے اندر شکستگی اور عاجزی پیدا ہوگی اتنا وہ اللہ کی نگاہ میں محبوب ہوگا، اسی بنا پر کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

دل شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

چنانچہ حضرت یحییٰ منیریؒ کا قول ہے کہ ہر شئی کی قیمت ٹوٹنے پر کم ہو جاتی ہے مگر دل جتنا ہی شکستہ ہوتا ہے اس کی قیمت بڑھتی جاتی ہے،

سبحان اللہ! کیسا عمدہ ارشاد ہے۔

سنئے! متکبر اللہ سے دور ہے اور متواضع اللہ سے قریب ہے، لہٰذا ہم کو اپنے تکبر کو توڑنا ہے اور انکسار و تواضع اختیار کرنا ہے، مگر ہم کو تو اس کی فکر بھی نہیں کہ یہ چیزیں کس طرح حاصل ہوں گی اور نہ ہم کبھی یہ سوچتے ہیں کہ ہماری زندگی کا کیا مقصد ہے اور یہ زندگی ہم کو کس لئے دی گئی ہے۔

میں اپنی مجلس میں اکثر یہ بیان کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص صبح سے شام تک اور پھر شام سے صبح تک صرف زبان سے رٹتا رہے کہ مصری میٹھی مصری میٹھی تو کیا اس کی وجہ سے اس کو مصری کی حلاوت محسوس ہوگی؟

ظاہر ہے کہ مصری کی مٹھاس تو اسی وقت محسوس ہوگی جب کوئی اس کے منہ میں مصری رکھ دے، اسی طرح اگر کوئی شخص اسلام و ایمان کا لفظ رٹتا رہے تو اس سے ایمان کی حلاوت محسوس نہ ہوگی جب تک کہ ان اللہ والوں کی صحبت نہ اختیار کریں گے جن کو یہ دولت نصیب ہے اس وقت تک ایمانی حلاوت و لذت نہیں مل سکتی۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ایک جنت ہے جو اس جنت میں داخل ہوگا وہی آخرت کی جنت میں داخل ہوگا، وہ جنت یہی طاعت و فرمانبرداری کی حلاوت اور لذت و کیفیت ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ کے نام کی اور اللہ کے ذکر کی لذت اور قرآن مجید کی حلاوت جس کو مل گئی وہ اس میں ایسا مست رہتا ہے کہ اس کی نگاہ میں

پھر کوئی چیز باقی نہیں رہتی، وہ دنیاو مافیہا کو ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے۔

دنیاو مافیہا سے بہتر

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی دولت دیا پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھا تو اس نے کلام اللہ کی ناقدری کی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن جیسی عظیم نعمت دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اس نے ایک بڑی چیز کی تحقیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور اس سے عظیم کوئی نعمت نہیں، جس کو قرآن مل گیا اس کی نظر میں دنیاو مافیہا کی کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے۔

قرآن کریم کے متوالے

متقدمین اور سلف کا حال کیا بیان کروں، ہمارے اسی دور کے بزرگان دین ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو قرآن پاک میں جو حلاوت نصیب تھی اس کا ہم تحمل بھی نہیں کر سکتے، ہمارے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مزہ مجھ کو قرآن میں ملتا ہے اگر تم کو ملنے لگے تو تم کپڑے پھاڑ کر جنگلوں میں چلے جاؤ، سبحان اللہ! کیا حال تھا اور کیسی کچھ لذت و حلاوت

حضرت کو حاصل ہوتی رہی ہوگی۔

یمن کے کچھ لوگ آکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے مشرف باسلام ہوئے، کلمہ پڑھنے کے بعد جب انہوں نے قرآن سنا تو روتے روتے ان کا برا حال ہونے لگا، حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ابتدا میں ہمارا بھی یہی حال تھا مگر اب ہمارے قلوب سخت ہو گئے، یعنی اب برداشت کی طاقت ہمارے اندر آگئی اور قرآن کا تحمل ہونے لگا۔

کتنے لوگ ایسے گذرے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت سن کر ان کی روح پرواز کر گئی، سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ کے وعظ میں جہنم کا بیان ہوتا تھا اور اللہ کے عذاب کا اور عظمت و جلال کا ذکر ہوتا تھا تو اس کے خوف سے کتنے لوگوں کی روح پرواز کر جاتی تھی، اور جنت کا ذکر ہوتا تھا کہ جنت کا شوق ان پر ایسا غالب ہوتا تھا کہ روح پرواز کر جاتی تھی، چنانچہ ان کے مواعظ میں ایک ساتھ کئی کئی جنازے اٹھ جاتے تھے کسی کی روح... اللہ کے خوف سے اور کسی کی روح جہنم کے خوف سے اور کسی کی روح جنت کے شوق میں نکل جاتی تھی۔

عیاں ہے ضرر ہی ضرر

آج ہمارے اندر نہ جہنم کا خوف ہے نہ جنت کا شوق، اس موقع پر مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آیا، سنئے ۔

محبت سے خالی بشر دیکھ لیجئے
زمانہ سراپا ہے شر دیکھ لیجئے
نہ دوزخ سے خائف نہ جنت کے شائق
عیاں ہے ضرر ہی ضرر دیکھ لیجئے

اس کا تو ہم کو خیال ہی نہیں کہ جنت ملے گی یا نہیں ملے گی اور دوزخ سے کس طرح نجات ملے گی، بس دنیا میں مست ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے، ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں، اور غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس کے مطابق زندگی بناویں اور گناہوں کو چھوڑیں، اللہ کی توحید پر قائم ہوں، مومنین کے صفات اپنے اندر پیدا کریں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرمارہے ہیں کہ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ بس

ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔

بھائی سنو! گناہوں کی کثرت سے دل سیاہ اور گندہ ہو جاتا ہے ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، جب قلب مردہ ہو جائے گا تو اس کو قرآن میں کیسے مزہ آئے گا اور اس پر قرآن کا کیا اثر ہو گا؟

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے قلوب پاک ہو جائیں تو تم کو قرآن پاک کی تلاوت سے کبھی سیری نہ ہو، یعنی قرآن پاک میں وہ لذت و حلاوت ہے کہ پاک و صاف دلوں کو اس کی تلاوت سے سیری نہیں ہو سکتی، چنانچہ ایمان والوں کی ایک صفت یہ بھی بیان ہو رہی ہے کہ ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں۔

یقین کے مراتب

مطلب یہ کہ جب وہ قرآن سنتے ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، یقین زیادہ ہو جاتا ہے، جتنی مرتبہ قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں ہر مرتبہ ان کے یقین کی کیفیت بڑھتی جاتی ہے، حلاوت و لذت زیادہ ہوتی جاتی ہے، بھائی یقین کے بہت مراتب ہیں اور ادنیٰ مرتبہ بھی نجات کے لئے کافی ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ جو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے

صاحبزادے اور خلیفہ ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ یقین کے اتنے مراتب ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا، اسی طرح سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ ایک ذرّہ یقین و اخلاص کا ہم کو صدقہ ہی سمجھ کر دے دیں۔

اللہ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین

کیوں بھائی! ہم سے اگر کوئی پوچھے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہیں؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ ظاہر ہے یہی تو کہیں گے کہ ہاں اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں، ہم کو دیکھ رہے ہیں ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ یعنی تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، جب ہمارا یہ عقیدہ ہے تو پھر ہم کیسے جرأت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین نہیں ہے یا بہت ضعیف ہے یعنی علم کے درجہ میں تو ہے لیکن حال کے درجہ میں نہیں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جو امام طریقت ہیں، عالم ربانی اور صاحب سلسلہ بزرگ ہیں، ”عوارف المعارف“ آپ کی کتاب ہے اس میں یہ واقعہ درج ہے کہ آپ کی خانقاہ میں بہت سے لوگ رہا کرتے تھے جو اللہ اللہ کیا کرتے تھے ایک نوجوان بھی آپ کی خدمت میں آیا اور اٹھارہ دن قیام کیا اس کے بعد

حضرت نے اس کو خلافت واجازت سے سرفراز فرما کر حکم دیا کہ جاؤ اللہ کے دین کی تبلیغ کرو، اب جو پرانے لوگ تھے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم لوگ اتنے دنوں سے ان کی خدمت میں ہیں اور ویسے ہی پڑے ہیں اور یہ نیا شخص آیا اور چند دنوں میں خلافت پا گیا، حضرت نے اپنی فراست سے ان کے اس مرض کو محسوس فرما لیا اور ان سب کو جن میں وہ نوجوان بھی شامل تھا بلا کر سب کو ایک ایک مرغ اور چھری دیا کہ جاؤ اس کو ایسی جگہ ذبح کر لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، سب لوگ گئے اور تھوڑی دیر بعد تنہائی کی جگہوں میں ذبح کر کے لائے مگر وہ نوجوان زندہ سلامت مرغ لے کر واپس آ گیا، حضرت نے نوجوان سے پوچھا کہ سب لوگ ذبح کر لائے تم نے کیوں نہیں ذبح کیا؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کا یہ حکم تھا کہ ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، تو مجھے ایسی کوئی جگہ ملی ہی نہیں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اس لئے کہ جب کسی بھی تنہائی کی جگہ جاتا تو یہی خیال آتا کہ اللہ تعالیٰ یہاں بھی دیکھ رہے ہیں، اس وجہ سے مرغ زندہ سلامت لے کر واپس آ گیا، تب لوگوں نے سمجھا کہ واقعی یہ نوجوان اس لائق ہے کہ خلافت دی جائے۔

اب ہم دیکھ لیں کہ اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا جو یقین اس نوجوان کو تھا کہ جہاں جاتا یہی خیال آتا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، کیا ایسا یقین ہم کو حاصل ہے؟ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو ہم گناہ نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، غیبت نہ کریں، بہتان نہ لگائیں، دوسروں کا مال

غصب نہ کریں، یہی استحضار آدمی کو گناہوں سے باز رکھتا ہے کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے وہ شدید العقاب ہے، اس کی پکڑ بہت سخت ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ یعنی بیشک اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے، ان کی پکڑ سے بچنا بہت مشکل ہے دنیا میں وہ ضرور ڈھیل دے دیتے ہیں یہ بھی ایک عذاب ہی ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے اور غفلت میں پڑجاتا ہے جس کی وجہ سے آخرت میں اور زبردست پکڑ ہوگی۔

میں ایمان والوں کی صفات بیان کررہا تھا، دو صفتوں کا بیان ہوچکا اس کے بعد ان کی تیسری صفت اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، ان کی نظر صرف اللہ ہی پر ہوتی ہے مخلوق پر ان کی نظر نہیں، ان کی نظر صرف خالق پر ہے، دنیا میں رہ کر وہ کسی کو نہیں دیکھتے بس صرف ایک ہی ذات کو دیکھتے ہیں اور اسی کو نافع اور ضار سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حال تھا اس میں فرماتے ہیں کہ ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مطلب یہ ہے کہ جس طرح آفتاب کے نمایاں ہونے سے تارے ماند پڑجاتے ہیں اسی طرح اللہ کی ذات نگاہوں کے سامنے آگئی تو مخلوق ماند پڑگئی،

موجود تو ہیں لیکن اللہ کے وجود کے سامنے معدوم معلوم ہوتے ہیں، حق تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو، جب اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا تب ہی آدمی شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ کے سوا غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتا ہے اور جب اللہ پر بھروسہ ہو گیا تو پھر کیا ہے وہ سمیع و بصیر ہے، وہ رزاق ہے، وہ فتاح ہے، وہ حکیم ہے، وہ تواب ہے، وہ غفار ہے، وہی سب کچھ ہے، ہمارے سب حال کی اس کو خبر ہے، پھر ہم دوسرے پر نظر کیوں اٹھائیں اور مخلوق کی طرف کیوں دیکھیں۔

انبیاء علیہم السلام جو مخلوق میں سب سے بہتر اور سب سے افضل ہوتے ہیں وہ بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے تھے اور اسی کو نافع اور ضار سمجھتے تھے، اسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر سب کچھ مانگتے تھے، اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے کہ اللہ ہی مارنے والا ہے، وہی جلانے والا ہے، وہی روزی دینے والا ہے، وہی اولاد دینے والا ہے، اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے، جو مانگنا ہے اسی سے مانگو، بہر کیف مومنین کی صفات میں اللہ تعالیٰ یہ بھی بیان فرمارہے ہیں ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ یعنی وہ لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اس کے بارے میں سنئے کہ ایک نماز کا پڑھنا ہے اور ایک نماز کا قائم کرنا ہے، نماز کا قائم کرنا اہتمام کو چاہتا ہے وہ یہ کہ ظاہری و باطنی احکام و آداب کی رعایت کر کے نماز ادا کی جائے، مثلاً یہ کہ کپڑا پاک ہو، جگہ پاک ہو، بدن پاک ہو، سنت کے مطابق وضو بھی کرے، قیام و قعود اور رکوع و سجود سنت کے

مطابق ادا کرے، نیز تمام ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرے، جلد بازی نہ کرے، یہ تو نماز کے ظاہری آداب ہیں، دوسری چیز جس کا تعلق باطن سے ہے وہ خشوع ہے کہ جب اللہ کے سامنے کھڑا ہو تو دل میں یہ خیال جمائے کہ ہم اس وقت احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہیں اور اس کو دیکھ رہے ہیں، یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، ایسی ہی نماز پر فلاح و کامیابی کا وعدہ ہے اور ایسی ہی نماز مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ یعنی بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْ رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ اور مدد لو نماز اور صبر سے اور بیشک وہ نماز دشوار گذار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں، خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

بھائی! قرآن میں سب کچھ ہے ہم نے اگر سب کچھ لیا مگر قرآن ہی کو چھوڑ دیا تو کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں، سنئے! خشوع کہتے ہیں دب جانے کو اور ایک مرکز پر ساکن ہو جانے کو، تو خشوع کی کیفیت یہ ہوئی کہ آدمی اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے خوف سے دب جائے اور سکون کے ساتھ کھڑا رہے۔

پس نماز کو قائم کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ ظاہری اور باطنی تمام آداب کالحاظ کر کے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرے، پھر وہ نماز واقعی نماز ہوگی جس پر نماز کے حقیقی ثمرات مرتب ہوں گے اور یہی نماز منکرات اور فواحش سے روکنے والی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ﴾ یعنی بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، حدیث پاک میں آتا ہے اور واقعی قربان ہو جانے کا مقام ہے، یہ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں یعنی فرشتوں کی محفل میں اسے یاد کرتا ہوں۔

سبحان اللہ کیا مقام ہے کہ بندہ یہاں زمین پر اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہاں عرش پر فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے پھر وہ نادم ہو کر توبہ واستغفار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ربی ربی کہہ کر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے اگرچہ نافرمانی اور گناہ کیا لیکن مجھ کو بھولا نہیں، مجھ کو پکار رہا ہے اور مجھ سے معافی مانگ رہا ہے لہٰذا اے فرشتو! جب یہ بندہ ہو کر مجھ کو نہیں بھولا تو میں

رب کریم ہو کر اس کو کیسے بھول سکتا ہوں تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

اللہ اکبر! حق تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ کس قدر رحم و کرم کا معاملہ ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ کے ایک معنی تو وہ ہیں جو عام طور پر ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ بندے کا اللہ کو یاد کرنا یہ بہت بڑی دولت ہے لیکن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ایک دوسرے معنی بھی بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بندے کو یاد کرتے ہیں پس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت بڑی دولت ہے۔

سبحان اللہ! شاہ صاحب نے کیسی عجیب تفسیر فرمائی، بھائی! ہم ناپاک بندے ہماری زبان اس لائق کہاں جو اللہ کو یاد کرے، یہ تو اس کا فضل و کرم ہے کہ ہم کو اپنا نام لینے کی اجازت دے دی ورنہ حق تو یہ ہے کہ۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

حضرت ابوبکر شبلیؒ جو اپنے وقت کے بہت بڑے اللہ کے ولی گذرے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ ہیں، ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ اللہ کرتے ہوئے جا رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیوں شبلی! تمہاری زبان اس قابل ہوگئی ہے کہ تم میرا نام لو، تمہاری زبان اور میرا نام؟ یہ سن کر حضرت شبلیؒ خاموش ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر الہام ہوا کہ شبلی!

تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو، پھر تم کو میری یاد کے بغیر چین کیسے آیا، اور میرے نام سے تم کو صبر کیوں کر آگیا؟ حضرت شبلیؒ سجدے میں گر پڑے اور عذر خواہ ہوئے۔

میں اس آیت کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ مومن کی صفات میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں، جو لذت و حلاوت نماز کے اندر ہے اس کا کیا پوچھنا، نماز تو مومن کی معراج ہے نماز حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جیسا کہ ارشاد ہے "قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ" مگر اب ہمارا یہ حال ہے کہ نماز میں ہم کو لذت و حلاوت نہیں ملتی اس وجہ سے ہم کو نماز سے تعلق نہیں ہوا اور اس کی قدر ہم کو نہیں معلوم ہوئی۔

وقت کم ہے ورنہ اس مضمون کو تفصیل سے بیان کرتا، آگے اللہ تعالیٰ مومن کی صفات میں فرماتے ہیں کہ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ مومن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جو مال ہم نے دیا ہے اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، آخرت میں وہی مال کام آئے گا جو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے، نیک کاموں میں صرف کیا جائے۔

جن لوگوں میں یہ پانچ صفات ہوں جن کا ذکر کیا گیا یعنی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے قلوب لرز جائیں، اور جب اللہ کے آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان بڑھ جائے، اور وہ اللہ پر توکل کرتے ہوں اور نماز کو قائم کرتے ہوں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہوں تو ان کے لئے یہ وعدہ

مذکور ہے کہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

تو بھائی! اگر ہم اس رزق کے طالب ہیں کہ ہم کو جنت مل جائے اور پاک رزق ملے اور اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہماری مغفرت ہو جائے تو ہم کو چاہیے کہ اپنے ایمان کو پکا کریں اور صحیح معنوں میں مومن بن جائیں اور ہمارے اندر اللہ و رسول ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے اور ایمان کی صفات اپنے اندر پیدا کریں، مگر اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ ذکر اللہ کی کثرت کریں "جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ بِكَلِمَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ" یعنی اپنے ایمان کو کلمہ طیبہ سے تازہ کرتے رہو، جتنی دفعہ بندہ یہ کلمہ پڑھتا ہے اللہ کی طرف بڑھتا ہے اور قریب ہوتا ہے اور اس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اسی بناء پر بزرگان دین کثرت سے اس کا ذکر فرماتے ہیں، پس ایک تو ذکر اللہ کی کثرت کریں اور دوسرے یہ کہ سال بھر میں کم از کم دو چار روز ہی کے لئے تھوڑا سا وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جایا کریں، بزرگوں نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ کچھ وقت نکال کر اللہ والوں کی خدمت میں بھی ضرور جانا چاہیے، انشاء اللہ اس کی برکت سے بہت کچھ مل جائے گا، بزرگوں کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے چنانچہ ہزاروں طاعت سے بڑھ کر اس کو کہا گیا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا　　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اہل اللہ کی شان

جس نے کسی اللہ کے ولی کو اللہ کا ولی سمجھ کر عقیدت کے ساتھ ایک نظر بھی دیکھ لیا اس نے بھی بہت کچھ پالیا، چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں قرب نوافل پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :

"تم کو یقین کر لینا چاہئے کہ قرب نوافل کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ہے ایسا شخص موردالطاف ربانی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے کل مہمات کو سر کر دیتا ہے، وہ خلق اللہ کے لئے قبلۂ حاجات ہو جاتا ہے، اس کی خاک قدم آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے، اس کی سواری کے گرد و غبار کو عبیر راہ بنا دیتے ہیں، ایک پر لطف قصہ سنو تو شاید کچھ سمجھو :

ایک دفعہ بصرہ میں سخت خشک سالی پڑی، لوگ نماز و دعا و زاری کے لئے میدان میں جا نکلے، ہزار چیختے چلاتے ہیں مگر فریاد سنی نہیں جاتی، آسمان پر بدلی کا نام نہیں، کہیں کوئی بوند دکھائی نہیں پڑتی، اتفاقاً ادھر سے کوئی شخص گذر رہا تھا، دیکھتا ہے کہ ہزاروں اشخاص جمع ہیں، دعا کے واسطے ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، آنسو برس رہے ہیں مگر پانی نہیں برستا، اس کا جی نہ مانا، اس کی شفقت عام موجزن ہوئی کہنے لگا اے اللہ! بطفیل اس بھید کے جو ہماری آنکھ میں ہے پانی برسا، اتنا کہنا تھا کہ جھوم کے بدلی آئی اور ٹوٹ کے پانی برسنے

لگا، جماعت میں ایک شخص جو یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا تھا دوڑتا ہوا اس کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ ایک مقام میں پہنچ کر اس سے باتیں کرنے کا موقع ملا اس نے کہا اے شیخ عصر! ہماری ایک عرض ہے، وہ بولا فرمایئے۔ اس نے التماس کی کہ وہ کون سا سِر (بھید) حضور والا کی چشم مبارک میں پنہاں ہے جس کو شفیع لانے سے پانی فوراً برسا، اس نے کہا اے بھائی! ہم نہ ولی نہ شیخ، نہ پیر نہ فقیر، جیسے سب عوام الناس ہیں ویسے ہی ایک بندۂ گنہگار ہم بھی ہیں، صرف اتنی سی بات ہے کہ ان آنکھوں نے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو بایزید سمجھ کر دیکھا ہے، یہ دیکھنا جو رنگ نہ دکھائے، یہ دیکھنا جو کمال ظاہر نہ کرے تعجب ہے"۔

سبحان اللہ! عجیب و غریب حکایت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ کا ولی اور مقرب سمجھ کر دیکھنا بہت بڑی دولت اور موجب برکت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم بزرگوں کی قدر پہچانیں تاکہ ان کی صحبت کی برکات ہم کو نصیب ہوں۔

حضرت شیخ قدس سرہ اپنے اسی مکتوب میں آگے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اب ان بزرگوں کے مراتب کو دیکھو اس کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے تم اس کو باور کرو کہ ان کے قدموں کی خاک آنکھوں کے لئے کحل الجواہر کا کام کرتی ہے اور زبان ان کی باد بہاری کی طرح ہمہ تن حیات ہے جس طرح موسم بہار کا پانی مردہ زمین کو لباس حیات پہنا دیتا ہے اور خارستان کو گلستان بنا دیتا ہے اسی طرح

جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے وہ مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی ہے اور واقعی گفتار حق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے ہی با اثر ہو، اگر باتیں ان بزرگوں کی دل کے لئے جان ہیں تو افعال و صفات ان کے بند کشا و حل کنندہ مہمات ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت خاص ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کے شیدا ہیں، ان کی رحمت و شفقت کی روشنی بھی تمام پھیلی رہتی ہے، خود نہ کھائیں گے، خلق اللہ کو کھلائیں گے، خود اچھا کپڑا نہ پہنیں گے حاجت مندوں کو پہنائیں گے، تیکھی تیکھی باتیں سن لیں گے مگر اس نشتر کو برداشت کریں گے، ظلم سہیں گے مگر ظالم سے بدلہ نہ لیں گے بلکہ اس کی شفاعت کرنے کو تیار ہوں گے، جفا کے عوض وفا کریں گے، دشنام کے مقابلہ کو دعا و ثنا سے آمادہ ہوں گے، تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کا کیا باعث ہے؟ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اللہ نے ان کو محفوظ بنالیا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں، ان بزرگوں کے دل کے صحراء سے بادِ راحت چلتی ہے اور خلق خدا کے دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے، ان کے شفقت کی مثال آفتاب سے ہے، دوست دشمن سب ان کی روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، تواضع میں وہ لوگ گویا زمین ہو رہے ہیں ساری دنیا ان کو روندے بھی تو وہ اُف نہ کریں گے، خلق اللہ سے بدلہ لینا ان کا کام نہیں، یہاں پر وہ بالکل کوتاہ دست ہو جاتے ہیں، تمام عالم کی عیال داری کرنے کو تیار ہو جائیں گے مگر اپنے کھانے کپڑے کا بار کسی پر نہ ڈالیں گے، سخاوت میں ان کو دریا سمجھو، دوست دشمن

دونوں کو برابر سیراب کرتے ہیں، از غرب تا شرق سارے جہاں کے لئے وہ ایک چشمۂ رحمت ہیں کہ یہ لوگ شیریں کلام ہوتے ہیں، کیوں نہ ہوں آزاد مرد ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ ہر شئی کا مرجع و مآب کہاں ہے، مقام جمع میں ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں بلکہ ہر بُنِ مُو ان کا چشم بصیرت کا کام دے رہا ہے"۔

سبحان اللہ! اہل اللہ کی صفات اور ان کی خصوصیات کو کیسے عجیب و غریب انداز سے بیان فرمایا ہے واقعی ہمارے بزرگوں کا حال ایسا ہی تھا اور ان کی شان یہی تھی کہ وہ جفا کے عوض وفا کرتے تھے، تلخ و ناگوار باتیں سنتے مگر پلٹ کر جواب نہ دیتے بلکہ جور و ستم کے بدلہ دعا دیتے اور سب و شتم کے عوض ثنا کرتے تھے۔

شان ولایت کا نمونہ

(ناقل عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں اگر کسی کو اس شان کا مشاہدہ کرنا ہو اور ان صفات کی زندہ مثال دیکھنا ہو تو وہ ہمارے حضرت بقیۃ السلف محی السنّت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کو دیکھ لے، آپ کی ذات بابرکات دور حاضر میں ان صفات کا ایک نمونہ ہے، چنانچہ اس حال کی غمازی حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ شعر کرتا ہے۔

جور و ستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش
احمدؔ نے اس کو بھی تہہ دل سے دعا دیا

نیز خود حضرت کو فرماتے سنا ہے کہ بزرگوں کی جوتیوں کی برکت سے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہ توفیق عطا فرمادی ہے کہ دوست و دشمن ہر ایک کے ساتھ میرا یہی برتاؤ ہے، میں نے کسی سے انتقام لینے کا ارادہ ہی نہیں کیا اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچانا تو درکنار، اگر مجھے اس کا شبہ بھی ہو جاتا ہے کہ میرے کسی فعل یا قول سے کسی کو ادنیٰ اذیت پہنچ گئی تو جب تک میں اس سے معذرت کر کے اس کو راضی نہیں کر لیتا مجھے چین نہیں ہوتا اگر مجھ سے کوئی چھوٹا بھی ہوتا ہے تو مجھ کو اس سے معافی مانگنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی فالحمد للہ علیٰ ذلک، میں نے اپنے اسی مذاق کے مطابق بعضے اشعار میں ترمیم بھی کی جیسے ایک مشہور شاعر کا یہ شعر ہے ۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جارہا ہوں میں

میں نے اس کو بدل کر یوں کر لیا ہے ۔

گلشن سے عشق ہے مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی پیار کئے جارہا ہوں میں)

بھائی! میں بہت خستہ ہوں قلب و دماغ دونوں اس وقت بیکار ہیں، ضعف و بیماری کی وجہ سے میں تو اس قابل ہی نہیں تھا کہ سفر کروں، یہ تو محض مولانا مجیب اللہ صاحب کی محبت ہے، یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے جج صاحب بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں برابر خطوط لکھتے رہتے ہیں، ان حضرات

کی خاطر میں نے سفر کی ہمت کرلی، گو ضعف و تکان کی وجہ سے اس وقت بولنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی اسی بنا پر میں نے معذرت کرلی تھی کہ صرف دعا کردوں گا مگر آپ حضرات کی محبت ہی کی وجہ سے بول پڑا، پھر بھی اس وقت ضعف کی وجہ سے زیادہ بول نہیں سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اس بات کی توفیق دے کہ ہم اپنے ایمان کو قوی کریں، معاصی اور گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ اے اللہ! ہم تیری اور تیرے محبوب ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے اور تیری مرضی کے مطابق تیرے محبوب ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی گذاریں گے، شریعت کے تمام احکام کی پابندی کریں گے اور حکم شرع کے مطابق سارے کاروبار کریں گے، جو شخص شریعت کے مطابق تجارت کرتا ہے وہ قیامت میں صدیقین کے ساتھ محشور ہوگا، شریعت نے کسی چیز سے منع نہیں کیا، تجارت کرو، کاروبار کرو مگر سب کچھ شریعت کے مطابق کرو، مومن کا تو سارا کام ہی عبادت بن سکتا ہے، اسکا کھانا پینا، سونا جاگنا، حتیٰ کہ استنجاء کرنا بھی عبادت میں داخل ہوسکتا ہے اگر سب کو سنت کے مطابق انجام دے اور اپنے سب کاموں میں حضور اقدس ﷺ کی پیروی کا قصد کرے، زندگی کا مقصد تو اللہ کی بندگی ہی ہے اس لئے ہمیں اگر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا ہے تو چاہئے کہ اللہ کی بندگی میں اس کو گذاریں اور اللہ و رسولؐ کی فرمانبرداری اختیار کریں، اور اپنے دل کو درست کرنے کی فکر اور کوشش کریں، اکبر الہ آبادی

نے خوب عمدہ بات کہی ہے۔

تم شوق سے کالج پڑھو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کی رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ،یااللہ!جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر ہم کو بھی عمل کرنے کی توفیق دے اور سامعین کو بھی عمل کی توفیق دے اور ہم سب پر رحم فرمادے،اے اللہ! ہم کو قبول فرمالے اور ہم سب کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنادے،ہم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمادے،اے اللہ!ہمارے قلوب کو بدل دے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے

اقتباس

دل کو دل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رذائل سے پاک کیا جائے جس کو تزکیہ کہتے ہیں اور قلوب کا تزکیہ خود سے نہیں ہوتا بلکہ تزکیہ کیا جاتا ہے تب ہوتا ہے، بزرگوں کی توجہ اور ریاضت و مجاہدہ سے، اللہ کے ذکر و فکر سے قلب پاک ہوتا ہے اور دل دل بنتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، قَالَ اللّٰـهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

بیان کرنے اور سننے کیلئے دل کی ضرورت ہے

وعظ کہنے والے کے پاس دل ہونا چاہئے بیان کرنے کے لئے دل کی ضرورت ہے، اسی طرح سامعین کے لئے بھی دل کی ضرورت ہے، آج جو ہم لوگوں کو نفع نہیں ہو رہا ہے، ہماری اصلاح نہیں ہو رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے قلوب مریض ہیں اور ہم باطنی اعتبار سے بیمار ہیں، بیان کرنے والوں کا یعنی ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارے دل صحیح معنوں میں دل نہیں ہیں، دل تو وہی ہے جس کے اندر اللہ کا خوف ہو، اللہ کی محبت ہو اور وہ اللہ ہی کے لئے بولے اور کوئی دوسری غرض اس میں شامل نہ ہو، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دنیا میں تشریف لائے اور جتنے پیغمبر اور رسول آئے ان کا قول قرآن میں موجود ہے، وہ تبلیغ کرتے تھے، اللہ کے دین کی دعوت دیتے تھے، اللہ کی طرف بلاتے تھے اور قوم سے یہ فرماتے تھے کہ ﴿وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلاَّ عَلیٰ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور میں تم سے (اس تبلیغ پر) کوئی دنیوی) صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

جو اللہ کے خاص بندے ہیں اور اللہ کے ولی ہیں اور جو نبی کے صحیح معنوں میں جانشین ہیں ان کے قلب میں وہ دولت ہے اور ان کے دل کے اندر وہ نعمت ہے جس کی خبر نہ کسی بادشاہ کو ہے نہ امیر کو، اور وہ دولت تعلق مع اللہ کی دولت ہے، ان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اور اللہ سے نسبت ہے، ان کے دل

میں اللہ کی محبت ہے اس لئے وہ دنیا ومافیہا سے مستغنی ہوتے ہیں، مردار دنیا کو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، ان کا بھروسہ اللہ پر اور ان کا اعتماد اللہ ہی پر ہوتا ہے، وہ مخلوق پر نظر نہیں رکھتے اور اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ ان کو بلوایا جاتا ہے تو بولتے ہیں، ہمارے اکابر کا بھی یہی حال تھا کہ مدتوں انہوں نے مجاہدہ کیا، خلوت میں رہے اللہ کا ذکر کرتے رہے اہل اللہ کی صحبت میں رہے اور گونگے بنے رہے، جب بولنے کا حکم ہوا تب بولے اور پھر ایسا بولے کہ ان کے بولنے سے نہ معلوم کتنے مردہ قلوب زندہ ہوگئے۔

حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے مولی! میں تو گونگا تھا بولنا جانتا ہی نہیں تھا آپ مجھے مخلوق کے درمیان لائے اور مجھ کو بولنے سے مخلوق کو نفع نہ ہو تو مجھے پھر اسی گمنامی کی حالت میں لوٹا دے۔

دیکھئے! حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کس طرح دعا فرما رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ میں تو گونگا تھا اور خلوت وگمنامی میں تھا آپ مجھے خلوت سے جلوت میں لائے اور بولنے کا حکم فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں، اس وجہ سے ان کے بولنے سے جو نفع ہوتا ہے وہ دوسروں کے بولنے میں نہیں ہوتا، پھر یہ کہ اہل اللہ جو کچھ دوسروں سے فرماتے ہیں وہ خود بھی اس پر عامل ہوتے ہیں ان کی زندگی عملی زندگی ہوتی ہے، ان کے حرکات وسکنات، اخلاق ومعاملات اور رفتار

و گفتار، کردار سب شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں، وہ فانی فی اللہ ہوتے ہیں، اللہ و رسولؐ کی مرضی میں اپنے کو فنا کیے رہتے ہیں اور فنافی اللہ کا مقام جس کو کہتے ہیں وہ ان کو حاصل ہوتا ہے، اسی بنا پر ان کے بولنے سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے۔

ہمارے اکابر ایسے تھے کہ ان کے بولنے میں عجیب اثر ہوتا تھا، کیسے کیسے فاسق و فاجر تائب ہو کر اپنی زندگی کو سنوار لیتے تھے اور ان کی زندگی بدل جاتی تھی، چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ایسا ہوتا تھا کہ جب جہنم کا ذکر فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم نگاہوں کے سامنے آگئی اور جب جنت کا ذکر فرماتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنت نگاہوں کے سامنے آگئی، یہ تھا وعظ اور یہ تھی نیابت رسول اللہ ﷺ کی۔

ہم لوگ کیا بولیں، ہمارے دل تو خود ہی بیمار ہیں اور ہم باطنی مریض ہیں، ہم داعی بنے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں داعی نہیں، جب تک آدمی نفس سے نہ نکل جائے اور اس کا بولنا اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو جائے یعنی بولنے سے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو، نہ مخلوق کی رضا مقصود ہو، نہ مال و دولت مقصود ہو، نہ جاہ و منصب مقصود ہو، بس صرف اللہ کی رضا ہی مقصود ہو، اس وقت تک صحیح معنوں میں داعی الی اللہ نہیں ہو سکتا، ہمارے اکابر ایسے ہی تھے، انہوں نے سب کو مٹا دیا ہر خیال کو دل سے ہٹا دیا اور صرف ایک اللہ کو پکڑ لیا، اللہ کی ذات سے ہی ان کا تعلق تھا اور بس، اللہ کے محبوب ﷺ

کے لئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ اے نبی! ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مومنین کو بشارت دینے والے ہیں اور کفار کو ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض وقت بولتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کیا بولوں اور پھر خصوصاً اہل علم کے سامنے تو اور زیادہ شرم معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ بیان کرنے کے واسطے دل کی ضرورت ہے اور دل بڑی مشکل سے دل بنتا ہے۔

اگر آج صحابہ موجود ہوتے...!

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر آج صحابہ موجود ہوتے تو آج کل کے مسلمانوں کو وہ کافر کہتے اور اس زمانہ کے مسلمان اگر صحابہ کو دیکھتے تو ان کو مجنون بتاتے یعنی ان پر اللہ کا اس قدر خوف طاری رہتا تھا کہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں معلوم ہوتے تھے، ان کی کیفیات کا اندازہ آج کل کے لوگ کر ہی نہیں سکتے، اس لئے ان کی حالت دیکھ کر ان کو مجنون سمجھتے، چنانچہ ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی چاند یا سورج میں گہن لگ جاتا تھا تو وہ اللہ کی عبادت کی طرف دوڑ پڑتے تھے اور خوف سے ان کے

چہرے زرد پڑ جاتے تھے اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ جاتا تھا، اس قسم کی چیزوں سے وہ عبرت حاصل کرتے تھے، اور اللہ کی طرف رجوع ہوتے تھے، آج دیکھ لیجئے کہ ہم میں وہ عبرت باقی ہے؟ وہ نصیحت باقی ہے؟ ہمارے سامنے کیسے کیسے واقعات گذر جاتے ہیں لیکن ہم پر ایسی غفلت چھائی ہے کہ ہم ذرا بھی عبرت و نصیحت نہیں حاصل کرتے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ عبرت اور نصیحت ہی کے لئے بیان کئے ہیں اور شب و روز جو حوادث پیش آتے رہتے ہیں وہ بھی عبرت ہی کے لئے ہیں لیکن آج بڑی سے بڑی بات ہو جاتی ہے مگر ہم اس سے ذرا بھی سبق نہیں لیتے۔

بات یہ ہے کہ اس کے لئے دل کی ضرورت ہے اور ہمارا دل بگڑ چکا ہے، قلب سلیم کی صفات اس کے اندر باقی نہیں رہ گئی، ورنہ ہم ضرور نصیحت حاصل کرتے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ﴾ اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس فہیم دل ہو یا وہ کم از کم دل سے متوجہ ہو کر بات کی طرف کان ہی لگا دیتا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل ہے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے، دل ہی تمام اعضاء کا بادشاہ ہے سارے اعضاء اسی کے موافق کام کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ

الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ" یعنی انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے، اس کے بعد آپ ارشاد فرماتے ہیں "اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ" یعنی آگاہ ہو جاؤ وہ قلب ہے۔

وہ اور کہیں رہتے تھے ہم اور کہیں ہیں

آج ہمارے قلوب بگڑ چکے ہیں، ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں، ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف باقی نہیں رہا، اللہ کی محبت باقی نہیں رہی، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور خوف عجیب نعمت ہے، جس بندے پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں نازل فرمانا چاہتے ہیں اس کو اپنا خوف اور اپنی محبت عطا فرمادیتے ہیں اور پھر اس کا کچھ اور ہی حال ہو جاتا ہے ہمارے اسلاف کہاں تھے اور ہم کہاں پہنچ گئے، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا ۔

اسلاف سے نسبت نہیں کچھ بھی ہمیں واللہ
وہ اور کہیں رہتے تھے ہم اور کہیں ہیں

ہمارے اندر دنیا کی طمع اور دنیا کی حرص وہوس اور قسم قسم کے رذائل موجود ہیں، ہمارے قلوب میں اللہ کی محبت، رسول کی محبت، بزرگان دین کی محبت، اللہ سے تعلق اور نسبت، یہ چیزیں کمزور ہو گئی ہیں اسی وجہ سے ہماری باتوں میں وہ اثر باقی نہیں جو ہمارے اکابر کی باتوں میں تھا، یہ وعظ و تذکیر بھی

اللہ تعالیٰ سے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، چنانچہ ایک بڑے بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ جب کوئی عالم ربانی اور اللہ والا بیان کرتا ہے تو ایک ہی وعظ سے اس کو اللہ کا ایسا قرب نصیب ہوتا ہے اور اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ ہزاروں برس کے مجاہدہ سے وہاں نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ وہ اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کا کام ہے گویا وہ کار نبوت انجام دیتا ہے تو ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کون سی چیز قرب کی ہوسکتی ہے، بھائی! مجھ سے تو جب کوئی بیان کرنے کے لئے کہتا ہے تو بعض وقت بڑی شرم معلوم ہوتی ہے کہ کیا بولوں، اس لئے کہ مجھے آتا جاتا کچھ نہیں لیکن آپ حضرات کے اصرار و محبت کی وجہ سے بولنا پڑتا ہے، نیز بزرگوں نے اجازت دی ہے کہ بولا کرو اس لئے ان کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بولنے کے لئے دل کی ضرورت ہے اور سامعین کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں اور ایسا سنیں کہ اس پر عمل مرتب ہو، مومن کی شان یہ ہے کہ وہ سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے، **سمعنا و اطعنا** کہتا ہے، اور دل کو دل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رذائل سے پاک کیا جائے جس کو تزکیہ کہتے ہیں اور قلوب کا تزکیہ خود سے نہیں ہوتا بلکہ تزکیہ کیا جاتا ہے تب ہوتا ہے، بزرگوں کی توجہ اور ریاضت و مجاہدہ سے، اللہ کے ذکر و فکر سے قلب پاک ہوتا ہے اور دل دل بنتا ہے۔

❁ ❁ ❁

جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

پہلے زمانہ میں رسول و پیغمبر برابر آتے رہے اور اللہ کے بندوں کو دین کی دعوت دیتے رہے، لوگوں کے قلوب کا تزکیہ فرماتے رہے اور ان کے دل کو دل بناتے رہے، حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ اللہ کے آخری رسول ہیں، نبوت آپ پر ختم ہوگئی اب قیامت تک نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی آئے گا، البتہ ان کا کام جاری رہے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے احکام کو باقی رکھنے کے لئے علماء ربانی اور اہل اللہ کو ان کا وارث بنایا، پس جب علماء و مشائخ انبیاء کے وارث ہیں تو ان حضرات کے ذمہ ہے کہ اس منصب کا حق ادا کریں اور کار نبوت کو انجام دیں، اللہ کے دین کی دعوت دیں، اللہ کے بندوں کو بیدار کریں، سوتوں کو جگائیں، غافلوں کو ہشیار کریں، امراض روحانی کو بتلائیں اور اس کا علاج تجویز فرمائیں، چنانچہ ہمارے اکابر نے اس خدمت کو انجام دیا اور کتنوں کو اللہ تک پہنچا دیا، اس وقت حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک شعر یاد پڑا جس کو میں نے ان کی زبان سے سنا ہے اور مجھے تو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ خواجہ صاحبؒ پرتاپ گڈھ تشریف لائے تھے تو مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میرا کلام آپ اپنی زبان سے سناویں چنانچہ میں نے بہت سنایا اور خواجہ صاحب بہت خوش اور مسرور ہوتے تھے، ان کا جو شعر اس وقت پڑھنا چاہتا تھا وہ یہ ہے ؎

مجذوب نارسیدہ کو واصل بنادیا
ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا
نقش بتاں مٹایا دکھایا جمال حق
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

واقعی اللہ والوں کی نگاہ میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف توجہ فرمادیتے ہیں اسے اللہ والا بنادیتے ہیں، ان کی توجہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے لہٰذا اللہ والوں کی صحبت میں جاکر اپنے دل کو دل بنانا چاہئے میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ؎

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے		دل مشکل سے بنتا ہے دل

بس آدمی اپنے کام میں لگا رہے، اپنے دل کو سنوارنے کی فکر کرے، ذکر وفکر میں مشغول ہو، اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے تو انشاء اللہ کامیابی ضرور ہوگی، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ یعنی اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت) کے رستے ضرور دکھادیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا ورحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہیں (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو ہماری راہ میں مشقت برداشت کرے گا اس پر ہم اپنے قرب کا راستہ کھول دیں گے، اللہ تعالیٰ نے

اپنے قرب کا راستہ بتلانے ہی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے دنیا میں آکر کتنے مردہ قلوب کو زندہ کردیا، ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی پاک صحبت سے صحابہ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ ایمان لانے کے بعد جس نے حضور ﷺ کو ایک نظر بھی دیکھ لیا تو اس مقام پر پہنچ گیا کہ بعد والے بڑے بڑے غوث اور قطب بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے، اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحابی کے اس ایک مُد جو کے برابر جس کو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے غیر صحابی کا اُحد پہاڑ کے برابر سونا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو خلوص ان کے اندر تھا وہ بعد والوں میں نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف صحابہ کرامؓ کا وہ مقام تو بہت اعلیٰ وارفع اور اب صحابیت کے مقام تک رسائی ناممکن ہے کیوں کہ جب نبوت ختم ہو گئی تو صحابیت بھی ختم ہو گئی البتہ حضور اقدس ﷺ کے سچے نائبین ہمیشہ موجود رہیں گے اور ان میں بھی بڑے بڑے مقامات والے ہوئے ہیں اور معرفت کے لحاظ سے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے انمول ملفوظ

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہے اس کی وجہ بھی وہی

ہے کہ جو خلوص ان کے اندر ہے وہ غیر عارف میں نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ کی معرفت بہت بڑی دولت ہے اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور جب تک دل کو رذائل سے پاک نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اللہ کی معرفت نہیں حاصل ہو سکتی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جب تک قلب رذائل سے پاک نہیں ہوتا اس کے اندر نسبت مع اللہ کی استعداد بھی نہیں پیدا ہوتی۔

بھائی! میں یہ کہتا ہوں اور اس میں خود اپنے کو بھی شامل کر کے کہتا ہوں کہ ہمیں اپنے دل کی نگرانی رکھنا چاہئے، اللہ والے ہر وقت اپنے دل کی نگرانی رکھتے ہیں وہ دوسروں کو دین کی دعوت بھی دیتے ہیں، وعظ بھی کہتے ہیں اور اپنی مجلس میں بیان بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو ٹٹولتے رہتے ہیں کہ ہمارے اندر عجب تو نہیں پیدا ہو رہا ہے، بڑائی تو نہیں آرہی ہے، بھائی! یہ بہت نازک مقام ہے اور بہت ڈرنے کی چیز ہے، ہمیں اپنے دل کو دیکھنا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو اپنے امراض نظر آنے لگیں اور علاج کی فکر پیدا ہو جائے اور یہ چیز بزرگوں سے تعلق کی برکت سے حاصل ہوتی ہے، اصغر گونڈوی اپنے شیخ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے

اس کے بعد پھر کیا ہوتا ہے، وہ دولت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ مرضیٔ الٰہی کے تابع بن جاتا ہے جیسا کہ آگے فرماتے ہیں ۔

تصویر ہے کھنچی ہوئی ناز و نیاز کی
ہم سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے

دل کو دل بنانے کا طریقہ

حضرت سید الاولیاء شیخ احمد کبیر رفاعی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصالِ حق کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہنچ گیا، مگر یاد رکھو کہ ذکر اللہ صحبت مشائخ کی برکت سے دل میں جمتا ہے آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، تو ایسے لوگوں سے تعلق پیدا کرو جن کے دل میں خدا کی یاد جم چکی ہے تم کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی ورنہ غافلوں کی صحبت میں رہ کر یا تنہا خلوت میں رہ کر یہ دولت حاصل نہ ہوگی، ہم سے تعلق پیدا کرو ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے، اے ہم سے محجوب رہنے والے! تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں؟ بتا! اس علم سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں اور اخلاص ایک خطرناک راستہ کے پار کنارہ ہے، اب بتلا! تجھے عمل کے لئے کون اٹھائے گا؟ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے؟

اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف وخطر راستہ کون بتلائے گا؟ کیا یہ درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں، جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ علیم وخبیر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہم کو یہی طریقہ بتلایا ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہ ہو جاننے والوں سے معلوم کرو، تو اپنے آپ کو اہل ذکر میں سے سمجھتا ہے تو اگر ان میں سے ہوتا تو ان سے محجوب نہ ہوتا، اگر تو اہل ذکر میں سے ہوتا تو فکر کر کے ثمرہ سے محروم نہ ہوتا کیونکہ ذکر اللہ کے اثر سے دل پر فکر ضرور غالب ہوتا ہے اور فکر کے آثار ذاکر کی صورت سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اس کے ہر کام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو کوئی بڑا فکر ہے تجھ کو تیرے اس حجاب نے روکا کہ مشائخ سے دور دور رہتا ہے، تجھ کو تیرے دعویٰ علم نے تباہ کیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اب بتلا! جس علم سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ناز کرنا کہاں تک زیبا ہے، اے محجوب! تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ (تیرے لئے) ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا (کیونکہ) ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ یعنی ان لوگوں کے راستہ پر

چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں۔

سبحان اللہ! حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کس قدر مؤثر ہے اور اس میں کتنا وزن معلوم ہوتا ہے واقعی اہل اللہ کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے، حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی اسی انداز کا ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''حق تعالیٰ کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں نہ مخلوق ہے نہ اسباب، نہ اپنی واقفیت ہے اور نہ کوئی سمت یا دروازہ، نہ اس میں کسی مخلوق کی ہستی، بس بدن دنیا کے ساتھ اور دل آخرت کے ساتھ اور باطن مولیٰ کے ساتھ، باطن حاکم ہوتا ہے قلب پر اور قلب حاکم ہوتا ہے نفس مطمئنہ پر اور نفس مطمئنہ حاکم ہوتا ہے بدن پر اور اعضاء بدن حاکم ہوتے ہیں مخلوق پر، جب بندہ کے لئے یہ (مقام) صحیح اور کامل ہو جاتا ہے تو جنات وانسان اور فرشتے اس کے زیر قدم ہو جاتے ہیں کہ سب دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور وہ مسند قرب میں بیٹھا ہوا ہے''۔

اس کے بعد فرماتے ہیں ''اے منافق! یہ بات تیرے نفاق اور تصنع سے ہاتھ نہیں آسکتی، تو اپنے ننگ وناموس اور مخلوق کے دلوں میں اپنی مقبولیت اور اپنی دست بوسی کی ترقی وپرورش میں لگا ہوا ہے، تو دنیا وآخرت دونوں میں اپنے نفس کے لئے بھی منحوس ہے اور ان کے لئے بھی جن کی پرورش کر رہا ہے اور جن کو اپنے اتباع کا حکم دے رہا ہے، تو ریاکار، دجال اور لوگوں کے اموال کا ڈاکو ہے پس ضرور ہے کہ نہ تیری کوئی دعا مقبول ہو اور نہ صدیقین

کے قلوب میں تیری جگہ ہو، تجھ کو اللہ نے علم دے کر گمراہ بنایا، جب غبار ہٹے گا تو تجھ کو نظر آئے گا کہ تو گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر، جب غفلت کا غبار کھلے گا تو مردان خدا کو گھوڑوں اور سانڈنیوں پر سوار دیکھے گا اور خود ان کے پیچھے ایک شکستہ حال گدھے پر ہوگا کہ شیطانوں اور ابلیسوں کی خواری تجھ کو تھام رہی ہوگی، کوشش کرو کہ اس کے قرب کا دروازہ تمہارے قلوب سے بند نہ کرلیا جائے، سمجھدار بنو، تمہاری حالت کچھ بھی نہیں، ایسے شیخ کی صحبت اختیار کرو جو حکم خداوندی اور علم لدنی کا واقف ہو کہ وہ تم کو اس کا راستہ بتائے، جو فلاح پانے والے کو نہیں دیکھے گا وہ فلاح بھی نہ پائے گا، جو علماء باعمل کی صحبت اختیار نہ کرے وہ خاکی انڈا ہے نہ اس کے لئے مرغ ہے (جس کی طرف وہ منسوب کیا جائے) اور نہ ماں ہے (جو چھاتی سے لگا کر پرورش کرے) اس کی صحبت اختیار کرو جس کو اللہ تعالیٰ کی صحبت نصیب ہے"۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ص/ ۴۷۲)

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "اے دنیا بھر کے بندگان خدا اور زاہدو! آؤ وہ چیز سیکھو جس کی تم کو خبر نہیں ہے، میرے مکتب میں داخل ہو جاؤ تاکہ میں تم کو وہ علم پڑھادوں جو تمہارے پاس موجود نہیں ہے، قلوب کا مکتب جدا ہے اور اسرار کا مکتب جدا ہے اور نفوس کا مکتب جدا اور اعضاء بدن کا مکتب جدا، یہ سب الگ الگ درجے اور مقامات ہیں اور گنتی کے چند قدم ہیں جن میں آگے پیچھے کی ترتیب ملحوظ ہے، پہلا قدم تو تیرا درست ہوا نہیں پھر

دوسرے تک کس طرح پہنچ سکتا ہے، ایمان تیرا صحیح نہیں ہوا پس ایقان تک کیسے پہنچے گا اور ابھی ایقان تو صحیح ہوا نہیں پس معرفت اور ولایت تک کیسے رسائی ہوگی، صاحب عقل بن تو کچھ بھی نہیں، تم میں ہر شخص آلہ سرداری کے بغیر مخلوق کا سردار بنناچاہتا ہے حالانکہ مخلوق کی سرداری ان میں اور دنیا ونفس وخواہش وطبیعت وارادہ سب میں زہد اختیار کرنے کے بعد صحیح ہوتی ہے، سرداری آسمان سے اترا کرتی ہے زمین سے نہیں (کہ جس کا جی چاہے خود ہی حاکم بن بیٹھے) ولایت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے نہ کہ مخلوق کی طرف سے، ہمیشہ دوسرے اللہ والوں کا مقتدی بنا رہ، مقتدیٰ مت بن، صاحب بنا رہ (کہ دوسروں کے ساتھ رہے) مصحوب مت بن (کہ دوسروں کو اپنے ساتھ لے کیونکہ دوسروں کا بوجھ اٹھانا آسان نہیں ہے) ذلت وگمنامی کو پسند کر (کہ اس میں بڑا پن ہے) پھر اگر حق تعالیٰ کے نزدیک تیرے لئے اس کی ضد (یعنی امامت وشہرت مقدر) ہوگی تو اپنے وقت پر وہ خود آجائے گی، تو شان تسلیم وتفویض اختیار کر"۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ص ر ۴۰۱)

نیز فرماتے ہیں کہ "ابھی تک تو نے بنیاد کو تو مضبوط نہیں کیا پھر تعمیر کی چنائی کس شئی پر کرے گا، تیری نیت تو درست ہوئی نہیں وعظ کس طرح کہے گا؟ تیرا سکوت ابھی پورا ہوا نہیں بولے گا کس طرح؟ مخلوق کو وعظ کہنا پیغمبروں کی نیابت ہے اس لئے کہ وہی مخلوق کے واعظ تھے پس جب وہ تشریف لے

گئے تو حق تعالیٰ نے ان کے علوم پر عمل کرنے والے علماء کو ان کی جگہ کھڑا کر دیا اور ان کو ان کا وارث بنادیا پس جو شخص پیغمبروں کی جگہ کھڑا ہونا چاہے اس کو (پیغمبروں کی طرح) اپنے زمانہ میں ساری مخلوق سے زیادہ پاک اور صاف اور حق تعالیٰ کے حکم اور علم کا سب سے زیادہ واقف کار ہونا چاہئے، اے اللہ اور اس کے رسولوں اور نکوکاروں اور اولیاء سے ناواقفو! اور اے اپنے نفوس اور اپنی طبیعتوں اور اپنی دنیا و آخرت سے جاہلو! تمہارا گمان یہ ہے کہ یہ امر (یعنی وعظ گوئی) ایک آسان بات ہے، تم پر افسوس ہے، گونگے اور خاموش بنے رہو، یہاں تک کہ تم کو خدا کی طرف بلوایا جائے اور اٹھایا جائے اور کھڑا کیا جائے اور (مخلوق کے سامنے منبر پر) لایا جائے"۔

سبحان اللہ! کیسا زبردست کلام ہے اور کس قدر ناصحانہ انداز میں اصل حقیقت کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں اور ترقی کی سبیل بتلارہے ہیں اس موقع پر میرا اپنا ہی ایک شعر یاد آگیا۔

اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر
مقتدیٰ وہ نہیں جو نہیں مقتدِی

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت اور ان سے تعلق ضروری ہے، ان کی صحبت کی برکت سے قلب میں حقیقی ایمان آجاتا ہے اور پھر بندہ مرضیٔ الٰہی کے تابع بن جاتا ہے، ایمان والا دل چون وچرا نہیں جانتا وہ تو تسلیم و رضا جانتا ہے، وہ کیوں میوں، اگر

مگر نہیں جانتا، آج دیکھ لیجئے ہم میں بہت سے لوگ کہتے ہیں ایسا کیوں ہوا؟ تو سمجھ لیجئے کہ یہ مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ ورسول کے حکموں میں علت ڈھونڈے، اس کو تو آنکھ بند کر کے شریعت کے حکموں کو ماننا اور اس پر چلنا چاہئے۔

صحابہ کرامؓ کا مقام محبت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی مثال اب دنیا میں نہیں مل سکتی ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ احکام اختیاریہ پر تو عمل کرتے ہی تھے غیر اختیاری عادات میں بھی وہ اتباع کرتے تھے جن میں اتباع کے وہ مکلّف بھی نہ تھے مگر ان کو کس قدر عشق تھا رسول اللہ ﷺ سے اور اس قدر وہ فنا تھے آپ ﷺ کی محبت میں کہ ہر چیز میں آپ کا اتباع کرنا چاہتے تھے چنانچہ صحابہ کے حالات میں آتا ہے کہ چلے جارہے ہیں راستہ میں کسی مقام پر بیٹھ گئے کسی مقام پر لیٹ گئے، کسی مقام پر مسکرادیئے، کسی مقام پر استنجاء کی ہیئت پر بیٹھ گئے مگر استنجاء نہیں کیا، جب کوئی پوچھتا کہ یہ کیا بات ہے تو فرماتے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو میں نے اپنے محبوب آقا نبی کریم ﷺ کو یہاں بیٹھا ہوا دیکھا تھا اس لئے بیٹھ گیا اور یہاں لیٹا ہوا دیکھا تھا اس لئے لیٹ گیا اور اس مقام پر پہنچ کر حضور ﷺ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے مسکرادیا اور اس جگہ بیٹھ کر حضور ﷺ کو استنجاء کرتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے مجھ کو گو استنجاء کی حاجت

نہ تھی مگر چونکہ آپ ﷺ کو اس جگہ اسی طرح بیٹھے دیکھا تھا اس لئے میں بھی بیٹھ گیا۔

جب صحابہؓ کا تذکرہ آتا ہے

سبحان اللہ! کیا مقام تھا صحابہ کرامؓ کا اور وہ حضور ﷺ کے عشق و محبت میں کس قدر فنا تھے خدا جانتا ہے، ایسے چاہنے والے اور ایسے عاشق دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتے، جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ آتا ہے تو میری عجیب کیفیت ہو جاتی ہے اور ان کے حالات میں عجیب کیف و سرور محسوس ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ روحانی اور ایمانی کیف ہے جو حسی کیف و سرور سے کہیں بڑھ کر قابل قدر ہے، اس موقع پر مجھے ایک شعر یاد آیا جس کو میں نے بدل کر اپنے مذاق کے مطابق کر لیا ہے، کسی شاعر نے کہا تھا ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل   نسیم صبح تیری مہربانی

اس کو بدل کر میں نے یوں کہا ہے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ کیف ایماں
میرے اللہ ! تیری مہربانی

میں سمجھتا ہوں کہ جس کو حضور ﷺ سے محبت ہوگی اس کو آپ کے صحابہؓ سے بھی ضرور محبت ہوگی اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے ذکر میں لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے، پس جس طرح حضور اقدس ﷺ کے ذکر

میں لذت و حلاوت ملتی ہے اسی طرح صحابہؓ کے ذکر میں بھی بڑی لذت و حلاوت ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور جاں نثار ہیں۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر علماء میں سے گذرے ہیں، حضرت نے ایک چہل حدیث لکھی ہے اس کے اخیر میں کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جو حضرت ہی کے ہیں اس میں صحابۂ کرامؓ کی محبت والفت کا خوب نقشہ کھینچا ہے فرماتے ہیں ۔

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعویٰ الفتِ احمدؐ تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا
کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت دیکھئے، فاروق اعظمؓ کی محبت کو دیکھئے، عثمان ذوالنورینؓ کی محبت کو دیکھئے، صحابۂ کرامؓ کی محبت کو دیکھئے، سب کے سب اللہ کے عاشق اور ان پر فدا و قربان ہیں، عزت و آبرو قربان کر دینے والے، اہل وعیال کو قربان کر دینے والے، اللہ ورسولؐ کو راضی کرنے والے اور ان کو راضی کرنے کے لئے ساری دنیا کو ناراض کر دیتے تھے، یہ صحابہؓ ہی کی شان تھی کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا ہی میں بشارت سنائی جو امت میں کسی کو

نہیں سنائی گئی ، کوئی بڑے سے بڑا غوث ہو جائے، قطب ہو جائے، ابدال واوتاد ہو جائے، تو بیشک یہ سب بھی بڑے مراتب ہیں اور یہ لوگ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے جانشین ہیں مگر صحابہ کرامؓ کا مقام ان سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ ان کے لئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ یہ خوشخبری نازل فرمارہے ہیں کہ ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی اور یہ لوگ اللہ سے راضی ہیں۔

لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ اتنی بڑی خوشخبری ان کو سنادی گئی اس کے باوجود ان کا خوف گیا نہیں بلکہ وہ ہمیشہ لرزتے اور کانپتے رہتے تھے اس لئے کہ ایمان تو بین الخوف والرجاء ہے، صحابہؓ کے ایمان کا کیا کہنا! تقویٰ کی زندگی ہے، اللہ کی بندگی ہے، اللہ کی راہ میں جان دینے والے، اللہ ورسولﷺ کی مرضی پر مرمٹنے والے اور ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ﴾ کا مژدہ دنیا ہی میں سن لینے والے مگر پھر بھی مطمئن نہیں ہیں اور اللہ کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہیں۔

خوف ورجاء کی تشریح

فاروق اعظمؓ کا کیا حال تھا، فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے دن یہ ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جہنم میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جنت میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں، یہ ہے

خوف ورجاء کے درمیان رہنے کی حالت، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں خوف ورجاء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مرید کے لئے خوف اور امید ایسا ہی ضروری ہے جیسا پھلوں کے لئے سایہ اور دھوپ، اگر ہمیشہ سایہ ہی ہوتا تو پھل نہ پکتے اور اگر ہمیشہ دھوپ ہی ہوتی تو وہ جل جاتے، جب تک یہ دونوں جمع نہ ہو جائیں باغ جہاں میوۂ مقصود سے بار آور نہیں ہوتا اسی طرح مرید کے لئے پیر کی نوازش ولطف کا سایہ اور اس کے آفتاب قہر کی گرمی زمانہ میں اس کو پختہ کر دیتی ہے، کبھی بغیر سبب کے نوازشیں کہتی ہیں کہ یہاں آجا کیونکہ یہاں کتوں کے پاؤں کی گرد سے دوستوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا جاتا ہے اور ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ (ان کا کتا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے ہوئے ہے) کے خلعت سے قیامت تک نوازتے ہیں اور کبھی وہ قہر وجلال جو بغیر کسی سبب کے ہوتا ہے ڈانٹ دیتا ہے، الحذر الحذر (دور ہو دور ہو)

یہاں گرانا، اٹھانا، راندنا، بلانا، کبھی نوازش وکرم اور کبھی خشم وبے رخی، تم جانتے ہو کیا ہے؟ ملک ومال کی بلاؤں کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور شراب لطف پلا کر مست کر دینا ہے اور زمانہ کی گردش میں سختیاں جھیل کر پختہ کرنا ہے جیسا کہ پھل، اگر رجاء ہی رجاء ہو گی تو سستی اور کاہلی کے سبب خام رہ جائے گا اور اگر سر تاپا خوف ہی خوف ہو گا تو ناامیدی کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جائے گا، اس لئے ضرورت ہے کہ خوف اور رجاء برابر قوام کر کے معجون بنایا جائے تاکہ مرید کی

بیماری کا علاج ہو سکے، کہا جاتا ہے کہ مرید کے لئے خوف ورجاء پرندوں کے دوشہ پر کی حیثیت رکھتے ہیں اگر دونوں پر برابر ہیں تو سیدھا اڑے گا اور اگر ایک کم اور ایک زیادہ ہوگا تو ٹیڑھا اڑے گا اور اگر صرف ایک ہی پر ہوگا اور دوسرا نہ ہوگا تو پرندہ مر جائے گا۔

مشائخ کی کتابوں میں ہے کہ رجاء اتنی ہونی چاہئے کہ اگر دنیا بھر کے گناہ اور نافرمانی تنہا ایک شخص میں ہوں اور وہ یہ آواز سنے کہ بہشت میں ایک شخص کے سوا دوسرا نہ جائے گا تو وہ یقین کرلے کہ وہ میں ہی ہوں اور خوف بھی اتنا ہو کہ اگر سارے جہان والوں کی طاعت وعبادت کسی ایک شخص میں ہو اور وہ یہ آواز سنے کہ دوزخ میں بجز ایک شخص کے دوسرا نہ جائے گا تو وہ یقین کرلے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں، مگر مرید کے لئے رجاء پر خوف کا غلبہ زیادہ اچھا ہے، سالکان طریقت پر خوف اتنا طاری ہے کہ اگر کوئی صاحب نظر دیکھتا تو کہتا کہ یہ تو رحمت حق سے بالکل ناامید ہو چکے ہیں۔" (انتہیٰ)

حضرت صدیق اکبرؓ کا کیا حال تھا، تہجد کی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو روتے روتے آنسوؤں کا تار لگ جاتا تھا، صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ رات تہجد کی نماز میں خدا کے کلام کی تلاوت کرتے تھے اور گڑگڑاتے تھے ان کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں، ان کے خوف کا یہ عالم تھا، ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت اٹھ کر صدیق اکبرؓ کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت کررہے ہیں اور ذرا ہلکی آواز

سے تلاوت کر رہے تھے پھر حضور اقدس ﷺ فاروق اعظمؓ کے حجرے کے پاس تشریف لے گئے وہ بھی نماز تہجد میں قرآن پاک پڑھ رہے تھے مگر خوب بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، جب وہ حضرات آپ کی مجلس میں تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ میں نے رات تم کو تہجد میں قرآن پڑھتے سنا لیکن تم بہت ہلکی آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے اس کی کیا وجہ؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اللہ تعالیٰ کو سنا رہا تھا، اللہ تعالیٰ سر و جہر دونوں کو یکساں سنتا ہے، پھر آپ ﷺ نے فاروق اعظمؓ سے دریافت فرمایا کہ میں نے رات میں تم کو قرآن پڑھتے سنا تم اتنی بلند آواز سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ فاروق اعظمؓ نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ سے بڑھ کر کس کی نیت ہو سکتی ہے، ان کی نیت پاک، ان کا خیال پاک، ان کا ارادہ پاک، دونوں حضرات نے کیسی نیت ظاہر فرمائی، حضرت صدیق اکبرؓ نے تو یہ نیت فرمائی کہ میں اللہ کو سنا رہا تھا اس لئے آہستہ پڑھ رہا تھا کہ اس کے نزدیک سب برابر ہے اور فاروق اعظمؓ نے یہ نیت فرمائی کہ سوتوں کو جگاتا تھا تاکہ وہ لوگ بیدار ہو کر اللہ کے دربار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیں اور شیطان کو بھگاتا تھا کہ قرآن کی تلاوت سن کر جہاں تک آواز جائے گی وہ بھاگ جائے گا۔

سبحان اللہ! کیسی کچھ نیت تھی مگر حضور اقدس ﷺ چونکہ دونوں حضرات کے

مربی تھے آپ ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ اے ابو بکر! تم اپنی آواز تھوڑی سی بلند کردو اور فاروق اعظمؓ سے فرمایا کہ اے عمر! تم اپنی آواز ذرا پست کردو۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ پر ایک نکتہ تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ حضرات شیخینؓ نے جو اپنی اپنی نیت ظاہر فرمائی بیشک وہ اپنی جگہ پر بہت اعلیٰ درجہ کی نیت تھی لیکن پھر بھی انہوں نے اس کو اپنی تجویز سے کیا تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان کو ان کی تجویز سے ہٹا کر اپنی رائے میں فنا کردیا اور صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز ذرا بلند کردو اور فاروق اعظمؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز ذرا پست کرو۔

رابعہ بصریہؒ کا حال

اب سنئے کہ رات کی ساعات میں قرآن پاک کی تلاوت اور نماز تہجد میں جو مزہ ملتا ہے اس کا حال اللہ والوں سے پوچھئے اس کی حلاوت ولذت کو وہی جانتے ہیں، حضرت رابعہ بصریہؒ کا یہ حال تھا کہ رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں، نمازیں پڑھتی تھیں اور اپنا کفن سامنے رکھتی تھیں، جب نیند آنے لگتی تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے اس مفہوم کا شعر پڑھتی تھیں۔

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

اور جب صبح ہونے لگتی تو بڑی حسرت سے حق تعالیٰ سے عرض کرتیں

کہ اے میرے مولیٰ! اب صبح ہونے والی ہے اور دن میں جو میرا مجازی آقا ہے اب مجھے اس کی خدمت کرنی ہے کاش کہ رات ہی رہتی اور کبھی صبح نہ ہوتی تو میں آپ ہی کی خدمت میں حاضر رہتی اور آپ کے ساتھ مشغول رہتی۔

سبحان اللہ ! حضرت رابعہ بصریہؒ کا یہ حال تھا کہ ان کو حق تعالیٰ سے مناجات میں اور ان کی یاد میں ایسی لذت ملتی تھی کہ رات گذر جانے پر افسوس کرتی تھیں اور ساری رات بھی ان کے لئے کافی نہ ہوتی تھی، اور اب دیکھ لیجئے ہمارا کیا حال ہے اور ہم کو حق تعالیٰ سے مناجات میں کتنی لذت ملتی ہے!؟ کیا یہ کم محرومی ہے کہ مناجات کی لذت ہم سے چھین لی گئی! اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کا مزہ ہم سے چھین لیا گیا! ہم کو مال میں مزہ ہے، اہل وعیال میں مزہ ہے، دنیا کی ہر چیز میں مزہ ہے اور نہیں مزہ ہے تو اللہ کی یاد اور ان سے مناجات میں، یہ کس قدر افسوس کی بات ہے، بندگی کا کمال یہ ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے آدمی خدا کے احکام سنے اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو، جب اللہ سے تعلق ہو جاتا ہے اور واقعی دل دل بن جاتا ہے اس وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مال و اولاد اور دنیا کے سارے تعلقات دل سے باہر باہر رہتے ہیں مگر دل میں فقط اللہ کی یاد اور ان کی محبت ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

اللہ والوں سے پوچھئے جب انہوں نے دل کا تزکیہ کر لیا اور دل کو محض اللہ کے لئے خالی کر لیا تو ان کو کیسی راحت اور کیسا لطف ملا، حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک شعر پھر یاد پڑا، فرماتے ہیں ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

دنیا کے سارے محبوب فانی اور مٹ جانے والے ہیں دل کو ان سے کیا لگانا، دل تو اس سے لگانا چاہیے جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، یہ دنیا فانی ہے، دنیا کی محبت بھی فانی ہے اور دنیا کا مال اور اس کی دولت بھی فانی ہے، اللہ کی ذات باقی ہے اور اللہ والی محبت باقی ہے، بس انہیں سے دل لگانا چاہیے اور انہیں کی محبت دل میں بسانا چاہیے۔

عشق با مردہ نباشد پائدار عشق را با حی با قیوم دار

اللہ والوں نے محنت وریاضت کی، نفس کے کہنے کو نہ مانا اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے نفس کو کچل ڈالا اور اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے اپنے کو مٹایا "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" کی منزل طے کی، پھر ان کو اجازت ملی کہ ہاں تم بولو، ہمارے بندوں کو بیدار کرو، سوتوں کو جگاؤ، دین کی دعوت دو، تب وہ بولے اور پھر ان کے بولنے سے لوگوں کو نفع پہنچا۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا بولنا اللہ ہی کے لئے ہونا چاہیے اور انہی کی طرف سے ہونا چاہیے آج ہمارے دل میں امراض پیدا ہوگئے ہیں اور طرح طرح کی اغراض ہمارے ہر کام میں شامل ہو جاتی ہیں، ہم اس لئے بولتے ہیں کہ ہمیں دنیوی نفع ہو، ہم اس لئے بولتے ہیں کہ مخلوق واہ واہ کرے کہ سبحان اللہ! مولانا نے بڑا عمدہ بیان کیا، اب یہی رہ گیا ہے۔

میں بلایا گیا ہے، اب میں کیا کروں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ ضرور جایئے، رات بھر کا معاملہ ہے صبح کو تو آہی جائیں گے، الغرض حضرت سے اجازت لے کر میں یہاں جلسہ گاہ میں پہنچا تو بیان ہو رہا تھا اور ایک صاحب یہ مضمون بیان کر رہے تھے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ بہت غفور و رحیم ہے اور اس کو کچھ اس انداز سے بیان کر رہے تھے کہ رحمت ہی کے بھروسے لوگ خوب نافرمانی کرنے لگیں، جب مجھ سے بیان کے لئے کہا گیا تو میں نے کہا کہ یہ بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے وہ غفور و رحیم ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہم نافرمانی میں خوب دلیر ہو جائیں، فرائض کے تارک ہو جائیں، محرمات کا ارتکاب کرنے لگ جائیں، دوسروں کے حقوق غصب کر لیں اور کہہ دیں کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، اگر ایسا ہو تو پھر شریعت کا آنا ہی بیکار ہو جائے گا، ہر چیز کا موقع ہوتا ہے، بے محل کوئی چیز مناسب نہیں، بعض وقت بے محل بات سے نقصان پہنچ جاتا ہے اس آیت کا یہ محل ہے کہ جو لوگ کفر و شرک کر چکے تھے اور طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب کرنے کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے تو اپنے پرانے حالت کفر کے گناہ یاد کر کے اس پر ان کو سخت ندامت طاری ہوتی تھی اور پریشانی لاحق ہوتی تھی کہ ہماری بخشش کی کیا سبیل ہے یہ سوچ کر ان کا جگر پارہ پارہ ہو رہا تھا، لہٰذا ان کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ آپ (ان سوال کرنے والوں کے جواب میں میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ (اسلام کی برکت سے) تمام (گذشتہ) گناہوں کو (گو کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو) معاف فرمادے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا محل وہ لوگ ہیں جن کا دل خوف کی وجہ سے پگھل رہا تھا تو ان کی تسلی کے لئے فرمایا گیا ﴿لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

بھائی سنو! ہم بندے ہیں، اگر ہم سے بشریت کی وجہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو ہم نادم ہوں، شرمندہ ہوں، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگیں تو بیشک وہ غفور و رحیم ہیں معاف فرمادیں گے، آیت شریفہ کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ ہم خوب نافرمانی کریں، جھوٹ بولیں، جھوٹی گواہی دیں، لوگوں کا مال غصب کریں، رشوت کا مال کھائیں، سود لیں، سب کچھ نافرمانیاں کرتے رہیں اور پھر یہ بھی کہہ دیں کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے اس لئے کہ پھر تو شریعت کا نازل ہونا بیکار ہو گیا، قرآن پڑھئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

اَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کرلیا پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اپنے اعمال درست کرلئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے، اسی طرح دوسری آیت پڑھیے ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی بیشک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے، اور محسن کون لوگ ہیں اس کے لئے دوسری آیت پیش نظر کیجئے اس لئے کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ یعنی وہ لوگ اس سے قبل دنیا میں نکوکار تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں (اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر) استغفار کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں اگر ان میں سے ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیں تو قیامت تک نہیں ادا کرسکتے، یہ جو ہم ایک گھونٹ پانی پیتے ہیں اسی کا شکر نہیں ادا کرسکتے، ہم کو جو آنکھ اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں، کان دیا ہے جس سے ہم سنتے ہیں، زبان دیا ہے جس سے بولتے ہیں، ہاتھ پاؤں دیا ہے جس سے چلتے پھرتے ہیں اور اپنے کام کرتے ہیں ان میں سے ایک ایک چیز اتنی بڑی نعمت ہے جس کا شکر ہم سے ادا نہیں

ہو سکتا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ قیامت کے دن تم لوگوں سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سے کن کن نعمتوں کے بارے میں سوال ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی پیتے ہو اس کے متعلق بھی سوال ہو گا۔

اب بتایئے! ہمارا کیا حال ہے؟ ہم طرح طرح کی نعمتیں کھا پی رہے ہیں ان کو استعمال کر رہے ہیں ان کا کیا شکر ادا کرتے ہیں؟ کیا مالک کی نعمتوں کا یہی شکر ہے کہ اس کی نافرمانی کریں؟ نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ زکوٰۃ دیں، نہ اخلاق و معاملات میں شریعت کی پابندی کریں، نہ معاشرت میں شریعت کا خیال رکھیں، کیا یہ مؤمن کی شان ہے؟

شکر کی حقیقت

مؤمن اور کافر میں تو یہی فرق ہے کہ مؤمن اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے شکر ادا کرتا ہے اور کافر ناشکری کرتا ہے، اب شکر کی حقیقت سنئے کہ کسی نعمت پر زبان سے الحمد للہ کہا یہ بھی شکر ہے لیکن حقیقی شکر یہ ہے کہ جس منعم حقیقی نے ہم کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کی نافرمانی ہم چھوڑ دیں۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ زبانی بھی کہتے ہیں اور ایک دوسرے کو خطوط میں بھی لکھتے ہیں کہ اگر آپ میرا فلاں کام کر دیں تو عمر بھر آپ کا احسان

مانوں گا اور مشکور و ممنون رہوں گا، اب آپ خود انصاف سے بتائیے کہ ایک معمولی کام کے لئے اپنے جیسی مخلوق کے ساتھ تو آپ کا یہ برتاؤ ہے کہ ایک احسان پر عمر بھر ممنون و مشکور ہیں اور اس مالک حقیقی کی بے دھڑک نافرمانی کریں جس کے انعامات میں سر تاپا غرق ہیں۔

حق تعالیٰ کی مہربانی، عنایت اور فضل و کرم تو دیکھئے، ہم کو تو ایسے مالک پر مرمٹنا چاہئے اور ایسے آقا پر قربان ہو جانا چاہئے، ان کی رحمت کا کیا ٹھکانا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندہ سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور پھر اس پر وہ نادم و شرمندہ ہوتا ہے اور ربی ربی کہہ کر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو میرے بندے نے نافرمانی تو کیا مگر مجھ کو بھولا نہیں گناہ کے بعد پھر مجھ ہی کو یاد کرتا ہے، ربی ربی کہہ کر پکار رہا ہے تو جب وہ بندہ ہو کر مجھ کو نہیں بھولا تو میں رب کریم ہو کر اس کو کیسے بھول سکتا ہوں، لہٰذا اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے گناہ معاف کر دیئے۔

سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کے رحم و کرم کا اور وہ کیسے رحیم و کریم ہیں، اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے کہ کوئی بندۂ گنہگار جب حق تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرتا ہے اور بار بار گڑگڑاتا اور روتا ہے تو حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! مجھے اپنے بندے سے شرم آتی ہے اس کا میرے سوا کوئی نہیں لہٰذا میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اس کی امید بر لاتا ہوں اس لئے کہ اس بندے کی انتہائی

گریہ وزاری سے مجھے شرم آتی ہے، اس روایت کو نقل فرما کر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

کرم بین و لطف خداوندگار	گنہ بندہ کردست و او شرمسار

یعنی حق تعالیٰ کا لطف و کرم تو دیکھو کہ بندے نے گناہ کیا اور وہ شرمسار ہے۔

اگر انسان ہر وقت اس چیز کا استحضار رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہر وقت وہ ہم کو دیکھ رہا ہے تو اس سے کسی معصیت کا صدور نہ ہو اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ دل واقعی دل بن جائے، ہمارے دل بگڑ چکے ہیں اور دل ہی سارے جسم کا بادشاہ ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان، دماغ، خیال، سب اسی کے تابع ہیں، جب دل درست ہوگا تو سب درست ہوں گے، جو چیز دل میں ہوتی ہے اسی کے آثار تمام اعضاء وجوارح سے نمودار ہوتے ہیں، بزرگوں نے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی برتن نل کے نیچے رکھ دیجئے اور پانی کھول دیجئے تو جب برتن بھر جائے گا اور پانی پھر بھی گرتا رہے گا تو اس کے چاروں طرف بہنے لگے گا، اسی طرح جب قلب میں کوئی چیز جاتی ہے تو اس سے اُبل کر زبان اور دیگر اعضاء سے باہر آنے لگتی ہے لہٰذا دل ہی کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست	تا بجوشد آب از بالا و پست

اب جو آیت میں نے شروع میں تلاوت کی تھی اس کے متعلق کچھ بیان کر کے مضمون ختم کرنا چاہتا ہوں، عشاء کی اذان بھی ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ یعنی وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں اگرچہ وہ لوگ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود ہے، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں میں سے دو عظیم نعمتیں ایسی ہیں جن کے شکر کی بندے طاقت نہیں رکھتے، ایک تو قرآن کریم ہے، دوسرے حضور اقدس ﷺ کا وجود گرامی، آپ اللہ کے رسول خاتم النبیین تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں آپ کی شان کا بیان ہم سے کیا ہو سکتا ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه　　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بہت زمانے کی بات ہے شوقی صاحب جو دیوبند کے فاضل تھے ان کے چند اشعار میں نے سنے تھے اس میں انہوں نے جو مضمون بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے تھے اس کو اپنانے اور سینے سے لگانے کی ضرورت ہے، اب شوقی صاحب کی نعت کے چند اشعار پڑھتا ہوں سنئے۔

اے کہ ترا وجود ہے مقصد خلق کائنات
اے کہ ترا شہود ہے زیب جہان ممکنات
اے کہ تیرے ورود سے ملت آزری مٹی
اے کہ ترے قدوم نے توڑ دیئے منات ولات
ترے قدم سے آگئی باغ جہاں میں پھر بہار
ترے قدم سے مل گئی عالم مردہ کو حیات

واقعی حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل عالم مردہ ہو چکا تھا، ایمان کی کھیتی خشک ہو چکی تھی، حضور اقدس ﷺ کے قدم پاک کی برکت سے اس میں زندگی آگئی، ایمان کی کھیتیاں لہلہانے لگیں، مردہ قلوب میں جان آگئی، جس طرح زمین خشک ہوکر مردہ ہو جاتی ہے، پھر بارش سے اس میں زندگی آجاتی ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات سے آپ کی پاک صحبت سے مردہ قلوب زندہ ہوگئے۔

مردہ کا زندہ کر دینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے اور بیشک حق ہے لیکن مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردہ جسم کو زندہ کر دینے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جسم سے روح نکل گئی تھی جو پہلے اسی میں موجود تھی وہ پھر لوٹا دی گئی اور جسم و روح کا جو تعلق قائم تھا وہ دوبارہ عود کر آیا، مگر اس سے کہیں بڑھ کر یہ ہے کہ مردہ قلوب میں روح ڈال دی، اسی کو کسی نے کہا ہے۔

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمیں　　یعنی آئے رحمۃ للعالمیں

اور اس سے بڑھ کر حضور اقدس ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ اسطوانہ حنانہ یعنی کھجور کا وہ کھمبا جس کے سہارے حضور اقدس ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ دیا کرتے تھے پھر جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اس کو مسجد سے جدا کیا جانے لگا تو وہ حضور اقدس ﷺ کے فراق میں رونے لگا، حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت سے اس کو یہ فیض پہنچا کہ اس کے اندر بھی حیات آگئی اور وہ سسک سسک کر رونے لگا، حضور اقدس ﷺ نے اس کے رونے کی آواز سن کر اس کو اپنے سینے سے لگایا تب اس کو سکون ہوا۔

سبحان اللہ! کیا مقام ہے نبی کریم ﷺ کا، بھائیو! ہم کو یہ بڑی عظیم نعمت ملی ہے، ہم سرکار دوعالم ﷺ کی امت میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ یعنی تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

ہم سوچیں اور غور کریں کہ ہم کو حضور ﷺ کی امت میں ہونے کا شرف ملا، ہم کو ایمان کی دولت ملی، ہم کو کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ملا، ہم سچ کہتے ہیں اور قسم کھا کر کہتے ہیں، یقین جانئے کہ یہ کلمہ وہ دولت ہے کہ ساری دنیا کی سلطنت اس کے سامنے ہیچ ہے، صحابۂ کرامؓ کو اس کی قدر و قیمت معلوم ہوگئی تھی اس لئے انہوں نے تن من دھن، عزت و آبرو، جان و مال سب کچھ

قربان کر دیا، ہم کو تو یہ کلمہ وراثتاً باپ دادا سے ملا ہے، بس ہم اپنے کو مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے مسلمان سمجھتے ہیں، حالانکہ مسلمان اس کا نام نہیں ہے وہ تو فرمانبرداری کرنے والا، چون و چرا کو ترک کرنے والا، اللہ ورسول کی مرضی پر مرمٹنے والا، اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں وہ ہر وقت مصروف رہتا ہے۔

ہم لوگوں کو چاہئے کہ کسی وقت بیٹھ کر سوچیں اور اپنے حالات کا جائزہ لیں جس طرح تاجر رات کو بیٹھ کر دن بھر کا حساب جوڑتا ہے، اگر اس کو فائدہ ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو رنج کرتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے کہ دوسرے دن اس کی تلافی ہو جائے اسی طرح ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رات کو جب بستر پر جائیں تو اپنے نفس کا محاسبہ کریں کہ آج کا دن ہمارا کیسا گذرا، اور ہم نے کتنے گناہ کئے اور کتنی نیکیاں جمع کیں، پھر جو گناہ کیا ہو اس پر نادم وشرمندہ ہوں خوب خوب روئیں گڑگڑائیں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، اور دوسرے دن اس کی سعی کریں کہ ہماری نیکیاں بڑھ جائیں، مگر ہم کو تو اس کا احساس ہی نہیں رہ گیا ہے، یا کچھ ہوتا بھی ہے تو دنیا کے افکار نے ہم کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے حالانکہ قیامت کے دن جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہی فلاح پائے گا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ مَنْ خَفَّتْ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

اگر کسی کو یہ فکر پیدا ہوگئی ہے تو مبارک ہو، اور اگر نہیں ہے تو اس کے پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

جو آیت میں نے تلاوت کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کی بعثت پر امتنان فرما رہے ہیں کہ ہم نے ایسا عظیم رسول بھیجا جو آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کرتے ہیں دلوں کو پاک کرتے ہیں، رذائل دور کرتے ہیں فضائل پیدا کرتے ہیں، اللہ کی محبت دل میں ڈال دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کردیتے ہیں، نبی کا یہی کام ہے آگے فرماتے ہیں ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ یعنی وہ رسول کتاب اور حکمت کی تعلیم کرتے ہیں، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد سنت اور حدیث پاک ہے، یا حکمت سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے چنانچہ شراب وہ پیتے تھے، چوری وہ کرتے تھے، بدکاری وہ کرتے تھے، زندہ لڑکیوں کو دفن وہ کردیا کرتے تھے، ان کے اندر انسانیت باقی نہیں رہ گئی تھی، بالکل بہائم صفت ہو چکے تھے لیکن اسی قوم کو اللہ کے رسول ﷺ کی پاک

صحبت نے قرآن پاک کی تعلیمات نے صحابہ کرامؓ کو ایسا بنادیا کہ ساری دنیا کے لئے وہ نمونہ بن گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ شان و شوکت عطا فرمائی کہ جس کو دنیا نے دیکھا، حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ زمین کو زلزلہ آیا انہوں نے زمین پر دُرّہ مار کر یہ فرمایا کہ میں نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اے زمین! تو ٹھہر جا، بس! اسی وقت زمین ٹھہر گئی اور زلزلہ ختم ہو گیا، جب تقویٰ کی زندگی ہوتی ہے اور آدمی اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے تو ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مسخر فرمادیتے ہیں، صحابہ کرامؓ کے اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

اگر میں اس کا یہ بوجھ نہ اٹھاتا تو...

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کیلئے ایک صاحب گئے اتفاق سے وہ گھر میں موجود نہ تھے ان کی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ حضرت کہاں ہیں؟ تو چونکہ اکثر و بیشتر گھر والوں کو بزرگوں سے کم اعتقاد ہوتا ہے، زوجہ محترمہ کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا، انہوں نے غصہ میں جواب دیا کہ کون ہے حضرت حضرت والا، ارے کہیں جنگل میں لکڑی وکڑی توڑتے ہوں گے وہ بیچارہ کان پر ہاتھ رکھ کر واپس ہو گیا، باہر جا کر دیکھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جنگل کی طرف سے شیر پر سوار ہو کر لکڑی کا گٹھر اس کی پیٹھ پر لادے ہوئے چلے آرہے ہیں، وہ دیکھ کر لرز گیا، حضرت نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں

یہ شیر تم کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا اس شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت تو اتنے بڑے بزرگ ہیں شیر پر سوار ہیں اور ان کی زوجہ محترمہ ایسی ہیں، یہ خیال بھی حضرت پر مکشوف ہو گیا اور ان سے فرمایا کہ اگر میں اس کا بوجھ نہ اٹھاتا تو یہ شیر میرا بوجھ نہ اٹھاتا۔

واقعی جب انسان نفس کشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بڑے بڑے مراتب ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور اللہ سے ڈرنے والوں کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو محبوب رکھتے ہیں۔

ہم قرآن کو پڑھیں اور اس کو سمجھیں پھر اس پر عمل کریں تو دیکھیں کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں تو نقصان کا سوال ہی نہیں یہاں تو ہر آن فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے، اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

محبت میں کسی کا کب بھلا نقصان ہوتا ہے
یہاں تو فائدہ ہی فائدہ ہر آن ہوتا ہے

ان کی زندگی پاکیزہ ہے، ان کے قلوب پاک، ان کا خیال پاک، ان کا احساس پاک، ان کی نظر پاک، وہ اپنی نظر کو بدنگاہی سے بچاتے ہیں، ہاتھ پاؤں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں اٹھاتے، زبان ان کی مرضی کے خلاف نہیں بولتی، غرض کہ تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع رکھتے ہیں اور پھر اپنے ہی

اعضاء سے محبت ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ محبوب کی مرضی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو جاتے ہیں اور اس وقت اپنے اعضاء کو اس طرح خطاب کرنے لگتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

حضرات صحابہؓ اپنے قلوب کی نگرانی کرتے تھے اپنے اعضاء اور جوارح کی حفاظت کرتے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا کرتے تھے کہ اسی زبان نے مجھ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرادیا۔

زبان کی حفاظت بہت اہم ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ لوگوں کو ان کے زبان کی کھیتیاں جہنم میں اوندھے منہ گراویں گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ یعنی کوئی لفظ منہ سے نہیں نکلنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار موجود ہوتا ہے، اگر وہ نیکی کا کلام ہوا تو داہنے والا اس کو ضبط تحریر میں لاتا ہے اور بدی کا کلام ہوا تو بایاں والا ضبط کرلیتا ہے جو کلام بھی آدمی اپنے منہ سے نکالتا ہے سب ضبط ہو جاتا ہے ﴿کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ یعنی ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جاتی ہے، اگر ان آیات پر ہمارا یقین ہوتا تو ہمارا یہ حال نہ ہوتا، ہماری زندگی عملی زندگی ہوتی، ہم اغیار کے لئے نمونہ ہوتے، اسلام کو بدنام کرنے والے

ہم ہی ہیں دوسروں سے کیا شکایت، آج ہم نے اپنی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کی وجہ سے اسلام کو بدنام کردیا، اسلام ہمارے حال پر اپنی پریشانی پر ہاتھ رکھ کر رو رہا ہے، حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "صاحبو! اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں، ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے ظلم سے جو ان میں موجود نہیں ہیں (اسلام) اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے۔" (الفتح الربانی ص/ ٦٦٩)

ہائے افسوس! اسلام تو ہماری بدحالی پر رو رہا ہے اور ہم کو اپنی بدحالی پر رونا نہیں آتا، سب میں پیروی کریں نبی کریم ﷺ کی تو آج ہم دنیا میں چمک سکتے ہیں، مگر ہمارا تو یہ حال ہے کہ بعض لوگوں کا عقیدہ درست ہے تو عبادات سے غافل ہیں اور اگر کچھ عبادت کرتے ہیں تو معاشرت گندی ہے اور معاملات میں فیل ہیں اور اخلاق میں تو گرتے ہی چلے جارہے ہیں حالانکہ اخلاق ہی کی تعلیم و تکمیل کے لئے حضور اقدس ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، پس ہمیں چاہئے کہ اخلاق حسنہ اختیار کریں، رذائل سے خالی ہوں اور فضائل اپنے اندر پیدا کریں۔

اپنے کو کیسا مٹایا!

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم مثنوی

ہیں آپ بڑے ہی متقی تھے، دعوت میں اگر مشتبہ کھانا ہوتا تو آپ کھا نہیں سکتے تھے انگلیاں لکڑی کی طرح خشک ہو جاتی تھیں اور کھانے پر قدرت نہ ہوتی تھی اس طرح ان کو اللہ تعالیٰ بچا لیتے تھے۔

ان کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کہیں سفر میں جا رہے تھے، رات میں مظفر نگر کی سرائے میں ٹھہر گئے، اس سرائے میں اور لوگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے، گرمی کا زمانہ تھا آپ تہجد کی نماز کے بعد جہاں جانا تھا وہاں کے لئے روانہ ہو گئے، اتفاقاً جو لوگ سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے ان میں کسی کا مال چوری ہو گیا، لوگوں نے آپس میں کہا کہ وہ بڑے میاں جو آئے تھے یہ انہی کا کام ہے وہی لے کر سویرے ہی چلتے بنے۔

چنانچہ لوگ ان کے پیچھے دوڑے آپ راستے میں اللہ اللہ کرتے ہوئے جا رہے تھے پیچھے سے ان لوگوں نے پہنچ کر دو تین دھول رسید کئے، وہ بیچارے خاموش رہے زبان سے کچھ نہ بولے اور مارنے والے یہ کہتے تھے کہ ہمارا مال تم ہی نے چوری کیا ہے، اتنے میں کچھ آدمی حضرت کو پہچاننے والے آ گئے اور انہوں نے کہا ارے تم لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہو یہ تو مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی ہیں اور لوگوں نے چاہا کہ ان سبھوں کو ان کی گستاخی پر سزا دیں مگر مولانا نے فرمایا کہ کچھ نہیں کچھ نہیں، خبردار! ان کو کچھ نہ کہو، اور وہ لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے، پھر مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اس میں میرا علاج تھا اس لئے کہ بہت سے لوگ عقیدت کے

ساتھ میرا ہاتھ چومتے ہیں، میری تعریف کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اسی کا علاج کرایا ہے کہ تو اسی قابل ہے مگر ہم نے اپنے بندوں کے دل میں حسن ظن ڈال دیا ہے جو تجھ کو مانتے ہیں، سبحان اللہ ہمارے بزرگوں نے اپنے کو کیسا مٹایا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو ڈاکوؤں کا سردار جا رہا ہے ان کے جو شاگرد ساتھ میں تھے وہ مارنے کے لئے دوڑے آپ نے فرمایا ہاں ہاں! ایسا نہ کرنا، پھر گھر آئے اور صندوق کھول کر بہت سے خطوط نکالے جس میں لوگوں نے بڑے بڑے القاب سے یاد کیا تھا، شاگردوں کو دکھلا کر فرمایا کہ اتنے آدمی مجھ کو اچھا سمجھتے ہیں اور کیسے کیسے القاب لکھتے ہیں اگر ایک آدمی مجھ کو برا سمجھتا ہے تو کیا ہوا؟ اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے؟

سبحان اللہ! ہمارے اکابر کا کیا مقام تھا اور ان کے اندر کیسی تواضع تھی اور اپنے نفس پر کیسا قابو تھا واقعی سچ کہا گیا ہے ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ“ یعنی جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

جب انسان یہ سمجھ لے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور اپنی بڑائی کو مٹا دے اور تواضع اختیار کر لے تو اللہ اس کو بلند کر دیتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ملیا میٹ کر دیتا ہے، ذرہ برابر کبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

حضرت عمر ابن خطابؓ سے مروی ہے وہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور

فرمایا کہ اے لوگو! تواضع اختیار کرو اس لئے کہ بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمادیتے ہیں پس وہ اپنی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست فرمادیتے ہیں پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا حتیٰ کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

اگر ہم اللہ کے بندے بن کر رہیں تو سب کام بن جائیں ہمیں چاہئے کہ خود تکلیف اٹھائیں اور دوسروں کو راحت پہنچائیں، ہمارے اکابر کی یہی شان تھی۔

بس اب مضمون ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو سب کو ہدایت فرمائے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ اپنی محبت ہمارے دل میں ڈال دے، اپنے محبوب ﷺ کی محبت اور آپ کی اتباع، نیز اولیاء کرام اور بزرگان دین کی اتباع ہمیں نصیب فرمائے۔

اے اللہ! ہماری زندگی نافرمانی میں گذری ہم اس کی معافی مانگتے ہیں تو ہم کو معاف فرمادے، ہماری توبہ قبول فرمالے، ہماری ظاہری وباطنی اصلاح فرمادے، اے اللہ! اپنے ذکر کی اور طاعت کی توفیق ہم کو عطا فرما، اے اللہ! ہم سب پر رحم فرما، تمام مسلمانوں کو ہدایت فرما، دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمارے مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، سب پر رحمت نازل فرما، سب کے گناہوں کو معاف فرما، اپنے ذکر وفکر کی توفیق عطا فرما،

اے اللہ! ہم سب کی اصلاح ظاہری و باطنی فرمادے اور ہم سے راضی ہو جا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

واقعی اللہ والوں کی نگاہ میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف توجہ فرمادیتے ہیں اسے اللہ والا بنادیتے ہیں، ان کی توجہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے لہٰذا اللہ والوں کی صحبت میں جاکر اپنے دل کو دل بنانا چاہئے میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ؎

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے
دل مشکل سے بنتا ہے دل

عارف باللہ حضرت پرتاپگڈھیؒ

جواہر پارے

مرتبہ:

شیخ طریقت مفسر قرآن حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

(۱)

مرشدنا المکرّم حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جس دن میں آیا ہوں کافی بیمار تھا، سردی بہت زیادہ لگ رہی تھی اس لئے انگیٹھی لائی گئی تو معاً ایک شعر یاد آیا جو کسی دیہاتی کا ہے بچپن کا سنا ہوا تھا مگر انگیٹھی کو دیکھ کر فوراً ذہن اس کی طرف منتقل ہوا وہ شعر یہ ہے ۔

لکڑی جل کوئلہ بھیو، کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپن ایسی جلی کہ کوئلہ بھیو نہ راکھ

پھر اس کے بعد اس کی اصلاح ذہن میں آئی، یوں اس شاعر نے کسی خاص مقصد کے تحت وہ شعر کہا ہوگا مگر ہم تو وہ مضمون مراد لیں گے جو قرآن و حدیث کے موافق ہو اور اس کی تائید یہ دونوں شاہد عدل کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے اشعار کی اصلاح کرادی ہے مثلاً جگر صاحب کا یہ شعر مشہور ہے کہ ۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جارہا ہوں میں

میں نے اپنے مذاق کے مطابق اس کو اس طرح کردیا ہے ۔

گلشن سے عشق ہے مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں کو دل سے پیار کئے جا رہا ہوں میں

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں جن کو لوگ پڑھتے ہیں مگر میں نے اس میں ترمیم کر دی جس کی وجہ سے معنی کہاں سے کہاں پہنچ گئے، یہ اپنے ذوق کی بات ہے اس میں کسی پر اعتراض مقصود نہیں ہے، چنانچہ دیکھئے یہ شعر ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

میں نے زمانہ حال کے اعتبار سے اس میں بھی یہ ترمیم کر دی ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو پا جاتے ہیں انعام

غرض انگیٹھی دیکھ کر دیہاتی کا وہ شعر یاد آیا اور معاً اس کی ترمیم واصلاح بھی اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دی وہ یہ ہے۔

لکڑی جل کوئلہ بھیو، کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپی ایسا جلا کہ ہو گیا بالکل پاک

سبحان اللہ! کیا عمدہ مضمون ہو گیا، مومن کی شان یہی ہوتی ہے کہ جب وہ گناہ کرتا ہے اور پھر آتش ندامت میں جلتا ہے تو وہ بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مومن کی تطہیر ہی کے لئے توبہ

کا حکم فرمایا ہے، کتنے ہی گناہ ہوں سمندر کی جھاگ کے برابر گناہ ہوں مگر توبہ، استغفار سے سب معاف ہو جاتے ہیں اور آدمی جملہ معاصی سے بالکل پاک ہو جاتا ہے اگر یہاں دنیا میں توبہ سے اپنے کو پاک وصاف نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو پاک کرنے کے لئے جہنم میں ڈالیں گے مگر عذاب کے لئے نہیں بلکہ اسی پاک کرنے کیلئے، جہنم کی آگ اس کو پاک صاف کر کے نکھار کر نکالے گی تب اللہ تعالیٰ کی جنت میں جانے کے لائق ہو گا اس لئے کہ جنت پاک صاف جگہ ہے اس میں پاک ہی لوگ رہیں گے ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ جنت متقین ہی کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ مومن جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس پر ایسا سکر و بیہوشی کا عالم ہو گا کہ اس کو تکلیف کا احساس نہ ہو گا، مطلب یہ کہ مومن فاسق عاصی کا داخلہ جہنم میں تعذیب کے لئے نہ ہو گا بلکہ تطہیر کے لئے ہو گا اور جس نے اپنے کو یہاں ہی پاک کر لیا اور آتش ندامت میں اپنے کو تپا کر خالص سونا بنا لیا تو پھر اس کو جہنم کی آگ میں تپانے کی ضرورت ہی نہ ہو گی، اس لئے مومن کو چاہئے کہ معصیت خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سب ترک کر دے اور اگر بر بنائے بشریت گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے تاکہ اس کا دل پاک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ یعنی یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو فسق و فجور میں دبا دیا۔

سنئے! توبہ سلوک کی اول گھاٹی ہے اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ توبہ کی گھاٹی کو میں نے بہت سخت پایا یہ ایک دشوار گذار گھاٹی ہے جو اس سے پار ہوگیا آگے کی گھاٹیوں کو آسانی سے طے کرلے گا اس لئے توبہ کا بہت اہتمام کرنا چاہئے، توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو، یعنی رب العالمین کی جو نافرمانی ہوئی ہو اس کو سوچ کر دل سوختہ ہو اس میں کڑھن ہو اور اللہ تعالیٰ سے ندامت و شرمندگی ہو اور فی الحال اس گناہ کو ترک کردے اور آئندہ کے لئے عزم کرے کہ اب میں یہ گناہ نہ کروں گا پھر بھی اگر گناہ بر بنائے بشریت ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کرے اس میں ذرا کوتاہی نہ کرے۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ مومنین مجاہدین کے سات صفات بیان فرمارہے ہیں جن میں سب سے اول صفت ان کے توبہ کی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وہ (مجاہدین ایسے ہیں جو ان اوصاف و کمال کے ساتھ موصوف ہیں کہ گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) حمد کرنے والے ہیں (اور) روزہ رکھنے والے ہیں (اور) رکوع و سجود کرنے والے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے ہیں اور بری باتوں سے باز رکھنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کا (احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنوں کو (جن میں جہاد اور یہ صفت ہوں) آپ خوشخبری سنادیجئے کہ ان سے جنت کا وعدہ مذکورہ ہے۔

دیکھئے! یہاں عبادت سے پہلے توبہ کی صفت بیان کی گئی ہے چنانچہ مشائخ فرماتے ہیں کہ جو اس راہ میں قدم رکھے سب سے پہلے توبہ کرنا چاہئے اور جو کوتاہی عملی ہوئی ہے اس کی تلافی کرنی چاہئے یعنی اگر نمازیں قضا ہیں تو ان کی ادائیگی میں لگ جانا چاہئے نیز اگر روزے قضا ہوئے ہوں، زکوٰۃ نہ ادا کی ہو تو اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے، غرض جتنے بھی حقوق اللہ فوت ہوئے ہوں دل وزبان سے توبہ استغفار کے ساتھ عملاً اس کی ادائیگی کرنی چاہئے اور اگر حقوق العباد فوت ہوئے ہوں تو اس کا معاملہ بہت ہی اہم ہے اگر مال دبالیا ہے غصب کیا ہے، سود ور شوت لیا ہے تو اس کو واپس کرنا چاہئے، مگر قدرت نہ ہو تو دل سے معافی مانگنا چاہئے حتیٰ کہ غیبت، شکایت کی ہے تو یہ بھی مومن کی حق تلفی ہے اس لئے اس کی بھی معافی مانگنی چاہئے، یہ ہے سچی توبہ، اسی لئے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ کی گھاٹی کو میں نے بہت مشکل پایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں بلانا چاہتے ہیں اس کو سچی توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں۔

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے بزرگ گذرے ہیں مگر ان کی ابتدائی زندگی کیسی تھی کہ جنگل میں رہتے تھے ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے جو قافلے ادھر سے گذرتے تھے ان کو لوٹ لیا کرتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہوا اور توبہ کی توفیق ہوئی تو جس جس کا مال لوٹا تھا سب کو لے جا کر واپس کیا یا معاف کرایا،

ایک یہودی کا بھی مال لوٹا تھا مگر اس کی ادائیگی کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تو اس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ اے بھائی! تمہارا مال بھی ہم نے لوٹ لیا تھا لیکن اب اس کی ادائیگی کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہا اس لئے تم اس کو معاف کردو، اس نے کہا میں ہرگز نہیں معاف کروں گا، کئی دن تک پڑے رہے تو اس نے ان کو ذلیل کرنے کے لئے ایک دن یہ حرکت کی کہ ایک تھیلی میں بالو بھر کر کسی طاق پر رکھ دیا اور ان سے کہا کہ جاؤ اس طاق پر سے تھیلی اٹھا لاؤ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ لائیں گے تو سب کے سامنے کہوں گا کہ اس تھیلی میں سونا تھا اس کو تم نے نکال کر اس میں بالو بھر دیا ہے، ابھی تمہاری عادت چھوٹی نہیں اور آئے ہو معافی مانگنے؟ اس طرح حضور اقدس ﷺ کی امت کا ایک آدمی بھرے مجمع میں رسوا ہوگا، تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فضیلؒ نے جب وہ تھیلی یہودی کے سامنے لاکر رکھی اور اس نے تھیلی کو انڈیلا تو دیکھا کہ اس میں بجائے بالو کے سونا بھرا ہوا ہے، اس کا اس یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ حضرت فضیلؒ سے کہا آپ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھوں پر ایمان لاتا ہوں اور فوراً کلمہ پڑھ لیا اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور کہا کہ ہم نے توریت میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ میں جو سچی توبہ کرلے گا وہ اللہ کا ولی بن جائے گا، واقعی آپ نے سچی توبہ کی ہے۔

سبحان اللہ! سچی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے ہاتھوں کیسی کرامت ظاہر فرمائی، ایسی ہی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں جس کا

امر اس آیت میں ہے ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، اور جب بندہ ایسی توبہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ توابین سے محبت رکھتے ہیں اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

سنئے! ایک طہارت ہے جسمانی وہ تو پانی سے حاصل ہوتی ہے اور ایک طہارت ہے باطنی و قلبی وہ حاصل ہوتی ہے توبہ سے، چنانچہ وضو کے بعد والی دعا میں ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ" یعنی اے اللہ! ہم کو توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں میں سے بنا دیجئے یعنی وضو سے ظاہری طہارت تو حاصل ہوگئی اب توبہ کی توفیق دیجئے کہ باطنی و قلبی پاکی بھی نصیب ہو جائے، یعنی جس طرح نماز کے لئے کپڑے کی، بدن کی، مصلے کی طہارت کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے نماز نہیں ہو سکتی، اسی طرح باطنی عبادت و نماز کے لئے باطنی طہارت کی ضرورت ہے اور وہ توبہ سے حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

اس لئے توبہ جو اول قدم ہے اس کے بعد عبادت کے وصف کو لاتے ہیں یعنی جب توبہ سچی ہوتی ہے تو پھر عبادت میں لطف آتا ہے، صحیح معنوں میں اس کی حمد حمد ہوتی ہے، اس کے روزہ میں روح ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان مومنین مجاہدین کے وصف رکوع و سجود کو لائے ہیں اس میں

بھی مومن کو عجیب لطف و مزہ ملتا ہے، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ کہنے سے متلذذ و محظوظ ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں سجدہ میں سر رکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے مجھے پیار کرلیا، اس استحضار سے یہ حضرات سجدہ کرتے تھے تو ایک سجدہ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے تھے، ان کو جنت کا مزہ ملتا تھا۔

اس کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صفت بیان فرمائی ہے اس لئے کہ بغیر توبہ اور باطنی طہارت و پاکی حاصل کئے صحیح معنوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام آدمی نہیں کرسکتا، عجب، پندار، تکبر، ریا، سمعہ، وغیرہ جیسے امراض میں مبتلا ہوجائے گا جو اس کے لئے ہلاکت ہے اس لئے آمر بالمعروف و ناہی عن المنکر کو اپنے نفس کا تزکیہ و تطہیر ضروری ہے بغیر اس کے دوسروں کو کیا ہدایت کرے گا پھر اخیر میں جملہ اوصاف کا جامع وصف ﴿وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ ذکر فرمایا یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ہر کام اور کلام میں حدود اللہ یعنی احکام شرعیہ کے پابند ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے مومنین کو بشارت سنانے کا امر فرمایا کہ ایسی نعمتوں کی خوشخبری سنادیجئے جن کو کسی کا وہم و خیال بھی نہیں پاسکتا اور نہ کسی عبارت سے سمجھایا جاسکتا ہے اور نہ کسی کے کانوں نے اس کا تذکرہ سنا ہے، مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

ہاں! تو میں یہ بیان کررہا تھا کہ انگیٹھی کو دیکھ کر ایک دیہاتی کا شعر یاد آیا

جو بچپن کا سنا ہوا تھا پھر معاً ایک خاص مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوا اور اس شعر میں ترمیم کر دیا لوگوں کو سنایا تو لوگ بہت متأثر و محظوظ ہوئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جونپور گیا تھا حکیم منظور احمد صاحب مرحوم مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اس لئے ان کے یہاں جانا ہوا تھا، اتفاق سے سردی ہی کا زمانہ تھا لوگ ایک بڑے کڑھاؤ میں خشک لکڑی رکھ کر لائے اور اس میں آگ لگادی اور شعلے بھڑک اٹھے معاً ایک مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوا اور میں نے حاضرین سے پوچھا کہ بھائی بتلاؤ کہ یہ شعلے لکڑی کے اندر تھے یا کہیں باہر سے لائے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب لکڑی کے اندر ہی پوشیدہ تھے اس کے اندر خود اس کی صلاحیت تھی جس کی وجہ سے دیاسلائی کی ایک کانٹی سے آگ لگادی بس اس میں آگ لگ گئی اور اب ایسے شعلے بھڑک اٹھے کہ اس کی ایک چنگاری سے محلّہ کا محلّہ جل سکتا ہے حالانکہ یہی لکڑی اس سے پہلے کچھ نہ تھی اس کو جیسے چاہتے تھے چھوتے تھے ادھر ادھر لے جاتے تھے چنانچہ ابھی اس کو آپ لوگ لائے تو کچھ بھی نہیں تھا نہ اس میں شعلے تھے اور نہ سوزش، مگر اب اس کو کوئی چھوئے تو جانیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس لکڑی کے اندر استعداد و صلاحیت شعلے بننے کی پہلے سے موجود تھی مگر مستور تھی آگ لگانے کی دیر تھی، آگ لگانے والا مل گیا تو اس کا یہ کمال ظاہر ہو گیا ورنہ تو اس لکڑی کو کہیں رکھ دیا جاتا تو کچھ دنوں کے بعد دیمک وغیرہ لگ جاتی اور مٹی ہو جاتی کسی کے کام نہ آتی۔

اسی طرح آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ نے کمالات رکھے ہیں جب کوئی کامل مکمل مل جاتا ہے اور آتش محبت لگادیتا ہے تو اس کے کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں، ورنہ تو بغیر اس کے تمام کمالات مستور رہتے ہیں، اسی لئے اہل محبت کی خدمت میں حاضری دی جاتی ہے اور ان کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں کہ یہ دولت نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کسی اہل اللہ کی صحبت میں پہنچادیتے ہیں اور وہ اس کو کام کا بنادیتے ہیں اور اس کی صلاحیت کو اجاگر فرمادیتے ہیں، چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور مجلس میں رہا اس کو فائدہ ہوا دل کی دنیا بدلی، آتش محبت لگی، واپس جا کر لکھا کہ حضرت! آپ سے بہت فیض ہوا، تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی یہ تمہارا ہی کمال ہے، چراغ تھا، بتی تھی، میں نے تو بس آگ لگادی تو اصل کمال تو تمہارا ہی ہے میرا نہیں مگر تم کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے، تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ تمہارے اندر صلاحیت تھی، جس کی بناء پر میری صحبت و توجہ کا اثر ہوا، مگر یہ آگ لگانا بھی کچھ کم کام نہیں ہے یہ بہت بڑی خدمت ہے، اس لئے کہ اگر آگ لگانے والا نہ ہو تو چراغ کا کیا حال ہوگا؟ ٹوٹ پھوٹ کر ضائع ہو جائے گا تیل خشک ہو جائے گا، بتی بھی سوکھ ساکھ کر برباد ہو جائے گی اور اگر بروقت اس کو کوئی جلانے والا مل گیا پھر کیا ہے سب چیزیں کارآمد ہو جائیں گی اور دوسروں کے لئے نفع بخش ثابت ہوں گی، اسی طرح

آدمی کی صلاحیت واستعداد کا حال ہے کہ جب کوئی اس کو کام میں لائے گا تو کار آمد ثابت ہوگی ورنہ وہ سب ضائع ہو جائیں گی، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے کو کسی اہل محبت کے سپرد کردے تاکہ وہ تصرف کر کے اس کو بھی صاحب حال بنادے اور اس کے کمالات مستورہ کو ظاہر کر کے کامل مکمل بنادے۔ وباللہ التوفیق

اسی طرح ایک بات اور بیان کرتا ہوں کہ بعض شعراء بہت اعلیٰ و بلند اشعار کہتے ہیں مضامین دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس کے ذہن کی رسائی آخر یہاں تک کیسے ہوئی؟ یہ مضامین تو اہل اللہ بیان کرتے ہیں مگر یہ شاعر بظاہر اس مقام تک پہنچا نہیں ہے تاہم یہ مضامین بیان کر رہا ہے تو اس کی بھی حقیقت یہی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اس کے اندر صلاحیت اس بلندی اور اعلیٰ مقام تک پہنچنے کی رکھی ہے چنانچہ اگر وہ کام پر لگے اور مجاہدہ و ریاضت کرے جیسا کہ اہل اللہ نے کیا ہے تو وہ بھی پہنچ سکتا ہے مگر چونکہ غفلت کی بناء پر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اہل کمال کی خدمت میں نہیں جاتے اس لئے بس قال ہی قال مل جاتا ہے اور حال و مقام تک نہیں پہنچ پاتے۔

(۲)

حضرت مرشدی ابوالمواہب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مضمون ایک نئے انداز سے ذہن میں آیا اس کو بیان کرتا ہوں غور سے سنئے۔

وہ یہ کہ اس عالم میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی دیکھتا نہیں مگر ان کے وجود کا یقین رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ چیزیں نظر نہیں آتیں مگر ان کے آثار اس طرح ہویدا و عیاں ہیں کہ آدمی ان کے وجود کے ماننے پر مضطر و مجبور ہے مثلاً ہوا ہے کہ آدمی ہوا کو دیکھتا نہیں مگر اس کے اثرات دکھلائی پڑتے ہیں پتے ہلتے ہیں ٹہنیاں ہلتی ہیں تو آدمی کہتا ہے کہ ہوا چل رہی ہے نیز بدن کو لگتی ہے جیسی ہوا ہوتی ہے گرم یا سرد، اس کا احساس ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ گرم ہوا چل رہی ہے یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

اسی طرح سردی کو آدمی دیکھتا نہیں مگر اس کا اثر آدمی کے بدن پر ہوتا ہے تو کمبل لحاف اوڑھتا ہے، اسی طرح جب گرمی کا احساس ہوتا ہے تو پنکھا جھلنے لگتا ہے کپڑے اتار دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یقیناً وجود ہے بلکہ جملہ مخلوقات کا وجود انہیں کے وجود کا پرتو و ظل ہے اور تمام اشیاء انہیں کے موجود کرنے سے موجود ہوئی ہیں اور وہ اپنے آثار سے بالکل ہویدا اور ظاہر ہے، تاہم ان کو کوئی یہاں ان آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا ہے، اس لئے کہ یہ دار دنیا اس کا محل نہیں ہے آخرت میں مومن کو اس ذات عالی کا دیدار ہوگا اور اس سے بڑھ کر کسی نعمت میں حظ و لطف نہ ہوگا ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ آخرت میں مومن ان آنکھوں سے دیکھے گا مگر یہاں نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کے ذات و صفات کی کامل معرفت بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جتنا ہم سمجھ سکتے ہیں

اس کے وہ وراء ہے بلکہ انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے، وہ ذات وہم و تصور سے بالاتر ہے، ہاں اس کے آثار البتہ ظاہر و باہر ہیں، جملہ مخلوقات ان کے وجود پر دال ہیں اس مضمون کو ایک اعرابی نے نہایت عمدہ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ البعرة تدل علی البعیر و آثار القدم تدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لاتدل علی اللطیف الخبیر مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے، نشانات قدم چلنے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ برجوں والا آسمان اور یہ کشادہ زمین اپنے صانع لطیف و خبیر پر کیوں نہ دلالت کریں گے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

خود انسان کے اندر بہت سی چیزیں مستور ہیں اور ہم اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں مثلاً بھوک، پیاس، غم، خوشی وغیرہ، یہ سب چیزیں اس کے اندر موجود رہتی ہیں ہم ان کو دیکھتے تو نہیں مگر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں، پس جب ہم اپنے اندر کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر ذات لطیف و خبیر کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور جیسے ان چیزوں کو نہ دیکھنے کے باوجود ان کے آثار سے وجود کا یقین کرتے ہیں، اسی طرح آثار و آیات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح آدمی کے اندر اچھے برے اخلاق مستور ہیں مگر ان کو دیکھا نہیں جا سکتا البتہ آثار سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے اندر یہ خلق موجود ہے انہیں علامات و آثار کو دیکھ کر اس کی جڑ اور منشا کو آدمی سمجھ لیتا ہے، چنانچہ مشائخ

محققین اس معاملہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مثلاً کسی کے اندر تکبر کا مرض ہے یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، خواہ اپنے علم پر ہو یا اپنے عمل پر، حسب ونسب پر ہو یا عبادت و ریاضت پر، یا مال و دولت پر ناز و غرور ہو، کوئی دوسرا آدمی سمجھ نہیں سکتا اس لئے کہ قلب کا فعل ہے اور قلب کے فعل پر دوسرا آدمی کیسے مطلع ہوسکتا ہے مگر جب اس کے آثار ظاہر ہوں گے تو ہر عاقل و بصیر دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ شخص متکبر ہے، مثلاً یہ کہ ترفع و بڑائی کی باتیں کرتا ہے یا اپنے اخوان و احباب پر تقدم کرتا ہے اور ہر مجلس میں مقام صدارت پر ہی بیٹھتا ہے اپنے قول و عمل سے اس کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو ہر شخص اس کی باتوں کو سن کر اور اس کے افعال کو دیکھ کر یہ کہہ دے گا کہ یہ متکبر شخص ہے اور مرض کبر میں مبتلا ہے۔

اسی طرح غصہ کا مرض ہے کسی سے طبیعت کے خلاف بات ہوگئی تو دل میں انتقامی جذبہ ابھرتا ہے، ہیجانی کیفیت ہوتی ہے، مگر یہ دل ہی دل میں رہے تو کچھ نہیں لیکن جب اس کا اثر باہر آجائے، رگیں پھول جائیں، چہرہ اور آنکھیں سرخ ہوجائیں اور زبان سے اناپ شناپ باتیں نکلنے لگیں، گالی گلوچ بکنے لگے تو ہر آدمی کہے گا کہ اس کو غصہ کی بیماری ہے۔

اسی طرح کینہ و حسد، بغض کی بیماریاں ہیں، یہ سب امراض قلب ہیں جو قلب میں مستور رہتے ہیں، یوں آدمی ذرا غور کرے تو اپنے امراض کو سمجھ سکتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی، البتہ جس کے

ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں اور اس کو عیوب نفس اور رذائل کا بصیر بنا دیتے اور جب بصیرت حاصل ہو جاتی ہے تو اصلاح آسان ہو جاتی ہے اور خودی اور انانیت فنا ہو جاتی ہے چنانچہ میرا ہی ایک شعر ہے۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

رذائل کا ہونا کچھ بعید نہیں، انسان خطا و نسیان سے تو مرکب ہی ہے، فضائل و رذائل کا مجموعہ ہے اور رذائل کے ہونے میں بھی بڑی مصالح ہیں ورنہ مجاہدہ کس چیز کا ہوتا، پھر تعجب کی بات ہے، مگر یہ کہ آدمی اصلاح کرنے کا مکلّف ہے لہٰذا اس کی سعی کرنی چاہئے اس لئے کہ یہ رذائل اگر باقی رہے اور اسی میں آدمی مرا تو جہنم تک پہنچا دیں گے۔

مثلاً بد نظری کا مرض ہے تو باوجود خواہش کے آنکھ کو نامشروع شئی کے دیکھنے سے روکے، ہزار جی چاہے مگر نظر نہ اٹھائے، مجاہدہ کرے کچھ دنوں کے بعد یہ مرض ختم ہو جائے گا بد نظری ایسی بری بلا ہے کہ زنا تک پہنچا دیتی ہے اسی بناء پر خود اس کو زنا کہا گیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو فرمایا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو مجلسوں میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر ٹپکتا ہے تو اس نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے؟ فرمایا نہیں مگر مومن کو نور فراست دیا جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے ہی تکبر کا مرض ہے، غصہ کا مرض ہے، اس میں اپنی زبان کو روکے اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسروں کے لئے مضر ہو، یعنی ان امراض کے آثار سے آدمی اگر اپنے کو بچائے گا تو جڑ اور منشا جو قلب و نفس میں مستور ہے وہ مضمحل ہو جائے گا۔

آج کل عجب حال ہے، ان باتوں کی طرف ذرا التفات نہیں، بدگمانی، تجسس، غیبت عام ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اِن سب سے منع فرمایا ہے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَايَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اے ایمان والو بہت گمان کرنے سے بچو یقیناً بعض گمان گناہ ہوتا ہے اور تجسس نہ کرو اور نہ تمہارا ایک دوسرے کی غیبت کرے۔

مگر دیکھ لیجئے کہ آج اس آیت پر کتنا عمل ہو رہا ہے ہر مقام پر غیبت کا بازار گرم ہے اور اب تو یہ مرض نقل مجلس ہو گیا ہے اور بدگمانی اور تجسس تو غیبت کے مقدمات ہیں ان کا شائع ہونا بھی مخفی نہیں ہے چنانچہ بدگمانی کا واقعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ:

ایک آدمی چلا جا رہا تھا، ایک دوسرے آدمی نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ ہمارا دوست جا رہا ہے، بعض دفعہ ایسی غلط فہمی ہو جاتی ہے، جب قریب گیا اور چہرہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا دوست نہیں ہے تو اپنی اس غلط فہمی پر اس کی زبان سے لاحول ولا قوۃ نکل گیا اور کہا کہ میں نے سمجھا تھا کہ ہمارا فلاں دوست ہے بتلایئے یہ کون سی خفگی کی بات تھی؟ مگر کیا ہوا سنئے، اس آدمی نے اس کو پکڑ لیا

اور کہا کہ تم نے مجھ کو شیطان سمجھ کر لا حول پڑھا اور تیز بات کرنے لگا، کتنے عذر کیا مگر ایک نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ تم نے ہم کو شیطان سمجھا جب ہی لا حول پڑھا جب بات بہت بڑھنے لگی تو وہ کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔

دیکھئے! یہ ہے بدگمانی کا کرشمہ، آج کل اوہام و خیالات پر احکام کا ترتب ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت نقصانات ہو رہے ہیں مگر اس کو کم کرنے والے بہت کم ہیں، قلوب کو باہم جوڑنے والوں کی کمی ہو گئی ہے حالانکہ اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے تاکہ تعلقات ٹھیک ہو جائیں اور باہمی نزاع و فساد ختم ہو جائے مگر اب زیادہ لوگ ایسے ہیں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کر کے فسادات میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دور تک پھیلا دیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون، ہونا تو یہ چاہیئے کہ آپس کے نزاعات و فسادات کو ختم کریں، تعلقات کو توڑنے کے بجائے جوڑیں ہمارا ہی ایک شعر ہے۔

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

فساد کے ختم ہونے کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کی جائے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ قلوب میں تواضع پیدا ہو جائے تو نزاعات و فسادات ختم ہو جائیں، اس لئے کہ جب ہر آدمی دوسرے کو اپنے سے برتر سمجھے گا تو اگر اس سے کوئی ناگوار بات ہو جائے گی تو درگذر کرے گا اور اپنے کو اس سے زیادہ کا مستحق سمجھے گا اور اس سے معافی مانگے

گا، تو پھر فساد کیسے بڑھے گا، بلکہ ہو گا ہی نہیں اور ہو گا تو حد کے اندر رہے گا۔

الحمد للہ! میرے اندر یہ بات ہے کہ اگر کسی کو مجھ سے اذیت پہنچ جائے بلکہ اذیت کا مجھے خیال ہو جائے کہ شاید میری اس بات سے تکلیف پہنچی ہو تو جب تک اس سے معافی مانگ نہیں لیتا چین نہیں ملتا، مجھے الحمد للہ معافی مانگنے میں ذرا عار نہیں خواہ بڑا ہو یا چھوٹا۔

حضور اقدس ﷺ نے باوجود نبی ہونے کے صحابہ کے ساتھ تواضع کا معاملہ فرمایا ہے تو ہمہ شما کا اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا حال ہونا چاہیے، ہم کو اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرنی چاہیے نبی پر ایمان و محبت کا یہی تقاضا ہے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

تو یہ اتباع ہر شان و شعبہ میں ہونا چاہیے، ظاہر میں، باطن میں، اخلاق میں، معاملات میں، اخلاق میں ہم آزاد نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں بلکہ اس میں اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنا چاہیے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت اسی غرض کے لئے ہوئی ہے حدیث پاک ہے "بُعِثْتُ لِاُتمم مکارم الاخلاق" یعنی مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم کے لئے میں بھیجا گیا ہوں مگر آج کل اصلی اخلاق تو کیا رسمی اخلاق بھی نہیں، زبان سے بھی ہمدردی و غمخواری کی باتیں عنقا ہو گئی ہیں اخلاق کی حقیقت تو کیا اس کی صورت بھی باقی نہ رہی، مثلاً یہ کہ کسی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کے سامنے رنج و غم کا اظہار کر دیں، مگر اب دن بدن یہ چیزیں بھی کم ہوتی جا رہی ہیں جس کی وجہ سے باہمی الفت و محبت

بھی ختم ہوتی جارہی ہے اور جب دل میں کسی کا پاس ولحاظ نہ رہے گا، خوشی و غمی میں کسی سے کوئی تعلق ورشتہ نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ فساد عالم میں عام ہو جائے گا جو روکے نہ رکے گا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مشاہد ہے۔

ہاں تو میں نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اگر تواضع کی صفت وعادت اپنے اندر پیدا کرلی جائے تو باہم اتحاد واتفاق کا ہو جانا آسان ہے اور یہ تواضع بھی قلب کا فعل ہے، ظاہر میں اس کے آثار جب نمودار ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص متواضع ہے، مثلاً اپنے بھائیوں کے سامنے جھک کر معاملہ کرنا، نرم بات کرنا، عفوودرگذر کرنا وغیرہ۔

چنانچہ اکابر کے عفوودرگذر کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے مثال کے طور پر عرض ہے کہ:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ لوگ ان کو ریاکار کہتے تھے ایک مرتبہ وہ سجدہ میں تھے کہ کچھ لوگوں نے ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جس کی وجہ سے چہرہ بری طرح سے جل گیا مگر ان کو کچھ پتہ نہ چلا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کا احساس ہوا پوچھا کہ یہ کیا ہوا تو لوگوں نے خبر دی کہ فلاں فلاں نے یہ ناشائستہ حرکت کی ہے تو آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا، حالانکہ اس جلنے کی تکلیف عرصہ تک رہی۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے اکابر کا، نماز حق اللہ تھا اس کا کیسا حق ادا

کررہے تھے، اس طرح سے اللہ تعالیٰ سے مناجات کررہے تھے کہ سرد چہرہ کے جلنے کا احساس نہ ہوا اور پھر مخلوق کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا کہ ان لوگوں کی خطا کو معاف فرمادیا یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے۔

اس طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جارہے تھے اوپر سے کسی نے راکھ ڈالی اور سب راکھ حضرت شیخ کے سر پر پڑی، سب کپڑے خراب ہوگئے تو فرمانے لگے الحمد للہ، مریدین نے کہا کہ آپ الحمد للہ کس بات پر فرمارہے ہیں ان پر بددعا فرمادیجئے تو فرمایا کہ جو سر آگ برسائے جانے کا مستحق تھا اس سے راکھ پر اکتفا کرلیا جائے تو شکر کا مقام نہیں ہے؟

سبحان اللہ! یہ تھا مقام تواضع ہمارے سلف کا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے طریق پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ مولانا خالد رومیؒ کو لکھتے ہیں کہ "کسی سے انتقام لینا ہمارے آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، صبر و عفو صوفیہ کی ایک ادنیٰ عادت و خصلت ہے، اللہ تعالیٰ اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ یعنی برائی کی مدافعت عمدہ خصلت اور اچھائی کے ذریعہ کرو"

ہمارے اکابر نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی عزت و عافیت سے نوازا، اور دنیا اب تک ان کو یاد کرتی ہے چنانچہ سید نا رفاعیؒ جوامت محمدیہ کے بہت بڑے آدمی سمجھے گئے ہیں اپنے وقت کے قطب تھے ان کا واقعہ

لکھا ہوا ہے کہ:

ایک بار ایک گروہ فقراء سے ملاقات ہوئی ان سب نے آپ کو گالی دی اور کہا کہ اے اعور (کانے) اے دجال، اے حرام چیزوں کے حلال کرنے والے، اے قرآن میں تبدیل کرنے والے، اے ملحد، اے کتے، آپ نے اسی وقت اپنا سر کھول کر زمین بوسی کی اور کہا کہ اے میرے سردارو! مجھ سے راضی ہو جاؤ، مجھے تمہارے حلم سے یہی امید ہے، اور ان کی دست بوسی فرمائی، جب آپ نے اس خوشامد لجاجت سے ان کو مجبور کر دیا تو ان سب نے کہا کہ ہم نے تم سے زیادہ کسی فقیر کو متحمل نہیں دیکھا کہ اتنا کچھ ہم نے کہہ سنایا مگر تم متغیر تک نہ ہوئے، آپ نے کہا یہ سب تمہاری برکت وعنایت ہے، پھر اپنے احباب سے فرمایا کہ اس واقعہ سے ہم کو راحت ہوئی انہوں نے اپنے جی کی بھڑاس ہم پر اتار دی، دوسروں کے مقابلہ میں ہم ہی اس کے زیادہ مناسب تھے، ممکن تھا کہ یہ باتیں وہ کسی اور سے کہتے اور وہ متحمل نہ ہوتا۔

حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کتنے عفو، درگذر، تواضع وانکسار کے واقعات ہیں، آج اگر ہم لوگوں کو وہ واقعات مستحضر ہوں تو بڑی عبرت ونصیحت ہو، چنانچہ کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ:

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی مہمان ہوا، آپ ﷺ نے کھلایا پلایا اور سونے کا انتظام فرمایا تو جس حجرے میں انتظام فرمایا تھا باہر سے اس کی کنڈی لگادی کہ صبح کو آکر کھول دیں گے، وہ سویا، درمیان رات اس کو

پاخانہ جانے کا تقاضا ہوا، باہر سے کنڈی بند تھی اس لئے حجرے ہی میں بستر پر پاخانہ کردیا جب صبح ہوئی کنڈی حضور اقدس ﷺ نے کھولی تو وہاں سے کھسک گیا اور رخصت ہو گیا، جب حضور اقدس ﷺ نے یہ دیکھا تو بنفس نفیس بستر اٹھایا اور دھونے لگے، صحابہ بڑھے اور اس خدمت کو انجام دینے کی درخواست کی تو فرمایا نہیں بھائی وہ میرا مہمان تھا اس لئے بستر میں ہی دھوؤں گا، بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ پانی ڈال دو، چنانچہ وہ پانی ڈال رہے تھے اور حضور پاک ﷺ بستر کو صاف فرما رہے تھے۔

ادھر جب مہمان کچھ دور گیا تو اپنی تلوار یاد آئی جس کا دستہ سونے کا تھا اب سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے، شرم وندامت سے طبیعت رکتی تھی کہ ایسی حرکت کر کے آیا ہوں لوگ کیا کہیں گے اور حرص اور حب مال کا یہ تقاضا تھا کہ چلنا چاہئے ورنہ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا، بہر حال یہی غالب آیا اور گیا تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ بنفس پاک خود اس کے پاخانہ کو دھو رہے ہیں وہ دیکھ کر بہت بہت متأثر ہوا اور کلمہ پڑھ لیا۔

اب دیکھئے! حضور اقدس ﷺ دوسرے سے بھی دھلا سکتے تھے مگر خود دھویا، سبحان اللہ! حضور اقدس ﷺ کے یہ اخلاق تھے، اللہ اکبر!

دوسرا واقعہ سنئے کہ کسی موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ایک صحابی کو لکڑی سے آہستہ سے کونچ دیا تھا، حضور اقدس ﷺ نے جب اعلان فرمایا کہ کسی کا کچھ حق میرے ذمہ ہو تو یہاں ہی لے لے اور اگر کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہاں

ہی بدلہ لے لے، چنانچہ وہ صحابی وہاں موجود تھے کہا کہ فلاں موقع پر آپ نے چھڑی سے میرے بدن میں کونچ دیا تھا لہذا مجھے اس سے تکلیف ہوئی تھی اس کا بدلہ لوں گا، تو فرمایا کہ بخوشی تم کو اجازت ہے تم بدلہ لے لو، انہوں نے کہا کہ اس وقت میرے بدن پر کرتا نہیں تھا اور آپ کرتا پہنے ہوئے ہیں اس لئے آپ بھی اپنا کرتا اتاریئے تب بدلہ لوں گا حضور اقدس ﷺ نے فوراً کرتا اتار دیا اور فرمایا کہ تم کو اختیار ہے انہوں نے بڑھ کر مہر نبوت کو چوم لیا اور کہا کہ میری کہاں مجال تھی کہ بدلہ لیتا مگر میری بہت دنوں سے دلی خواہش تھی کہ مہر نبوت کو بوسہ دوں اس لئے ایسا کیا۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ حضور اقدس ﷺ کی کیسی شان تھی کہ ایک امتی سے اس طرح جھک کر معاملہ فرمارہے ہیں، بیشک نبی کی یہی شان ہوتی ہے ان کے خوف آخرت کا یہ حال ہوتا ہے آپ یہی اسوۂ حسنہ چھوڑ کر ہم سے جدا ہوئے ہم اس پر جب عمل پیرا ہوں گے عافیت میں رہیں گے اور جب اس کو چھوڑ دیں گے تو فساد و نزاع کے شکار ہو جائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین بحرمة سيد النبی الكريم صلى الله عليه وسلم وعلىٰ آله اجمعين.

اب تیسرا واقعہ سنئے! حضور اقدس ﷺ کو ابن سقہ یہودی کا قرض دینا تھا، وہ تقاضا کے لئے آیا حضور اقدس ﷺ کے کندھے کی چادر اتار لی اور کرتا پکڑ کر سختی سے بولا کہ عبد المطلب کی اولاد بڑی نادہند ہے، حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا، نبی کریم ﷺ تبسم فرماتے رہے اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر! تم کو مجھ سے اور اس سے دوسری طرح برتاؤ کرنا چاہئے تھا، تم مجھ سے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہئے اور اس سے یہ کہتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہئے۔

پھر زید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ جاؤ اس کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ بھی دینا کیونکہ تم نے اسے جھڑکا ہے۔

سبحان اللہ! کیسی تعلیم تھی اپنے اصحاب کو، جس کی وجہ سے حضرات صحابہؓ اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے، اور ان کے نفوس کا کامل تزکیہ ہوا۔

ان واقعات میں ہمارے لئے بہت ہی عبرت و نصیحت ہے کہ ہم کو بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی معاملہ کرنا چاہئے اور اپنے لوگوں کو اسی قسم کی تعلیم کرنی چاہئے، اگر آج ان باتوں پر عمل ہو تو پھر اصلاح عام ہو جائے اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ والسلام

محمد قمر الزمان ۳؍ صفر ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۳؍ جنوری ۱۹۷۸ء

الحمد للہ

خطبۂ مسنونہ

میں ہمارے لئے ہدایت ہے

اقتباس

اس خطبہ میں اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس سے مدد چاہی جاتی ہے، استغفار کیا جاتا ہے اور ہدایت کو اسی کی جانب سے سمجھ کر وعظ ونصیحت کی جاتی ہے کہ وعظ ونصیحت کرنا اور احکام کو پہنچا دینا اور شریعت کی باتوں کو بتلا دینا یہ ہمارا کام ہے باقی رہا اس سے متاثر کرنا، یہ واعظ کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے، جس کو وہ توفیق مرحمت فرماتے ہیں وہی وعظ کو قبول کرتا ہے اور وہی اس سے متاثر ہوتا ہے اور جس کو وہ ہدایت دیتے ہیں وہی ہدایت یاب ہوتا ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قال اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لَايَسْتَوِيْٓ اَصْحَابُ النَّارِ وَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی سو (اس کا اثر یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ

نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا (یعنی ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں بلکہ جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب لوگ ہیں۔

خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن مجید فرقان حمید کی آیتیں تلاوت کی گئی ہیں اگر ہم لوگ سوچیں اور سمجھیں اور غور و فکر سے کام لیں تو یہ خطبہ جو پڑھا جاتا ہے اس میں بھی ہمارے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے، الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے اسی کی ذات تعریف کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی ابتدا بھی اسی طرح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے، روز جزا کا مالک ہے۔

علماء دین اور مشائخ کاملین کا معمول ہے کہ وہ وعظ و نصیحت کی ابتدا حمد و صلوٰۃ سے کرتے ہیں، ان کا یہ طریقہ سنت نبویہ سے ماخوذ ہے، حضور اقدس ﷺ بھی اپنے کلام کی ابتدا اسی سے فرماتے تھے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ" تمام تعریف اللہ کیلئے ہے اس لئے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے مغفرت چاہتے ہیں "وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ" اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں "وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا" اور ہم

اس کی پناہ چاہتے ہیں، اپنے نفس کے شرور سے اور برے اعمال سے ”مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِيَ لَہٗ“ جس کو اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا ”وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ“ اور ہم گواہی دیتے ہیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر درود وسلام نازل ہو۔

اس خطبہ میں اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس سے مدد چاہی جاتی ہے، استغفار کیا جاتا ہے اور ہدایت کو اسی کی جانب سے سمجھ کر وعظ ونصیحت کی جاتی ہے کہ وعظ ونصیحت کرنا اور احکام کو پہنچا دینا اور شریعت کی باتوں کو بتلا دینا یہ ہمارا کام ہے باقی رہا اس سے متأثر کرنا، یہ واعظ کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے، جس کو وہ توفیق مرحمت فرماتے ہیں وہی وعظ کو قبول کرتا ہے اور وہی اس سے متأثر ہوتا ہے اور جس کو وہ ہدایت دیتے ہیں وہی ہدایت یاب ہوتا ہے۔

بہر حال ہمیں چاہئے کہ اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھیں، اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا دل میں استحضار کر کے تفکر وتدبر کے ساتھ اور دل لگا کر پڑھیں تو دل میں نور پیدا ہوگا، دل کی ظلمت دور ہوگی اور ہدایت نصیب ہوگی۔

گناہ : دل کی ظلمت

بھائی سنو! گناہ سے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے اور دل میں زنگ لگ جاتا ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرتا ہے تو وہ سیاہی دور ہو جاتی ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا اور گناہ کرتا رہتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے ایسے دل کو مردہ دل کہتے ہیں، افسوس آج ہمارے قلوب کا بھی یہی حال ہو چکا ہے یعنی گناہوں کی وجہ سے بالکل مردہ ہو چکے ہیں حتیٰ کہ قرآن کی آیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے حالانکہ یہ وہی کتاب ہے جس کو سن کر کتنے کافر مسلمان ہو جاتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ ہم لوگ کتنی کتنی آیات کی تلاوت کر جاتے ہیں مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ سننے والوں ہی پر اثر ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے قلوب مردہ ہو چکے ہیں، اب ہم خود فیصلہ کر لیں کہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

میں تو کہا کرتا ہوں کہ پہلے زمانہ کے مشرک و منکر بھی ایسے تھے کہ جب قرآن پاک کو سنتے تھے تو متاثر ہو جاتے تھے اور ان کا یہ حال ہوتا تھا کہ بعض دفعہ ایک ہی آیت کو سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے۔

عمر فاروقؓ کا اسلام

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور و معروف ہے، ہم اور آپ سبھی کو معلوم ہے کہ فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہ ایک دن ننگی تلوار لے کر چلے

تھے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر ڈالیں راستے میں کسی نے کہا ارے آپ کہاں جا رہے ہیں پہلے جا کر اپنے گھر کی خبر لیجئے، آپ کی بہن بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں، وہ بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور بہن کے گھر پہنچے، ان کا دروازہ اندر سے بند تھا، آواز دیا تو کھولا گیا، بہنوئی مارے ڈر کے چھپ گئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ان کو چھپتے ہوئے دیکھا تو بڑھ کر حملہ کرنا چاہا، بہن نے چھڑانا چاہا تو ان کو بھی چوٹ لگی، پھر انہوں نے فاروق اعظمؓ سے کہا اے بھائی! اب تم کچھ بھی کرو ہم تو ایمان لا چکے ہیں، کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اس کو ہم کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتے، ان کی اس بات سے فاروق اعظمؓ متأثر ہو گئے اور فرمایا کہ لاؤ مجھے بھی دکھاؤ تم لوگ کیا پڑھتے ہو؟ اس زمانہ میں چونکہ کاغذ نہیں تھا اس لئے قرآن پاک کو ہڈیوں پر، کھجور کے پتوں پر لکھ لیا کرتے تھے، بہر حال جس چیز پر لکھا ہوا تھا اس کو لائے اس میں سورہ طٰہٰ کی ابتدا کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں ﴿طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰىٓ اِلاَّ تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلاً مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾ طٰہٰ، ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے اتارا

ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور وہ بڑی رحمت والا، عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے اور وہ ایسا ہے کہ) چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور (بلکہ) اس سے زیادہ خفی بات کو (یعنی ابھی جو دل میں ہے) جانتا ہے، وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کا مستحق) نہیں، اس کے بڑے اچھے اچھے نام ہیں (جو اوصاف وکمالات پر دلالت کرتے ہیں) سو قرآن ایسی ذات مستجمع الصفات کا نازل کیا ہوا ہے اور یقینی حق ہے۔

ان آیات کو سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عجیب کیفیت ہوگئی، ایمان نے دل میں جگہ کر لیا، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، حضور ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اے عمر! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ لو کہ اسلام سچا مذہب ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حضور اقدس ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ جب قرآن پڑھتے تھے تو لوگوں پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ فوراً ایمان ان کے دلوں میں اتر جاتا تھا، مشرکین مکہ اس سے بہت ڈرتے تھے اسی بناء پر جب قرآن پڑھا جاتا تو شور و غل مچاتے اور سیٹیاں بجاتے تھے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ جو بھی کلام اللہ کو سنتا ہے وہ متاثر ہو جاتا ہے، بڑے بڑے مشرک و منکر کلمہ پڑھنے لگتے ہیں اس کی وجہ سے مشرکین مکہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی اور یہ تدبیر سوجھی کہ اتنا شور و غل

مچاؤ کہ لوگ قرآن سننے ہی نہ پائیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴾ اور یہ کافر باہم یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو (اور پیغمبر ہار کر چپ ہو جائیں)

سبحان اللہ! ان کی تو یہ تدبیر ہے اور یہ کوشش ہے کہ قرآن کو سنا ہی نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اہتمام ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو ہمہ تن گوش ہو کر سنا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگادیا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو (جدید یا مزید)

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں، قرآن پڑھنے والے کو جتنا ثواب ملتا ہے سننے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے، قرآن پاک سے متعلق میری ایک طویل نظم ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وہ قرآں جو دوا بھی ہے، غذا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآں جس سے طے ہوتے ہیں سب درجات روحانی

قرآن پاک میں بڑی لذت اور بڑی حلاوت ہے مگر آج ہم لوگوں کا یہ

حال ہے کہ ہم کو قرآن میں لذت نہیں ملتی، اس میں مزہ نہیں آتا، ہاں قصے کہانی میں، اخبار پڑھنے میں اور ناولیں دیکھنے میں ہم کو خوب لطف و مزہ ملتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے قلوب بیمار ہیں، ہمارے دلوں میں زنگ لگ گیا ہے اس لئے قرآن پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔

سنو! جب دل مردہ ہو جاتا ہے تو اس کو زندہ کرنے کی صورت اللہ کا ذکر اور موت کا دھیان ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ'' یعنی لذتوں کو توڑ دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو، مراد اس سے موت ہے۔

آدمی جس قدر زیادہ موت کو یاد رکھے گا اسی قدر اس کے دل میں حیات پیدا ہوگی اور غفلت دور ہوگی، دل کے زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ طاعت سے خوشی ہو اور معصیت سے رنج و ندامت ہو، حدیث پاک میں مومن کی خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اِسْتَغْفَرُوْا'' یعنی جب وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور جب ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔

بھائی! ہم لوگ بیان بھی کرتے ہیں اور سننے والے سنتے بھی رہتے ہیں لیکن جہاں تھے وہیں ہیں، ہم میں کوئی تبدیلی نہ آئی، کتنے وعظ سنے، علماء و مشائخ کی مجلسوں میں شریک ہوئے مگر اب تک ہم نے اپنے آپ کو تبدیل نہ

کیا کس قدر افسوس کی بات ہے اور رونے کا مقام ہے، ہم کو چاہئے کہ اب سے اپنی غفلت کو دور کریں اور اپنے دل کو دل بنانے کی فکر کریں اس میں اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کریں جب کسی کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کا خوف آجاتا ہے تو اس کی حالت بدل جاتی ہے اور اس میں زندگی آجاتی ہے اور پھر قدم پھونک پھونک کر اور ڈرتے ڈرتے رکھتا ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں تو ہم گناہ کے قریب نہ جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر ناراض ہو گئے تو سب کچھ گیا ﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالآخِرَۃ﴾ یعنی دنیا و آخرت دونوں جگہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے بڑی کوئی چیز نہیں مگر ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کے قانون کو توڑتے ہیں، اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں، کبائر میں مبتلا ہیں، حتیٰ کہ کفر و شرک تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر بھی مطمئن ہیں، حضور اقدس ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ ایک ایک آیت پر صبح ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف فرمائیں تو بیشک آپ غالب، حکمت والے ہیں۔

تو اس کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ

عثمان ذی النورینؓ، علی مرتضیٰؓ اور صحابہ کرامؓ جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی، اور ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا، خیر وہ تو صحابی ہی ہیں ان کا مقام بہت اونچا ہے ان کا تو پوچھنا ہی کیا، ایسے ایسے بزرگان دین گذرے ہیں اور موجود بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے کہ وہ قرآن پاک کے اندر ایسی لذت وحلاوت پاتے ہیں جو کسی چیز میں نہیں۔

ابھی حال ہی میں ہمارے شیخ المشائخ قطب زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران جنت پاس آئیں گی تو ان سے کہوں گا کہ بی بیو تم بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھتا ہوں تم سنو، جو مزہ قرآن میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کے خلفاء میں سے تھے ان سے بیان فرمایا کہ جو مزہ ہم کو قرآن میں ملتا ہے اگر تم کو ملے تو تم کپڑے پھاڑ کر جنگل میں بھاگ جاؤ۔

واقعی قرآن پاک میں جو لذت اور جو حلاوت ہے وہ بیان نہیں کی جا سکتی مگر جب دل کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور دل پاک وصاف ہو جاتا ہے تب وہ لذت وحلاوت محسوس ہوتی ہے اور پھر ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ قرآن سے سیری نہیں ہوتی، ہمارے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں اس وجہ سے ہم کو قرآن کی لذت وحلاوت کا کچھ پتہ نہیں، حضرت عثمان ذی النورینؓ فرماتے کہ اگر تمہارے

قلوب پاک ہو جائیں تو تم کو قرآن کی تلاوت سے کبھی سیری نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر و بزرگان دین نے سب سے زیادہ شغف قرآن ہی سے رکھا ہے بعضے بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنے کل فارغ اوقات کو تلاوت قرآن ہی میں گذارتے تھے۔

حضرت داود طائیؒ جو بڑے درجہ کے عالم، محدث اور بزرگ تھے ان کا یہ حال تھا کہ کھانے میں صرف ستو گھول کر پی لیا کرتے تھے، روٹی وغیرہ نہیں کھاتے تھے، کسی نے آپ سے پوچھا کہ حضرت آپ کچھ اور نہیں کھاتے، صرف ستو پی لیتے ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے تو فرمایا کہ جتنی دیر میں دال روٹی، چاول، یہ سب چیزیں کھاؤں گا اتنی دیر میں میرا پچاس آیتوں کا نقصان ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! قرآن سے کس قدر تعلق تھا کہ کھانے پینے میں تھوڑا وقت بھی صرف کرنا آپ کو گوارہ نہ تھا، شریعت میں گو اجازت ہے کہ ہم کھانے پینے میں اپنے اوقات صرف کریں اور خوب قسم قسم کی چیزیں کھائیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں مگر بزرگوں کا حال الگ الگ ہوتا ہے حضرت داود طائی کا یہی حال تھا، آپ ہی کا ایک دوسرا واقعہ سنئے۔

ایک دفعہ آپ کے لب بڑھ گئے تھے، حلاق کو بلوایا اور فرمایا کہ میرے لب بڑھ گئے ہیں اس کو درست کردو، اور خود قرآن پڑھ رہے تھے، حلاق نے کہا کہ حضرت آپ ذرا دیر خاموش ہو جائیں، لب ہلنے کی وجہ سے استرہ لگ

جانے کا اندیشہ ہے، بھائیو! عبرت کا مقام ہے آپ فرماتے ہیں کہ تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں، استرہ لگ جائے گا تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں مگر قرآن کا چھوڑنا ہمیں گوارہ نہیں۔

سبحان اللہ! یہ تھے قرآن کے پڑھنے والے اور یہ تھے اللہ کے سچے عاشق، اللہ تعالیٰ نے اپنے عشاق کی تسلی ہی کے لئے قرآن کو نازل فرمایا ہے تاکہ محبوب کے کلام کو پڑھ کر وہ تسلی حاصل کریں، اللہ تعالیٰ کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی ہے جیسا کہ کعبہ میں، پس جب بندہ تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے اور گویا اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" کی دولت نصیب ہوتی ہے چنانچہ کسی نے خوب کہا ہے ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اسی طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پنکھڑیوں میں پوشیدہ ہوتی ہے، لہٰذا جو مجھے دیکھنا چاہے میرے کلام میں مجھ کو دیکھے۔

یہ اللہ کی مقدس کتاب ہے، اور سب سے آخری کتاب ہے جو ہمارے گھروں کے اندر موجود ہے اور ہم نے اس کو جزدانوں میں لپیٹ کر طاق پر رکھ دیا ہے اس کی تلاوت نہیں کرتے اور اگر کبھی کرتے بھی ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے اور ہمیں کیا کرنا ہے۔

قرآن اللہ کی کتاب ہے اس کو ہم اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعد کے مسلمانوں کو اسی طریق سے فلاح ملے گی جس طریقہ سے ہمارے اسلاف رضی اللہ عنہم کو ملی تھی، اس کے خلاف کر کے کبھی ہم فلاح نہیں پاسکتے، چنانچہ ان کا یہ حال تھا کہ پھٹے پرانے کپڑے پہننے والے تھے، فاقہ پر فاقہ کرتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے مگر اللہ کے عشق میں ان کا یہ حال تھا کہ تن، من، دھن، جان، مال، سب کچھ اللہ کے راستہ میں قربان کر دیتے تھے، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس وہ دولت تھی جس کو وہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر سمجھتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق، اللہ تعالیٰ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت کا یہ اثر تھا، آپ ﷺ کی پاک صحبت سے ان کے قلوب بدل گئے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی کیفیت غالب رہتی تھی، اس لئے ان کو سب کچھ قربان کر دینا آسان تھا۔

اہل اللہ کی نظر کی تاثیر

بعد کے بزرگوں میں بھی عجیب عجیب کیفیات کا ظہور ہوا ہمارے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کبھی کبھی کیفیت طاری ہوتی تھی تو آپ کچھ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے، رات میں تہجد کے وقت جو لوگ حضرت کے پاس رہتے تھے ان کو بہت فیض پہنچتا تھا اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

سحر میں سامری کے کیا قدرت　　　تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

نبی کی نگاہ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے بزرگان دین کی نگاہ میں وہ اثر ہوتا ہے کہ واللہ عجیب کیفیت ہو جاتی ہے اور ان کی ایک نگاہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور ان کی پاک صحبتوں سے دل واقعی دل بن جاتا ہے، اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں یہی مضمون ارشاد ہوا ہے کہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو مطلب یہ کہ جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے ان کو چاہئے کہ اللہ سے ڈریں اور اللہ کا خوف دل میں پیدا کریں، ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ خوف آخرت کی طرف دعوت دے رہے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ان آیات کو پڑھتے تھے تو قیامت ان کے سامنے آجاتی تھی اور حضور ﷺ کے فیض صحبت سے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آخرت کی چیزوں پر ان کو یقین کامل حاصل تھا، اللہ کا یقین، ملائکہ کا یقین، جنت و جہنم کا یقین، جزاوسزا کا یقین ان کو اس درجہ کا حاصل تھا کہ گویا ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں، اسی بناء پر ان کا جو قدم اٹھتا تھا اس میں وہ دیکھتے تھے کہ اللہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں اٹھ رہا ہے چنانچہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا۔

مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ بلا چون و چرا آخرت کی سب باتوں کی تصدیق کرے اور حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کو بغیر کیوں میوں کے

تسلیم کرے اس لئے کہ جب آپ کو اللہ کا رسول مان لیا پھر آپ کی بات پر دلیل کا مطالبہ کیسا؟ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ رسول اللہ ﷺ تم کو جس بات کا حکم دیں اس کو اختیار کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے باز آجاؤ۔

پس رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ ضابطۂ خداوندی مقرر ہو گیا کہ آپ کی ہر بات کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا واجب ہے مگر آج مسلمان دین کی ہر بات میں کیوں میوں، اگر مگر لگانا ضروری سمجھتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نہ تو شریعت کے آداب معلوم ہیں اور نہ مقام رسالت کا کچھ پتہ ہے نہ انقیاد وتسلیم کی گلی میں ان کا گذر ہوا ہے۔

میں ایک بزرگ کی خدمت میں رہا کرتا تھا مجھ پر بڑی شفقت وعنایت فرماتے تھے وہ بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی شان کیوں میوں اگر مگر نہیں ہوتی وہ تو سراپا انقیاد ہوتا ہے، مسلمان کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ وہ فرمانبردار، گردن جھکا دینے والا، چون وچرا کو چھوڑنے والا اور اللہ ورسول کی مرضی پر مر مٹنے والا ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام کی شان اتباع

صحابہ کرامؓ کی تو یہ کیفیت تھی کہ وہ کہیں مسکرانے لگتے تھے اور کسی مقام پر بیٹھ جاتے تھے، کسی مقام پر لیٹ جاتے تھے، اسی طرح کسی مقام پر استنجاء کی ہیئت پر بیٹھ جاتے تھے اور استنجاء نہیں کرتے تھے، ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کیا

حال ہے ؟ تو فرماتے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو میں نے اپنے محبوب ﷺ کو یہاں مسکراتے دیکھا اس لئے مسکرا رہا ہوں اور آپ ﷺ کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا اس لئے بیٹھ گیا اسی طرح جہاں لیٹے ہوئے دیکھا وہاں لیٹ گیا، اور جہاں بیٹھ کر آپ نے استنجاء فرمایا وہاں استنجاء کی ہیئت پر بیٹھ گیا، اگر چہ استنجاء کی ضرورت نہ تھی۔

دیکھئے! یہ غیر اختیاری چیزیں تھیں مگر اس میں بھی صحابہ کرامؓ آپ کی اتباع کرتے تھے یہ تھی شان صحابہؓ کی، جب اس درجہ انہوں نے اپنے کو مٹایا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے کو فنا کر دیا تب ساری دنیا میں رشد و ہدایت کے ستارے بن کر چمکے اور دین کی حفاظت خود بھی فرمائی اور دوسروں تک پہنچایا اور حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا عملی نمونہ بنے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی زندہ تصویر امت کے سامنے پیش فرمایا۔

بھائی سنو! یہ دنیا کی ساری چیزیں مٹ جانے والی اور فنا ہو جانے والی ہیں، آخرت باقی ہے، ہم کو اپنے اندر اس کی فکر کرنی ہے کہ کون سی چیز آخرت میں کام آنے والی ہے اس کی طرف توجہ کریں۔

ایک بزرگ بصرہ کے رہنے والے تھے ایک دن وہ بصرہ کے بازار میں گئے وہاں لونڈی غلام بک رہے تھے ان میں ایک غلام بہت ہی سیاہ فام بد شکل تھا اس کو کسی نے نہیں خریدا یہ بزرگ خرید لائے، جب گھر آئے تو اس سے پوچھا کہ اے غلام تیرا نام کیا ہے ؟ اس نے کہا میرا نام جو بھی رہا ہو اب تو جس

نام سے آپ مجھے پکاریں وہی میرا نام ہے، اسی طرح انہوں نے پوچھا کیا کھاؤ گے تو جواب دیا جو آپ کھلائیں گے وہی کھاؤں گا، پھر انہوں نے پوچھا کیا پہنو گے تو کہا جو آپ پہنادیں گے وہی پہنوں گا، دریافت کیا کہ کہاں رہو گے تو کہا جہاں آپ رہنے کو فرمادیں گے وہیں رہوں گا، اس لئے کہ میں تو ایک غلام ہوں مجھ کو اپنے ارادہ سے کیا کام، ان بزرگ پر غلام کی باتوں سے ایک کیفیت طاری ہوگئی، رونے لگے اور فرمایا، کاش کہ میرا حال اپنے مالک اور آقا کے ساتھ ایسا ہی ہوجاتا جیسا تمہارا میرے ساتھ ہے، پھر فرمایا کہ جاؤ میں نے تم کو آزاد کردیا، وہ غلام کہتا ہے کہ یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے آزاد کردیا لیکن میری ایک تمنا اور ہے وہ بھی پوری کیجئے، انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے تو کہا کہ مجھے آپ قرآن پاک سنادیجئے چنانچہ انہوں نے چند آیتیں پڑھیں ان کو سننے کے بعد غلام پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ لیٹ گیا اور اسی وقت اس کی روح پرواز کرگئی۔

دیکھا آپ نے کتنا بڑا عاشق تھا، کلام اللہ کی تلاوت سے کس قدر متأثر ہوا کہ واصل بحق ہوگیا۔

بھائیو! ہمارے اندر سے احساس زیاں جاتا رہا، ہماری زندگی گذرتی چلی جارہی ہے، مگر جو مقصد تھا ہمارے دنیا میں آنے کا اس سے ہم بالکل غافل ہیں، اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ہر نفس یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے دن یعنی قیامت کے لئے کیا سامان کیا ہے۔

ہم نے مال جمع کیا، دولت اکٹھا کی، مکان بنایا، سب کچھ کیا لیکن یہ بتاؤ کہ قیامت کے لئے کیا توشہ کیا؟ اللہ تعالیٰ قیامت کا کیسا نقشہ کھینچتے ہیں سنو فرمارہے ہیں ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ﴾ جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے) اور جب قبریں اکھاڑی جاویں گی (ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

اور فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتاً لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (مراد بوجھ سے دفینے اور مردے ہیں) اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟ اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے کہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں، سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا

اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ وہاں اس کو (بھی) دیکھ لے گا۔

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجاً وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءًا مُّنْبَثًّا وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَااَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَااَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کچھ خلاف نہیں، تو وہ (بعض کو) پست کردے گی اور (بعض کو) بلند کردے گی (یعنی کفار کی ذلت کا اور مومنین کی رفعت کا اس روز ظہور ہوگا) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جاویں گے پھر وہ پراگندہ غبار (کی طرح) ہو جاویں گے اور تم تین قسم ہو جاؤ گے سو (ان میں ایک قسم یعنی) جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں اور (دوسری قسم یعنی) جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کتنے برے ہیں اور (تیسری قسم یعنی) جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں اور وہ (خدائے تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ لوگ مقرب، آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

یہ آیتیں قرآن مجید کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا نقشہ کھینچ دیا ہے، اس طور پر کہ قیامت کو نگاہوں کے سامنے کر دیا ہے، ان آیات کو پڑھ کر لوگ لرز جاتے تھے مگر ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان آیات پر سرسری طریقہ سے گذر جاتے ہیں اور کوئی اثر ہمارے قلب پر نہیں ہوتا، اگر قیامت کا خوف

ہمارے دل کے اندر آجائے تو ہم اس دن کی تیاری میں لگ جائیں اس دن نہ مال کام آئے گا نہ عزیز واقارب کام آئیں گے نہ اولاد کام آئے گی بس وہاں صرف نیکیاں کام آئیں گی، اعمال صالحہ کام آئیں گے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کام آئے گی طاعات وعبادات کے سوا کچھ کام نہ آئے گا۔

میں نے ایک روز حدیث کا مفہوم سنایا تھا کہ دنیا میں انسان کا تعلق تین چیزوں سے ہے، مال، اہل وعیال اور اعمال، ان میں آخرت میں کام آنے والی چیز تو صرف اعمال ہیں مگر ہم اعمال کی طرف توجہ کم کرتے ہیں اور ہم کو مال اور اہل وعیال سے بہت زیادہ محبت ہے، اور یہ محبت منع نہیں ہے لیکن اللہ کی محبت ان سب پر غالب ہونی چاہئے۔

مرنے کے بعد مال تو ایک قدم بھی نہیں پہنچائے گا جہاں ہے وہیں رہ جائے گا، اور اہل وعیال، اعزاء واقارب، دوست واحباب، بس قبرستان تک چلے جائیں گے مگر اعمال اور نیکیاں ہمارے ساتھ جائیں گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اعمال صالحہ قبر کے اندر حسین شکلوں میں آئیں گے، یعنی نماز، روزہ، تلاوت، یہ سب قبر کے اندر حسین شکلوں میں آکر مومن سے کہتے ہیں کہ تمہارے دو ساتھیوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا، اور ہماری طرف دنیا میں تمہاری توجہ کم تھی مگر ہم ہی تمہارے ساتھ ہیں اور یہاں تمہارے مونس ہیں، میں نے ایک دن حدیث کی شرح میں یہ اشعار بھی سنائے تھے اس کو پھر سناتا ہوں ۔

مال و اولاد ترے قبر میں جانے کے نہیں

تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کے نہیں

جز عمل گور میں کوئی بھی ترا یار نہیں

کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبر دار نہیں

نیکیوں سے قبر میں نور پیدا ہوتا ہے یہ نیکیاں قیامت میں تولی جائیں گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ سو جس شخص کا (ایمان کا پلہ) بھاری ہو گا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے، اور جس شخص کا (ایمان کا پلہ) ہلکا ہو گا سو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ بار بار قیامت کو یاد دلاتے ہیں مگر ہم اس کو سمجھتے ہی نہیں قیامت پر غور کرتے ہی نہیں، آؤ ہم اپنی پچھلی زندگی پر غور کریں اور انصاف سے کام لیں کہ ہمارے پاس کتنی نیکیاں ہیں، اگر ہم انصاف سے کام لیں گے تو ہمارے اعمال نامے میں نافرمانی اور گناہ ہی نظر آئیں گے اور نیکیاں اولاً تو ہیں ہی نہیں اور اگر کچھ ہیں بھی تو بس نیکیوں کی صورت ہے حقیقت اس کے اندر بھی نہیں۔

بس اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور اصلاح فرمائے تو خیر ورنہ ہمارا حال اچھا نہیں ہے، اللہ کا خوف اگر پیدا ہو جائے تو بندہ اللہ کی نافرمانی بالکل چھوڑ

دے اور اللہ ورسول کے حکموں پر عمل کرنے لگے، فرمانبردار بن جائے اور مسلمان کی اصل شان اس کے اندر آجائے کیونکہ مسلمان تو اس کو کہتے ہیں جو گردن جھکا دینے والا، فرمانبرداری کرنے والا، اللہ ورسول کے حکموں پر مر مٹنے والا ہو۔

اللہ ورسول کے حکموں کا پابند بنانے والی دو ہی چیزیں ہیں ایک تو اللہ کی محبت، دوسرے اللہ کا خوف، جب محبت کسی کے قلب میں آجاتی ہے تو اطاعت وفرمانبرداری اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے محبت بہت بڑی دولت ہے، محبت ہی کے اندر فلاح مضمر ہے، مومن کے اندر سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو علاوہ خدائے تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری ہے یہ حالت مشرکین کی ہے) اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

کلمۂ طیبہ محبت الٰہی کا ذریعہ

اس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان والے ہوتے ہیں انہیں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے، بزرگان دین اسی کی تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ دنیا میں رہ کر آدمی کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے، چنانچہ بزرگان دین جو

نفی اور اثبات کا ذکر کراتے ہیں اس کے ذریعہ سے ساری چیزوں کو دل سے نکال دیتے ہیں اور اللہ کی محبت کو دل میں بٹھا دیتے ہیں، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے تو لا الہ کہتے وقت یہ سمجھے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال رہے ہیں اور الا اللہ کہتے وقت یہ سوچے کہ اللہ کی محبت کو دل میں جما رہے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' یعنی سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ ہے، صوفیہ کی اصطلاح میں اسی لا الہ الا اللہ کے ذکر کو نفی واثبات کہتے ہیں اس ذکر میں تدریجی طور پر دل سے غیر اللہ کی معبودیت، مقصودیت، محبوبیت اور مرادیت کی نفی کی جاتی ہے یعنی بالترتیب ان معانی کا تصور کیا جاتا ہے کہ لَاَ مَعْبُوْدَ اِلاَّ اللّٰهُ ، لَاَ مَقْصُوْدَ اِلاَّ اللّٰهُ ، لَاَ مَحْبُوْبَ اِلاَّ اللّٰهُ ، لَاَ مُرَادَ اِلاَّ اللّٰهُ۔

اس طرح دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مقصود نہیں، کوئی محبوب نہیں، کوئی مراد نہیں بلکہ وہی معبود و مقصود ہے اور وہی محبوب و مراد ہے، اللہ کی محبت بہت بڑی دولت ہے جس کو اللہ کی محبت مل گئی تو سمجھ لو کہ اس سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔

سنئے! دنیا میں یہ زندگی بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے، یہ اس لئے دی گئی ہے کہ ہم اعمال صالحہ کریں، اللہ ورسول کی فرمانبرداری کریں اور اپنی زندگی کو کامیاب بنائیں اس لئے کہ زندگی تو دن بدن گھٹتی ہی جارہی ہے۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ولایت کے دو درجے

دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ بندہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے، یوں تو ہر مومن اللہ کا ولی ہے، ولایت کے دو درجے ہیں، ایک ولایت عامہ ہے، دوسری ولایت خاصہ ہے، ولایت عامہ تو ہر مومن کو حاصل ہے مگر ولایت کا خاص درجہ پانے کے لئے ایمان کامل اور تقویٰ کامل شرط ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں اور وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ خوف وحزن سے بچنے کی) خوشخبری ہے، اور اللہ کی باتوں میں (یعنی وعدوں میں) کچھ فرق ہوا نہیں کرتا اور یہ (بشارت جو مذکور ہوئی) بڑی کامیابی ہے۔

ایک ایمان تو محض رسمی اور نام کا ہوتا ہے لیکن ولایت خاصہ کے لئے ایمان کا جو درجہ مشروط ہے وہ یہ ہے کہ ایمان قلب کے اندر اتر جائے، دل کے اندر بیٹھ جائے اور راسخ ہوجائے، اللہ کی محبت غالب ہوجائے جس کو آیت میں بیان فرمایا گیا کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾

ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں سرگرم ہوتے ہیں مال کو

لٹادینے والے، اولاد کو قربان کردینے والے اور اللہ کی راہ میں عزت وآبرو سب کچھ نثار کردینے والے ہوتے ہیں، ان کو بس ایک فکر ہوتی ہے کہ اللہ راضی ہو جائے، اسلئے کہ اگر اللہ راضی ہوگیا تو بخدا سب کچھ مل گیا اور اگر اللہ ناراض ہو گیا تو سب کچھ گیا، افسوس کہ ہم اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اور اپنے بیوی بچوں کو تو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر حیرت کا مقام ہے کہ اپنی بداعمالیوں اور گناہوں سے اللہ کو ناراض کرتے ہیں، جس قوم کے اندر نافرمانی ہوگی اس قوم کو کبھی فلاح نہیں ہوسکتی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ امم سابقہ پر جتنا عذاب آیا وہ ان کی نافرمانیوں کی ہی وجہ سے آیا۔

بھائی! گناہ سنکھیا ہے، زہر سے زیادہ اس کا اثر ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کے لئے ہم کو تریاق بھی مرحمت فرمایا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ بندہ کتنا ہی گناہ کرے لیکن سچے دل سے توبہ کرلے تو سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں اور ان کو پیار کرنے لگتے ہیں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

جس کو سچی توبہ نصیب ہوگئی اور یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ہم نے اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرکے زندگی برباد کردی اور اللہ کو ناراض کرلیا پھر یہ خیال ہوا کہ اچھا بھائی اب سے سہی آؤ سچے دل سے توبہ کرلیں، وہ بڑا خوش نصیب ہے،

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شمار نیکوکاروں میں ہونے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور رحمت اس پر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لیے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

آج ہم دیہاتوں میں اور کبھی کبھی شہروں میں بھی یہ بات سنتے ہیں کہ اگر کسی بلا و مصیبت میں پڑ جاتے ہیں یا کوئی بیماری آجاتی ہے تو لوگ اس طرح کہنے لگتے ہیں کہ نہ معلوم ہم سے کون سا گناہ ہو گیا ہے جس کی سزا ہم کو مل رہی ہے اور اس مصیبت میں پڑ گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالکل معصوم ہیں ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا، ارے اللہ کے بندو! ایسے موقعوں پر یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم تو سراپا گناہ ہیں اب تک کیوں نہیں پکڑے گئے اپنے گناہوں کا استحضار ہر وقت رہنا چاہئے اور اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ معلوم کس چیز سے راضی ہوتے ہیں، تو سنو! اللہ تعالیٰ عمل صالح سے، اطاعت و فرمانبرداری سے راضی ہوتے ہیں اور نافرمانیوں اور گناہوں سے ناراض ہوتے ہیں۔

بہر کیف اگر قیامت کا یقین حاصل ہو جائے، قرآن کی آیات پر، اللہ کی

ذات و صفات پر، ملائکہ پر، جنت اور جہنم پر یقین کامل پیدا ہو جائے تو آدمی ولی اور صدیق بن جائے، صدیق کی یہی شان ہوتی ہے کہ بن دیکھے آخرت پر ایسا یقین رکھتے ہیں گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ بیشک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر کبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو اجر کبیر کہہ دیں وہ اجر کتنا بڑا ہو گا، اس کی بڑائی بندے کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی۔

بھائی سنو! جس کے دل کے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے اور اس کو یہ احساس ہو جائے کہ دنیا فانی اور مٹ جانے والی ہے اور آخرت باقی اور دائمی ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے اور یہ دنیا اور اس کی بہار چند روزہ ہے اس سے کیا دل لگانا، تو وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرف ہم کو متوجہ فرمارہے ہیں واقعی اگر ہم قرآن کو تدبر کے ساتھ اور غور و فکر سے پڑھیں تو ہم پر خدا کی رحمت نازل ہو، دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرمارہے ہیں کہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

ف : پہلا ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ﴾ طاعات کے متعلق ہے اور دوسرا معاصی کے متعلق

ہے یعنی اعمال صالحہ اور طاعات کی تحصیل میں بھی تقویٰ کا حکم ہے اور معاصی سے بچنے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اس لئے کہ وہ علیم و خبیر ہے۔

یہ جو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہیں یہی مراقبہ ہے، مراقبہ کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علیم و خبیر ہونے کو سوچے اور اس کے سمیع و بصیر ہونے کا استحضار کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر کی باتوں کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دلوں میں جو خطرات گذرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے، اگر ہم اس کا مراقبہ کرتے رہیں اور اللہ کے حکیم و خبیر ہونے کا دھیان رکھیں تو بتاؤ ہم سے نافرمانی اور گناہ سرزد ہو سکتے ہیں؟ یہی مراقبہ گناہوں سے روک دے گا۔

دوستو! ہمیں چاہئے کہ اپنے ظاہر کو بھی اعمال حسنہ سے آراستہ کریں اور اپنے باطن کو بھی عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے مزین کریں، اس طرح ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جائیں، اور ظاہری و باطنی تمام گناہوں کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ یعنی ظاہری و باطنی گناہوں کو چھوڑ دو، بھائی قیامت میں کچھ نہ کام آئے گا نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد کام آئے گی نہ جائیداد کام آئے گی، وہاں صرف اعمال کام آئیں گے وہ بھی ایسا عمل جس میں اخلاص ہو، دل کی شرکت سے ہو اور اس

کے لئے ضروری ہے کہ دل کو رذائل سے پاک کیا جائے اس لئے کہ جب قلب رذائل سے پاک ہو جاتا ہے تب ہی اخلاص حاصل ہوتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ امراض روحانی سے دل کو پاک کر لیا جائے، اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت دل کے اندر پیدا ہو جائے، اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت بڑھتی ہے اس لئے ذکر اللہ کی کثرت کریں، اللہ کو یاد کریں، اس کے انعامات کو سوچیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو، اور موت کا مراقبہ کریں کہ ایک دن یہ دنیا چھوٹ جانے والی ہے اس کے بعد قبر کی منزل ہے، سوال و جواب ہے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اس مراقبہ سے خوف پیدا ہوگا، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ صحابہؓ کی زندگی ایسی تھی کہ دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا، اللہ تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئی محض ہونا، ان سب کا ان کو کامل درجہ میں یقین تھا اس بناء پر آخرت ہر وقت ان کے سامنے پیش نظر تھی اور موت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی اس لئے وہ ہر وقت آخرت کی تیاری میں لگے رہتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا واقعہ یاد آگیا، حضرت کے معتقدین میں بہت سے نواب بھی تھے، انہیں میں سے حیدر آباد کے کسی نواب نے ایک بہت قیمتی عبا حضرت کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا، آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے رکھ دو میں اسے خاص اپنے لئے رکھوں گا کسی کو نہیں دوں گا، تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور رو رو کر حضرت سے کہنے لگا کہ میں محتاج و مفلس آدمی ہوں میری دو لڑکیاں جوان ہیں شادی کے قابل

ہو چکی ہیں میرے پاس کچھ بھی نہیں، میں ان کی شادی کیسے کروں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے ابھی ایک صاحب نے ایک عبا پیش کیا ہے بس وہی ہے پھر خادم سے فرمایا کہ وہ عبا لاؤ، وہاں یہ بھی دستور تھا کہ جو بڑے لوگ وہاں رہتے تھے وہ اس قسم کی چیزوں کو تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ ایک بڑے نواب نے اس عبا کو دس ہزار میں خرید کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا اور وہ رقم اس شخص کو دے دی گئی، اب بعض لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اس عبا کو میں کسی کو نہ دوں گا اپنے لئے رکھوں گا اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ نے اس محتاج شخص کو دے دیا، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، حضرت نے فرمایا کہ رکھ تو لیا کیا تم نے سمجھا نہیں؟ یہ آخرت میں جمع ہو گیا یہی میرے کام آوے گا۔

میں برابر کہا کرتا ہوں کہ سفر دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو دنیا میں ہوتا ہے، دوسرا سفر آخرت کا ہے، دنیا کے سفر میں تو ہم یہ کرتے ہیں کہ مثلاً ہم کو بمبئی جانا ہے تو وہاں کا ٹکٹ لیں گے راستہ کے لئے سامان ساتھ میں لیں گے تب سفر کریں گے کیونکہ دنیا کے سفر میں تو آدمی سامان اپنے ساتھ رکھتا ہے تب سفر کرتا ہے اور آخرت کے سفر میں سامان اور توشہ پہلے بھیج دیا جاتا ہے کوئی اپنے ساتھ لے کر نہیں جاسکتا بلکہ جو کچھ پہلے سے بھیج دیتا ہے وہی وہاں کام آئے گا، اسی کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ رکھ تو لیا اور یہی مفہوم ہے اس آیت کا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا

لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْراً وَّ اَعْظَمَ اَجْراً ﴾ جو نیک کام اپنے لئے تم کروگے تو اس کو اللہ کے پاس اجر وثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور فرماتے ہیں ﴿مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ﴾ یعنی جو تمہارے پاس ہے وہ مٹ جانے والا، ختم ہو جانے والا ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اس کو فنا اور زوال نہیں، جب ہم اپنے پاس رکھیں گے تو فنا ہو جائے گا، اور وہی چیز اگر اللہ کی راہ میں صرف کر دیا تو اس کو دوام اور بقا حاصل ہو گیا وہ کبھی فنا نہ ہو گی، اسی لئے جو شخص اللہ کی راہ میں جان قربان کر دیتا ہے اس کو حیات ابدی جاودانی حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوا بِھِمْ مِنْ خَلْفِھِمْ اَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ (اور اے مخاطب) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو (اور مردوں کی طرح) مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے اور وہ اس چیز سے خوش ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہے اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان کو بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

شہداء کی روحیں جنت میں سیر کرتی رہتی ہیں جنت کے پھل میوے کھاتی رہتی ہیں، ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہاری کوئی اور خواہش ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے ہم کو سب کچھ دے دیا ہم جنت کے میوے کھا رہے ہیں یہاں خوب خوش و خرم ہیں اب ہمیں کیا چاہئے، پھر پوچھا جاتا ہے کوئی اور بھی تمنا ہے؟ تو وہ شہداء کی روحیں کہتی ہیں کہ ہاں صرف ایک تمنا ہے وہ یہ کہ ہم کو دنیا میں پھر بھیج دیجئے تاکہ آپ کی راہ میں پھر ہمارا گلا کاٹا جائے اور پھر جنت میں آئیں اور پھر دنیا میں بھیجا جائے پھر شہید کیا جائے یہی معاملہ قیامت تک ہوتا رہے۔

سبحان اللہ! جنت کا عیش و راحت پانے کے بعد بھی اگر کوئی آرزو اور تمنا ہوگی تو شہادت کی اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے پر جو لذت و حلاوت حاصل ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ بار بار وہ اسی کی تمنا کریں گے، شہادت کا مقام بہت اونچا مقام ہے، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "مَنْ تَمَسكَ بِسُنتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِأَةِ شَهِیْدٍ" یعنی جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیگا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

بیشک یہ زمانہ ایسا ہی ہے کہ ہر طرف فساد ہی فساد ہے اس وقت جو لوگ سنت کے ساتھ تمسک کریں گے ان کو یقیناً سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ سے ملنے کا قریب تر راستہ اتباع سنت ہے، دوستو! میں نے اپنی جان کھپادی اور کوئی راستہ ایسا نہیں

چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو اور صدق نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح (راستہ) ہونا معلوم نہ کر لیا ہو مگر سنت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) پر عمل کرنے اور ذلت وانکساری والوں کے اخلاق پر چلنے اور سراپا حیرت واحتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) زیادہ محبوب نہیں پایا، صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا کیونکہ عاجزی تو ہر شخص آسانی سے حاصل کرسکتا ہے انسان تو سر سے پیر تک عاجز ہی ہے، اگر اور کوئی طریقہ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی، اللہ تعالیٰ کے پانے سے اپنی عاجزی (اور کمزوری) کو سمجھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کا پالینا ہے۔

آیئے! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو سنت کے ساتھ تمسک کی توفیق عطا فرمائے اور ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين،

مقام رسالت

اقتباس

سنئے! عام طور پر لوگوں کی نظر ولایت پر تو جاتی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں، تو ٹھیک ہے، سبحان اللہ کیا کہنا، ولایت کا بھی ایک مقام ہے، قرآن وحدیث میں اس کا بھی ذکر موجود ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کامل کے ساتھ تقویٰ سے متصف ہوتے ہیں وہ مقامِ ولایت پر فائز ہوتے ہیں، تو یہ بھی ایک مقام ہے مگر نبوت ورسالت کا مقام جو ولایت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے اس کو لوگ نہیں پہچانتے، نبوت اصل ہے اور ولایت اس کی فرع ہے۔ نبی ہی کی اتباع کر کے ولایت حاصل ہوتی ہے اور اتباع سنت ہی کی برکت سے آدمی مقامِ قرب تک پہنچتا ہے اور اسی سے اللہ کا ولی کامل ہوتا ہے اور راہِ سنت سے اگر انسان ہٹ جائے تو اللہ کا دشمن ہو جاتا ہے اس کو ولایت کیا حاصل ہو گی۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

اس کو مل ھی نھیں سکتا کبھی توحید کا جام

یعنی وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں

اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور مقام رسالت کا ذکر فرمایا ہے اس وقت آپ کے سامنے مقامِ رسالت ہی سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اس سلسلہ میں میری ایک پوری نظم ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

سنئے! عام طور پر لوگوں کی نظر ولایت پر تو جاتی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں، تو ٹھیک ہے، سبحان اللہ کیا کہنا، ولایت کا بھی ایک مقام ہے، قرآن وحدیث میں اس کا بھی ذکر موجود ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں (یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کامل کے ساتھ تقویٰ سے متصف ہوتے ہیں وہ مقامِ ولایت پر فائز ہوتے ہیں، تو یہ بھی ایک مقام ہے مگر نبوت ورسالت کا مقام جو ولایت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے اس کو لوگ نہیں پہچانتے، نبوت اصل ہے اور ولایت اس کی فرع ہے، نبی ہی کی اتباع کر کے ولایت حاصل ہوتی ہے اور اتباع سنت ہی کی برکت سے آدمی مقامِ قرب تک پہنچتا

ہے اور اسی سے اللہ کا ولی کامل ہوتا ہے اور راہِ سنت سے اگر انسان ہٹ جائے تو اللہ کا دشمن ہوجاتا ہے اس کو ولایت کیا حاصل ہوگی، اسی کو کہہ رہا ہوں ۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

جب تک مقامِ رسالت کی معرفت نہ ہوگی انسان مئے توحید سے سرشار نہیں ہوسکتا اس وقت اپنے ہی دو شعر یاد آگئے اسے سناتا ہوں ۔

ہم بھٹک جائیں تری راہ سے دوزخ یہی ہے
ہم تری راہ پہ لگ جائیں یہی جنت ہے
مئے توحید سے سرشار ہوں سنت ہے یہی
دل کسی غیر کو دے دیں تو یہی بدعت ہے

جس نے توحید کا جام پی لیا سبحان اللہ اس کا کیا کہنا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے توحید کا جام پیا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اللہ کے لئے اپنی جان، اپنا مال واولاد، اپنی عزت وراحت سب کچھ قربان کردیا، اسی کا ان کو یہ ثمرہ ملا کہ ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملتا تھا، ان کا جسم دنیا میں رہتا تھا مگر روح عرشِ اعظم کی سیر کرتی تھی اور بظاہر مخلوق میں شامل رہنے کے باوجود ہر وقت خدا سے واصل رہتے تھے اور بلاشبہ ان کی یہ شان تھی کہ.....ع

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل

اس امت کے بہترین لوگ

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں صحابۂ کرام کی شان بیان کی گئی ہے ایک بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے، مناسب مقام ہونے کی وجہ سے جی چاہتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کردیا جائے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تابعین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لاتومن علیه الفتنة اولٰئك اصحاب محمد ﷺ کانوا افضل هذه الامة ابرّها قلوباً واعمقها علماً واقلها تکلفاً اختارهم الله لصحبة نبیه ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علیٰ اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم، (رواه رزین)

یعنی جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو انتقال کرچکے ہیں (یعنی صحابۂ کرامؓ) کیونکہ زندہ آدمی دین میں فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ (جو انتقال کرچکے اور جن کی پیروی کرنی چاہئے وہ) آنحضرت ﷺ کے اصحاب ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور وہ بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی

رفاقت اور اپنے دین کی اقامت کیلئے منتخب کیا تھا، لہٰذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب واخلاق کو اختیار کرتے رہو، اس لئے کہ وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔

اس حدیث کے ہر ہر جملہ کی ملا علی قاریؒ نے وجد آفریں شرح فرمائی ہے اور صحابہ کرام کے اوصاف کی خوب ہی خوب وضاحت فرمائی ہے، سب سے اخیر میں فرماتے ہیں: **کانوا فرشیین بابدانهم عرشیین بارواحهم کائنین مع الخلق فی الظاهر بائنین عن الخلق مع الحق فی الباطن** ، یعنی وہ اجسام کے اعتبار سے فرش پر نظر آتے تھے مگر ان کی روحیں عرش کی سیر کرتی تھیں اور وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے مگر ان کے قلوب مخلوق سے کٹ کر واصل بحق رہتے تھے۔

سبحان اللہ! یہ شان تھی صحابہ کرامؓ کی اور یہ برکت تھی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحبت کی کہ مخلوق میں بھی شامل اور خدا سے بھی واصل رہتے تھے، یقیناً توحید کا جام وہ جام ہے جس کا اصلی مزہ صحابہ ہی نے چکھا۔

رسول اللہ ﷺ سے ان کو یہی توحید حاصل ہوئی تھی اور یہ مقام ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو سعید اور خوش بخت ہیں انہی کے لئے مقدر ہوتا ہے اس کو میں نے یوں کہا ہے ۔

یوں تو اس قادر قیوم کی رحمت ہے عام
پر مقدر سے ملا کرتا ہے توحید کا جام

بوالھوس تو ھی بتا......

اب لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو چھوڑ کر غیر اللہ کے قول سے دلیل پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے یہ کیا اور فلاں نے یہ کیا اور اس کو دین بناتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت کے مقابل میں کسی کا قول حجت نہیں۔

غیر کے فعل کو حجت تو بناتا کیوں ہے
وحی کے سامنے کیا چیز ہے کشف والہام
غوث وابدال وقطب اور امام و اوتاد
سب کے سب ہیں یہ بلاشبہ محمد کے غلام
اک طرف فخر رسُل اک طرف ان کا غلام
بوالہوس توہی بتا کس کا سنے گا پیام

ظاہر بات ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک ہو اور دوسری طرف فلاں ابن فلاں کا قول ہو تو حدیث پاک ہی کو حجت بنایا جائے گا، حضور اقدس ﷺ کا تو وہ مقام ہے کہ آپ کے قول کے سامنے کسی نبی کا قول بھی حجت نہیں، کیونکہ آپ کی شریعت سے تمام انبیاء کرام کی شریعتیں منسوخ ہو چکیں، لہٰذا اگر بالفرض کوئی نبی مرسل اس وقت زندہ ہوتا تو وہ بھی آپؐ ہی کا اتباع کرتا، حدیث پاک میں ہے خود حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ”لو کان موسیٰ حیّاً ما وسعہ اِلّا اتباعی “یعنی اگر موسیٰ

(علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی اتباع کرنی ہوتی۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یوں کہلوایا۔

خود ہی فرماتے ہیں سرکار دوعالم، سن لے
کچھ نظر آئے تجھے تاکہ محمد کا مقام
ہوتے موسیٰ بھی جو زندہ تو نہ چارہ تھا کوئی
بجز اس کے کہ کریں پیروئ خیر الانام
مرحبا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اللہ اللہ یہ رتبہ ہے یہ ہے ان کا مقام
ان کے دربار میں جبریل امیں آتے تھے
لاتے تھے عرش معظم سے خدا کا پیغام

ہم لوگوں کو حضور اقدس ﷺ کی معرفت نہیں کہ عنداللہ آپ کا کیا مرتبہ ہے اور کس درجۂ علیا پر آپ فائز ہیں، اگر آپؐ کی معرفت ہوتی تو آپ کی سنت کے مقابل کسی کے قول کو ہرگز حجت نہ بناتے، سنئے! سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے اور تمام رسولوں کی ہم تصدیق کرتے ہیں یقیناً اللہ کے سب رسول برحق ہیں، اگر کسی ایک رسول کا بھی کوئی شخص انکار کرے گا تو اسلام سے خارج ہو جائے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ امام الانبیاء سید المرسلین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں اس لئے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ کی اتباع لازم ہوتی،

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کی شریعت کا اتباع کریں گے، پس جب ایسے اولوالعزم پیغمبروں کے بارے میں یہ حکم ہے پھر ہم لوگ تو حضور ﷺ کے امتی ہیں ہم نے آپ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے، اس لئے ہم پر تو آپ کا اتباع بہر حال لازم وضروری ہے، مگر ہائے افسوس! ہمارا کیا حال ہو رہا ہے اور ہم کدھر جا رہے ہیں کہ ایک طرف تو آپ کی امت میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ سے عشق و محبت کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کی سنت کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو حجت بناتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ہم کہاں تھے اور کہاں پہنچ گئے۔

اتباع رسول میں کمی کا سبب

واللہ یہ ناممکن ہے کہ حضور سے محبت ہو اور پھر آپ کے حکموں کا اتباع نہ کرے، بدون اطاعت کے محبت کا دعویٰ غلط ہے کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔

لو كان حبك صادقاً لاطعته　　　ان المحب لمن يحب يطيع

یعنی اگر تمہاری محبت صادق ہوتی تو تم اپنے محبوب کی اطاعت و فرمانبرداری ضرور کرتے اس لئے کہ ہر محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

پس جس کو رسول سے سچی محبت ہوگی وہ ضرور اس کو اتباع سنت وشریعت کی طرف کھینچے گی، آج جو اتباع رسول میں کمی ہے اس کا اصل سبب محبت رسول میں کمی ہے، ہم اپنے دعوئ محبت میں سچے نہیں ہیں کیونکہ محبت

رسول میں صدق کے لئے اتباع سنت لازم ہے، اس وقت مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

ہیں صادق آپ گر اے دوست اقرار محبت میں
طلب خود کر لئے جائیں گے دربار محبت میں

اشعار : تبلیغ دین کا ایک ذریعہ

سنئے! یہ جو اشعار میں پڑھ رہا ہوں اس میں بھی دین کی دعوت و تبلیغ ہے اور مبلغ و داعی کا کلام خواہ نظم میں ہو یا نثر میں، اس میں بات اللہ اور اس کے رسول کی ہونی چاہئے، اور شریعت و سنت کی ترجمانی ہونی چاہئے، اللہ و رسول کی بات جس طرح نثر میں پیش کی جاتی ہے اسی طرح نظم میں بھی پیش کی جاسکتی ہے بلکہ بسا اوقات نظم زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

اشعار اور صحابۂ کرامؓ

"اسوۂ صحابہ" ایک کتاب ہے جس میں صحابۂ کرامؓ کے حالات درج ہیں، اس میں لکھا ہے کہ بجز چند صحابہ کے تمام صحابۂ کرام نے خود اشعار کہے ہیں اور دوسروں سے بھی سنا ہے البتہ ان اشعار میں اللہ و رسول کی باتیں اور دین کی دعوت ہوتی تھی، اب ہم آپ کے سامنے "اسوۂ صحابہ" سے کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں :

"صحابۂ کرامؓ اگرچہ اکثر ملکی مہمات، مذہبی خدمات اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے تاہم ان میں شعر و سخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا، اس

لئے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے، دوسروں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلے پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت میں صحابۂ کرامؓ زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، اشعار پڑھتے تھے، ہنستے تھے اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ ان کی مجالس میں عام طور پر شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا اور یہ ان کی زندہ دلی کی ایک بڑی علامت تھی چنانچہ "ادب المفرد" میں ہے "لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متخرقین ولا متماونین وکانوا یتناشدون الشعر فی مجالسھم ویذکرون امر جاھلیتھم" یعنی صحابۂ رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

خلفاء میں حضرت عمرؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی ملکی مہمات میں مصروف رہتے تھے تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ بھی تھے، لوگوں نے حضرت خوات سے کہا کہ ضرار ابن خطاب کے اشعار سناؤ، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو، چنانچہ وہ صبح تک مسلسل اپنے اشعار پڑھتے رہے صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب بس کرو، ایک دفعہ حضرت

عبداللہ ابن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔

یہ ذوق صرف سنے سنائے اشعار پر موقوف نہ تھا بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ یاد آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگرچہ زہد مجسم تھے تاہم شعر و سخن کے بڑے اداشناس تھے اور خود شعر کہتے تھے چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا ہے۔

اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے متعدد منتخب اشعار نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہ ہیں سب کے سب شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے چنانچہ زمانہ حال کے ایک مصنف نے جمہرۃ العرب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''فلم یبق من الصحابة من لم یقل الشعر او یتمثل به'' یعنی کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو یا نہ پڑھا ہو'' (اسوۂ صحابہ حصہ دوم ص/۳۶۱)

کفار و مشرکین جب رسول اللہ ﷺ پر اپنے اشعار میں طعن کیا کرتے تھے تو حضرت حسان اور دیگر صحابہ کرامؓ اشعار ہی سے ان کا جواب دیا کرتے تھے اور جبرئیل امین ان کی تائید کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو اشعار دینی مضامین پر مشتمل ہوں ان کے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، سلف صالحین اور

اکابر امت نے دین کی دعوت اور اصلاحی مضامین پر مشتمل اشعار خلوت و جلوت میں پڑھے ہیں اور لوگوں کو اس سے محظوظ و متاثر کیا ہے اور بزرگان دین نے تصوف و سلوک کے بہت سے اعلیٰ و ارفع مضامین اشعار میں بیان فرمائے ہیں، فارسی زبان میں ''مثنوی مولانا روم'' میں کیسے کیسے مضامین موجود ہیں جس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بڑے بڑے مشائخ کی مجلسوں میں جاری و ساری ہے البتہ وہ اشعار جس میں گناہ کی باتیں ہوں، منکرات و فواحش ہوں ان کا پڑھنا جائز نہیں اور ایسے ہی اشعار کی مذمت نصوص میں وارد ہے، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اِلاَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً وَّ انْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ یعنی شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب! کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں (ٹکریں مارتے تلاش مضامین میں) پھرا کرتے ہیں اور (جب کوئی مضمون مل جاتا ہے تو چونکہ اکثر خلاف واقعہ ہوتا ہے اس لئے) زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، ہاں مگر جو لوگ (ان شاعروں میں سے) ایمان لائے اور اچھے کام کئے (یعنی شرع کے خلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضامین نہیں ہیں) اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا (یعنی تائید دین اور اشاعتِ علم میں ان کے اشعار ہیں یہ سب ذکر اللہ میں داخل

ہیں) اور (اگر کسی شعر میں بظاہر نامناسب مضمون ہے جیسے کسی کی ہجو اور مذمت جو بظاہر اخلاق کے خلاف ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ) انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے اس کا بدلہ لیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ کفار یا فساق نے اول ان کو زبانی تکلیف پہنچائی، مثلاً ان کی ہجو کی یا دین کی توہین جو اپنی ہجو سے بھی بڑھ کر تکلیف کا سبب ہے، یا ان کے مال کو یا جان کو ضرر پہنچایا، تو یہ لوگ مستثنیٰ ہیں کیونکہ انتقامی طور پر جو شعر کہے گئے ہیں ان میں بعض تو مباح ہیں اور بعض اطاعت و کار ثواب ہیں (تفسیر بیان القرآن) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مطلق اشعار کہنا مذموم نہیں بلکہ بعض اشعار مباح اور بعض موجب اجر و ثواب بھی ہوتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ بہت سے حضرات وہاں جمع تھے اور میں بھی موجود تھا، ان میں سے ایک صاحب شعراء کی مذمت کرنے لگے، تو میں نے کہا کہ مذمت ان شعراء کی ہے جو کتاب و سنت کے خلاف اشعار کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس شعر میں گناہ کی باتیں ہوں، ہنسی مذاق ہو یا کسی کی ہجو و مذمت ہو وہ یقیناً مذموم ہوگا، لیکن وہ اشعار جو کتاب و سنت کے موافق ہوں اور ان میں دین کی دعوت و تبلیغ ہو، ان کو کیسے مذموم کہا جا سکتا ہے لہٰذا شعراء کی مطلقاً مذمت صحیح نہیں جبکہ اہل اللہ نے اور صحابۂ کرامؓ نے اشعار کہے ہیں اور

نبی کریم ﷺ نے اشعار سنے ہیں جیسا کہ حسان ابن ثابتؓ کے بارے میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر اشعار سناتے تھے اور روح القدس آپ کی تائید فرماتے تھے اہل اللہ جن کے دل میں اللہ کی محبت ہے اور وہ اس سے مست و مخمور ہیں ان کے کلام کی دوسری ہی شان ہوتی ہے اس لئے کہ وہ حالی میدان میں گشت کرتے ہیں یعنی ان پر عشق و محبت کا ایک حال غالب ہوتا ہے اس میں وہ اشعار کہتے ہیں اور شعراء جو محض خالی میدان میں گشت کرتے رہتے ہیں ان کے کلام میں اور اللہ والوں کے کلام میں بہت فرق ہے۔

برسوں کی راہ پل بھر میں

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں جیسے آسمان بالکل صاف و شفاف ہو، دھوپ نکلی ہو اور بادل کا کہیں نام و نشان نہ ہو پھر اچانک بادل گھر آوے اور خوب بارش ہونے لگے، ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں تو دونوں حالتوں میں کتنا فرق ہے، اسی طرح جب اہل اللہ پر حال طاری ہوتا ہے تو ان کی کچھ اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے اور اس کیف و حال میں ڈوب کر جو کلام ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کی گہرائی میں اتر جاتا ہے، بعض دفعہ اسی کیف و حال کی برکت سے برسوں کی راہ پل بھر میں طے کرا دیتے ہیں، چنانچہ بزرگان دین اثنائے ذکر میں بھی اشعار پڑھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دل میں جوش مارتی ہے اور عشق الٰہی موجزن ہوتا ہے۔

اخلاص سے کھی ہوئی بات اثر رکھتی ہے

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ لوگ رسول کو نہیں مانتے تو میں نے ان سے کہا کہ اس کے جواب میں اس وقت میں اپنا ایک شعر آپ کے سامنے پڑھتا ہوں اسی سے میرا عقیدہ معلوم ہو جائے گا اس کو سن لینے کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ جو خیال چاہیں قائم کریں، پھر میں نے یہی شعر پڑھا ۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

ہم مسلمان ہیں قرآن پر ہمارا ایمان ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ تو جو شخص قرآن کو مانتا ہے وہ اگر حضور اقدس ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتا تو وہ مومن ہی نہیں اس لئے کہ اس میں قرآن کی آیت کا انکار ہے اسی کو میں نے یوں کہا ہے ۔

اللہ کا انکار ہے انکار محمدؐ
اقرار ہے اللہ کا اقرار محمدؐ
گر دیدۂ بینا ہو عطا تو نظر آئے
انوار الٰہی سے ہیں انوار محمدؐ
ہو جاتے تھے اصحاب ادب سے ہمہ تن گوش
اس طرح سنا کرتے تھے گفتار محمدؐ

کیا پوچھتے ہو ان کے مدارج کی نہیں تھاہ
انصار محمدؐ ہیں یہ انصار محمدؐ

میں سچ کہتا ہوں کہ بہت سے ایسے لوگ جو صحیح العقیدہ نہیں تھے ان کے سامنے میں نے صرف اپنے اشعار پڑھے اور کوئی دوسری بات نہیں کی، صرف انہی اشعار کو سن کر وہ تائب ہو گئے اور ان کا عقیدہ صحیح ہو گیا پھر آ کر میری مجلس میں شریک ہونے لگے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دین اسلام کا مدار کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ہے، اس کلمہ میں توحید کے بعد رسالت کا ذکر ہے، توحید و رسالت کی تصدیق ایمان کہلاتی ہے، مخلوق میں سب سے اعلیٰ و برتر مقام جناب رسول اللہ ﷺ ہی کا ہے، آپ کی شان یہ ہے کہ مخلوق کے اندر جتنے کمالات ممکن ہیں وہ سب آپ کے اندر جمع ہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقَّهٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کے شایان شان آپ کی تعریف و توصیف ممکن ہی نہیں بس قصہ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے اعلیٰ و ارفع مقام آپ ہی کا ہے۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کے اندر جو کمالات الگ الگ موجود تھے وہ سب آپ کی ذات اقدس میں ایک ساتھ جلوہ گر تھے جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے ۔

حسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کے مقام کی معرفت کے لئے معراج کا واقعہ بھی بین ثبوت ہے، سنئے! حضور اقدس ﷺ جب معراج میں تشریف لے جانے لگے اور بیت المقدس میں پہنچے تو وہاں پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو آپ کے اکرام کے لئے جمع فرمادیا تھا وہاں پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی پھر نماز کے لئے صفیں تیار ہو کر کھڑی ہوئیں (نبیوں کی سات صفیں تھیں جن میں سے تین صفیں رسولوں کی تھیں اور ان حضرات کے ساتھ فرشتے بھی نماز میں شریک تھے) صفیں تیار کھڑی تھیں لیکن سب اس کا انتظار کر رہے تھے کہ نماز کون پڑھائے، جبرئیل امین نے حضور اقدس ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ کر امامت کے لئے آگے بڑھادیا اور آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی (پہلی رکعت میں ﴿قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کی تلاوت فرمائی)

پھر وہاں سے آپ حالتِ بیداری ہی میں، آسمان پر تشریف لے گئے اور مختلف آسمانوں پر بہت سے انبیاء کرامؑ سے آپ کی ملاقات ہوئی، چنانچہ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ نے معراج کی رات میں جنت و دوزخ کے احوال کو دیکھا اور ہر آسمان پر بیشمار ملائکہ کو بھی دیکھا، پھر تمام آسمانوں سے گذر کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے وہاں پہنچ کر جبرئیل امین اس سے آگے بڑھنے سے عاجز رہ گئے اس لئے کہ اس مقام سے آگے بڑھنے کی کسی مقرب فرشتہ کو بھی اجازت نہیں، مگر انبیاء کے سردار اس سے بھی آگے بڑھے اور جہاں تک اللہ کو منظور ہوا تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے پھر واپس تشریف لائے۔

صدیق کی صداقت

جب صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا قریش نے اس پر بہت تعجب کیا اور آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کو جھٹلایا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بعض کافروں نے کہا کہ دیکھو تمہارے نبی تو اب یہ کہتے ہیں کہ آسمان پر گئے تھے اور چلے آئے تو کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جب ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور اللہ کا پیغام لے کر فرشتہ آسمان سے زمین پر آتا ہے تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ زمین سے آسمان پر تشریف لے جائیں، اس لئے اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو بیشک ہم اس میں بھی آپ کی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب اسی

دن سے صدیق پڑ گیا۔

صراط مستقیم کیا ہے؟

پس جب آپ امام الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کی اقتدا فرمائی ہے تو ہم لوگوں کو جو کہ آپ کی امت ہیں چاہئے کہ حضور اقدس ﷺ کی پوری پوری پیروی کریں اور ہر امر میں آپ کی اتباع کو لازم پکڑیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ جس چیز کا تم کو امر کریں اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے جملہ اوامر کا انتثال اور تمام نواہی سے اجتناب امت کے لئے لازم اور ضروری ہے اور یہی صراط مستقیم ہے جس کا سوال ہم اللہ تعالیٰ سے روزانہ اپنی نمازوں میں کرتے ہیں یعنی ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو اپنی زبان سے دُہراتے ہیں ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ یعنی بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ کا غضب نازل ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے بھٹک گئے۔

انعام یافتہ حضرات

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مُنعَم علیہم کا راستہ اختیار کرنا مطلوب ہے اور

انہی لوگوں کا راستہ اختیار کرنا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے پس یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ لوگ کون ہیں؟ ان کی تفصیل اللہ تعالیٰ خود دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ اور وہ لوگ جو اللہ ورسول کا کہنا مان لیں گے تو وہ ایسے حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

ان سب میں اعلیٰ و ارفع مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے جس میں رئیس الانبیاء و امام المرسلین حضور اقدس ﷺ کی ذات اعلیٰ صفات ہے، اس کے بعد صدیقین کا مقام ہے، صدیقین سے مراد اولیاء و مقربین ہیں جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے دین کو زندہ کئے ہوئے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ جس دین کو حضور اقدس ﷺ لے کر آئے ہیں اس پر ایک نقطہ بھی رکھ سکے، یعنی صدیقین کی جماعت وہ ہے جو دین کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں، اللہ تعالیٰ سے ان کا ایک خاص تعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے وہ ہر وقت سینہ سپر رہتے ہیں اور بالکل قدم نبوت پر ہوتے ہیں۔

ان کے بعد شہداء ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی، پھر صالحین ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں واجبات میں بھی

اور مستحبات میں بھی جن کو نیک اور دین دار کہا جاتا ہے، اور ان سب کے ذکر کے بعد اخیر میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ یہی لوگ بہترین رفیق ہیں اس میں اس بات کی جانب ترغیب ہے کہ ان کی رفاقت اختیار کرو اور ان کے ساتھ ہو کر چلو تو تم بھی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے اور اللہ سے واصل ہو جاؤ گے، اس لئے کہ صراط مستقیم انہی کا راستہ ہے اور یہی جنت کا سیدھا راستہ ہے جو اس پر چلے گا وہ جنت تک پہنچ جائے گا میرا اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آیئے

سکونِ دل حاصل کرنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ یعنی اور یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) یہ دین (اسلام اور اس کے تمام احکام) میرا راستہ ہے (جس کی طرف میں باذن الٰہی دعوت دیتا ہوں) جو کہ (بالکل) مستقیم (اور راست) ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا (اور دور) کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کے خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو (بیان القرآن)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک

سیدھی لکیر کھینچی اور اس سیدھی لکیر کے اِدھر اُدھر بھی کچھ لکیریں کھینچیں اس کے بعد سیدھی لکیر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اور اِدھر اُدھر کی لکیروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ جہنم کے راستے ہیں جن کی طرف شیطان کھینچ کر لے جاتا ہے۔

اللہ کے جو سچے بندے ہیں وہ تمام شیطانی راستوں سے بچ کر سیدھے راستہ پر چلے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں، جو صراط مستقیم پر ہوتا ہے اس کو ہدایت پر ہونے کی وجہ سے ایسی طمانینت اور ایسا سکون قلب حاصل ہوتا ہے کہ کسی کے لعن طعن اور کہنے سننے کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوتا اور وہ سیدھے راستہ پر چل کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

بھائیو، سنو! جو صراط مستقیم پر اٹل ہو گیا اس کا کیا کہنا، اللہ کی رحمت اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

صحابۂ کرامؓ کی تاریخ اٹھا کر پڑھئے تو ان کی استقامت کا حال معلوم ہو کہ انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، سینے پر پتھر رکھے جاتے تھے، بدن میں کانٹے

چبھوئے جاتے تھے، شدت کی دھوپ میں کانٹوں پر گھسیٹے جاتے تھے، پھر بھی اَحد اَحد ہی کی صدا لگاتے تھے اس لئے کہ انہوں نے اسلام کو دین برحق سمجھ کر قبول کیا تھا اور اسی پر مرتے دم تک ثابت قدم اور اٹل رہے، حتیٰ کہ اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت، اپنی اولاد ساری چیزوں کو انہوں نے دین اسلام پر قربان کر دیا، عشق و محبت کا اصلی رنگ اور جاں نثاری و فدائیت کا حقیقی نمونہ اگر دیکھنا ہو تو صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ انہوں نے جبل استقامت بن کر سارے عالم کو دکھا دیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بھی ایسے ایسے انعامات ہوئے کہ دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری ان کو سنائی گئی اور رضاء الٰہی کا پروانہ ان کے لئے نازل ہوا ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

صحابہ کرامؓ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے بہت کچھ کہلوایا ان میں سے چند اشعار اس وقت پیش کرتا ہوں۔

غلامان سرکار یاد آرہے ہیں وہ اعوان و انصار یاد آرہے ہیں
جو چون و چرا جانتے ہی نہیں تھے خدا کے وفادار یاد آرہے ہیں
جو پیتے تھے ہر دم شرابِ محبت وہی مجھ کو میخوار یاد آرہے ہیں
مسخر ہوئے جن سے اغیار کے دل وہ اخلاق و کردار یاد آرہے ہیں
خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے محبت کے بیمار یاد آرہے ہیں
محبت صحابہ کی پیدا ہو جن سے وہ اخبار و آثار یاد آرہے ہیں

قرآن کریم میں آج بھی وہی تاثیر ہے

میں نے پرسوں الٰہ آباد میں بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت جو تیس نفر پر مشتمل تھی سفر میں گئی اور عرب کے کسی قبیلہ میں قیام کیا اور ان لوگوں سے مہمان داری چاہی مگر انہوں نے ان حضرات کی ضیافت نہیں کی، پھر واقعہ یہ پیش آیا کہ اس قبیلہ کے سردار کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا، بہت سے اطباء علاج کے لئے بلائے گئے اور انہوں نے ہر ممکن کوشش کی، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور امیر کو کسی طرح شفا نہیں ہو رہی تھی، کسی نے کہا کہ تم لوگ اگر اس جماعت کے پاس جاؤ جو باہر سے آکر ٹھہری ہوئی ہے تو شاید ان میں سے کوئی اس مرض کو دور کرنے کا منتر جانتا ہو، جاؤ ذرا پوچھو تو سہی چنانچہ لوگوں نے جاکر ان حضرات سے کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ان کی شفا کے لئے ہر ممکن تدبیر کی، لیکن کوئی کارگر نہ ہوئی، کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کا منتر ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ ہاں! بخدا میں اس کا منتر جانتا ہوں مگر چونکہ تم لوگوں نے ہماری مہمانی کا حق ادا نہیں کیا اس لئے جب تک تم کوئی معقول اجرت نہ مقرر کرو گے ہم تمہارے امیر کو دم نہ کریں گے چنانچہ ان لوگوں نے تیس بکریاں دینا منظور کیا ایک روایت میں سو (۱۰۰) بھی آیا ہے تو جاکر سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا اسی وقت امیر ہوش میں آگیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس طرح چلنے پھرنے لگا گویا کہ اس کو کوئی مرض ہی لاحق نہ ہوا تھا پھر شرط کے مطابق ان کو بکریاں

دے کر رخصت کیا۔

اب صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا کہ ان بکریوں کا کھانا کیسا ہے؟ کسی نے کہا کہ ان کو آپس میں تقسیم کرلیا جائے، مگر جنہوں نے دم کیا تھا انہوں نے کہا کہ بھائی ان کو اس وقت تک تقسیم نہ کرو جب تک کہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اس واقعہ کا ذکر نہ کرلیں، پھر ہم انتظار کریں کہ آپ ہمیں اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ یہ طے کر کے چلے جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور پورا واقعہ ذکر کیا تو آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوگیا کہ سورۂ فاتحہ اس زہر کا منتر ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا اس کو تقسیم کرو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ۔

بھائی سنو! کلام پاک میں آج بھی وہی تاثیر موجود ہے مگر ہمارے پاس زبان نہیں اور ہمارے سینوں میں وہ دل نہیں جس سے صحابہ کرامؓ اور اہل اللہ تلاوت کرتے تھے، اس لئے پہلے اپنی زبان کو پاک کرو اور دل کو صاف کرو اس کے بعد جب کلام اللہ کی تلاوت کروگے تو اس کا اثر ہوگا، اللہ والوں کی زبان میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ظاھر اور باطن کا فرق

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے مواعظ میں یہ واقعہ میں نے پڑھا ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے صاحب زادے جب فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے تو ان کا وعظ ہوا اور بہت دیر تک بیان ہوا،

بہت سی عمدہ عمدہ باتیں بیان فرمائیں لیکن کسی پر کچھ اثر نہ ہوا، رمضان کا زمانہ تھا ان کو خیال ہوا کہ میں نے اتنا لمبا بیان کیا، قرآن کی آیتیں پڑھیں، حدیثیں پڑھیں، بزرگوں کے واقعات سنائے مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا آخر کیا بات ہے؟ پھر اس کے بعد حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ خود مجلس میں تشریف لائے آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ بھائی میری سحری کے لئے دودھ رکھا ہوا تھا، رات میں بلی دودھ پی گئی اس وجہ سے آج میں نے بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا، اتنا کہنا تھا کہ سارے مجمع پر گریہ طاری ہو گیا، سب لوگ رونے لگے عجیب حال ہو گیا گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ گیا۔

حضرت شیخؒ کی زبان میں وہ اثر تھا جس سے سارا مجمع متاثر ہو گیا، تو آخر کیا بات تھی؟ بات یہ تھی کہ آپؒ کے دل میں وہ درد و سوز تھا جس کا اثر لوگوں کے قلوب پر پڑتا تھا، حضرت شیخ المشائخؒ نے اپنے اس حال سے ظاہر فرمایا کہ علم اور چیز ہے اور یہ باطنی دولت و کیفیت اور چیز ہے، اللہ والے جب بولتے ہیں تو اللہ ہی کے لئے بولتے ہیں اور قرآن و حدیث سے خود متاثر ہو کر بولتے ہیں اس واسطے ان کے بولنے میں اثر ہوتا ہے اور جس طرح اللہ والوں کی زبان میں اثر ہوتا ہے اسی طرح ان کی آنکھ میں بھی اثر ہوتا ہے، حق تعالیٰ ان کو نور فراست عطا فرماتے ہیں جس سے حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا

ٹپکتا ہے، تو یہ نور فراست ہی تھا۔

حدیث شریف میں بدنگاہی کو آنکھ کا زنا فرمایا گیا ہے، اس کا اثر آنکھ میں رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں پر مکشوف فرمادیتے ہیں، اللہ والوں کے پاس بہت سنبھل کر جانا چاہیے اور اپنے دل کو بدلنے کے لئے اور علم وعمل میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے جانا چاہیے، بھائی اخلاص ہی عمل کی روح ہے، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد آیا، سنئے ؂

عمل کی روح ہے اخلاص، جب تک یہ نہ حاصل ہو
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

اہل اللہ کا یہی کمال ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے نقل فرمایا ہے کہ شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کے درس میں ایک لڑکا آیا کرتا تھا جو ذرا آزاد قسم کا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس کو غسل کی حاجت تھی اور اسی حال میں کتاب لے کر درس میں شرکت کے لئے آنے لگا، شاہ صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے، اس لڑکے کو مسجد کے دروازے پر دیکھا تو حضرتؒ پر اس کا حال منکشف ہو گیا چنانچہ معاً فرمایا کہ وہیں کھڑے رہو، مسجد میں نہ آؤ، پھر باقی طلباء جو شاہ صاحبؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان سے فرمایا کہ بھائی چلو آج دریا میں نہا آئیں چنانچہ سب لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے، حضرت شاہ صاحبؒ کے اس انداز سے وہ طالب علم بہت متأثر ہوا اور تنہائی میں جا کر حضرت سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔

اہل اللہ کا یہی کمال ہے کہ شریعت کا بھی پورا پورا پاس ولحاظ فرماتے ہیں اور بندگان خدا کی بھی رعایت فرماتے ہیں اور حتی الوسع کسی کی پردہ دری اور رسوائی نہیں چاہتے اور حلم و عفو اور ستر میں بھی متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ گنہگاروں کی ستاری فرماتے ہیں، اسی کو مولانا رومؒ مناجات میں یوں فرماتے ہیں۔

جرم من آرم تو معذاری کن من گنہ آرم تو ستاری کن

یعنی ہم جرم کرتے ہیں اور آپ عذر قبول فرماتے ہیں اسی طرح ہم گناہ کرتے ہیں اور آپ ستاری فرماتے ہیں۔

جرمہا بینی وخشمے ناوری اے بقربانت چہ نیکوداوری

خطائیں دیکھتے ہیں اور غصہ نہیں ہوتے، آپ کس قدر اچھے مالک ہیں آپ پر سو جان سے قربان ہونا چاہیئے۔

فراست مومن کا ایک واقعہ

اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ باطن میں ایک نور عطا فرماتے ہیں جس سے وہ لوگوں کے قلوب کو دیکھتے ہیں، چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عبا چوغہ پہن کر، عمامہ باندھ کر حمائل گلے میں لٹکا کر تسبیح پڑھتا ہوا آیا اور آکر ان سے سوال کیا کہ حضرت ایک حدیث کا مطلب دریافت کرنے آیا ہوں، اس کو بہت سے علماء سے پوچھا کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا، انہوں نے فرمایا پوچھو! تو عرض کیا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اِتَّقُوْا

فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ" مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اس حدیث میں جس فراست کا ذکر ہے اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے برجستہ فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہودی ہو اور علماء کا لباس پہن کر حمائل گلے میں لٹکا کر مجھ کو دھوکہ دینے کے لئے آئے ہو اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد وہ فوراً تائب ہو گیا اور انہی بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور کلمہ پڑھ لیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه (ﷺ)

نور باطن کہاں ملتا ہے؟

یہی وہ نور ہے جو رسول اللہ ﷺ سے وراثتاً منتقل ہو کر سینہ بسینہ چلا آرہا ہے اور اسی کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "مالا بد منہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینۂ درویشاں باید جست وبداں نور سینۂ خود را منور باید گردانید" یعنی نبی کریم ﷺ کے نور باطن کو اولیاء کاملین کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہئے اور اس نور سے اپنے دلوں کو منور کرنا چاہئے۔

"مالا بد منہ" فقہ کی کتاب ہے لیکن اس کے اخیر میں قاضی صاحب نے "کتاب الاحسان" کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں سلوک کے مسائل بیان فرمائے ہیں اور نسبت احسان کی طرف متوجہ فرمایا ہے چنانچہ اس میں فرماتے ہیں کہ "ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام بود، اما حقیقت و مغز ایں

از درویشاں باید جست" یعنی شروع کتاب سے یہاں تک جو کچھ کہا گیا ایمان واسلام کی صورت ہے لیکن اس کی حقیقت اور مغز کو درویشوں کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہئے۔

اس سے مراد وہی نسبت احسان اور نور فراست ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس سے بہرہ ور فرمائے۔

بھائی! جب آدمی اطاعت و عبادت کرتا ہے اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہتا ہے تو اس سے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے، اسی طرح معصیت سے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے، ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ولی ہو جاتے ہیں اس کو نور عطا فرماتے ہیں اس کی روشنی میں وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی طے کراتا ہے۔

استغراقی کیفیت والا کار نبوت انجام نہیں دے سکتا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر اللہ کے ذکر سے ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے

جس میں وہ مستغرق رہتے ہیں ان کو کسی کا ہوش نہیں رہتا پھر ان ہی میں سے جن سے اللہ تعالیٰ دین کی خدمت لینا چاہتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا کام سپرد کرنا چاہتے ہیں تو اس کو ہوش میں لاتے ہیں، اس لئے کہ استغراقی کیفیت والا کار نبوت نہیں انجام دے سکتا کیوں کہ اس کے لئے کامل ہوش کی ضرورت ہے اس لئے اس کو ہوش میں لا کر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان بٹھلا دیتے ہیں اور بولنے کا حکم فرماتے ہیں پھر وہ اللہ کے حکم سے بولتا ہے تو اس کے کلام سے لوگوں کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے وہ ایسے مقام پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کامل توجہ اور حضوری اس کو حاصل رہتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مخلوق کی طرف بھی متوجہ رہتا ہے اور لوگوں میں ملاجلا رہتا ہے، حضور ﷺ کی شان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، یہ ان کے نائبین کا حال بیان کر رہا ہوں۔

اس زمانہ کا کیا حال ہوگا؟

حضرت غوث پاکؒ برسہا برس تک مجاہدات میں رہے اور سکوت کی حالت میں وقت گذرا نہ معلوم کتنے صحرا اور بیابان کی خاک چھانی، خلوت میں ذکر کرتے اور رات کی رات اللہ کی عبادت میں گذارتے رہے، اس کے بعد جب بغداد تشریف لائے تو جمعہ کا دن تھا، بغداد کی جامع مسجد میں پہلا بیان آپ کا ہوا اور لوگوں پر بہت اثر ہوا، جب وعظ کہنے کے لئے آپ تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک باغ کے اندر دیکھا کہ شیطان چادر اوڑھے ہوئے

لیٹا ہے آپ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ابلیس ہوں، آپ نے پوچھا کہ تم کو فرصت کیسے مل گئی جو اس قدر اطمینان سے سو رہے ہو؟ تو اس نے کہا اب تک میں نے بہت محنت کی اب بہت سے لوگوں کو کام پر لگا دیا ہے اس لئے سوچا کہ تھوڑا آرام کر لوں، تو حضرت نے فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، پھر ڈانٹ کر فرمایا کہ سچ سچ بتلا دے کہ تو یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ تب اس نے کہا کہ حضرت! میرے بہت سے شاگرد علماء و مشائخ کے لباس میں پیدا ہو گئے ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے بہکا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صرف علماء و مشائخ کا لباس اختیار کر لینا اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کہنے لگنا کافی نہیں، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ابلیس کا کام انجام دیتا ہو اور بظاہر علماء کی صف میں شمار ہوتا ہو۔

اور جب غوث پاکؒ کے زمانہ کا یہ حال تھا تو اب اس دور کا حال کیا ہوگا آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میں تو گونگا تھا آپ مجھ کو مخلوق میں لائے اور مجھ سے بلوایا، سو، اَے اللہ! میرے بولنے میں اثر ہو اور اس سے مخلوق کو نفع ہو تو خیر، ورنہ مجھے اسی گمنامی میں لوٹا دیجئے۔

یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم بن جانے کے بعد یہ لازم نہیں کہ فوراً منبر پر بیٹھ جائے اور وعظ کہنے لگے بلکہ عالم کے لئے بھی لازم اور ضروری ہے کہ پہلے اللہ والوں کے پاس جا کر دل کو درست کرے اور دل کو دل بنائے تب اس

کی زبان میں اثر ہو گا۔

میرا اپنا ہی ایک شعر ہے سنئے ۔

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے　　　　　　دل مشکل سے بنتا ہے دل

اور اہل اللہ کی خدمت میں جا کر دل بنتا ہے ۔

بے عنایات حق و خاصان حق　　　　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

اور واقعی جب دل میں اللہ سے تعلق اور ان کے ساتھ نسبت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس کا بولنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے جس سے سامعین پر ایک خاص اثر ہوتا ہے میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں اور یہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کو ڈالا ہے، کہ جس طرح پانی کا نل لگا ہوا ہو اور اس کے نیچے کوئی برتن رکھ کر ٹونٹی کھول دی جائے اور ابھی تھوڑا سا پانی اس میں جمع ہو تو اس کو گرا دے پھر جب تھوڑا جمع ہو جائے تو اس کو بھی گرا دے، اسی طرح تھوڑا تھوڑا پانی گراتا رہے تو وہ برتن کبھی بھرنے نہ پائے گا اور اگر برتن کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور ٹونٹی سے پانی اس میں بھرتا رہے تو ایک وقت ایسا ہو گا کہ وہ برتن لبریز ہو کر اس کے ہر طرف سے پانی بہنا شروع ہو جائے گا، اور اب اس پانی کے بہنے میں برتن کے اختیار کا کوئی دخل نہ ہو گا، بلکہ وہ پانی کو روکنا چاہے گا تب بھی نہ رکے گا، بالکل اسی طرح سے کچھ دنوں تک ذکر اللہ میں مشغول رہنے، اللہ اللہ کرنے اور بزرگوں کی صحبت میں رہنے کے بعد دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے

اور ایک خاص جذبہ اور داعیہ ابھرتا ہے اور بے اختیار ہو کر بولنے لگتا ہے اور اس کا یہ بولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں اس کے اختیار کا کچھ دخل نہیں ہوتا، وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، بلکہ منجانب اللہ اس کی زبان پر قرآن وحدیث کی باتیں جاری کی جاتی ہیں اور اس سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی شان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ یعنی وہ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے بلکہ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے تھے بلکہ جو کچھ فرماتے تھے وہ سب وحی ہوتی تھی، اللہ کی طرف سے بولتے تھے۔

اسی طرح جو عالم ربانی ہوتا ہے اس کو بھی نیابتاً اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے اور اس کی بھی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ بولتا ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق بولتا ہے جہاں اپنی مرضی ملایا اور دین میں اپنی رائے کو شامل کیا بس وہیں سے گمراہی آئی۔

جتنے فرقے صحیح راستہ سے بھکے اور گمراہ ہوئے وہ اسی خواہش نفسانی کی وجہ سے بھکے اس لئے اپنے نفس کو قابو میں کرنے اور خواہش کو چھوڑنے کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیا کرنے کی ضرورت ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو محض علم حاصل ہوا اور علماء ربانی کی صحبت نہ حاصل ہوئی اس کے گمراہی میں پڑنے کا اندیشہ ہے، اسی بنا پر علماء

باکمال نے ہر دور میں اولیاء کاملین کی طرف رجوع فرمایا ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی طرف رجوع فرمایا، اسی طرح مولانا عبدالحی صاحب برہانپوریؒ، مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ نے حضرت سید صاحبؒ کی طرف رجوع فرمایا، اسی طرح شیخ علوان حموی، شیخ عبادہ مالکیؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت شیخ مدینؒ کی طرف رجوع فرمایا، اوران میں کا ہرایک اپنے اپنے دور کا عالم ربانی اور شیخ کامل ہوا۔

لہٰذا اہل اللہ کی صحبت کا بھی اہتمام کرنا چاہئے اور کچھ وقت نکال کر بزرگوں کی خدمت میں جانا چاہئے، اسی سے کام بنتا ہے انہی بزرگان دین کی برکت سے دل واقعی دل بنتا ہے ان کی نگاہ واقعی کیمیا اثر رکھتی ہے اور ناقص کو کامل بنادیتی ہے، حضرت خواجہ صاحب مجذوبؒ فرماتے ہیں ۔

ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا　　　مجذوبؔ نارسیدہ کو واصل بنادیا
اتنا ابھارا صدر افاضل بنادیا　　　جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

(خواجہ صاحبؒ کے ان اشعار کو حضرت اقدس کی زبان سے سن کر مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے جو شریک مجلس تھے ارشاد فرمایا کہ صدر افاضل پر ایک واقعہ یاد آیا، ایک دفعہ حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحبؒ اعظم گڈھ دارالمصنفین میں تشریف لے گئے، وہاں حضرت حکیم الامتؒ کے اور خلفاء بھی تشریف رکھتے تھے، مثلاً ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ، علامہ سید سلیمان

ندویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ، یہ سب حضرات تشریف فرماتھے، مگر صاحب مجلس خواجہ صاحبؒ ہی ہوتے تھے، یہ سب حضرات خاموش رہتے اور خواجہ صاحبؒ متکلم رہتے، حضرت خواجہ صاحبؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اور حضرات تو حضرت تھانویؒ کی باتیں اپنے لفظوں میں سناتے تھے مگر خواجہ صاحبؒ روایت باللفظ فرماتے تھے، یعنی حضرت کی باتیں حضرت ہی کے الفاظ میں نقل فرماتے تھے، اس لئے جب خواجہ صاحبؒ کسی مجلس میں ہوتے تو سب حضرات انہی کی طرف متوجہ رہتے اور ان کی باتیں شوق سے سنتے تھے اور محظوظ و متاثر ہوتے تھے، اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ فرمارہے ہیں ۔

اتنا ابھارا صدر افاضل بنادیا　　　جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

سبحان اللہ! اہل اللہ کی نظر کیمیااثر انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیتی ہے۔

اس کے بعد محترم کامل صاحب نے مندرجہ ذیل غزل "عرفان محبت" سے پڑھ کر سنائی، پھر حضرت کی دعا پر مجلس ختم ہوئی۔

(غزل آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

لا مجھ کو دکھا، ان کی طرح کوئی اگر ہے

پنہاں تری فرقت میں قیامت کا اثر ہے	قربت میں منور مری ہر شام و سحر ہے
صد شکر مجھ عاصی پہ تری خاص نظر ہے	اب شام مری شام، سحر میری سحر ہے
مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے	بس اسکی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے
کچھ اور نہیں، صرف یہ فیضان نظر ہے	جو ذرۂ ناچیز تھا وہ رشکِ قمر ہے
تسلیم، کہ حاصل تجھے ہر علم و ہنر ہے	لیکن یہ بتا کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے
ساقی نے جسے جامِ محبت سے نوازا	دل اسکا ہے دل، اور نظر اسکی نظر ہے
ہم خوف سے لرزاں ہیں اور امید سے رقصاں	قرباں! یہ سب انکی محبت کا اثر ہے
فیضانِ محبت ہے یہ فیضانِ محبت	اب میں ہوں تری یاد ہے اور دیدۂ تر ہے
میں انکے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے	لا مجھ کو دکھا، ان کی طرح کوئی اگر ہے

احمدؔ کو ملے کیوں نہ غمِ عشق کی دولت
قسمت سے وہ محبوب کا منظور نظر ہے

صحابۂ کرامؓ : حق کا معیار

اقتباس

حضرات صحابہؓ نے قیامت تک کے لئے ایسا نمونہ پیش فرمادیا ہے کہ اگر اس کو ہم پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات کو غور سے پڑھیں تو دل کی دنیا بدل جائے، ان کی زندگی پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات کے نزدیک دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا اور حق تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئی محض ہونا، ان سب چیزوں کا ان کو کامل یقین تھا، وہ یہ سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے، اسی بنا پر انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے اللہ اور رسول راضی ہوں اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، جس سے ان کو یہ مقام حاصل ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

مؤمن کی شان

ارشاد فرمایا کہ سنئے! ہم لوگ وعظ کی مجلسوں میں علماء ربانیین کا بیان سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان کی باتوں کو سنتے ہیں، تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ سننے کی توفیق ہو مگر محض سننا ہی کافی نہیں بلکہ اس سے اصل مقصود عمل کرنا ہے اور اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھالنا ہے اور قرآن وحدیث کے مطابق اپنے کو بنانا ہے، مؤمن کی شان یہی ہے کہ اللہ ورسول کی باتوں کو سن کر اس کی تصدیق کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بناوے اور اپنے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی سعی وکوشش کرے۔

تقویٰ کی ایک علامت

ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ کی زندگی موجود ہے کتابوں میں ان کے حالات درج ہیں جو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے، وہ اللہ ورسول کے حکموں کو سن کر ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہتے تھے اور جو کچھ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے اس پر بجان ودل عمل کرتے تھے، یہ حضرات نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہے، حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے، حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حضرات صحابہؓ اس طرح بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہوں اور اس قدر ادب ان پر غالب تھا کہ سامنے بلند آواز سے بولتے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ یعنی بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کردیا ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ حضرات صحابہؓ کی اس بات پر مدح فرمارہے ہیں کہ اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست رکھتے ہیں اور اس کو ان کے تقویٰ کی علامت اور عند اللہ اجر عظیم کے استحقاق کا سبب قرار دے رہے ہیں

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ :

شان نزول

ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے ؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قعقاع ابن معبد کی نسبت رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع ابن حابس کے متعلق رائے دی ، اس معاملہ میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین آپ کی مجلس میں گفتگو ہوگئی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَاتَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اے ایمان والو ! تم اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

آداب مجلس نبوی

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر ’’معارف القرآن‘‘ میں اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ ’’یہ دوسرا ادب مجلس نبوی کا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا، یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے

ہیں ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور مجلس نبوی

چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرامؓ کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذافی الصحاح) اور حضرت ثابت ابن قیسؓ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے یہ آیت سن کر بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔

قاضی ابو بکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔

مجلس حدیث بھی مجلس نبوی کی قائم مقام

اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی یا بیان کی جارہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر سننا واجب اور ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔ انتہیٰ

صحابۂ کرام کا طغرائے امتیاز

حضرات صحابہؓ نے قیامت تک کے لئے ایسا نمونہ پیش فرمادیا ہے کہ اگر اس کو ہم پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات کو غور سے پڑھیں تو دل کی دنیا بدل جائے، ان کی زندگی پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات کے نزدیک دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا اور حق تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئی محض ہونا، ان سب چیزوں کا ان کو کامل یقین تھا، وہ یہ سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے، اسی بنا پر انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے اللہ اور رسول راضی ہوں اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، جس سے ان کو یہ مقام حاصل ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ وہ اللہ و رسول کی ہر بات پر ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہتے تھے، اللہ و رسول کی باتوں کو سننا اور ماننا ان کا طغرائے امتیاز تھا، خود اللہ تعالیٰ نے اس بات پر ان کی مدح فرمائی ہے۔

سننے کے لئے ماننا لازم ہے

بھائی سنو! سننے کے لئے ماننا لازم ہے، اس لئے کہ جس نے سنا اس نے مانا اور جس نے نہیں مانا گویا اس نے سنا ہی نہیں، لہٰذا ہماری مجلسوں میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، خواہ وہ منظوم ہو یا غیر منظوم یہ دین کی دعوت ہے اس کو غور سے اور توجہ کے ساتھ سنیں اور یہ سمجھیں کہ یہ دنیا مٹ جانے والی ہے اور

آخرت باقی رہنے والی ہے، اس کے بعد قیامت کے دن سوائے اعمال صالحہ کے کوئی چیز کام آنے والی نہیں ہے، اس لئے جس قدر ہو سکے اعمال صالحہ کا اہتمام کریں۔

نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

اسی طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت کرنا، اس کے احکام پر عمل کرنا اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گذارنا، یہ مومن کا کام ہے اور یہی زندگی کا اصل مقصد ہے کہ اللہ و رسول سے ایسی محبت پیدا ہو جس کی وجہ سے اپنی مرضی کو، اپنی رائے کو اور پسند و چاہت کو مٹا کر اللہ و رسول کی مرضی میں فنا ہو جائے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ۔

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

اسی طرح مومن کی شان یہ بھی ہے کہ آخرت کا یقین کامل رکھے اور اس کی تیاری میں لگا رہے اللہ تعالیٰ متقیوں کی صفات میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔

آخرت کا ساتھی

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کا تعلق تین چیزوں سے ہے، مال، اہل و عیال اور اعمال، مال سے بھی آدمی کو محبت ہوتی ہے اور اس کی بھی دنیا میں ضرورت ہے، اس کو حاصل کرنا منع نہیں اگر شریعت کے مطابق جائز

طریقہ سے حاصل کریں، البتہ ناجائز طریقہ سے مال حاصل کرنا جیسے رشوت ہے، غصب ہے، سرقہ ہے، یہ جائز نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بہرحال آدمی کا تعلق مال، اہل وعیال اور اعمال تینوں سے ہے، ان میں سے دو ساتھی یعنی مال اور اہل وعیال قبر تک پہنچا کر واپس چلے آتے ہیں مگر اعمال قبر میں بھی ساتھ رہنے والے ہیں اور مؤمن کا عمل قبر میں اس سے کہتا ہے کہ تمہارے دو ساتھیوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا اور میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ میری طرف تمہاری توجہ کم تھی۔

پس معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ اہتمام کی چیز اعمال ہیں، دنیا میں رہ کر مال حاصل کرنے کے طریقے جو جائز ہیں ان کو اختیار کر سکتے ہیں، تجارت، زراعت، ملازمت، جو چاہیں اختیار کریں مگر اعمال سے غافل نہ ہوں، آخرت میں اعمال ہی کام آنے والے ہیں، مال سے متعلق بھی احکام ہیں، ان کو علماء سے دریافت کریں اور پوچھ پوچھ کر اسی کے مطابق عمل کریں، اسی طرح اعمال میں بھی اس کا لحاظ کریں کہ ہمارا ہر عمل سنت کے مطابق ہو، نیکی دراصل وہی ہے جو سنت کے مطابق ہو، اگر کوئی شخص خلاف سنت پہاڑ کے برابر بھی عمل کرے تو اللہ ورسول کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں۔

عقل کو رخصت کردینے والی بلا

پس اعمال میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اس میں ریا وسمعہ کا دخل نہ ہو، اور کسی عمل میں بدعت شامل نہ ہو، بدعت ایسی بری بلا ہے کہ اس کے

ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ حج، نہ زکوۃ، نہ روزہ، بدعت ایسی بری بلا ہے کہ جس جگہ داخل ہوتی ہے وہاں سے عقل کو بھی رخصت کردیتی ہے لہٰذا بدعت سے اجتناب کی ہر امر میں سعی کرنی چاہئے۔

ایک ضروری گذارش

اور اپنے جملہ اطوار وعادات میں یعنی کھانے پینے میں، لینے دینے میں، شادی غمی میں غرض جملہ امور میں اتباع سنت کا اہتمام کرنا چاہئے، آج کل شادیوں اور تقریبات میں عام طور پر جو خرافات ہوتی ہیں ان سب سے بچیں، آپ دیکھتے ہوں گے کہ شادیوں میں عموماً باجا ہوتا ہے حالانکہ باجا بالکل حرام ہے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مزامیر حرام ہیں، اس لئے ان خرافات سے خود بھی احتراز کرنا چاہئے، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کو بھی روکنا چاہئے۔

اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں

ہمارے اکابر لکھتے ہیں کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو، دوسرے یہ کہ وہ اللہ ہی کے لئے ہو، مومن کو ہر وقت یہ فکر رہنی چاہئے کہ ہمارا جو قدم اٹھے وہ شریعت وسنت کے مطابق اور اللہ ورسول کی مرضی کے موافق اٹھے، اتباع سنت پر ابھارنے کے لئے جس طرح اللہ ورسول کی محبت ضروری ہے اسی طرح خوف بھی ضروری ہے۔

جب آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف آجاتا ہے تو سنت کا اتباع آسان ہوجاتا ہے اور آدمی کا ہر قدم سنت کے مطابق اٹھنے لگتا ہے، صحابہ کرامؓ کے

اندر حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت سے یہی خوف پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے خود نبی کریم ﷺ کے حالات میں غور کیجئے تو آپ کو حضور ﷺ کے خوف کا بخوبی اندازہ ہو گا۔

غیراللہ کی ہیبت دل سے نکالنے کا نسخہ

صحابہ کرامؓ کی شان یہ تھی کہ پھٹے پرانے اور پیوند دار کپڑوں میں رہنے کے باوجود دل میں اللہ ورسول کی محبت جگہ کیے ہوئے تھی ان کو اللہ ورسول کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ تھی اور خدا سے تعلق کی وجہ سے ان کے قلب میں ایسی قوت تھی کہ کسریٰ وقیصر سے مقابلہ کا عزم رکھتے تھے اور بڑی سے بڑی طاقتور حکومتوں سے ذرہ برابر نہیں ڈرتے تھے جس دل میں اللہ کا خوف اور اللہ کے رسول کی محبت گھر کر لیتی ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی ہیبت اس کے قلب کے قریب نہیں آتی۔

کبھی اہل ایمان کی پہچان یہ تھی

عرصہ کی بات ہے میں نے ایک کتاب میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں چند اشعار لکھے ہوئے دیکھے تھے جس میں انکی شان کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے، سنئے ۔

عباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر　　　قدم کے تلے تاجِ کسریٰ وقیصر
غذا نانِ جو، وہ بھی کمتر میسر　　　مگر ہاتھ میں زور تسخیر خیبر
کبھی اہل ایماں کی پہچان یہ تھی　　　کبھی اہل اسلام کی شان یہ تھی

حضرت فاروق اعظمؓ کی شان کیا تھی، امیر المومنین ہونے کے باوجود

آپ کے کپڑوں پر پیوند ہوتے تھے، بات یہ تھی کہ ان حضرات کے قلوب میں آخرت کا یقین اور جنت و دوزخ کا یقین گھر کئے ہوئے تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق تھا کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے مستغنی رہتے تھے اور باوجود معمولی کپڑوں میں رہنے کے منجانب اللہ ان کو ایسا رعب عطا کیا گیا تھا کہ سارے عالم میں ان کا دبدبہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے لشکر نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو اہل شہر نے کہا کہ تم اپنے خلیفہ کو بلاؤ، ہماری کتاب میں ان کا حلیہ لکھا ہوا ہے اگر مطابق ہو جائے تو ہم بغیر جنگ کئے ہوئے ہی قلعہ کا دروازہ کھول دیں گے اور شہر تمہارے حوالہ کر دیں گے، چنانچہ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اطلاع بھیجی تو آپ بیت المقدس کے لئے روانہ ہوگئے، بوقت روانگی آپ کا یہ حال تھا کہ پیوند لگے ہوئے معمولی کپڑے زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور اونٹ پر سوار تھے، یہ دیکھ کر اسلامی سپہ سالاروں نے آپ سے درخواست کی اور عرض کیا کہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں لہٰذا اچھے اور صاف کپڑے پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے چلیں، حضرت عمرؓ نے لوگوں کی اس درخواست پر کپڑے بدل لئے اور اونٹ سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوگئے مگر ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ فرمانے لگے کہ میرا نفس ان چیزوں کی وجہ سے

متغیر ہو رہا ہے لاؤ میرے پرانے کپڑے اور میرا اونٹ، میں اسی پر چلوں گا اور یہ فرمایا:

"نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ"

یعنی ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے، یہ فرمایا اور پھر وہی پیوند دار کپڑے پہن لئے اور اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے آپ کے ہمراہ ایک غلام تھا اس سے یہ طے فرمایا کہ ایک منزل تک میں سوار ہو کر چلوں گا اور تم اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلو گے اور ایک منزل تم سوار ہو کر چلو گے اور میں نکیل پکڑ کر چلوں گا، چنانچہ اسی کے مطابق منزل بہ منزل سفر طے ہوتا رہا جب آخری منزل آئی تو اس وقت غلام کے اونٹ پر بیٹھنے کی باری تھی، غلام نے عرض کیا کہ حضرت اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سوار ہو جائیں اور میں پیدل چلوں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہ کروں گا کیونکہ یہ خلاف عدل ہے۔

سبحان اللہ! یہ تھا عدل فاروقی کہ اپنے غلام کے ساتھ باوجود اس کے اصرار کے خلاف انصاف قدم رکھنا گوارہ نہ فرمایا۔

الغرض اسی طرح سے آپ قلعہ کے سامنے پہنچے کہ غلام اونٹ پر سوار تھا اور آپ اس اونٹ کی نکیل پکڑے پیدل چل رہے تھے، مخالفین نے قلعہ کے اوپر سے آپ کے حلیہ کو کتاب سے منطبق کرنا شروع کیا چنانچہ "طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ" یہی حلیہ ان کی کتابوں میں لکھا تھا کہ ایسے ایسے کپڑے ہوں گے اور

اونٹ کی سواری پر اس طرح آویں گے کہ ان کا غلام اونٹ پر سوار ہوگا اور خود اس کی نکیل پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہوں گے۔

بس اہل شہر نے ان کو دیکھتے ہی قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور شہر مسلمانوں کے سپرد کردیا۔

اللہ اکبر! حضرت فاروق اعظمؓ کے اخلاص کی یہ برکت تھی جو ظاہر ہوئی، یہ معمولی اخلاص کی بات نہیں کہ امیر المومنین ہو کر اس سادگی پر قناعت فرماتے تھے اور اچھے کپڑوں کی وجہ سے جب نفس کو ذرا سی حرکت ہوئی فوراً اس کو اتار کر پھینکا، اور کیا ٹھکانہ ہے اس اخلاص کا کہ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بلا تکلف اس کو ظاہر بھی فرمادیا کہ میرے نفس میں عمدہ جوڑے اور گھوڑے کی وجہ سے تغیر پیدا ہونے لگا یہ کام ہر ایک کے لئے آسان نہیں یہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کی نظر مخلوق سے ہٹ چکی ہو اور اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کرچکا ہو۔

عبدیت و تواضع کا مجسم نمونہ

اس واقعہ کی مناسبت سے ایک دوسرا واقعہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا یاد آگیا، اس کو نقل کرتا ہوں، اب سے تقریباً چالیس سال قبل کا واقعہ ہے کہ قصبۂ مئو آئمہ ضلع الٰہ آباد میں ایک بہت بڑا جلسہ "احناف کانفرنس" کے نام سے منعقد ہوا تھا جس میں ہندوستان کے مشہور چوٹی کے علماء تشریف لائے تھے مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ،

مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور دوسرے بہت سے علماء تشریف لائے تھے جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ کی امامت حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ نے فرمائی اور جلسہ کا صدر بھی انہی کو مقرر کیا گیا، پہلے معذرت فرمائی اس کے بعد تشریف لائے اور کرسی صدارت پر بیٹھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس وقت اکابر کی موجودگی میں کرسی صدارت پر بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر امتثالاً للامر بیٹھ گیا اور پھر ایک واقعہ یاد آیا جس سے مجھے تسلی ہوگئی۔

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ نے حضرت عمرؓ کا مندرجہ بالا واقعہ ذکر فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ آپ انصاف سے بتلائیں جس وقت ان کا غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور خود وہ نکیل پکڑ کر پیدل چلتے تھے اس وقت کیا اس غلام کے دل میں اس کا وسوسہ بھی آتا ہوگا کہ میں حضرت عمرؓ سے افضل ہوں؟ ہرگز نہیں! اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ میری مثال اس وقت بالکل اسی غلام جیسی ہے اور جن اکابر نے مجھے یہاں بیٹھنے کا حکم فرمایا ان کی حیثیت فاروق اعظمؓ جیسی ہے۔

سبحان اللہ! کیسی عمدہ تمثیل پیش فرمائی، اس کو سن کر تمام علماء پھڑک اٹھے اور عش عش کرنے لگے، مجھے بھی بہت پسند آئی اور اس کو برابر بیان کیا کرتا ہوں، ان حضرات کی عجب شان تھی، ان کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، واقعی ان حضرات کے پیش نظر محض اللہ ورسول کی رضا و خوشنودی ہوتی تھی اور ان کو آخرت کا ایسا یقین حاصل تھا کہ کسی وقت اس سے غفلت اور

ذہول نہ ہوتا تھا۔

بھائی! آخرت پر یقین اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا یقین بہت ضروری ہے یہ دنیا چھوٹ جانے والی ہے اور یہاں کی بہار چند روزہ ہے اس لئے آخرت کی فکر ہر مسلمان کو کرنا چاہیئے اور آخرت میں کام آنے والی چیز اعمال صالحہ ہیں اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

وعظ منظوم

میری ایک نظم ہے جس میں پورا وعظ ہے، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم تو میرے کلام کو وعظ منظوم فرماتے ہیں اب آپ اس نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

خدا سے ہو کر جناب غافل جہاں میں کیوں دل لگا رہے ہیں
سراب ہے یہ نہیں ہے پانی فریب کیوں آپ کھا رہے ہیں
غضب ہے واللہ یہ قیامت، ستم یہ کیا آپ ڈھا رہے ہیں
خدا کا ڈر کیا نہیں ہے باقی جو شمع ایماں بجھا رہے ہیں
میں ان پہ صدقے میں ان پہ قرباں مئے محبت پلا رہے ہیں
مئے محبت کے جو ہیں طالب مزے محبت کے پا رہے ہیں
کبھی محبت سے آ رہے ہیں کبھی محبت سے جا رہے ہیں
جو شان اپنی بڑھا رہے ہیں وہ شان اپنی گھٹا رہے ہیں
جو شان اپنی گھٹا رہے ہیں وہ شان اپنی بڑھا رہے ہیں

خودی تمہاری مٹا رہے ہیں تمہیں وہ اپنا بنا رہے ہیں
یہ راز تم پر عیاں نہیں کیا؟ وہ خاک میں کیوں ملا رہے ہیں
یہ ظلم ہرگز نہیں ہے حضرت! یہ ہے محبت یہ ہے محبت
وہ سونے والوں کو اس ادا سے جگا رہے ہیں
کہاں سے مقصود ہاتھ آئے جو راہ حق سے بھٹک گئے ہم
کہاں تھا افسوس ہم کو جانا، کہاں ہم افسوس جا رہے ہیں
خطا نہیں غیر کی ہرگز، خطا ہے اپنی قصور اپنا
خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عزت خاک میں ہم ملا رہے ہیں
خدا کے تم ہو خدا تمہارا، خدا کو راضی کرو خدارا
خدا سے جن کو ہے کچھ محبت یہی صدا وہ لگا رہے ہیں

اہل اللہ کا یہی کام ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ فرمائیں اور جب اللہ کی مہربانی اور ان کی نظر کرم کسی پر ہو جاتی ہے تو اس راہ کے موانع دور ہو جاتے ہیں اور اسی دنیا میں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا صحیح تعلق قائم کر لیتا ہے۔

زندگی کا مقصد کیا ہے؟

بھائی سنو! شریعت نے ہم کو اجازت دی ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کریں اور دنیا کے مشاغل تجارت، زراعت، ملازمت اختیار کریں اور جائز طریقے پر مال کو کمائیں اور خرچ کریں، لیکن زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں محض اسی لئے نہیں پیدا فرمایا ہے، بلکہ ہم کو اپنی

عبادت، بندگی اور اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ میری عبادت کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "اَیْ لِیَعْرِفُوْنِ" یعنی ہم نے جن وانس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری معرفت حاصل کریں، پس انسان کو چاہئے کہ دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کا حصول اسی وقت آسان ہوتا ہے جب کسی اللہ والے کی صحبت نصیب ہوتی ہے، آدمی جب اللہ والوں کی صحبت میں صدق و خلوص کے ساتھ بیٹھتا ہے تو تمام موانع دور ہو جاتے ہیں اور آدمی کو وصول حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ اسی نظم کا یہ شعر ہے۔

بچھے تھے کانٹے جو راہ میں وہ کرم سے اپنے ہٹا رہے ہیں
پہنچ ہی جائیں گے ان کے در پر کہ اب وہ خود ہی بلا رہے ہیں

دین پر چلنا آسان ہوجائے گا

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بنانا چاہتے ہیں تو اسے کسی اللہ والے کے پاس جانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، خوش بخت ہیں وہ حضرات جن کو اہل اللہ کی صحبت نصیب ہے، انہیں اس کی قدر کرنی چاہئے، اس نعمت کا شکر بجالانا چاہئے، یہی حضرات طریق کے موانع سے باخبر ہوتے ہیں اور جو لوگ ان سے تعلق رکھتے ہیں ان سے طریق کے موانع کو دور فرماتے رہتے ہیں، پس ہمیں چاہئے

کہ اعمال صالحہ کا اہتمام کریں اور ذکر اللہ کی کثرت کریں اور وقت نکال کر کبھی کبھی کسی اللہ والے کی صحبت میں بھی ضرور جایا کریں، انشاء اللہ اس کی برکت سے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا اور نیکیوں کی توفیق ہو گی۔

آج ہماری نگاہوں میں نیکیوں کی قدر و قیمت نہیں ہے لیکن قیامت کے دن کام آنے والی چیز یہی نیکیاں ہیں، وہاں پر دنیا اور دنیا کا ساز و سامان، محل و مکان کوئی چیز کام نہیں آوے گی اس لئے جس قدر ممکن ہو نیکیوں کو جمع کرنے کی فکر کریں، نیکیوں کو جمع کرنے کی جگہ یہی دنیا ہے اس لئے کہ یہ دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔

اسلام کی ایک خصوصیت

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "الدنیا مزرعة الآخرة" یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو نیکی بوؤ گے اسی کا ثمرہ آخرت میں پاؤ گے اب دیکھئے! ایک معمولی سا عمل ہے سلام کرنا "السلام علیکم" کہنے پر بیس نیکیاں ملتی ہیں اور "ورحمة الله" پر دس نیکی مزید ملتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو آپس میں سلام کرتے تھے، اگر دیوار کی آڑ سے ہو کر واپس آتے تو دوبارہ پھر سلام کرتے تھے، اسی سلام کے ذریعہ سے نیکیوں کا کتنا ذخیرہ جمع کر لیتے تھے، اگر ہم لوگ سوچیں تو اسلام کے ہر عمل میں خوبی ہی خوبی نظر آوے، معنی کے اعتبار سے بھی السلام علیکم کیا خوب کلمہ ہے کہ "تم پر سلامتی ہو" ہر مذہب میں مختلف

کلمات سلام کے موقع پر کہے جاتے ہیں مگر کسی مذہب میں ایسا سلام نہیں جو سلامتی کی دعا پر مشتمل ہو، یہ اسلام کی خصوصیت ہے اور قرآن کی برکت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے طفیل میں ہم کو ایسا سلام ملا جو سلام بھی ہے اور اس میں دعا بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ یعنی اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو (یعنی جواب دو) یا (جواب میں) ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔

خدا کو راضی کرو خدارا

بھائی! اللہ تعالیٰ نے ہم کو قلب و دماغ دیا ہے اور عقل عطا فرمائی ہے تو اسی لئے کہ ہم سوچیں اور غور کریں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات و مصنوعات کو نظر عبرت سے دیکھیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، وہ آنکھ کس کام کی جس سے مصنوعات کو نظر عبرت سے نہ دیکھا جائے، وہ قلب و دماغ کس کام کا جس سے مصنوعات میں غور نہ کیا جائے، اور وہ عقل کس کام کی جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نہ حاصل کی جائے۔

اللہ والے اس دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں مشرکین کو آنکھ تھی اور وہ دیکھتے تھے مگر وہ دیکھنا کس کام کا جس نے ان کو اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ وہ سوچتے کہ ان مخلوقات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور ان مصنوعات کا کوئی بنانے والا ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ ﴾

﴿اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرْ﴾ یعنی کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کھڑے کیے گئے، اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا بعث یعنی قیامت پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور تخصیص ان چار چیزوں کی اس لئے فرمائی کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے، اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ، اس لئے ان علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا، اور جب باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے) تو آپ بھی (ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ یعنی بلا شبہ

آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کیلئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ان سب کو لایعنی پیدا نہیں کیا، ہم آپ کو منزّہ (پاک) سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

حصولِ معرفتِ خداوندی کس طرح ؟

قرآن پاک کو تدبر کے ساتھ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہم کو حاصل ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ہی کے لئے قرآن نازل فرمایا ہے مگر اس کے لئے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ایسے علماء جو متقی ہیں اور ان کے دل میں اللہ کا خوف ہے ان کی صحبت اختیار کی جائے ایسے علماء کی صحبت میں اگر بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت تمہارے دل میں ڈال دیں گے اور نیک اعمال کی توفیق ہو گی۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو اس لئے مبعوث فرمایا تاکہ مخلوق کو اللہ کی کتاب سمجھاویں اگر صرف کتاب نازل ہو جاتی اور انبیاء کرامؑ مبعوث نہ ہوتے تو کسی کو ہدایت نہ ہوتی اس لئے صرف کتاب کو کافی سمجھنا

سراسر غلطی اور زبردست گمراہی ہے، قرآن پاک حضور اقدس ﷺ پر نازل ہوا اور آپؐ نے اس کو سمجھا اور اس پر عمل کر کے دکھایا اور صحابہ کرامؓ نے آپ کو دیکھ کر دین سیکھا اور ان احوال و کیفیات کے حامل بنے جن کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف منتقل فرمایا، اسی طرح صحابہ سے تابعین اور ان سے تبع تابعین نے دین کو سیکھا اور ہر زمانہ میں لوگوں نے علماء کاملین اور اولیاء کاملین سے دین کو سیکھا ہے اور یہی طریقہ قیامت تک جاری رہے گا، کسی وقت بھی ان حضرات سے استغناء نہیں ہو سکتا، اسی لئے کہتا ہوں کہ کچھ وقت نکال کر اہل اللہ کے پاس جاؤ، ان سے دین سیکھو، اسی سے راستہ کھلے گا اور اعمال صالحہ کی توفیق ہو گی۔

ایک قابل غور بات

اب ایک دوسری بات بیان کرنا چاہتا ہوں، ذرا غور سے سنیں! قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین یا منافقین کی جو صفات بیان فرمائی ہیں اگر وہی صفات ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو کیا یہ رونے کا مقام نہیں ہے؟ حق تعالیٰ مشرکین کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّايَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾ یعنی ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ (ہی میں رہنے) کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے (نام کو تو) دل ہیں مگر ایسے ہیں جن سے (حق

بات کو) نہیں سمجھتے (چونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے) اور جن کے نام کو تو آنکھیں ہیں مگر ایسی ہیں جن سے (نظر استدلال کے طور پر کسی چیز کو) نہیں دیکھتے، اور جن کے نام کو تو کان ہیں مگر ایسے ہیں جن سے متوجہ ہو کر حق بات کو نہیں سنتے غرض یہ لوگ آخرت کی طرف سے بے توجہ ہونے میں چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ ان چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہیں کیونکہ یہ لوگ باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے غافل ہیں۔

اب آپ بتلایئے کہ اگر ہم قلوب سے نہ سوچیں اور آنکھوں سے جو چیز دیکھنے کی ہے اسے نہ دیکھیں تو ہم اس آیت کا مصداق بن جائیں گے یا نہیں؟ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ہم کس مقام پر ہیں، جو شخص قرآن پر اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اسے سوچنا پڑے گا کہ قرآن ہم سے کیا کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں، دیکھو اللہ نے دل دیا ہے اور عقل و فہم عطا فرمائی ہے تو اسی لئے کہ ہم سوچیں کہ دنیا میں کس لئے آئے ہیں اور ہماری زندگی کا کیا مقصد ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً﴾ یعنی جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

یہ آسمان و زمین، شجر و حجر، دریا و سمندر، دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پیدا فرمائی ہیں اور بے شمار نعمتیں ہم کو عطا فرما رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو آنکھ دیا ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں، کان دیا ہے جس سے ہم سنتے ہیں، زبان دیا ہے جس سے ہم بولتے ہیں، ہاتھ پاؤں دیا جس سے ہم چلتے پھرتے اور

اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، دماغ اور دل دیا جس سے ہم سوچتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اتنی بڑی نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنے سے ہم قاصر ہیں، ان نعمتوں کی قدر اس وقت معلوم ہو گی جب خدانخواستہ ان میں سے کوئی تلف ہو جائے، ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں، دماغ ماؤف ہو جائے تو کچھ نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے جو ان سب نعمتوں کو محفوظ رکھا ہے یہ بھی ان کا بہت بڑا کرم ہے اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے فائدے کے لئے طرح طرح کے میوے اور ہر موسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا فرمائے ہیں، یہ سب چیزیں حضرت انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو پھر سوچنے کی بات ہے کہ آخر انسان کو کس لئے پیدا فرمایا ہے؟ تو سن لیجئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا فرمایا ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْس اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی ہم نے جن اور انس کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری عبادت کریں اور ہماری معرفت حاصل کریں۔

تعجب ھے کہ ھم کو عبرت نہیں ھوتی

پس ہم کو چاہئے کہ کسی وقت بیٹھ کر سوچیں کہ ہم دنیا میں جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس کو کس قدر پورا کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ یہاں سے ہم کو جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اس دنیا کو چھوڑ کر جا رہے ہیں،

کتنے لوگوں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیا مگر تعجب ہے کہ ہم کو عبرت نہیں ہوتی اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم پر بھی وہی وقت آنے والا ہے، بھائی! عقل کا تقاضا یہ تھا کہ سب کاموں سے الگ ہو کر تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ سوچیں کہ جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کو ہم پورا کر رہے ہیں یا نہیں؟ کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ جس خالق و مالک نے ہم کو بیشمار نعمتیں عطا فرمار کھی ہیں اسی کی ہم نافرمانی کریں؟

اور یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ بھوک لگی کھانا کھالیا، نیند آئی سو رہے اور خواہشاتِ نفسانی کا جو تقاضا ہوا اسے پورا کر لیا؟ اگر اسی کو ہم نے زندگی کا مقصود اور حاصل سمجھا تو ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا؟ اور اگر ہم نے مال و دولت جمع کر لیا، دنیاوی ساز و سامان اکٹھا کر لیا، بہت سے محل و مکان بنالئے جب بھی زندگی کا مقصد نہیں پورا ہوا، ایسی زندگی تو کافر کی زندگی ہوتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلاً اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ یعنی تھوڑے دن کھالو اور نفع اٹھالو یقیناً تم لوگ مجرم ہو۔

عادت کو عبادت کس طرح بنائیں؟

مومن کے کھانے اور کافر کے کھانے میں بہت فرق ہے، مومن اس لئے کھاتا ہے کہ طاعت و عبادت پر قوت حاصل کرے اگر ہم اس نیت سے کھائیں اور سنت کے مطابق کھانا کھائیں تو کھانے پر بھی ثواب ملے گا، تمام عادات میں اگر سنت کا لحاظ کیا جائے تو عادات بھی عبادات بن جائیں گی۔

شریعت مطہرہ کا کمال

مثلاً جب استنجاء کرنا ہو تو پہلے دعا پڑھیں ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ'' اور بیت الخلاء میں بائیں پاؤں سے داخل ہوں اور واپسی میں پہلے داہنا پاؤں باہر نکالیں اور دعا پڑھیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَ اَبْقٰی عَلَيَّ مَا یَنْفَعُنِیْ'' تو جتنا وقت استنجاء میں صرف ہوا وہ سب عبادت میں شمار ہوگا، یہ بھی ہماری شریعت کا کمال ہے کہ اس میں ہر چیز کی تعلیم موجود ہے حتیٰ کہ استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتلادیا گیا ہے۔

ایک صحابیؓ سے کسی یہودی نے ازراہ تمسخر کہا تھا کہ تمہارے نبی تو ایسے ہیں جو استنجاء کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں، تو ان صحابی نے جواب میں فرمایا کہ بیشک ہمارے نبی ایسے ہیں جو ہر چیز کا طریقہ بتلاتے ہیں اور استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے استنجاء کرو اور پاک مٹی و پتھر سے استنجاء کرو، لید، گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو، اگر آپ اس کی تعلیم نہ فرماتے تو ہم کو استنجاء کرنا بھی نہ آتا۔

اگر انسان کو اپنی معرفت ہو تو ....

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کے انعامات میں غور کرو اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی قدر کرو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور نہایت سہل اور آسان شریعت آپ کو عطا فرمائی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ شب معراج میں پچاس وقت کی نمازیں اور ایک سال کا روزہ فرض ہوا تھا، لیکن اللہ

کے رسول ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے سے تخفیف کی درخواست کی تو پانچ وقت کی نماز اور ایک ماہ کا روزہ باقی رکھا گیا، مگر اجر وثواب کے اعتبار سے پچاس ہی وقت کی نماز رہی، یہ کتنا بڑا انعام ہے، اسی طرح زکوٰۃ میں محض چالیسواں حصہ فرض کیا گیا، ان سب چیزوں میں غور کرنا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ کی عنایت ورحمت کی معرفت ہوگی، اگر آدمی ان امور میں غور کرتا رہے تو اس کے نفس میں کبھی بڑائی اور غرور وپندار نہ پیدا ہو، اگر انسان کو اپنی معرفت ہو تو کبھی تکبر وغرور نہ کرے اور عُجب وخود پسندی میں نہ مبتلا ہو۔

اللہ والوں کی زبان میں تاثیر ہوتی ہے

ایک بزرگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد معتقدین جمع تھے کہ اسی اثناء میں ایک آدمی ان کے سامنے سے اکڑتا ہوا گذرا، تو چونکہ تکبر کی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحاً﴾ یعنی زمین پر اکڑ کر مت چلو، اس لئے ان بزرگ نے اس نوجوان سے فرمایا ارے میاں یہ چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، تو اس نے کہا آپ جانتے ہیں میں کون ہوں، میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اور میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں یعنی اپنی تعریف کرنے لگا اور بڑائی بیان کرنے لگا، اس کا جواب سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ تم نے اپنے کو نہیں پہچانا، آؤ! میں بتاؤں کہ تم کیا ہو؟ تمہاری ابتدا ایک قطرۂ ناپاک ہے اور انتہا لاشۂ مردار ہے، جو خاک میں مل کر فنا ہو جائے گا، یہ تو تمہاری ابتدا اور انتہا ہے اور اس وقت بھی تمہارے پیٹ

میں پاخانہ بھرا ہوا ہے جس کو لئے پھر رہے ہو، یہ تمہاری حقیقت ہے جس پر تم اِترا رہے ہو۔

ان بزرگ کی اس بات کا اس پر بہت اثر ہوا اور نادم وشرمندہ ہوا، پھر عرض کیا کہ حضرت! بات سمجھ میں آگئی اور میں اپنے کو پہچان گیا، اب توبہ کرتا ہوں چنانچہ ان کے ہاتھ پر تائب ہو گیا اور اللہ کا ولی ہوا۔

اللہ والوں کی زبان میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ ان کی بات دل میں اتر جاتی ہے، یہ حضرات بندوں پر بہت شفیق ہوتے ہیں ان کی مثال اس شفیق طبیب جیسی ہے جو مریض کے لئے دوا علاج کرتا ہے، تدبیریں بتلاتا ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہے کہ اس کو شفا ہو جائے، اسی طرح جو روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ والوں کو ان پر شفقت ہوتی ہے، ان کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی ہوتی ہے وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس کو شفا ہو جائے، انبیاء علیہم السلام کا یہی طریق ہے، ان کے سچے نائبین اسی طریق کو اختیار کرتے ہیں جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔

غفلت دور کرنے کا علاج

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو مناجات کی لذت وحلاوت اس سے چھین لی جاتی ہے، پس دعا جو مغز عبادت ہے جب اس کی لذت چھین لی جاتی ہے تو پھر عبادت میں بھی لذت باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے معصیت سے جہاں تک ہو سکے اجتناب کریں اور غفلت کے ساتھ زندگی

نہ گذاریں، اللہ کو یاد کریں، توبہ واستغفار کرتے رہیں، موت کو یاد رکھیں اس سے غفلت دور ہو گی۔

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو یاد کرو۔

لہٰذا اللہ ورسول کے حکموں کے مطابق زندگی گذاریں جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ کتابوں کو دیکھ کر عمل کریں اور جو علم نہیں رکھتے وہ علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى﴾ یعنی ہم نے تم کو اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ زندہ کریں گے، ان آیات میں غور کریں تو ہماری غفلت دور ہو گی، اب مضمون ختم کرتا ہوں، دعا کر لیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین

ہمارے اکابر لکھتے ہیں کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو، دوسرے یہ کہ وہ اللہ ہی کے لئے ہو، مومن کو ہر وقت یہ فکر رہنی چاہئے کہ ہمارا جو قدم اٹھے وہ شریعت و سنت کے مطابق اور اللہ و رسول کی مرضی کے موافق اٹھے، اتباع سنت پر ابھارنے کے لئے جس طرح اللہ و رسول کی محبت ضروری ہے اسی طرح خوف بھی ضروری ہے۔

عارف باللہ حضرت پرتاپگڈھیؒ

قرب خداوندی کا ذریعہ

اقتباس

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا یارب! جن چیزوں سے مقربینِ آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل کون سا عمل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اے احمد! وہ میرا کلام ہے، میں نے دریافت کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ فرمایا سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لاَيَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ،اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو ، اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے ؟اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے،اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی کی، سو اللہ

تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنادیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں بلکہ جو اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب لوگ ہیں (اہل نار ناکام ہیں)

آج نیکی بہت سستی ہوگئی ہے

میرے دوستو! اور بزرگو! قرآن مجید اور فرقان حمید کی یہ ایک آیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں جس کا حاصل اعمال صالحہ کو اختیار کرنا اور سیئات و معاصی سے پرہیز کرنا ہے، ہمارے مدارس میں قرآن مجید ہی کی تعلیم ہوتی ہے اور یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس مقدس اور مبارک کتاب کو پڑھنے کی توفیق ہو، یہ تو وہ کلام ہے کہ محض الفاظ کی تلاوت بھی موجبِ اجر و ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی اس قدر قیمتی ہے کہ اگر قیامت کے دن کوئی شخص چاہے گا کہ زمین و آسمان کے برابر سونا خرچ کر کے ایک نیکی حاصل کر لے تو یہ ممکن نہ ہوگا، آج نیکی بہت سستی ہوگئی ہے اس لئے کہ اس کی قدر و قیمت کا ہم کو اندازہ نہیں، میرے عزیزو! اس کی قدر و قیمت آخرت میں معلوم ہوگی، وہاں کوئی چیز کام نہ آوے گی وہاں کام آنے والی چیز یہی طاعات اور نیکیاں ہیں۔

پڑھنے پڑھانے کا مقصد

میرے مخاطب اس وقت چونکہ طلباء ہیں اس لئے کہتا ہوں کہ عموماً ہمارا

حال یہ ہورہا ہے قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کا جو اصل مقصد ہے وہ ہمارے سامنے باقی نہیں ہے اس کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، پڑھنے پڑھانے سے اصل مقصد صرف اللہ ورسول کی رضاوخوشنودی ہے، قرآن پاک کو محض اسی غرض سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

بغداد کی مشہور درسگاہ جو مدرسہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، جب یہ قائم ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد ایک روز خلیفہ وقت جس نے مدرسہ قائم کیا تھا طلباء کا امتحان لینے کی غرض سے آیا اور آکر ان سے سوالات کئے کہ علم حاصل کرنے سے تمہاری غرض کیا ہے؟ ہر ایک نے جواب میں اپنی اپنی نیت کو ظاہر کیا، چنانچہ کسی نے کہا کہ ہم علم اس لئے حاصل کررہے ہیں کہ ہم کو منصب قضاء مل جائے، کسی نے کہا کہ ہم منصبِ احتساب کے حصول کے لئے پڑھ رہے ہیں، اور کسی نے کہا کہ ہم فلاں غرض کے لئے علم حاصل کررہے ہیں، غرض ہر ایک نے اپنی غرض دنیوی کا اظہار کیا مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم علم اللہ ورسول کی رضا کے لئے حاصل کررہے ہیں۔

انہی طلباء میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جو ایک گوشہ میں کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھے، خلیفہ نے ان سے بھی جاکر پوچھا کہ میاں صاحب زادے! آپ کس لئے پڑھ رہے ہیں، اور تحصیل علم سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کرلیا ہے کہ ہمارا خالق و مالک اللہ ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے وہ حاکم اور ہم محکوم ہیں، لہٰذا ہم اس لئے پڑھ رہے ہیں

کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں اور کس چیز سے ناراض، تاکہ اس کی مرضیات پر ہم چلیں اور ناراضگی کی چیزوں سے بچیں۔

خلیفہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ دوسرے طلباء کے جوابات سن کر میں نے اپنے دل میں یہ طے کرلیا تھا کہ آج سے مدرسہ بند کردوں گا، اس لئے کہ کوئی بھی اللہ کے لئے علم حاصل کرنے والا نہیں ہے، سب لوگ دنیا کے لئے پڑھ رہے ہیں مگر اب تمہارے جواب سے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے، اور اب صرف تمہاری وجہ سے مدرسہ باقی رکھوں گا کہ ایک آدمی تو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے والا موجود ہے۔

نیت درست کرنے کی ضرورت ہے

بھائی! طلباء و اساتذہ سبھی کو اپنی نیت درست کرنے کی ضرورت ہے، پڑھنے پڑھانے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونی چاہئے اور سب کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھ کر پڑھیں اور اسی کے مطابق عمل کریں اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں صرف کریں اور شریعت وسنت کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لیں، اور صحیح معنوں میں فرمانبردار مسلمان بن جائیں۔

مسلمان کسے کہتے ہیں؟

مسلمان اسی کو کہتے ہیں کہ جو اللہ و رسول کے حکموں کے سامنے گردن جھکا دینے والا ہو، اور چون و چرا کو چھوڑ دینے والا ہو، اور اللہ کی مرضی میں فنا

ہو جانے والا، اپنی رائے اور اپنی پسند کو چھوڑ دینے والا ہو، مسلمان کا تو بس یہ کام ہے کہ اللہ ورسول کی مرضی میں فنا ہو جائے مگر آج کل ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے دلوں میں آخرت کا یقین کمزور ہو گیا ہے اور یہ مرض عام ہو رہا ہے، لہٰذا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ قیامت کا ہم کو یقین کامل ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اسی پر ایمان کا مدار ہے، آخرت پر یقین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف بار بار متوجہ فرمایا ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور تم میں کا ہر نفس دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی کیفیت

آپ کو معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی کیا کیفیت تھی؟ نہ سنا ہو تو سنئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکعت نماز کی ادائیگی میں صبح ہو جایا کرتی تھی اور پائے مبارک ورم کر آیا کرتے تھے، اور جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمائش کی کہ اے ابن مسعود! مجھے قرآن سناؤ، تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! قرآن پاک تو آپ پر نازل ہوا، اور میں آپ کو سناؤں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! (اس لئے کہ دوسرے کی زبانی سننے سے بعض دفعہ زیادہ

لطف حاصل ہوتا ہے) الغرض آپ کی فرمائش پر عبداللہ ابن مسعودؓ نے سورۂ نساء سے چند آیات کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْداً﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر ہر امت میں سے ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر (جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے) گواہی دینے کے لئے حاضر لادیں گے، عبداللہ ابن مسعودؓ جب اس آیت پر پہنچے تو حضور ﷺ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی، جس کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تلاوت میں انہماک کے سبب نہیں دیکھ رہے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کیفیت کو دیکھا تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ ذرا حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف تو دیکھو کہ کیا کیفیت ہے، چنانچہ آپ کا یہ حال دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے تلاوت موقوف فرمادی۔

صحابۂ کرامؓ کا قرآن کریم سے شغف

اسی طرح صحابہ کرامؓ کے حالات میں بھی غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک سے ان کو انتہائی عشق تھا اور وہ حضرات اس کے ساتھ بے حد شغف رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو انہوں نے پوچھا کہ اس وقت کون سا عمل سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے؟ تو صحابہ کرامؓ نے کہا اس وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ

عمل حرم شریف میں جاکر قرآن پاک کی تلاوت کرنا ہے، چنانچہ وہ حرم شریف تشریف لے گئے اور سورۂ ق جوان کو یاد ہو چکی تھی اس کی تلاوت شروع کی، تلاوت کا شروع کرنا تھا کہ مشرکین مکہ نے ہر طرف سے زدو کوب شروع کیا، حتیٰ کہ آپ کا سارا جسم لہولہان ہو گیا، مگر جب تک پوری سورت ختم نہ کرلی قرآن کی تلاوت موقوف نہیں فرمایا۔

صفت سے محبت کب ہوگی؟

سبحان اللہ! قربان جایئے، کیا ٹھکانہ ہے کہ مسلسل زدو کوب ہو رہی ہے، لہولہان ہو رہے ہیں مگر اس کا کوئی اثر ان کی تلاوت پر نہیں پڑرہا ہے آخر قرآن کے ساتھ ان کو کیسا عشق تھا، اور تلاوت میں ان کو کس قدر مزہ ملتا تھا، اس کا اندازہ انہی حضرات کو تھا، ہم کو تو اس کا سمجھنا بھی مشکل نظر آتا ہے، بات یہ ہے کہ ان کو قرآن کے ساتھ عشق تھا اور یہ حقیقت ہے کہ محبّ کو اپنے محبوب کے کلام کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے وہ کسی چیز سے نہیں ہوتا اس لئے کہ کلام متکلم کی صفت ہوتی ہے تو جب کسی کی ذات سے محبت ہوگی تو اس کی صفت سے بھی محبت لازمی ہے اس لئے اس کو اپنے محبوب کے کلام میں ایسی لذت وحلاوت ملتی ہے جو بیان سے خارج ہے۔

عشاق ومحبین کے لئے سامان تسلی

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، عشاق کے لئے اس دار دنیا میں تسلی کا یہی ذریعہ ہے، محبین اپنے محبوب حقیقی سے ان کے کلام کی تلاوت کر کے تسلی

حاصل کرتے ہیں اور اس سے ان کو ایسی لذت و حلاوت ملتی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا، یوں سمجھئے کہ جس طرح میٹھی چیز کھانے سے لذت و حلاوت ملتی ہے اسی طرح اہل اللہ کو ذکر و تلاوت سے لذت و حلاوت ملتی ہے اور اس سے ان کی روح مخمور و سرشار ہو جاتی ہے۔

صحابۂ کرام کی تلاوت کا ذکر قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کے تلاوت کی مدح اس آیت میں فرماتے ہیں ﴿لَيْسُوْا سواءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ (اس آیت سے پہلے اہل کتاب کی مذمت فرمانے کے بعد پھر ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کی مدح میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ) یہ اہل کتاب سب برابر نہیں بلکہ انہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہے اور اللہ کی آیتیں (یعنی قرآن پاک) اوقات شب میں پڑھتی ہے اور وہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

قرب خداوندی کا ایک آسان طریقہ

دیکھئے! اس میں اللہ تعالیٰ راتوں میں ان کی تلاوت کی مدح فرما رہے ہیں اور رات کی تخصیص اس لئے فرمائی گئی کہ عموماً رات ہی کو محبوب کی یاد سے آدمی مضطرب و بیتاب ہوتا ہے، تو اس وقت اسی کے کلام سے تسلی حاصل کرتا ہے، پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے لئے رات کا یہی عمل ہے کہ وہ راتوں کو کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس سے تسکین و تسلی حاصل کرتے ہیں

اور اس میں ان کو ایسا مزہ ملتا ہے جو کسی چیز میں نہیں اور یہ لذت و حلاوت معنی کے سمجھنے پر موقوف نہیں، اسی طرح تلاوت کا موعود اجر و ثواب بھی فہم قرآن پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت بلا فہم سے بھی اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا یارب! جن چیزوں سے مقربین آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل کون سا عمل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اے احمد! وہ میرا کلام ہے، میں نے دریافت کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ فرمایا سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

صفائی قلب کا ایک نبوی نسخہ

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے خواہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے، دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس کی صفائی کا کیا ذریعہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ تلاوت کلام اللہ سے قلب کا زنگ دور ہوتا ہے، میرے عزیزو! گناہوں کی کثرت سے قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے اور تلاوت کی کثرت سے اس کو دور کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس گنہ کر کے دیا جاتا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے، تو الٓمٓ کی تلاوت پر گویا تیس نیکیاں ملتی ہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے الٓمٓ حروف مقطعات میں سے ہے جس کے معنی کوئی بھی نہیں سمجھتا، پھر بھی ثواب ملتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ قرب و ثواب کا حصول معنی سمجھنے پر موقوف نہیں، آج بھی قرآن پاک کی تلاوت موجب قرب ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ عظمت قرآن کے ساتھ اور توجہِ قلب کے ساتھ ہو کہ یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب قرآن پاک کھولتے تھے تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ "ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ، ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ" یہ میرے پروردگار کا کلام ہے، یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جب اس ڈھنگ سے تلاوت کرتے تھے تب کہیں جا کر ان کو اس کی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی تھی اور ان کے چہروں سے اس کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔

اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ....

علامہ شعرانیؒ "تنبیہ المغترین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی شخص رات میں قرآن پڑھتا تھا تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر اس کے چہرے میں محسوس کرتے تھے اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ رات میں اگر کوئی پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرے پر اسکا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، اور اس کا قرآن پڑھ لینا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چادر اٹھالینا۔

ہمیں تلاوت میں مزہ کیوں نہیں آتا؟

دیکھئے حسن بصریؒ اپنے اسلاف کی تلاوت کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ان کی تلاوت کا اثر چہروں سے نمایاں ہوتا تھا اب ہم اپنے حال میں خود غور کرلیں کہ اپنے اسلاف کی سیرت سے کتنا دور ہو چکے ہیں اور ہم کو جو تلاوت میں لطف اور مزہ نہیں آتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے قلوب سیاہ ہو چکے ہیں، گناہوں کا زنگ ہمارے قلوب پر لگ گیا ہے جس کی وجہ سے ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی چیز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو وہ نقطہ مٹادیا جاتا ہے ورنہ بڑھتا رہتا ہے، پھر اگر دوسرا گناہ کرلیتا ہے تو دوسرا نقطہ لگادیا جاتا ہے، غرض ہر گناہ پر نقطوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس پر قفل لگ جاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

میرے عزیزو! اللہ کی نافرمانی وہ چیز ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور

کر دیتی ہے، بلاشبہ قرآن پاک میں ایسی لذت و حلاوت ہے جس کی کوئی حد نہیں مگر جب انسان گناہ اور نافرمانی کرتا ہے تو اس کو لذت اور حلاوت حاصل نہیں ہوتی اس لئے گناہوں کو چھوڑ دیں، اللہ کی نافرمانی کو ترک کریں پھر طاعات میں خود لذت و حلاوت محسوس کریں گے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اذان دی تو اس کو سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بات سچی ہے اور یہ کلمہ حق ہے مگر کہنے والا سچا نہیں اس لئے کہ زبان سے تو اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر دل میں ہزاروں معبود بھرے ہیں اور غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتا ہے تو پھر اس قول میں کہاں سچا رہا۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نفی و اثبات ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی ذات بندگی کے لائق نہیں اور اللہ ہی کی شان یہ ہے کہ اس کے حکم کے سامنے ہم سر جھکا دیں، اس کی نافرمانی نہ کریں اسی طرح جب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ آپ کے حکموں پر چلیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔

آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مرتبہ کتنا بلند ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ یعنی رسول تم کو جس چیز کا حکم دیں اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔

مومن کا اصل وظیفہ

پس ہر امر میں آپ کا اتباع لازم وضروری ہے، لہٰذا اتباع سنت کو لازم پکڑیں استغفار کی کثرت کریں اور تلاوت کی پابندی کریں۔

آج امت تلاوت سے بہت غافل ہے، بھائی تھوڑا ہی سہی قرآن پاک کی تلاوت کا معمول بنائیں اور قرآن پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں، اسی سے اللہ راضی ہوگا، اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ ہم اللہ کو راضی کرلیں، وہ بندہ سب سے زیادہ کامیاب ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے اور قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیشی سے ڈرے، اور ڈر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ورسول کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے بلکہ ہر قدم شریعت کے مطابق اٹھائے، عقائد میں، عبادات میں، معاملات میں، معاشرت واخلاق میں، صورت وسیرت میں، لباس وپوشاک میں، رہن سہن میں، شادی غمی میں، غرض زندگی کے ہر باب میں ہم اتباع کریں جناب رسول اللہ ﷺ کا، یہ ہے مومن کا اصل وظیفہ۔

آج ہم کو ہر طرف سے شدائد ومصائب گھیرے ہوئے ہیں وہ محض اسی بنا پر ہیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کا خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا، قیامت کا یقین ہمارے دلوں میں باقی نہیں رہا، اللہ کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب کا استحضار نہیں رہا، اسی جانب متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی ہر انسان دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔

انسان نے دنیا میں عیش و عشرت کے بہت سامان جمع کر لئے، محل و مکان بنایا، بڑی بڑی کوٹھیاں تیار کر لیں، مال و دولت جمع کر لیا، لیکن اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں کی تو اس زندگی کا مقصد اس نے نہیں سمجھا، جس نے اپنی زندگی کا مقصود صرف انہی چیزوں کو بنایا اس نے اپنے دنیا میں آنے کا مقصد ہی نہ سمجھا۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ" یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے، پس ہمیں یہیں سے آخرت کا توشہ تیار کرنا ہے، عمل کی جگہ یہی ہے، دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے، اگر یہاں عمل کروگے تو آخرت میں جزاء کے مستحق ہوگے۔

سب کچھ کرو لیکن .....

میرے عزیزو! میں اس دنیا کے حاصل کرنے سے منع نہیں کرتا، سب کچھ کرو لیکن یہ بھی تو سوچو کہ آخرت کے لئے کیا توشہ جمع کیا ہے، اور وہاں کی راحت کے لئے کیا سامان اکٹھا کیا ہے؟ وہاں کام آنے والی چیز اللہ کی توحید، نماز کی پابندی، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، قرآن پاک کی تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا، اللہ و رسول کی نافرمانی چھوڑ دینا، یہی سب چیزیں آخرت میں کام آنے والی ہیں، اور اس دار دنیا میں بھی یہی مومن کے اصلی کام ہیں۔

اُمم سابقہ پر جو مختلف قسم کا عذاب آیا، لوگ تباہ و برباد اور ہلاک کیے گئے

وہ اسی نافرمانی کی وجہ سے، قرآن پاک میں حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَكُلاًّ اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِباً وَّ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْآ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا، ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کی بارش کی، اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آپکڑا، اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا، اور خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے (سورۂ عنکبوت)

خوفِ آخرت اور گناہوں سے نفرت کیوں کر؟

دیکھئے! یہ اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ ہے کہ آگ برسا دی گئی خاکستر ہو گئے، پانی کا عذاب آیا غرق کر دیئے گئے، صورتیں بدل دی گئیں، سوّر اور بندر بنا دیئے گئے، اللہ کی نافرمانی ایسی ہی چیز ہے، جب آدمی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے گا اور اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے گا اور اس کے لئے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھے گا تو اس کے قلب میں نور پیدا ہو گا، قیامت کا یقین پیدا ہو گا، جنت و دوزخ کا یقین پیدا ہو گا اور آخرت کا خوف پیدا ہو گا، خوفِ آخرت ہی انسان کو عمل پر ابھارتا اور گناہوں سے باز رکھتا ہے، افسوس کہ ہمارے دلوں سے خوفِ آخرت نکل گیا۔

حضرت داود طائی ایک بزرگ ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب

رات بستر پر لیٹتے تھے تورات بھران کو نیند نہیں آتی تھی، تڑپ تڑپ کر اٹھتے تھے جہنم کی یاد ان کو سونے نہیں دیتی تھی۔

اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں....

اللہ والوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ راتوں کو عبادت کرتے ہیں اور پھر صبح کو اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی شان کے مطابق ہم سے عبادت نہ ہو سکی، ذرا ہم بھی اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں، کیا ہمارے اندر وہ خوف ہے جو ہمارے اکابر کے اندر تھا؟

قرآن پاک میں مسلمانوں کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ معروف پر عمل کریں اور دوسرے یہ کہ منکرات سے باز رہیں، اور اسی کی دعوت دوسروں کو بھی دیں، جو شخص خود معروف پر عمل نہیں کرے گا اور منکرات سے نہیں بچے گا اس کی دعوت میں ہرگز اثر نہیں ہوگا، اس لئے ہمیں چاہئے کہ پہلے خود معروف پر عمل کریں اور منکرات سے پرہیز کریں، جو اعمال اللہ ورسول کو راضی کرنے والے ہیں وہ معروف ہیں اور جن اعمال سے اللہ ورسول ناراض ہوتے ہیں وہ سب منکرات میں شامل ہیں۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ یعنی اے امت محمدیہ! تم لوگ سب اہل مذاہب سے اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور

بری باتوں سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو۔

جس طرح حضور اقدس ﷺ تمام انبیاء کرام کے امام ہیں اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں کی امام ہے، مگر اس کی شرط کو پورا کرنا بھی ہمارے ذمہ لازم ہے اگر ہم اس کو پورا نہ کریں گے تو عند اللہ ہم سے باز پرس ہو گی۔

حضرت فاروق اعظمؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تم اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہتے ہو اور خیر الامم بننا چاہتے ہو تو اس کی شرط کو پورا کرو، یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو، اور یہ کام جب ہی ہو سکتا ہے جب اللہ پر کامل ایمان ہو، مخلوق کی پرواہ دل سے نکال چکا ہو، بلا خوف لومۃ لائم اللہ کی طرف دعوت وہی دے سکتا ہے جس کا ایمان کامل ہو، مخلوق پر اس کی مطلق نظر نہ ہو، ان کے رد و قبول اور مدح و ذم کو دل سے نکال چکا ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مخلوق سے کسی اجر کے طالب نہیں ہوتے بلکہ ان کی نظر اللہ ہی پر ہوتی ہے، ہر نبی نے اپنی قوم سے ببانگ دہل یہ کہا ہے ﴿مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو محض اللہ کے ذمہ ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

بھائی! ہم لوگ کسی وقت بیٹھ کر سوچیں کہ ہماری زندگی کا کیا حال ہے، کتنی عمر ہو گئی اس میں ہم نے کس قدر نیکیاں جمع کیں اور کتنے گناہ کیے؟ اگر

روزانہ کسی وقت بیٹھ کر یہ سوچا کریں تو ہماری غفلت دور ہو اور آخرت کی تیاری میں لگ جائیں، بھائی! قیامت کے دن کے لئے سامان کرو اور مقصود اصلی آخرت بناؤ اور مومن کو ہر وقت اس کا استحضار رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہمارے حال سے باخبر ہیں، کوئی چیز ان پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، حتیٰ کہ ان کو دل کے خطرات کا بھی علم ہے۔

اب ایک واقعہ بیان کر کے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ عصر کی نماز کا وقت قریب ہے۔

مقام حضور ومقام احسان کی دلنشین تشریح

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خانقاہ میں بہت سے طالبین رہتے تھے پہلے کا دور ایسا ہی تھا کہ لوگوں کو خود اپنی اصلاح کی فکر ہوتی تھی، اور اس کے لئے مشائخ کی خدمت میں جاکر رہتے تھے، اور آج یہ حال ہے کہ جسمانی امراض کی تو بڑی فکر ہے، کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو فوراً ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے بتلائے ہوئے نسخہ کے مطابق دوا علاج اور پرہیز کرتا ہے، اور اگر ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ہسپتال میں داخل ہو جاتے ہیں، اور صحت جسمانی کے لئے ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں مگر باطنی امراض کی طرف سے غافل ہیں حالانکہ جس طرح ظاہری امراض جسم کے لئے مضر ہیں اسی طرح باطنی امراض روح کے لئے مہلک اور سم قاتل ہیں، امراض نفسانی کی وجہ سے کتنے اعمال صالحہ ضائع اور بیکار ہو جاتے ہیں۔

جس طرح امراض جسمانی کا شفاخانہ ہسپتال ہے اسی طرح امراض روحانی کا شفاخانہ اہل اللہ کے دروازے ہیں اور امراض باطنی سے شفا پانے کے لئے شیخ کامل سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، اور جو لوگ طالب صادق ہوتے ہیں وہ ان کے در پر جا کر پڑ جاتے ہیں تاکہ ہم کو قلبی امراض سے شفا ہو جائے، بھائی! ہمارے دل بیمار ہیں اور ہمارا دل صحیح معنوں میں دل نہیں ہے لہٰذا دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے، اور دل ہی کی سلامتی سے فلاح آخرت وابستہ ہے، قیامت کے دن وہی شخص کامیاب ہوگا جس کا دل رذائل سے پاک ہوگا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ لاَ يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لاَ بَنُوْنٌ اِلاَّ مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ہاں مگر جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے گا وہی کامیاب ہوگا۔

حضرت شیخ الہندؒ قلب سلیم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایسا دل جو بے روگ ہو یعنی جس دل میں بیماری نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ دل میں بھی روگ ہوتا ہے اور اس کو دور کرنے کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ جن امراض کا علاج جو شخص جاننے والا ہوگا وہی کرسکتا ہے اور اس کیلئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا، ایسے حضرات کی نشاندہی بھی قرآن پاک میں کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے امر کے ساتھ متقیوں اور سچوں کی صحبت میں رہنے کا بھی امر فرمایا تاکہ ان سے تقویٰ حاصل ہو چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے

ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

آمدم برسر مطلب

یہ بات درمیان میں آگئی تھی، میں شیخ سہروردیؒ کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ حضرتؒ کی خانقاہ میں بہت سے طالبین ٹھہرے ہوئے تھے جو ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے، ایک نوجوان بھی حضرت کی خدمت میں آیا اور حضرتؒ سے تعلق قائم کیا، آپ نے جو ذکر اس کو بتلایا اس میں مشغول رہا اور خلوت میں وہ اللہ اللہ کرتا رہا، اٹھارہ دن کے بعد اس کو بلا کر حضرت نے فرمایا کہ ہم تم کو اجازت دیتے ہیں، اب جاؤ لوگوں کو دین کی باتیں بتاؤ، گویا اٹھارہ دن میں اس کو خلافت سے مشرف فرمایا، اب جو لوگ پہلے سے وہاں مقیم تھے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہم لوگ برسہا برس سے یہاں پڑے ہوئے ہیں اور کامیاب نہیں ہوئے اور یہ نوجوان صرف اٹھارہ دن رہا اس کو خلافت مل گئی، حضرت کو ان کا خطرہ منکشف ہوگیا، تو حضرت نے ان سب لوگوں کو مع اس نوجوان کے بلایا اور سب کو ایک ایک مرغ اور ایک ایک چھری دے کر فرمایا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو، چنانچہ سب لوگ مختلف تنہائی کی جگہوں میں لے جا کر ذبح کر کے لائے اور وہ نوجوان بہت دیر کے بعد زندہ مرغ اور چھری لے کر واپس آگیا، لوگ اس کو دیکھ کر ہنسے کہ دیکھو تو سہی یہ کیسا آدمی ہے جس کو کوئی تنہائی کی جگہ ہی نہیں ملی، پھر حضرت نے سب سے دریافت فرمایا کہ تم نے کہاں ذبح کیا؟ سب نے بتادیا، آخر میں اس نوجوان سے

پوچھا کہ تم نے مرغ کیوں نہیں ذبح کیا؟ تو اس نے عرض کیا کہ حضور! آپ کا یہ حکم تھا کہ ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو تو مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اس لئے کہ جہاں بھی لے گیا اس جگہ یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں اس وجہ سے میں اس کو ذبح نہ کر سکا۔

سبحان اللہ! دیکھئے اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا کس قدر استحضار تھا یوں تو اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ ہر مسلمان رکھتا ہے لیکن ہمہ وقت اس کو مستحضر رکھنا یہ مقام کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے یہی مقام حضور ہے جو اس نوجوان کو حاصل تھا اور اسی کو مقام احسان کہتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں ہے کہ "ان تعبد الله كانّك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو یہ استحضار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہے ہیں۔

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں

اہل اللہ کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معیت کا ہر وقت استحضار رکھتے ہیں جس سے ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی عبادات میں لذت پاتے ہیں اور یہی چیز ان کو معصیت و نافرمانی سے محفوظ رکھتی ہے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے، سنئے ؎

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار بہت بڑی نعمت ہے، جو اللہ والوں کو حاصل ہوتی ہے اور اس میں وہ ہر وقت سرشار رہتے ہیں اور جو لوگ ان کے قریب ہوتے ہیں ان کو بھی اس سے ضرور کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے، اس وقت مجھے اپنی غزل کے دو شعر یاد پڑے اس کو پڑھتا ہوں۔

جو ہیں اہل محبت دوستو! پھر ان کا کیا کہنا
محبت کے لئے پھرتے ہیں انگارے محبت میں
یہ ناممکن ہے آئے پاس اور پھر تر نہ ہو جائے
محبت کے اڑا کرتے ہیں فوارے محبت میں

میرے محترم بھائیو! یہ زندگی بھی اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے جس کو یہ زندگی مل گئی وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے، آخرت کی تیاری اسی زندگی میں کی جاتی ہے اور اللہ والے زندگی کے طول کو اسی لئے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ترقی کا ذریعہ ہے یوں بعضے بزرگوں نے غلبۂ شوق میں اور محبوب حقیقی سے وصال کی تڑپ میں موت کی تمنا بھی کی ہے اور ایسی موت کی تمنا منع بھی نہیں ہے بلکہ موت کی وہ تمنا منع ہے جو مصائب و آلام کی وجہ سے ہو مگر اعلیٰ وارفع مقام یہ ہے کہ اللہ کے قرب میں ترقی کے لئے زندگی کو غنیمت شمار کرے مرنے کے بعد ایک مرتبہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کہنے سے جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ بھی میسر نہیں ہوگا، اسی بناء پر بہت سے بزرگان دین نے آخر عمر میں زیادتی عمر کی تمنا کی ہے، چنانچہ علامہ جامی فرماتے ہیں۔

بادو روزہ زندگی جامیؔ نشد سیر غمت
واہ چہ خوش بودے کہ عمر جاودانی داشتیم

یعنی دوروز کی زندگی میں جامیؔ آپ کے غم محبت سے سیر نہیں ہوا، کیا خوب ہوتا اگر مجھ کو عمر جاودانی حاصل ہو جاتی۔

بھائی! ہم کو یہ زندگی اسی لئے دی گئی ہے کہ اس میں ہم قیامت کے دن کے لئے توشہ جمع کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں اور اعمال صالحہ وہی ہیں جو سنت کے مطابق ہوں اور اللہ کے لئے کئے جاویں۔

تم ھی غالب رھو گے بشرطیکه .....

آج اگر امت میں یہ چیز عام ہو جائے کہ نافرمانی چھوڑدیں، سب کے سب نمازی بن جائیں، شریعت کے پابند ہو جائیں، سنت کے مطابق زندگی گذاریں اور صحیح معنوں میں سچے پکے مسلمان بن جائیں تو دیکھئے پھر کیا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

یعنی تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم ایمان پر قائم رہو۔

یہ نص قطعی ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اور آج جو ہم پر ہر طرف سے ذلت ورسوائی مسلط ہے یہ ہماری بداعمالیوں کی سزا ہے۔

میری ایک پوری نظم ہے جس میں دعوت ہی دعوت ہے، اس کے چند اشعار اس مضمون کے مناسب پڑھ کر مضمون ختم کرتا ہوں۔

ذلت و خواری و رسوائی سے تجھ کو کیا کام
سچ بتا کیا تو نہیں ہائے محمد کا غلام
ہائے کیا بات ہے سوچا ہے کبھی اس کو بھی
تجھ سے زیادہ نہیں ہے کوئی دنیا میں بدنام
خاک میں تجھ کو ملایا ہے تری غفلت نے
ہوش میں اب بھی نہ آیا تو ہے حیرت کا مقام
آہ! تجھ کو نہیں یاد رہا اپنا مقام
مقتدی تو نہیں ہرگز تو ہے دنیا کا امام
تو اگر آج بھی ہو جائے محمد کا غلام
سمجھیں رحمت تجھے پھر دنیا کی ساری اقوام
تیرے ایمان میں خامی نہ کہیں رہ جاتی
کاش پی لیتا اگر تو بھی محبت کا جام
بندے اللہ کے اللہ سے جب باغی ہیں
کیا تعجب ہے جو دنیا میں بپا ہے کہرام

جب ایمان دل میں راسخ ہوجائے گا

ہم زبان سے تو اپنے کو مومن کہتے ہیں لیکن ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کیا ایمان ہمارے قلب میں ہے؟ اور ہم صحیح معنوں میں مومن ہیں؟ اللہ کی خشیت اور اس کی محبت دل کے اندر ہوتی ہے تو اس کے آثار ظاہر

ہوتے ہیں، جیسے ایمان قلب کے اندر ہوتا ہے مگر اس کے علامات و آثار ظاہر ہوتے ہیں، پس جب ایمان دل میں راسخ ہو جائے گا، اللہ و رسول کی محبت دل میں راسخ ہو جائے گی تو اللہ کی راہ میں جان و مال سب کچھ قربان کرنا آسان ہو جائے گا، صحابۂ کرامؓ کی زندگی کو دیکھ لو، ان کے دل میں ایمان آگیا تھا اور اللہ و رسول کی محبت دل میں راسخ ہو گئی تھی تو انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو سب کچھ قربان کر دیا ان کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے، اس میں غور کریں اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کا یقین ہم سب کے دل میں ڈال دے اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آج اس مدرسہ میں مجھے پہلی بار حاضری کا اتفاق ہوا، اور آپ حضرات کی خواہش پر مختصر وقت میں کچھ بیان بھی کر دیا، یہاں آکر جی خوش ہوا، خدا کرے مدرسہ کو ترقی ہو، طلباء اور اساتذہ سے دین کی خدمت ہو اور صحیح معنوں میں دین کی خدمت کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے، اپنی محبت عطا فرمائے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین ثم آمین

صحبت صالحین کی ضرورت واہمیت

اقتباس

اخیار کی صحبت سے خیر حاصل ہوتا ہے اور اشرار کی صحبت سے شر ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے برے ساتھیوں سے پرہیز کریں اور اہل دل اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اور وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھا کریں اس کا نفع انشاءاللہ آپ خود محسوس کریں گے۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آیئے

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ، أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ﴾

ابھی شروع میں ایک چھوٹے بچے سے قرآن پاک کی تلاوت کی فرمائش کی گئی اور اس نے قرآن پاک کی تلاوت کی، آپ حضرات نے بھی سنا کتنا اچھا معلوم ہوا کہ اتنا چھوٹا بچہ زبانی قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، یہ بھی قرآن پاک کا عجیب و غریب معجزہ ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے اس کو یاد کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اس کی حفاظت کا وعدہ ہے اس کا یہی انتظام ہے، اور جو لوگ اس کو یاد کر لیتے ہیں یہ ان کی بہت بڑی سعادت اور

خوش نصیبی ہے کہ اللہ کے کلام پاک کی حفاظت ان کے ذریعہ سے ہو رہی ہے، یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت اور ان کا فضل وانعام ہے اور انتہائی شکر کا مقام ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کا بھی مطالبہ ہے اور یہ مطالبہ عوام وخواص سب سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمار ہے ہیں کہ ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَاراً﴾

جھنم سے بچنے کی صورت

اس آیت میں تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ ہم وہ اعمال اور صفات اختیار کریں جن سے جنت میں داخل ہو سکیں اور جہنم سے بچ جائیں، پس ہم کو چاہئے کہ خود بھی دوزخ کی آگ سے بچیں اور اللہ کی نافرمانی چھوڑ دیں اور اپنے اہل وعیال کو اور اسی طرح دوستوں اور عزیزوں کو بھی بچائیں اور جہنم سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ سب سے پہلے ہم شرک سے بچیں، جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور خدا کے سوا کسی مخلوق کو نافع وضار نہ سمجھا جائے بلکہ یہ عقیدہ راسخ کیا جائے کہ نافع وضار صرف اللہ ہی کی ذات ہے اس وقت آپ کو اپنے ہی دو شعر سناتا ہوں ۔

الفت میں ان کی اپنے کو جس نے بھلا دیا
دونوں جہاں میں پھر اسے خوف وخطر نہیں

غیروں پہ تیری جاتی ہے کس واسطے نظر
واللہ ان کے ہاتھ میں نفع وضرر نہیں

نفع وضرر سب خدا ہی کے اختیار میں ہے، وہی بیمار ڈالنے والے ہیں وہی شفا دینے والے ہیں، وہی مارنے والے اور وہی جِلانے والے ہیں، غرض اس عالم میں متصرف انہی کی ذات ہے جیسا کہ قرآن پاک میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَ اٰبَاۗؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ عَدُوٌّلِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ وَ الَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْۗئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴾

فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ میرے لئے باعث ضرر ہیں، مگرہاں رب العالمین جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے، اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا، اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کردے گا۔

جس کی توحید کامل ہوجاتی ہے

جس کی توحید کامل ہوجاتی ہے اس کی نظر غیر پر نہیں اٹھتی وہ صرف خدا

ہی کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو انہی کی طرف سے دیکھتا ہے انہی کو اپنا خالق ومالک اور رب سمجھتا ہے اور وہ بالکل اس کا مصداق ہوتا ہے۔

جہاں دیکھیں جدھر دیکھیں نظر محبوب آتا ہے
تعالی اللہ یہ برکت ہے انوار محبت میں

اس کی نظر محض اللہ پر ہوتی ہے اور غیر اللہ کو اپنے دل سے نسیاً منسیاً کر دیتا ہے اور اللہ سے محبت جب کامل ہو جاتی ہے تو اس کا خاصہ ہی یہ ہے کہ غیر اللہ کے نقش کو دل سے مٹا دیتی ہے اور اغیار کو خاکستر کر دیتی ہے اس مضمون کا میرا اپنا ہی ایک شعر ہے سنئے۔

اسے نسیان کامل غیر سے واللہ ہوتا ہے
عجب کچھ شان دیکھی میں نے بیمار محبت میں

اے مسلمانو! سنو، مذہب اسلام میں بنیادی چیز اللہ کی توحید ہے اور شرک بالکل اس کے منافی ہے، اس لئے شرک باللہ سے بچو اور اللہ کی توحید پر مر مٹو اور اس پر اٹل ہو جاؤ، چنانچہ ہمارے اول کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مفہوم یہی ہے۔

لٹا دیتا ہے جنت کی بہاریں شوق سے عاشق

جب اللہ کی توحید دل میں آجاتی ہے اور اس کی لذت سے آدمی آشنا ہو جاتا ہے تو پھر اس پر مر مٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور کسی حال میں اس کو چھوڑنا گوارہ نہیں کرتا، میرا ہی ایک شعر ملاحظہ ہو۔

لٹا دیتا ہے جنت کی بہاریں شوق سے عاشق
مزہ کچھ اس طرح پاتا ہے گلزار محبت میں

اس کا مزہ حضرت بلال حبشیؓ سے پوچھو کہ جب کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا اور ایمان کی حلاوت کو چکھ لیا تو پھر ان پر لاکھ ظلم ڈھائے گئے سینے پر پتھر رکھ کر تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا گیا مگر وہ اَحد اَحد کی رٹ لگاتے رہے اور دوبارہ شرک کی طرف جانا گوارہ نہ فرمایا، بلکہ توحید پر اٹل رہے اور جبل استقامت بن کر سارے عالم کے سامنے قیامت تک کے لئے زبردست نمونہ اور مثال قائم فرما گئے یہ تھی حضرت بلالؓ کی توحید۔

چنانچہ اس واقعہ کو شاعر نے اردو میں نظم کیا ہے جس کو میں نے اپنے بچپن میں پڑھا تھا اور مجھے اس کے پڑھنے میں بڑا مزہ آتا تھا، اس وقت بعض اشعار مجھے بے ساختہ یاد آ گئے جی چاہتا ہے کہ آپ کو بھی سنا دوں تاکہ اس سے حضرت بلالؓ کی استقامت کا کچھ اندازہ ہو، ان پر ظلم وستم کی کیفیت کو دیکھ کر صدیق اکبرؓ نے ان سے کہا اے بلال! تم آہستہ آہستہ کلمہ پڑھو، زیادہ زور سے اس کا اعلان نہ کرو، چنانچہ انہوں نے کچھ دنوں اس پر عمل کیا، مگر پھر جوش محبت میں بآواز بلند کلمہ پڑھنے لگے اس پر ان کا آقا جس کے یہ غلام تھے بہت خفا ہوا اور مختلف طریقہ سے ان کو اذیتیں پہنچائیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ گرم ریت پر لٹا کر ان کو گھسیٹا، مگر انہوں نے ان سب کو برداشت کیا اور توحید پر اٹل رہے ان کے اسی حال کا بیان ان اشعار

میں مذکور ہے جن کو میں اس وقت سنانا چاہتا ہوں، سنئے۔

پتھروں سے ہو رہا ہوں پائمال		خون اب دینے لگا ہے بال بال
ان عذابوں کی مجھے پروا نہیں		ان تکالیفوں سے دل دکھتا نہیں
دفتر عشاق میں لکھ لے مجھے		چاہے پھر جتنی بھی ایذا دے مجھے
دیکھ پھر کس شوق سے لیتا ہوں میں		جان کو کس شوق سے دیتا ہوں میں

زکوٰۃ کی فرضیت نماز ھی کی طرح ھے

بہت سے صحابہ کرامؓ کو اس قسم کی تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر وہ لوگ اپنے کام میں لگے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہے، لہٰذا ہم کو بھی چاہئے کہ دین کی طرف دعوت دیں اور دوسروں کو سمجھائیں کہ توحید اختیار کرو، شرک سے باز رہو، اللہ کے احکام کی پابندی کرو، نماز کی پابندی کرو، رمضان کے روزے رکھو، مال ہو تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر نماز کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اس سے جس طرح نماز کی فرضیت ثابت ہوئی اسی طرح زکوٰۃ کی بھی فرضیت ثابت ہوئی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

صدیق اکبرؓ کی عزیمت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور یہ کہنے لگے کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہ دیں گے تو حضرت

صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا ہم اس کے ساتھ جہاد کریں گے، صحابہؓ نے آپ کو سمجھایا کے اے خلیفہ رسول! ذرا نرمی کیجئے، حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ ابھی نرمی ہی مناسب ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں تو سخت تھے اور اسلام میں بودے ہوگئے، پھر فرمایا کہ اگر میرا ساتھ اگر کوئی بھی نہ دے گا تو میں تنہا ان مانعین زکوٰۃ سے جہاد کے لئے جاؤں گا، آخر تمام حضرات صحابہؓ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔

اُدھر یہ ہوا کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ روکی تھی جب انہوں نے صدیق اکبرؓ کے عزم جہاد کو سنا تو تائب ہوگئے اور کہا کہ ہم زکوٰۃ بھی دیں گے، نماز بھی پڑھیں گے اور تمام احکام شرع کی پابندی کریں گے۔

دین کے تمام شعبوں پر عمل ضروری ہے

بہرحال جس پر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ ادا نہیں کرتا تو اسلام کا ایک فریضہ ترک کر رہا ہے لہٰذا اس کی بھی تاکید ہونی چاہئے کہ نماز پڑھو، روزے رکھو اور مال ہو تو حساب کر کے زکوٰۃ نکالو، اور استطاعت ہو تو حج بھی کرو، اور محض اتنے پر بھی اکتفا نہ ہونا چاہئے بلکہ دین کے جتنے شعبے ہیں سب پر عمل ضروری ہے اور اس کی طرف دعوت لازمی ہے، اخلاق وعادات کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرنا چاہئے جب ہم صورت میں، سیرت میں، لباس میں، وضع قطع میں، لینے دینے میں، رہنے سہنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، شادی غمی میں، غرض

اپنے تمامی امور میں محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کریں گے تب صحیح معنوں میں امتی کہلانے کے مستحق ہوں گے۔

تاقیامت دعوت دین کا سلسلہ جاری رہے گا

آج امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی، دین کے ہر باب میں ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے اور ہم طریق سنت کو چھوڑتے جا رہے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ و رسول سے دور ہوتے جا رہے ہیں مگر اللہ کے کچھ بندے آج بھی موجود ہیں اور تاقیامت ایسے لوگ رہیں گے جو دین کی دعوت کے لئے مستعد و کمربستہ رہیں گے چنانچہ یہاں بھی ایسے حضرات موجود ہیں جو دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ہم لوگ بھی بعض احباب کی خواہش پر اسی لئے یہاں آئے ہیں کہ آپ کو دین کی باتیں سنائیں۔

میرے محترم عزیزو! دین کی دعوت میں بھی اکابر کے طریق کو پیش نظر رکھیں ہمارے اکابر نے دین کی دعوت دی تو ان کو کیسی کیسی مصیبتیں پیش آئیں اور اللہ کی راہ میں انہوں نے کتنی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں اور بعد میں لوگوں نے انہی کو مانا بھی اور مخلص لوگوں کی جماعت تیار ہوگئی جو پسینہ بہنے کی جگہ اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتی تھی، بھائی اصل چیز اخلاص ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو ضائع نہیں فرماتے اس لئے اخلاص اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اخلاص اختیار کریں اور اپنے اندر دین کی سچی طلب پیدا کریں کیونکہ دین طلب اور محنت ہی سے ملے گا، کچھ ہم کو اس کے لئے مشقت تو

برداشت کرنی ہوگی۔

بڑوں کی بڑی بات

ہمارے اکابر کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک ایک حدیث سننے کے لئے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کیا ہے، اسی طرح جب وہ حدیث رسول کو سنتے تھے تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی چنانچہ بعضے حضرات تو صرف قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) سن کر ہی بے ہوش ہو جاتے تھے، اسی طرح قرآن پاک سن کر بھی ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ایک عام غفلت کی طرف خصوصی توجہ

پس ہم کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کے طرز کو اختیار کریں اور ان کی سیرت اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر کریں، قرآن پاک کو تدبر کے ساتھ پڑھیں اور حدیث رسول کو ادب کے ساتھ مطالعہ کریں اور اللہ و رسول کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی بنائیں خود بھی عمل کریں اور گھر والوں کو بھی عمل کرائیں۔

میں نے ایسا بہت دیکھا ہے کہ علماء کے پاس مردوں کے آنے جانے اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کی برکت سے وہ تو نمازی ہو جاتے ہیں مگر عورتیں بے نمازی کی بے نمازی ہی رہ جاتی ہیں، تو چونکہ گھر میں دینی ماحول نہیں بنتا اس لئے بچے بھی نماز کے عادی نہیں ہو پاتے، حالانکہ اولاد کی تربیت اور گھر والوں کی دینی حالت کی ذمہ داری بھی ہمارے ذمہ ہے، حدیث شریف میں آیا

ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جاوے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جاوے تو اس کو نماز کے ترک پر مارو، آج عموماً اس حدیث پر عمل کی طرف ہم لوگوں کی توجہ نہیں حالانکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ گھر والوں میں سے کوئی بھی بے نمازی نہ رہ جائے، لہٰذا خود بھی نمازی بنیں اور اپنے گھر والوں کو بھی نمازی بنائیں۔

نزولِ رحمتِ الٰہی کیسے ؟

میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ جس دن سب لوگ نمازی ہو جائیں گے تو اللہ کی خاص رحمت نازل ہو گی اور سب کو گھیر لے گی، کر کے تو دیکھیں!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ ﴾ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم لوگ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

نماز کا قائم کرنا اہتمام کو چاہتا ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ ایک تو ہے نماز پڑھنا اور ایک ہے نماز کو درست کرنا جو اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مطابق وضو ہو اور سنت کے مطابق قرأت ہو، رکوع اور سجود ہو، غرض ہر رکن نماز کو مکمل طریقے سے ادا کیا جائے اور ان سب کے آداب کی پوری پوری رعایت کی جائے پس اقامتِ صلوٰۃ سے یہی مراد ہے کہ نماز کے تمام ارکان کو سنن و آداب کی پوری پوری رعایت کے ساتھ ادا کیا جائے۔

ایک گذارش والتماس

اب میں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ اس قدر جلدی نماز پڑھتے ہیں کہ کوئی رکن اطمینان سے ادا نہیں ہوتا حتیٰ کہ جو لوگ امامت کرتے ہیں ان میں بھی بعض دفعہ کمی رہ جاتی ہے حالانکہ امام کو مزید اطمینان کی ضرورت ہے امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے، میرا خود اپنا تجربہ ہے بعض دفعہ ایسا ہوا کہ سجدہ میں ایک بار تسبیح پڑھ پایا تھا کہ امام نے دوسرا سجدہ کر دیا اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں التحیات بھی ختم نہ کر پایا تھا کہ ادھر امام صاحب نے سلام پھیر دیا۔

اب آپ ہی بتلائیے یہ بھی کوئی نماز ہے نماز کو اللہ کے مراقبہ اور حضور کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴾ اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی

تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو، اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ تمہارے اوپر رسول اللہ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

اتباع سنت کا ایک فائدہ

انسان اسی وقت نیک بنے گا جب خدا کی طرف دوڑے گا، برائیوں سے بچے گا عمل صالح اختیار کرے گا نیک کام وہی ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور صحیح نیت سے اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے کیا جائے جو عمل سنت کے مطابق نہیں اللہ ورسول ﷺ کے نزدیک اس کی کچھ وقعت نہیں، اور اتباع سنت کی نیت سے تو عادت بھی عبادت بن جاتی ہے اور جو عبادت خلاف سنت ادا کی جائے وہ منہ پر ماردی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں ”سنت کے مطابق دوپہر میں کھانا کھاکر قیلولہ کرنا ان ہزاروں راتوں کی عبادت سے بہتر ہے جو خلاف سنت ادا کی گئی ہوں“

مجاہدات بھی وہی معتبر ہیں جو خلاف سنت نہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ یعنی اللہ کی راہ میں اور دین کے لئے خوب کوشش کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

دوسری جگہ اسی مضمون کو یوں فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں تو ہم اپنا راستہ ان کے لئے کھول دیتے ہیں۔

اسی طرح اس مضمون کو ایک جگہ دوسرے عنوان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا، اس سے مراد یہی ہے کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے مددگار بن جائیں گے۔

میرے دوستو اور عزیزو! اللہ کے دین کے لئے اپنی جان اور مال سے کوشش کرو اپنی زندگی کو اسی مقصد کے لئے وقف کردو، اور اللہ کی راہ میں اپنے کو قربان کردو۔

دین کا ایک اہم باب

میں تو برابر یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ میں دنیا کے کاروبار کو منع نہیں کرتا اس کو بھی کرو مگر حدود شرع کا لحاظ ضروری ہے، ہر کاروبار شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، تجارت ہو تو اس کے مسائل بھی علماء سے پوچھ پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرو، زراعت ہو تو اس کے احکام بھی معلوم کرو، شریعت میں معاملات سے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں اور یہ بھی دین کا ایک اہم باب ہے اور اس کا علم نہ ہونے کے سبب آدمی حرام کا مرتکب ہو جاتا ہے جس

کی وجہ سے طاعات وعبادت کا ثمرہ بھی مرتب نہیں ہوتا، اسی بنا پر ہمارے اکابر معاملات کی صفائی اور درستگی پر بہت زور دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مستقل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے ''صفائی معاملات'' جس میں روزمرہ پیش آنے والے معاملات سے متعلق ضروری احکام درج ہیں اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ناواقفیت اور لاعلمی کی وجہ سے ہم روزانہ کتنے محرمات کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کی خبر بھی نہیں واقعی جہالت بہت بری بلا ہے۔

اگر ہم سچے پکے مسلمان بنا چاہتے ہیں تو دین کے ہر باب میں پختگی پیدا کریں اور سب سے پہلے اس کے متعلق جو احکام ہیں ان کو سیکھیں اور عقائد میں، عبادات میں، معاملات اور معاشرت میں، اخلاق وعادات میں ہم اتباع کریں محمد رسول اللہ ﷺ کا۔

اگر منکرات سے دل میں نفرت نہ ہوگی تو...

اور ہر مسلمان جو کلمہ پڑھنے والا ہے خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، وہ پختہ ارادہ کرلے کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے اور اللہ کے دین کی خدمت میں لگ جائیں گے اور کوشش کریں گے کہ دوسرے لوگ بھی سچے پکے مسلمان اور اللہ والے بن جائیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ

يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ" یعنی تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کردے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اس کو برا سمجھے اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منکرات کو مٹانے پر اگر پوری قدرت ہو تو خود مٹادے ورنہ زبان سے لوگوں کو منع کرے اور اس کی قدرت بھی نہ ہو تو دل سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا ادنیٰ مرتبہ ہے اگر منکرات سے دل میں نفرت بھی نہ ہوگی تو ایمان کا آخری درجہ بھی باقی نہ رہے گا پس اگر ہم گناہ کی باتوں کو دیکھیں اور دل سے بھی نفرت نہ کریں تو ہم بھی اس جرم میں شریک سمجھے جائیں گے۔

منکرات کے فروغ کا ایک اہم سبب

آج اگر ہم لوگ اس بات پر آمادہ ہو جائیں اور اس کام کے لئے کمر بستہ ہو جائیں کہ جتنے منکرات اور برائیاں ہمارے اندر ہیں ان سب کو ہم ختم کریں گے اور خود ایسی چیزوں میں شرکت نہیں کریں گے تو بہت کچھ اصلاح ہو جائے، آج جو منکرات کو فروغ ہو رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ عام مسلمانوں میں اس سے نفرت باقی نہیں رہی، ایک کرتا ہے اور سب اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اگر بلاخوف لومۃ لائم نکیر کی جانے لگے اور ناجائز

مجلسوں میں شرکت سے پرہیز کیا جائے تو پورے معاشرے کی اصلاح ہو جائے، مگر اس کے لئے ہمت چاہئے یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے اس کے لئے شیر مرد ہونا چاہئے جیسا کہ ہمارے اکابر وائمہ تھے۔

دین کو فروغ کیوں کر ہوا؟

چنانچہ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے جو فقہ کے ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام اور زبردست محدث اور فقیہ ہیں، ایک جگہ ان کی دعوت ہوئی، وہاں تشریف لے گئے تو ان کی نظر ایک طاق پر پڑی جس پر ایک چاندی کی سرمہ دانی رکھی ہوئی تھی، دریافت فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ معلوم ہوا کہ چاندی کی سرمہ دانی ہے جس سے سرمہ لگایا جاتا ہے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، اور یہاں چاندی کی سرمہ دانی استعمال کی جاتی ہے، اس لئے یہاں دعوت نہ کھاؤں گا، یہ کہہ کر واپس ہو گئے اور دعوت نہیں کھایا، ہمارے اکابر کو منکرات سے اس قدر نفرت تھی تب ان سے دین کو فروغ ہوا اور اپنے وقت کے امام ہوئے۔

سونے کی انگوٹھی یا اور کوئی زیور عورتوں کے لئے تو جائز ہے، مردوں کے لئے جائز نہیں اور سونے چاندی کا برتن تو کسی کے لئے جائز نہیں، لیکن اب آج کل اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مرد بھی سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں یہ جائز نہیں مگر ناواقفیت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں اگر علماء سے پوچھیں تو بہت سے

منکرات کا علم ہو سکتا ہے۔

تو بھائی! منکرات کو چھوڑیں اور اگر ہاتھ سے مٹانے پر قدرت ہو اور ہمت ہو تو ہاتھ سے مٹادیں اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو زبان سے برا کہیں اور اتنا بھی نہ ہو سکے تو دل سے نفرت کریں، یہ آخری درجہ ہے، اور جو حضرات یہاں موجود ہیں خود بھی تیار ہو جائیں اور جو موجود نہیں ان کو یہ بات پہنچادیں کہ وہ خود بھی منکرات سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی دعوت دیں، اگر کچھ لوگ ایسا کرنے لگ جائیں تو بہت سے منکرات ختم ہو جائیں اور خاص طور پر رسوم و بدعات سے احتراز کریں دین میں جتنی باتیں نئی نئی پیدا کرلی گئی ہیں یہ سب بدعت ہیں ان سب سے احتراز کریں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق

بعض لوگ بدعت کی دو قسم بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کہتے ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے علماء اور مشائخ اگر انصاف سے کام لیں تو بدعت حسنہ کا نام زبان پر ہرگز نہ لائیں، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے، تو پھر بدعت حسنہ کیسے ہو سکتی ہے اور جس چیز کی اصل قرآن و سنت سے ثابت ہے وہ بدعت میں داخل ہی نہیں۔

حضرت مولانا مرتضیٰ صاحب چاندپوریؒ فرماتے تھے کہ ”اے بدعت ملعونہ تیرا ناس ہو تو جس گھر میں داخل ہوتی ہے تو پہلے عقل کو وہاں سے

رخصت کردیتی ہے"۔

پس سنت پر عمل کریں، بدعت سے پرہیز کریں، شرک سے پرہیز کریں توحید پر ثابت قدم رہیں، ہر حال میں اللہ کی مرضی پر راضی رہیں، تو ہمارا سب کام بن جائے گا اپنی نظر کو اپنی نظر نہ سمجھیں اور اپنی رائے کو اپنی رائے نہ سمجھیں بلکہ اللہ ورسول کی مرضی میں اپنے کو فنا کریں، میرا اپنا ہی یہ شعر ہے۔

نظر ان کی نظر اپنی ، پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

جب ہم نے محبت کا دعویٰ کیا ہے تو حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں، معروف پر عمل کریں، منکرات سے پرہیز کریں، مومن کی یہی شان ہے۔

معروف پر عمل کرنا آسان ہے لیکن...

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے صاحب زادے ہیں فرماتے ہیں کہ معروف پر عمل کرنا تو آسان ہے مگر منکرات سے بچنا اور اس سے روکنا مشکل کام ہے، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظامؒ کی مخالفت جو کی گئی اور ان پر لعن طعن کیا گیا اور کیسی کیسی اذیتیں اور مصیبتیں پہنچائی گئیں وہ سب منکرات ہی سے روکنے کی وجہ سے ہوا کیونکہ انہوں نے کفر وشرک سے اور رسوم وبدعات سے روکا تو لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔

کامیاب کون ؟

آپ جانتے ہیں کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ یعنی ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے، لہٰذا ہم سوچیں کہ ہم کو بھی مرنا ہے اور اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے، آخرت میں کام آنے والی چیز تو بس اعمال صالحہ ہیں، یہ دنیا کی کامیابی چند روزہ اور فانی ہے، اصل کامیابی یہ ہے کہ قیامت کے روز ہم جہنم سے بچالئے جائیں اور جنت میں داخل کردیئے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ یعنی جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اس کے لئے ہم کو کوشش کرنا چاہئے اور اسی کی دعوت دوسروں کو دینا چاہئے کہ جہنم کے راستہ کو چھوڑو اور جنت کے راستہ پر چلو، اللہ کا حکم مانو اور اللہ کے رسول کا حکم مانو، شریعت کی پابندی کرو سنت کی پیروی کرو۔

محبت کی حقیقت ھی ابھی تونے نھیں جانی

اگر ہم دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، ان کی مرضی کے مطابق چلا جائے اور من مانی زندگی چھوڑ دی جائے، یہ من مانی جو ہم نے اختیار کررکھی ہے کہ جو ہمارا جی چاہے وہی کریں تو گویا ہم اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں

حالانکہ ہم آزاد نہیں بلکہ ہم بندے اور غلام ہیں اور غلام آقا کی مرضی پر چلتا ہے اپنی مرضی کو چھوڑ دیتا ہے میں اپنا ایک شعر پڑھ کر اب اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے ؂

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

محبت فنافی المحبوب کا نام ہے، یعنی وہ جو فرمائیں ہم وہی کریں اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہیں اگر ہم ایسا کریں گے تو انشاء اللہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اخلاص کی دولت کیسے حاصل ہوگی؟

دوستو اور عزیزو! آج اسی کام کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اس پر عمل کریں اور اس کی دعوت بھی دیں، اخیر میں ایک اہم اور ضروری شئی کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

وہ یہ کہ آپ کے ہر کام میں اس وقت ایک جان پیدا ہو جائے گی جب کہ آپ کبھی کبھی اللہ والوں کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہیں گے اللہ والوں کی صحبت میں یہ اثر ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے سے انشاء اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق ہو جائے گی اور راستہ آسان ہو جائے گا، اعمال صالحہ کی رغبت اور برائیوں سے نفرت دل میں پیدا ہو جائے گی اور ان کی صحبت میں رہ کر اخلاص کی دولت حاصل ہو گی جو عمل کی روح ہے، بدون اخلاص کے عمل کی مثال

بے روح جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ جسم بے روح کی کیا قدر و قیمت ہو گی، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا، سنئے ۔

عمل کی روح ہے اخلاص جب تک یہ نہ حاصل ہو
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

پس ایمان و عمل میں اور اسی طرح دعوت الی اللہ میں روحانیت و نورانیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو یہ صحبت کیمیا اثر رکھتی ہے۔

گوشہ نشینی برے ساتھی سے بہتر ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ اپنی کتاب ''ارشاد الطالبین'' کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''ذکر، فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر علماء و مفتیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو تو غنیمت سمجھو، بشرطیکہ وہ علماء دنیاداروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و صلحاء کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے۔

''العزلة خير من الجليس السوء والجليس الصالح خير من العزلة'' یعنی گوشہ نشینی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور نیک ہم نشین گوشہ نشین سے بہتر ہے۔

بروں کی صحبت مبتدیوں کے لئے سخت مضر ہے

جاہلوں، فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق

رہتے ہیں کارخانۂ باطن کو خراب کردیتی ہے، خصوصاً مبتدی کے حق میں سخت مضر ہے جیساکہ تھوڑے پانی کو نجاست پلید کردیتی ہے، صوفیوں، صاحب دلوں، ولیوں کی ہم نشینی اور صحبت اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ ''اِجلس بنا نؤمن ساعةً'' یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

یک زماں ہم صحبت با اولیاء   بہتر از صد سال بودن در تُقا

یعنی اولیاء کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے۔

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ ''نماز را بہ حقیقت قضا بودو لیکن نماز صحبت مارا قضانہ خواہد بود'' یعنی نماز اگر رہ جائے تو قضا کی جاسکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اس کی کوئی قضا نہیں، دیکھئے! حضرت خواجہ صاحبؒ صحبت اہل اللہ کی اہمیت کو کیسے کیسے عنوان سے واضح فرمارہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخیار کی صحبت سے خیر حاصل ہوتا ہے اور اشرار کی صحبت سے شر ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے برے ساتھیوں سے پرہیز کریں اور اہل دل اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اور وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھا کریں اس کا نفع انشاء اللہ آپ خود محسوس کریں گے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے اس کو سنا کر مضمون ختم کرتا ہوں ؎

بے روح جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ جسم بے روح کی کیا قدر و قیمت ہو گی، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا، سنئے ؎

عمل کی روح ہے اخلاص جب تک یہ نہ حاصل ہو
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

پس ایمان و عمل میں اور اسی طرح دعوت الی اللہ میں روحانیت و نورانیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو یہ صحبت کیمیا اثر رکھتی ہے۔

گوشہ نشینی برے ساتھی سے بہتر ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ اپنی کتاب "ارشاد الطالبین" کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "ذکر، فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر علماء و مفتیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو تو غنیمت سمجھو، بشرطیکہ وہ علماء دنیا داروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و صلحاء کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے۔

"العزلة خير من الجليس السوء والجليس الصالح خير من العزلة" یعنی گوشہ نشینی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور نیک ہم نشین گوشہ نشین سے بہتر ہے۔

بروں کی صحبت مبتدیوں کے لئے سخت مضر ہے

جاہلوں، فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق

رہتے ہیں کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے، خصوصاً مبتدی کے حق میں سخت مضر ہے جیسا کہ تھوڑے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے، صوفیوں، صاحب دلوں، ولیوں کی ہم نشینی اور صحبت اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ "اِجلس بنا نؤمن ساعةً" یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

یک زماں ہم صحبتت با اولیاء　　　　بہتر از صد سال بودن در تُقا

یعنی اولیاء کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے۔

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ "نماز را بہ حقیقت قضا بود و لیکن نماز صحبت ما را قضا نہ خواہد بود" یعنی نماز اگر رہ جائے تو قضا کی جاسکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اس کی کوئی قضا نہیں، دیکھئے! حضرت خواجہ صاحبؒ صحبت اہل اللہ کی اہمیت کو کیسے کیسے عنوان سے واضح فرما رہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخیار کی صحبت سے خیر حاصل ہوتا ہے اور اشرار کی صحبت سے شر ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے برے ساتھیوں سے پرہیز کریں اور اہل دل اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اور وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھا کریں اس کا نفع انشاء اللہ آپ خود محسوس کریں گے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے اس کو سنا کر مضمون ختم کرتا ہوں ؎

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آئیے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حاملین قرآن کی ذمہ داریاں

اقتباس

”بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، مفتی بن کر لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ﴾ کیا دوسروں کو تو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو نیکی سے بھلائے دیتے ہو۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

آخری رسول اور آخری کتاب

آپ حضرات جانتے ہیں قرآن پاک خدائے تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اب کوئی نبی نہیں آئے گا اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے، اسی طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی لہٰذا قیامت تک کیلئے ہمارا دستور العمل یہی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس کے ساتھ جیسا شغف مطلوب ہے ویسا شغف رکھیں، یہ وہی قرآن پاک ہے کہ جب مشرکین مکہ اس کو سنتے تھے تو اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ مشرف با سلام ہو جاتے تھے اور اس کی آیات طیبات کو سن کر کلمہ پڑھ لیتے تھے یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

صدیق اکبرؓ کا قرآن کریم سے شغف

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے مکان کے سامنے ایک چبوترہ بنا رکھا تھا اس پر نماز پڑھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، صدیق اکبرؓ کا امت میں جو مقام ہے آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ افضل البشر بعد الانبیاء انہی کی ذات ہے ان کے کمالات ایمانی کا کیا کہنا! کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور یہ حقیقت ہے کہ جس کا جس درجہ ایمان ہوگا اسی درجہ کی اس کی تلاوت ہوگی، لہٰذا امت کا کوئی فرد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی تلاوت نہیں کر سکتا، اور اس کی

کیفیت کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے ان سے سنا ہو گا، ہم لوگوں کو بھلا اس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، بہر کیف اس تلاوت کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔

پس جب آپ چبوترہ پر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو مکہ کے نوجوان آکر آپ کی تلاوت سنتے تھے اور اس سے متأثر ہو کر ایمان لاتے تھے، مشرکین مکہ نے جب یہ حال دیکھا تو ان کو فکر ہوئی کہ اس طرح تو ہمارے سب جوان مسلمان ہو جائیں گے لہٰذا اس کو روکنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔

چنانچہ انہوں نے صدیق اکبرؓ سے کہا کہ آپ مکہ چھوڑ کر کہیں باہر چلے جائیے، آپ کو یہاں رہنے نہیں دیا جائے گا، قوم کی مخالفت دیکھ کر آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمالیا، اور حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے ابھی کچھ دور گئے تھے کہ راستہ میں ایک بڑے سردار سے اتفاقاً آپ کی ملاقات ہو گئی اس نے دریافت کیا اے ابو بکر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو فرمایا چونکہ یہاں آپ لوگ قرآن پاک کی تلاوت سے روکتے ہیں اس لئے میں اپنا وطن چھوڑ کر ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں بلا روک ٹوک قرآن پاک کی تلاوت کر سکوں، تو اس نے کہا کہ آپ لوٹ چلیں مگر اتنا کریں کہ قرآن پاک جہر کے ساتھ نہ پڑھیں بلکہ آہستہ آہستہ تلاوت کیا کریں، آپ نے فرمایا بہت اچھا اور واپس آگئے، اور چند روز تک آہستہ تلاوت کرتے رہے پھر آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ میں اب حسب سابق جہر کے ساتھ قرآن پاک پڑھوں گا چاہے کچھ بھی حشر ہو، چنانچہ جہر کے ساتھ تلاوت شروع فرمائی، تو

آپ جانتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی جانب سے کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے آکر آپ کی تلاوت کلام اللہ کے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجانا شروع کردیں تاکہ تلاوت میں حرج ہو اور لوگ سن نہ سکیں۔

کلام خداوندی کا کمال

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تلاوت فرماتے تھے تو قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آپ کی داہنی اور بائیں جانب کھڑے ہو کر شور و شغب کرتے تھے، تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے اور زور زور سے اشعار پڑھتے تھے تاکہ آپ قرآن نہ پڑھ سکیں اور لوگوں کے کانوں میں آپ کی آواز نہ پہنچ سکے اور اپنی قوم سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ یعنی اور یہ کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو۔

بھائی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور زبردست تاثیر کا حامل ہے جب اس کی تلاوت کی جائے تو غور سے سنیں اور ایسا سنیں جس کا دل پر اثر ہو محض کان سے سننا جس سے دل متأثر نہ ہو، اس کا کچھ اعتبار نہیں، قرآن پاک کا اثر اگر ہمارے دلوں پر ہو جائے تو ہماری زندگی تبدیل ہو جائے، آج ہمارے پاس اسلاف جیسے قلوب نہیں رہے جن کی تلاوت میں ایسی تاثیر تھی کہ کفار و مشرکین اس کو سن کر متأثر ہو جاتے تھے، اسی بنا پر ان میں کے شریر و سرکش اس

بات کی کوشش کرتے تھے کہ قرآن پاک ہمارے کانوں تک پہنچنے ہی نہ پائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دل پر اثر ہو جائے اور آبائی کفر و شرک کو چھوڑنا پڑے، یہ ان کی ایک تدبیر تھی جس کو انہوں نے اپنی گمراہی پر باقی رہنے کے لئے اختیار کر رکھا تھا، اور اپنے جوانوں سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، تو اللہ تعالیٰ ان کی اس تدبیر کی تردید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں ان کے ہر ہر جملے کا پورا پورا رد ہے یعنی جس طرح انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور تلاوت کے وقت شور مچاؤ، امید ہے کہ تم غالب آجاؤ گے اسی طرح اس کے مقابل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگاؤ اور خاموش رہو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے۔

سبحان اللہ! کیا خوب کلام ہے اور کیسا پُر کیف مضمون ہے کہ انہوں نے کہا مت سنو اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کان لگا کر سنو، انہوں نے کہا کہ شور مچاؤ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خاموش رہو، انہوں نے کہا اس تدبیر سے تم غالب آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم جو تدبیر بتلا رہے ہیں اس کو اختیار کرنے سے تم پر رحمتِ الٰہی متوجہ ہوگی جس سے تم لوگ غالب ہو گے نہ کہ یہ کفار۔

اللہ اکبر! اس کلام میں کس قدر بلاغت ہے، بیشک یہ کلام خداوندی کا

کمال اور خاص وصف ہے۔

تلاوتِ کلام اللہ کی حلاوت کسے اور کیسے؟

بھائی! جب قرآن پڑھا جائے تو سکون سے سنو اور خاموش رہو جو شخص خاموش ہو کر دل لگا کر ہمہ تن گوش ہو کر قرآن کو سنتا ہے اسی کو تلاوت کی لذت وحلاوت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی لذت و حلاوت رکھی ہے جو کسی چیز میں نہیں، اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایسی بابرکت کتاب ہمارے اندر موجود ہے مگر ہم اس کے برکات سے محروم ہیں، ہمیں چاہیئے کہ اس کی تلاوت کا معمول بناویں اور کلام اللہ کی تعظیم وتکریم کے ساتھ تلاوت کریں اور اس میں تدبرو تفکر کریں اور خدا کی کتاب کو جی لگا کر پڑھیں۔

انسان جس قدر کتاب اللہ سے تعلق بڑھاتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کلام اللہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے یعنی کلام اللہ کی تلاوت اور سماعت سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ متوجہ ہوتی ہے، اور نسبت مع اللہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

ایک عظیم الشان نعمت

میرے عزیزو! قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے، جس کو قرآن مل گیا اس کو بہت بڑی دولت حاصل ہو گئی، اس کی قدر پہچانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت بڑی دولت سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو

بطور امتنان ذکر فرمایا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾ یعنی ہم نے آپ کو ایک بڑی بھاری نعمت یعنی سات آیات دیں جو نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں (مراد اس سے سورۂ فاتحہ ہے) اور قرآن عظیم مرحمت فرمایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے ”فضل کلام الله علیٰ سائر الکلام کفضل الله علیٰ خلقه“ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔

قرآن کریم کی ناقدری پر وعید

اسی طرح حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ”من قرأ القراٰن ثم رأی ان احداً اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمه الله“ یعنی جس نے قرآن کو پڑھا پھر بھی اس نے کسی کے متعلق یہ سمجھا کہ اس سے افضل چیز دیا گیا ہے تو اس نے ایسی چیز کو چھوٹا سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے باعظمت بنایا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن جیسی عظیم نعمت دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اس نے عظیم چیز کی تصغیر کی، اور چھوٹی کو بڑا سمجھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو قرآن جیسی دولت حاصل ہو اور پھر وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف للچائی نظر سے دیکھے تو اس نے کلام اللہ کی تنقیص کی اور

بہت بڑی نعمت کی ناقدری کی۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ میری امت کی عبادات میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے، اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سب سے زیادہ غفلت اور بے اعتنائی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اگر ہم اس کا اہتمام کریں اور قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑیں تو ہماری حالت بدل جائے۔

مسلمان تاقیامت محفوظ رہیں گے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پرتاپ گڑھ کے قریب ایک جگہ اجتماع ہوا جس میں بڑے بڑے علماء تشریف لائے تھے، مجھے بھی دعوت دی گئی تھی، اور وہ اجتماع اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے بقاء و تحفظ کی سبیل پر غور کیا جائے، میری طبیعت وہاں پہنچ کر خراب ہوگئی اس لئے میں نے لوگوں سے کہا کہ جب علماء کرام بیان فرمالیں تو سب سے اخیر میں مجھے بلوالیا جائے۔

چنانچہ بیانات ہوئے اور اخیر میں لوگ مجھے بلانے کے لئے آئے تو میں جاکر وہاں بیٹھ گیا مگر پہلے سے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی، اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ آیت ڈالی ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس سے میرا ذہن اس مضمون کی جانب منتقل ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو اس کے لئے یہ بھی لازم و ضروری

ہے کہ قرآن کے حاملین و محافظین بھی محفوظ رہیں، پس اس آیت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ قرآن پاک تاقیامت محفوظ رہے گا اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ اس کی حفاظت کرنے والے مسلمان بھی تاقیامت محفوظ رہیں گے، جو قرآن پاک کو پڑھیں گے اس کو یاد رکھیں گے اور اس کی تفسیر بیان کریں گے۔

گویا قرآن پاک کی حفاظت کا خداوندی طریقہ یہی مقرر ہوا کہ مسلمان اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں، چنانچہ اب تک اسی طور پر محفوظ ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا، پس جو لوگ اپنا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، جب آپ کلام اللہ کے محافظ بنیں گے تو منجانب اللہ آپ کی حفاظت کی جائے گی۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کو حبل اللہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً﴾ یعنی تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو۔

یہ خدا کی وہ مضبوط رسی ہے

تلاوت کے وقت اپنے قلب میں اگر اس بات کا استحضار کیا جائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے اور ہم حق تعالیٰ کا کلام ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں اور وہ ہماری تلاوت سن رہے ہیں تو ہماری تلاوت کچھ اور ہی قسم کی ہوگی اور اس میں لذت و حلاوت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کے لئے اس رسی کو

نازل فرمایا ہے اور یہ خدا کی وہ مضبوط رسی ہے جس کا ایک سرا تو خود حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں، گویا جو شخص اس کو جس قدر مضبوط پکڑے گا اسی قدر جلد خدائے تعالیٰ تک پہنچے گا، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے "ابشروا فان هذا القرآن طرفه بيدالله وطرفه بايديكم لن تهلكوا او لن تضلوا بعده" (طبرانی، منتخب کنزالعمال)

یعنی خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں، پس اس کو مضبوط پکڑلو تو پھر تم اس کے بعد کبھی ہلاک نہ ہو گے یا یہ فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

قرآن پاک سے متعلق میری ایک مستقل نظم ہے جس کا ایک شعر یہ بھی ہے ۔

وہ جس کا ایک نقطہ بھی نہ بدلے گا قیامت تک
وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے نگہبانی

اور ایک دوسرا شعر یہ ہے ۔

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ! مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سو اے وائے نادانی

پس ہم کو چاہئے کہ قرآن پاک کو پہچانیں اور نہایت عظمت و محبت کے ساتھ اس کی تلاوت کریں اور اس میں تدبر و تفکر بھی کریں، اور اس کے مطابق اپنی زندگی بناویں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ یا ان کے

دلوں پر تالے پڑے ہیں۔

طالب علمی کے زمانہ ہی سے عمل کا اہتمام کرو

اس میں ترغیب ہے کہ قرآن پاک میں تدبر کریں، آپ لوگ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں، سبحان اللہ! علم کا کیا کہنا! اس کو سیکھنا بہت ضروری ہے اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے اور سکھانے کے لئے منتخب فرمایا ہے، مگر میرے عزیزو! طالب علمی کے زمانہ ہی سے عمل کا اہتمام کرو اور حاملین قرآن کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی سعی کرو تو انشاءاللہ علم کے برکات و ثمرات تم کو حاصل ہوں گے۔

حاملین قرآن کی صفات

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت سب لوگ سو رہے ہوں، اور اپنے دن سے پہچانا جائے کہ لوگ کھا پی رہے ہوں (یعنی روزہ رکھے ہوئے ہو) اور اپنے حزن و غم سے پہچانا جائے جب کہ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں، اور اپنی گریہ وزاری سے پہچانا جائے جب کہ لوگ ہنس بول رہے ہوں اور اپنی خاموشی اور سکوت سے پہچانا جائے جب کہ سب لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں اور بکواس میں مشغول ہوں،

اسی طرح اپنی مسکنت اور تواضع سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ فخر وغرور کی باتوں میں لگے ہوں۔

دیکھئے اس میں حاملین قرآن کے کتنے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے، اور سب سے اخیر میں تواضع و مسکنت کے اختیار کرنے پر ابھارا ہے، ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ چیز تواضع اور مسکنت ہے، اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ کبر و نخوت ہے، اسی طرح بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ کی اصل تواضع ہے، اسی سے سب صفات حمیدہ انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں، اور تمام رذائل کی اصل تکبر ہے اسی کے سبب تمام برے اخلاق آدمی کے اندر پیدا ہوتے ہیں پس تواضع اختیار کرو اور تکبر سے بچو۔

سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے تواضع کا راستہ اختیار فرمایا اور حق تعالیٰ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف فرمایا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَ إِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر خلافت کا تاج رکھا اور اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا، اور ابلیس نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی، اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تکبر کی راہ اختیار کی، حتی کہ اپنے قصور کی نسبت

حق تعالیٰ کی طرف کی، تو مردود و مطرود ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوال اور اس کے جواب کو قرآن پاک میں جابجا ذکر فرمایا ہے ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ حق تعالیٰ نے فرمایا جو تو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کونسا امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو سجدہ کا حکم دے چکا ہوں، شیطان کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے نیچے اُتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے، تو یہاں سے نکل دور ہو، بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا کہ بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان (کے یعنی آدم اور اولاد آدم کی رہزنی کرنے) کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ جاؤں گا پھر ان پر چاروں طرف سے حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی، پیچھے سے

بھی، اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی (یعنی ان کے بہکانے میں کوشش کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کی عبادت نہ کرنے پاویں) اور آپ ان میں سے اکثر کو احسان ماننے والا نہ پاویں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا، جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔

ایک دوسرے مقام پر حق تعالیٰ اس واقعہ کا تفصیلی ذکر فرماتے ہیں، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں سو میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا، سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھ کو کون امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا، کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے، ارشاد ہوا تو آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا اور بیشک تجھ پر قیامت تک لعنت رہے گی، کہنے لگا تو پھر مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجئے ارشاد ہوا تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی، کہنے لگا کہ بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو اُن میں منتخب کئے گئے ہیں، ارشاد ہوا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے واقعی میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں تیری راہ پر چلنے لگے اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں۔

تو دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام نے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا﴾ میں قصور کی نسبت اپنی طرف کی تو مقبولِ بارگاہ ہوئے، اور ابلیس نے ﴿فَبِمَا اَغْوَيْتَنِی﴾ میں تقصیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی تو وہ مردودِ بارگاہ ہوا، پس جو تواضع اختیار کرے گا اس کو مقبولیت عند اللہ حاصل ہو گی اور جو تکبر کی راہ چلے گا اس کو مقبولیت حاصل نہیں ہو گی، الغرض قیامت تک یہ دونوں سلسلے چلتے رہیں گے، انبیاء و اولیاء اور صالحینِ امت حضرت آدمؑ کی سنت پر چلتے رہیں گے اور گمراہ لوگ ابلیس کے طریقے پر چلتے رہیں گے، مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ۔

آنکہ فرزندانِ خاص آدمند		نفحۂ اِنَّا ظَلَمْنَا می زنند

یعنی جو آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا﴾ کی صدا لگاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں ۔

اینکہ می بینی خلافِ آدمند		نیستند آدم غلافِ آدمند

یعنی یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ آدم علیہ السلام کے طریقہ کے خلاف چل رہے ہیں یہ آدمی نہیں ہیں بلکہ آدمی کا غلاف ہیں۔

آئندہ شعر میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں ۔

گر بصورت آدمی انساں بُدے		احمد و بو جہل ہم یکساں بُدے

یعنی اگر محض ظاہری شکل و صورت پر انسانیت کا مدار ہوتا تو حضور اقدس ﷺ اور ابو جہل کو یکساں قرار دیا جاتا۔

مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ دونوں میں بون بعید ہے کہ ایک تو رأس الا تقیاء ہیں، اور دوسرا رأس الاشقیاء، پس ظاہر ہے کہ یہ فرق حقیقت انسان کے اعتبار سے ہے، خوب سمجھ لو! حدیث شریف میں آتا ہے ''من تواضع لله رفعه الله فهو فی نفسه صغیر وفی اعین الناس عظیم ومن تکبر وضعه الله فهو فی اعین الناس صغیر وفی نفسه کبیر حتیٰ لهو اهون علیهم من کلب او خنزیر'' جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرماتے ہیں پس وہ اپنی نگاہ میں چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتے ہیں پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہوتا اور اپنی نگاہ میں بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتّے اور سوّر سے زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے (مظاہر حق)

اسی روایت سے اس حدیث کی بھی شرح ہو جاتی ہے جو آپ ﷺ سے دعا میں وارد ہے ''اللّٰهم اجعل فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً'' یعنی اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنایئے، اسکا حاصل یہی ہے کہ مجھے متواضع بنا دیجئے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ .....

میرے عزیزو! علم دین کو جب صحیح نیت سے حاصل کیا جاتا ہے تو یہ بھی قرب خداوندی کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا تحصیل علم میں اپنی نیت ابھی سے درست کریں اور اللہ کی رضا کیلئے علم دین کو حاصل کریں، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد

ہے ”انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ ما نویٰ“ یقیناً اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور بلاشبہ ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

علم میں بھی ایک قسم کی لذت وحلاوت ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس کی لذت وحلاوت حاصل ہو جائے یہ روحانی حلاوت ہے اور جس کو حاصل ہوتی ہے اس کے نزدیک اس راہ کی ہر کلفت راحت محسوس ہونے لگتی ہے، اکابر امت نے زمانۂ طالب علمی میں بہت سی پریشانیاں بھی برداشت کیں، اکثر طالب علمی کے زمانہ میں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں بھی اپنے اکابر کے حالات کو پیش نظر رکھیں۔

قرآن وحدیث کا علم سب چیزوں سے مستغنی کردیتا ھے

”تذکرۃ الرشید“ میں واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ جب دہلی میں پڑھتے تھے تو سستائی کا زمانہ تھا، اس وقت صرف دو پیسے میں ایک آدمی دونوں وقت پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھالیتا تھا، مگر آپ کی غربت کا یہ عالم تھا کہ اکثر فاقہ ہو جاتا تھا، کئی کئی وقت گذر جانے کے بعد جب کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو شام کے وقت بازار چلے جاتے جہاں سبزی فروش پتے توڑ توڑ کر پھینک دیتے تھے ان پتوں کو جمع کر کے اٹھالاتے اور نمک ڈال کر اسے اُبال کر کھالیتے اور اگر کسی وقت نمک نہ ہوتا تو ویسے ہی بلا نمک کے پتوں کو اُبال کر کھالیتے تھے، اور بسا اوقات کتابوں کے مطالعہ کے لئے آپ کے پاس چراغ

بھی نہ ہوتا تھا تو سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

ایک روز شاہزادے کی سواری ادھر سے گذر رہی تھی اور شاہی چوبدار آگے آگے ہٹو بچو کرتے ہوئے چلے آرہے تھے مگر آپ کتاب کے مطالعہ میں ایسا مصروف تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے قریب جاکر ڈانٹ کر کہا کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شاہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ سے نہیں ہٹ رہے ہو، تو آپ نے جواب دیا کہ ہوں گے تمہارے شاہزادے، ابھی کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

دیکھا آپ نے علم کا وہ نشہ تھا کہ اسی میں وہ مست رہا کرتے تھے اور سب سے بڑی دولت اسی کو سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ سب سے مستغنی رہا کرتے تھے اور واقعی علم ایسی ہی دولت ہے کہ جس کو قرآن وحدیث کا علم مل جاتا ہے تو وہ سب سے مستغنی ہو جاتا ہے اسی علم کی قدر دانی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء آپ کے شاگرد ہوئے۔

علم نافع اور علم غیر نافع

علم بہت بڑی دولت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حدیث شریف میں وارد ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر، اسی طرح دوسری حدیث میں وارد ہے

کہ "خیر کم من تعلم القراٰن وعلمه" یعنی تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں، البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نصوص میں جس علم کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد کونسا علم ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ "العلم علمان علم في القلب فذاك العلم النافع وعلم على اللسان وذاك حجة الله على ابن آدم" (مشکوٰۃ) یعنی علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جو قلب میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو محض زبان پر ہوتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو انسان پر اللہ کی حجت ہے، یعنی یہ علم غیر نافع ہے۔

حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں "اللّٰھم انی اسئلك علماً نافعاً" اسی طرح علم غیر نافع سے آپ نے پناہ مانگی ہے پس معلوم ہوا کہ علم نافع مطلوب ہے اور غیر نافع مذموم ہے۔

علم کی حقیقت

اور آپ جانتے ہیں کہ علم کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے قلب میں ڈال دیتے ہیں جس سے انہیں خیر و شر کی تمیز حاصل ہوتی ہے اور حقیقی علم اسی کو کہتے ہیں جس سے خیر و شر میں امتیاز حاصل

ہو، اور جو علم محض زبان پر ہوتا ہے اس کو علم رسمی کہا جاتا ہے جس کی کوئی وقعت اللہ ورسول کے نزدیک نہیں ہے، اسی بنا پر بزرگان دین علم رسمی کی مذمت فرماتے ہیں چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

علم رسمی سر بسر قیل است وقال　　　　نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

رسمی علم محض قیل وقال ہے اس لئے کہ نہ تو اس سے کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ حال۔

پس اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ علم حقیقی حاصل ہو، اور اس کے حصول کے لئے کچھ آداب ہیں جب ان کا لحاظ کیا جائے گا تب وہ حاصل ہوگا ہمارے اکابر نے ان آداب کی رعایت فرمائی تو علم حقیقی سے مشرف ہوئے۔

حصول علم کے آداب

انہی آداب میں سے ایک بڑا ادب یہ بھی ہے کہ علم پر عمل کیا جائے، جب آدمی اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بہت سے علوم حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنی جانی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہ جانی ہوئی بات کا علم اس کو عطا فرماتے ہیں لہٰذا سب سے زیادہ عمل کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا ادب واحترام کیا جائے اور ابتدا ہی سے تقویٰ اختیار کیا جائے، نور علم تقویٰ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور معصیت سے یہ نور بجھ جاتا ہے لہٰذا معصیت سے پرہیز کریں اور نور تقویٰ سے اپنے دلوں کو روشن کریں۔

امام شافعیؒ کو اپنے استاذ کی نصیحت

ایک دفعہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے عرض کیا کہ حضرت میرا قوت حافظہ کمزور ہے، تو استاذ نے ترک معصیت اور لزوم تقویٰ کی وصیت اور تاکید فرمائی اور فرمایا کہ یہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور عاصی اور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔

اس سے ان حضرات کے نزدیک تقویٰ کا کس قدر اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے شاگردوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور شاگرد بھی اس کا اہتمام کرتے تھے تب اپنے وقت کے امام ہوئے، اب آج کل اس کا اہتمام باقی نہیں رہا اسی وجہ سے جو حالات ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں لہٰذا علم پر عمل کرنے کا خوب اہتمام کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔

اساتذۂ کرام اور طلباء سے ایک گذارش

اساتذہ کو چاہئے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کریں اور طلباء کو بھی تقویٰ کے اہتمام کی تاکید کریں، اور تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کریں اور کچھ وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جا کر اس کی صحبت میں بیٹھیں اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ تھوڑا معمول ذکر اللہ کا بھی رکھیں۔

مشائخ نے اب اپنا معمول بدل دیا

ہمارے سلف اور متقدمین بزرگان دین کا یہ معمول تھا کہ زمانہ طالب علمی میں طلباء کو بیعت نہ فرماتے تھے تا کہ یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کریں ہاں

تحصیل علم کے بعد کسی صاحب نسبت بزرگ کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کراتے تھے اور ان کی نگرانی و تربیت میں سلوک طے کرتے تھے مگر وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اس لئے علم دین کے طلباء ابتدا ہی سے عمل اور تقویٰ کا خیال رکھتے تھے اور طالب علمی کے زمانہ کو غفلت اور آزادی میں نہ گذارتے تھے مگر اب وہ حالات نہیں رہے، لوگوں پر عموماً غفلت چھائی ہوئی ہے، آزادی عام ہے اس لئے مشائخ نے بھی اس باب میں اپنا معمول اب بدل دیا ہے اور اسی زمانۂ طالب علمی ہی سے فکر اصلاح اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ فرماتے ہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں، لہٰذا اب ضروری ہے کہ ابتدا ہی سے کچھ ذکر و شغل بھی کریں اور کسی اللہ والے سے تعلق بھی پیدا کریں اور اس کی صحبت میں جا کر کچھ وقت ضرور گذاریں تاکہ ابھی سے نفس اس کا عادی بن جائے ورنہ اگر یہ زمانہ غفلت میں گذر جائے گا تو بعد میں نفس جلدی قابو میں نہ آوے گا۔

قلب کے اصلاح کی اشد ضرورت ھے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، اور وہ انسان کا دل ہے، اگر کسی کا دل درست ہو گیا اور دل واقعی دل بن گیا تو سمجھ لو کہ اس کے سارے اعضاء صالح ہو جائیں گے اور وہ شخص خدائے تعالیٰ کا فرماں بردار ہو جائے گا، اور اس کو ایسا حال نصیب ہو گا کہ اللہ کے ذکر ہی میں اس کو لذت ملے گی اور اتباع سنت کے بغیر اس کو چین نہ ملے گا، اور جب کسی کا

دل بگڑ جاتا ہے اور رذائل اس میں گھر کر لیتے ہیں تو سمجھ لو کہ فساد ہی فساد ہے، چنانچہ آج کل جتنے بھی فسادات رونما ہو رہے ہیں ان سب کا اصلی سبب قلب کا فساد ہے، اس لئے قلب کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے، اسی قلب اور نفس کی اصلاح نہ ہونے سے بد خلقی عام ہے، لہٰذا اگر دل کی اصلاح ہو جائے نفس کا تزکیہ ہو جائے تو سارا فساد ختم ہو جائے۔

انبیاءِ کرام کی بعثت کا مقصد

انبیاء علیہم السلام دل بنانے اور نفس کو رذائل سے پاک کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے، چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے دل کو ایسا پاک و صاف فرمادیا تھا جس کی نظیر قیامت تک نہ ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت کی چند خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ آپ ﷺ کی رسالت کے بعد جو اہم امور آپ سے متعلق تھے ان

کے متعلق یہ فرمارہے ہیں کہ ﴿ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾ یعنی جو اللہ کی آیات کو انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، جب اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے تو سننے والوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ مدتوں کا کفر اُن کے دلوں سے دور ہو جاتا تھا، اور کافر و مشرک اس قدر متأثر ہوتے تھے کہ سنتے ہی فوراً ایمان لے آتے تھے، اور قرآن کے نور سے ان کا قلب منور ہو جاتا تھا، یہ تو آپ کے تلاوت کی تاثیر تھی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں﴿وَیُزَکِّیْهِمْ﴾اور وہ نبی لوگوں کے قلوب کو پاک کردیتے ہیں یعنی باطن میں جو رذائل ہوتے ہیں جن سے دل مردہ اور تاریک ہو جاتا ہے اس کی نجاست اور گندگی کو دور فرمادیتے ہیں اور اپنی نگاہ کرم سے اس کا تزکیہ فرمادیتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کی نگاہ میں وہ تاثیر تھی کہ جس مومن پر آپ کی ایک نگاہ پڑ گئی اس کو ایسی پاکی حاصل ہوتی تھی کہ اب قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا غوث وقطب بھی آپ کے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پاسکتا، یہ تھا آپ کا تزکیہ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں﴿وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ﴾ اور وہ نبی ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، کتاب و حکمت کی تفسیر جو سلف ومتقدمین سے منقول ہے وہی کرنی چاہئے جو لوگ من مانی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بناتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”من قال فی القرآن برأیه فلیتبوّأ مقعده من النار“ یعنی جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی

رائے سے کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

آج کل لوگوں کا حال یہ ہے !!!

اس حدیث سے تفسیر بالرائے پر کس قدر وعید ہے، مگر آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ اِدھر اُدھر کی چند اردو کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے کو محقق سمجھنے لگتے ہیں اور قرآن و حدیث کا مطلب من مانی بیان کرنے لگتے ہیں، جس میں بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس لئے قرآن کے معنی کو اور آیات کی تفسیر کو محققین سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اب دیکھئے کتاب وحکمت کی تفسیر میں محققین فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا امت پر احسان عظیم

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو تعلیم فرمائی ہے وہ قرآن پاک ہے اور حضور اقدس ﷺ کی حدیثیں ہیں، صحابہ کرامؓ نے ہمارے لئے حضور اقدس ﷺ کی ہر ہر بات کو سن کر ایسے محفوظ طریقے پر پہنچایا ہے کہ آج ہمارے سامنے حضور اقدس ﷺ کی پوری زندگی کا نمونہ موجود ہے اور زندگی کے ہر باب میں آپ کی سنت محفوظ ہے، بلاشبہ صحابہ کرامؓ کا امت پر یہ احسان عظیم ہے اگر یہ حضرات آپ کی ایک ایک سنت کو محفوظ نہ فرماتے تو ہم تک آپ کی سنتیں کیسے پہنچتیں، اب ان حضرات کی بدولت آج ہمارے سامنے جس طرح قرآن پاک موجود ہے اسی طرح حضور پاک ﷺ کی سنت بھی موجود ہے،

اور ہمارے تمام بزرگان دین کے نزدیک یہی دونوں اصل ہیں جن کا اتباع امت کے ہر فرد پر لازم ہے، اکابر امت نے سب سے زیادہ اتباع سنت کا اہتمام فرمایا اور اسی کا دوسروں کو امر فرماتے رہے ہیں، اور سب سے زیادہ زور اتباع سنت ہی پر دیتے ہیں، اور جس کسی کو جو مرتبہ بھی ملا ہے اسی اتباع سنت کی برکت سے ملا ہے، آج بھی اگر اتباع سنت کو اختیار کیا جائے اور حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کو لازم کر لیا جائے تو پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمت نازل ہوتی ہے اور کس قدر فضل و کرم کی بارش ہوتی ہے۔

حصولِ علم کے متوالے

صحابہ کرامؓ میں یہ معمول تھا کہ اگر دو بھائی ہوتے تھے تو آپس میں یہ معاملہ طے کرتے تھے کہ ایک بھائی تو مزدوری کر کے معاش کا انتظام کرے اور دوسرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھے اور پھر دوسرے کو بتلاوے، چنانچہ ایک تو جا کر یہودیوں کے باغ میں پانی چلاتا، یا اور کوئی کام کرتا تھا، اور دوسرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں جاتا تھا اور دن بھر ساتھ رہتا اور جو کچھ آپ ارشاد فرماتے اس کو یاد کرتا تھا، پھر شام کو جو بھائی مزدوری کر کے لاتا تو اس میں سے آدھا خود لیتا اور آدھا اپنے بھائی کو دے دیتا، اور جو حضور ﷺ کی خدمت میں رہتا وہ اپنی یاد کی ہوئی حدیثیں اس کو سنا دیتا، اور جب دوسرا دن ہوتا تو دوسرا بھائی مزدوری کو جاتا اور پہلے دن والا حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر حدیثیں یاد کرتا تھا۔

اس طریقہ سے علم پھیلا ہے اور حدیث پاک کی اشاعت ہوئی ہے، دیکھئے صحابہ کرامؓ میں دین کے سیکھنے کا کس قدر شوق تھا اور کیسا اہتمام سنت کے سیکھنے کا کرتے تھے، پس ہم کو چاہئے کہ یہی شوق اپنے اندر پیدا کریں اور ذوق و شوق سے دین کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں جو کچھ سنیں اس پر عمل کریں اور صحیح معنوں میں ہم مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جائیں، اور نیک بندوں میں شامل ہو جائیں۔

تین چیزیں مطلوب ہیں

بھائی تین چیزیں شرعاً مطلوب ہیں، علم، عمل اور اخلاص، علم تو کتابوں سے آسکتا ہے اور کسی درجہ میں اس پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے مگر اخلاص جو اِن دونوں سے اہم ہے وہ تو بدون اہل اللہ کی صحبت کے حاصل ہونا ممکن نہیں، یہ تو انہی سے حاصل ہوگا اور اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت میں جانا ہوگا۔

حکیم الامتؒ کی حکیمانہ بات

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ طلباء کے لئے فرماتے تھے کہ اگر کوئی تحصیل علم میں استعداد پیدا کرنے کی نیت کرے گا تو اس کو استعداد حاصل ہو جائے گی، لیکن علم سے جو اصل مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب وہ نہیں حاصل ہوگا، اور اگر یہ نیت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب علم کے ذریعہ حاصل کرے تو استعداد بھی ہو جائے گی اور رضا و قرب بھی ہوگا۔

سبحان اللہ! حضرت حکیم الامتؒ نے کیسی وضاحت کے ساتھ ایک حقیقت

کو بیان فرمادیا، اس سے معلوم ہوا کہ طلباء کو علم حاصل کرنے میں یہ نیت کرنی چاہئے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب حاصل ہوگا، اور جب اس نیت سے علم دین کو حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور استعداد بھی پیدا ہو جائے گی، یقیناً یہی وہ علوم ہیں جو اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں اور حقیقی علم بھی واقعی انہی علماء کے حصہ میں آتا ہے جن کو اللہ والوں کی صحبت ملی ہے اسی بنا پر بزرگوں نے ہر زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت پر لوگوں کو ابھارا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے۔

ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے

سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ عجیب عنوان سے اس کی ترغیب دیتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر ذکر اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے اسی کے ضمن میں اپنی کتاب "البنیان المشید" میں تحریر فرماتے ہیں "بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہوتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہنچ گیا، مگر یاد رکھو! ذکر اللہ صحبت مشائخ کی برکت سے دل میں جمتا ہے آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے تعلق پیدا کرو جن کے دل میں خدا کی یاد جم چکی ہے تم کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی ورنہ غافلوں کی صحبت میں رہ کر، یا تنہا خلوت میں رہ کر یہ دولت حاصل نہ ہوگی، ہم سے تعلق پیدا کرو، ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے، اے ہم سے محجوب رہنے والے!

تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں؟ بتا اس علم سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں، اور اخلاص ایک خطرناک راستہ کے پار کنارہ پر ہے اب بتلا تجھے عمل کے لئے کون اٹھائے گا؟ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف وخطر راستہ کون بتلائے گا؟ (کیا یہ درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتائیں گے؟ ہرگز نہیں!) جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ علیم وخبیر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہم کو یہی طریقہ بتلایا ہے (کہ جس بات کا علم نہ ہو تو جاننے والوں سے معلوم کرو) تو اپنے آپ کو اہل ذکر میں سے سمجھتا ہے اگر تو ان میں سے ہوتا تو ان سے محجوب نہ ہوتا، اگر تو اہل ذکر میں سے ہوتا تو فکر کے ثمرہ سے محروم نہ ہوتا (کیونکہ ذکر اللہ کے اثر سے دل پر فکر ضرور غالب ہوتا ہے اور فکر کے آثار ذاکر کی صورت سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اس کے ہر کام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو کوئی بڑا فکر ہے) تجھ کو تیرے اس حجاب نے روکا کہ مشائخ سے دور دور رہتا ہے، تجھ کو تیرے دعوئ علم نے تباہ کیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اے اللہ! میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں (اب بتلا جس علم سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ناز کرنا کہاں تک زیبا ہے؟) اے محجوب! تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ تیرے لئے ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت

ہوگا، کیونکہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ ان لوگوں کے راستہ پر چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں"

سبحان اللہ! سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں عجیب تاثیر محسوس ہوتی ہے جس مضمون کو بھی بیان فرماتے ہیں تو ایسا دل نشین انداز اختیار فرماتے ہیں کہ بات دل میں اتر جاتی ہے جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر ان کی کتاب سے مزید عبارات نقل کروں جو مناسب مقام ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مؤثر اور مفید ہیں اس کو پڑھنے سے دل میں انشاء اللہ نور پیدا ہوگا، بڑی نورانی اور پُر تاثیر باتیں ہیں اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خبردار چھلنی کی طرح نہ ہوجانا !

چنانچہ اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو، احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، مفتی بن کر لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہیئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا دوسروں کو تو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو نیکی سے بھلائے دیتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب کون؟

اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں اس کے دل میں تمام مخلوقات کی شفقت و محبت پیدا کر دیتے ہیں اس کے ہاتھ کو سخاوت کا عادی بنا دیتے ہیں اور اس کے نفس میں بلند ہمتی اور چشم پوشی پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر کرنے کی توفیق دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے کو سب سے کم دیکھنے لگے اور کسی قابل نہ سمجھے۔

پس آج کل سب سے زیادہ قابل رشک وہ مومن ہے جو اپنے زمانہ کے حال سے واقف ہو، اور زبان کی حفاظت رکھے اور اپنے کام میں لگا رہے اور نیک بندوں کے اعمال اختیار کئے رہے"۔

ایک جگہ فرماتے ہیں :

اِدھر اُدھر دیکھنے والا واصل نہیں ہوتا

"میں نے سید عبدالملک الحربونی قدس اللہ سرہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے، فرمایا اے احمد! اِدھر اُدھر دیکھنے والا واصل نہیں ہوتا (مقصود تک پہنچنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو سب طرف سے نگاہ ہٹا کر مقصود کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے) اور شک کرنے والا کامیاب نہیں ہوتا (کامیابی کا بڑا مدار یقین پر ہے کہ یہ سمجھ لے کہ میرا شیخ اللہ تک پہنچانے کا راستہ خوب جانتا

ہے اور مجھے پہنچا سکتا ہے، جس کو شیخ پر اعتماد نہیں وہ محروم ہی رہتا ہے) اور جس شخص کو اپنے اندر نقصان نہ معلوم ہوتا ہو اس کے تمام اوقات نقصان ہی میں گذر رہے ہیں، میں سال بھر تک شیخ کی اس وصیت کو دل اور زبان سے دہراتا رہا، اور جب میرے دل میں کوئی خیال یا وسوسہ آتا اس وصیت کو فوراً یاد کر لیتا تو وسوسہ دور ہو جاتا۔

عقل مند کے لئے جاہل ہونا اور ....

پھر میں دوسرے سال شیخ کی زیارت کو گیا اور جب کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ان سے رخصت ہونے لگا تو پھر وہی درخواست کی کہ حضرت مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا اے احمد! طبیبوں کے لئے بیمار ہونا بہت برا ہے اور عقل مند کے لئے جاہل ہونا، اور دوستوں کے لئے بے مروت ہونا، یہ سن کر میں رخصت ہوا اور سال بھر تک اس وصیت کو دہراتا رہا مجھے حضرت شیخ کی ذات سے اور ان کی وصیتوں سے بہت نفع پہنچا"۔

سبحان اللہ! شیخ کی نصیحت کی کیسی قدردانی فرمائی اور پھر اسکی برکت بھی کیسی ظاہر ہوئی واقعی اہل اللہ کا کلام زبردست تاثیر کا حامل ہوتا ہے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

جو اللہ کا مقرب ہوگا....

"عالم عارف، اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے مراقبہ کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی سیاست (پابندی اور قیود) رکھتا ہے، جب وہ بات کرنا چاہتا ہے تو

منہ سے نکالنے سے پہلے سوچ لیتا ہے، اگر اس میں کچھ بھلائی معلوم ہوتی ہے تو کہہ دیتا ہے ورنہ منہ کو بند ہی رکھتا ہے، کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ تیری زبان تیرا شیر ہے اگر تو اس کی حفاظت کرے گا تو وہ تیری حفاظت کرے گا اور اگر بے قید چھوڑ دے گا تو پھاڑ کھائے گا، عارف کا بولنا (دلوں کے) زنگ کو دور کرتا ہے اور اس کی خاموشی ہلاکت کو دفع کرتی ہے وہ ان لوگوں کو جو اہل ہیں نیک کاموں کا حکم کرتا ہے، برے کاموں سے اور ان کے پاس جانے سے روکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یعنی ان کی بہت سی خفیہ باتوں میں کوئی بھلائی نہیں، ہاں جو صدقہ کا یا نیک کام کا یا لوگوں میں باہم صلح کرا دینے کا امر کرے (اس کی باتیں بیشک اچھی ہیں اور عارف اپنے کلام میں ان باتوں کی پوری رعایت کرتا ہے) جو اللہ کو پہچان لے گا اس کا ادب اللہ کے ساتھ بڑھ جائے گا، جو اللہ کا مقرب ہوگا اس کے اندر خوف زیادہ ہوگا" انتہی

بزرگان دین کے کلام میں جابجا اہل اللہ اور عارفین کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب موجود ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اخبار الاخیار" کے مقدمہ میں یہ مضمون ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

فرماتے ہیں کہ :

افضل ترین عبادت

"افضل ترین عبادت اہل اللہ کی صحبت اور مقربان خدا کی ہم نشینی ہے،

اس لئے کہ ان حضرات کی استقامت اور ان کے ثبات و استقلال کو دیکھ کر سالکِ راہِ خدا کے اندر بھی ایک قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عبادت و ریاضت کی مشقت کا برداشت کرنا جو کہ اس طریق پر چلنے کے لئے لازم ہے اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے بلکہ ان حضرات کے جمال کے مشاہدہ سے اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے شک و شبہات کی تاریکیاں اس کے قلب سے زائل ہو جاتی ہیں"

اسی طرح حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ اپنے رسالہ "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

کارخانۂ باطن کو خراب کردیتی ھے .....

گوشہ نشینی برے ہم نشین سے اچھی ہے اور نیک ہم نشیں گوشہ نشینی سے بہتر ہے، جاہلوں اور فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں، کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے، خصوصاً مبتدی صوفیوں کے حق میں، اور صاحبدلوں اور ولیوں کی ہم نشینی اور صحبت اللہ کے ذکر و عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ "اِجلس بنا نؤمن ساعةً" یعنی ہمارے پاس بیٹھو تا کہ ہم آپس میں ایمان تازہ کرلیں"۔

اسی طرح آپ ہی کی مشہور کتاب "مالا بد منہ" کے حاشیہ پر ایک عبارت درج ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے :

اگر کسی شیخ کی صحبت میں نفع نہ ہو تو ...

" جس جگہ ضرر کا احتمال ہو وہاں سے دور بھاگنا چاہیے اور جو شخص بظاہر متقی معلوم ہوتا ہو اس کی صحبت میں بیٹھنے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وہاں ضرر کا احتمال تو بہر حال نہیں ہے خواہ اس سے فائدہ بھی پہنچے یا نہ پہنچے، پس اگر اس کی صحبت مؤثر ہو اور وہ تاثیر علماء ظاہر و باطن کے نزدیک معتبر بھی ہو تو ایسے شخص کی صحبت کو کبریت احمر یعنی اکسیر سمجھنا چاہیے اور بسا غنیمت شمار کرنا چاہیے اور اگر اس کی صحبت مؤثر نہ ہو، یا وہ تاثیر اکابر کے نزدیک معتبر نہ ہو تو اس شخص سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس کی صحبت کو ترک کر دینا چاہیے اور خدا کا راستہ کسی اور جگہ سے تلاش کرنا چاہیے کیونکہ مقصود حق تعالیٰ ہے نہ کہ وہ شخص"۔

سبحان اللہ! کیسی عمدہ بات تحریر فرمائی اور صحبت کی ترغیب کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر کسی شیخ کی صحبت میں رہنے کے باوجود نفع نہ ہو تو خدا کا راستہ دوسری جگہ تلاش کرنا چاہیے نیز یہ بھی تاکید فرمادی کہ اس شیخ کے ساتھ ترک صحبت کی صورت میں بھی حسن ظن رکھے اور عدم فیض کو اپنے قصور استعداد کا نتیجہ سمجھے۔اس کے بعد اس تاثیر کی تفصیل مذکور ہے جو اکابر کے نزدیک معتبر ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ان کو دیکھ کر خدا یاد آجائے

"جس تاثیر کو اکابر نے معتبر قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان بزرگ کی صحبت

میں بیٹھنے سے ایک ایسا حال پیدا ہو جائے کہ دل دنیا سے سرد ہو جائے اور خدا اور دوستانِ خدا اور اعمالِ صالحہ سے محبت پیدا ہو جائے، نیز نیکیوں کی رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس سے بچنے کی توفیق ہو جائے، اور ان کی صحبت سے بمقتضائے حدیث "اذا راو ذکر الله" ان کو دیکھ کر خدا یاد آجائے، اور دائمی حضور نصیب ہو اور حق تعالیٰ کی یاد میں جمعیت اور طمانینت محسوس ہو، اور جس قدر اعمال صالحہ کرتا جائے تو اس نسبت میں جوان بزرگ سے اس کو حاصل ہوئی ہے قوت مشاہدہ کرے اور جب کبھی اس سے معصیت کا صدور ہو تو اس کی وجہ سے اس کا دل تنگ ہو اور اپنے اندر ایک بے کلی محسوس کرے اور اس نسبت وحالت میں جوان بزرگ سے اس کو حاصل ہوئی ہے کمی ہونے لگے، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "اذا سرتك حسنتك وساء تك سيئتك فانت مؤمن" یعنی جب اپنی نیکیوں سے تم کو خوشی حاصل ہو اور اپنی برائیوں سے تم کو تکلیف پہنچے تو سمجھو کہ تم مومن ہو، اس حدیث میں اسی اطمینان اور تنگی کی طرف اشارہ ہے" انتہیٰ

اسی طرح حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں جا بجا اہل اللہ کے صحبت کی اہمیت اور ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرمارہے ہیں کہ ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا		گو نشیند در حضور اولیاء

یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہو اس سے کہہ دو کہ

اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھے، نیز فرماتے ہیں ۔

یک زمانے صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی چو بصاحبدل رسی گوہر شوی

یعنی تھوڑی دیر تمہارا اولیاء اللہ کے ساتھ بیٹھنا سو سالہ طاعتِ بے ریا سے بہتر ہوتا ہے، اگر تم سنگ خارہ یا سنگ مرمر یعنی ناقص بھی ہو گے تو جب صاحب دل کی صحبت میں پہنچ جاؤ گے تو گوہر بن جاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے فیض باطن سے جو کمالات ان کو حاصل ہیں وہ تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائیں گے اور تم کامل بن جاؤ گے، نیز فرماتے ہیں ۔

ہیں غذائے دل بدہ از ہمدلے رو بجو اقبال را از مقبلے

دست زن در ذیل صاحب دولتے تا ز افضالش بیابی رفعتے

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ ان اشعار کی شرح کرتے ہوئے "کلید مثنوی" میں تحریر فرماتے ہیں :

"یعنی ہم تم کو متنبہ کرتے ہیں کہ دل کو اس کی غذا یعنی محبت و معرفت کسی ہم دل سے لے کر دینا چاہئے اور اقبال کو کسی صاحبِ اقبال سے لینا چاہئے اور کسی صاحب دولت یعنی صاحبِ باطن کا دامن ہاتھ میں لانا چاہئے تاکہ اس کی عنایت سے تم کو رفعت باطنی حاصل ہو جائے، کیونکہ صحبت ہی وہ تاثیر ہے کہ صالح کی صحبت تم کو صالح بنا دیتی ہے اسی طرح طالح (بدبخت) کی صحبت تم

کو طالح بنا دیتی ہے۔

الغرض ہم کو چاہئے کہ علم دین صحیح نیت کے ساتھ حاصل کریں، اور ساتھ ہی عمل کا بھی اہتمام کریں اور تقویٰ اختیار کریں اور علم و عمل میں اخلاص پیدا کریں اور کسی اللہ والے کی صحبت میں بھی جا کر بیٹھا کریں، اسی برکت سے انشاء اللہ اخلاص نصیب ہو گا اور علم و عمل میں برکت حاصل ہو گی۔

اس وقت طبیعت بہت مضمحل تھی، بیان کرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چند باتیں ذہن میں ڈال دیں تو عرض کر دیا، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اخلاص عطا فرمائے اور اپنے اکابر اور بزرگوں کے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

موت ایک پُل ہے

اقتباس

حدیث پاک میں ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جو مجھ کو اللہ کا رسول مانتا ہے اور جس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کو چاہئے کہ موت کو محبوب رکھے۔ دیکھا آپ نے جس موت سے آج ہم لوگوں کو وحشت ہے اس کو نبی کریم ﷺ اپنے چاہنے والوں کے حق میں مطلوب بنا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ موت حق تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے

"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"

موت ایک پل ہے جس پر چل کر بندہ اپنے اللہ سے ملے گا، اسی لئے بزرگوں نے اس کی تمنا فرمائی ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ، أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾

(الٓمّٓ) بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ خیال کرر کھا ہے کہ اتنا کہنے میں چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور (ان کو انواع مصائب سے) آزمایا نہ جائے گا۔(یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ اس قسم کے امتحانات بھی پیش آئیں گے)

حق تعالیٰ کی رسی ٹوٹ نہیں سکتی

ابھی آپ کے سامنے جس آیت کریمہ کی تلاوت کی ہے یہ قرآن پاک

کی ایک مبارک و مقدس آیت ہے، قرآن مجید، فرقان حمید، اللہ تبارک و تعالیٰ کا مقدس کلام ہے اس کی تلاوت سے روح کو فرحت و مسرت اور قلب کو عجیب لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، اگر قرآن پاک کو تدبر اور تفکر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و وصال کا ذریعہ ہے، خود اللہ جل شانہ نے اپنے کلام کا یوں تعارف کرایا ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً﴾ اور رسول اللہ ﷺ کلام اللہ کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں "ھو حبل اللہ المتین" یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، اور جب یہ اللہ کی رسی ہے تو پھر اس کے ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں، ہاں! البتہ اگر کوئی اسے چھوڑنا ہی چاہے تو پھر چھوٹ تو سکتی ہے مگر یہ خدا کی رسی ٹوٹ نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے مستحق کون؟

اب جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کا مفہوم سنئے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "کیا یہ لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ صرف اتنا کہنے سے کہ ہم ایمان لائے چھوٹ جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی" تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آزمائش سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا اس لئے کہ جب بندہ اٰمَنَّا کہتا ہے یعنی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم ایمان لائے تو اس پر دلیل کا مطالبہ ہونا ضروری ہے کیونکہ جب معمولی چیزوں پر دلیل کا مطالبہ ہوا کرتا ہے تو کیا ایمان جیسی اہم چیز کے دعویٰ پر اللہ کی طرف سے اس کا امتحان نہ ہوگا؟ اس کی آزمائش نہ ہوگی؟

کیا وہ یوں ہی مفت سفت چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر نہایت واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصانوں سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو مصیبت تو کہیں ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر ابتلاء و آزمائش کی کیفیات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کس کس طرح آزماتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ اس ابتلاء و آزمائش میں کامیاب ہونے والوں کو کیسی کیسی بشارت سنائی جاتی ہے۔

آپ بلا و مصیبت میں صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جن کا یہ حال ہوتا ہے کہ بوقت مصیبت بجائے حرف شکایت کے زبان سے وہ کہتے ہیں ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور انجام کار اسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے، ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ بطور صلہ کے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہی

صابرین بندے ہمارے خصوصی اور عمومی دونوں رحمتوں کے مورد ہیں اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد صدمات سے چور اور رنج و غم سے شکستہ دلوں کے لئے انتہائی تسلی بخش اور ان کے ہموم و غموم کو کافور کردینے والا ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کجا دردے، دوا آں جا رود　　　ہر کجا پستی است آب آں جا رود

صبر کرنے والوں کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ان کے زخم کا مرہم ہے اور ان کے دل کی دوا ہے دنیا کیا چیز ہے یہ چند روزہ خواب و خیال ہے اس کے آگے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا ہمارے لئے بنائی ہے اور ہم سب لوگ آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں حدیث شریف میں وارد ہے "اِن الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ" کافروں کے لئے محض دنیا کی زندگی اور یہاں کے تمام باغ و بہار ہیں اور ایک کلمہ گو مومن کے لئے تو یہ قید خانہ ہے۔

موت کو محبوب رکھنے والے

حدیث شریف میں ہے "الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر" جنت کا عیش اور جنت کی راحت اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے مہیّا فرمایا ہے اگر اس پر ایمان اور یقین پیدا ہو جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ اس کا دل دنیا میں نہ لگے، سنئے! حدیث پاک میں ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ کو اللہ کا

رسول مانتا ہے اور جس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کو چاہئے کہ موت کو محبوب رکھے۔

موت ایک پل ہے.....

دیکھا آپ نے جس موت سے آج ہم لوگوں کو وحشت ہے اس کو نبی کریم ﷺ اپنے چاہنے والوں کے حق میں مطلوب بنا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ موت حق تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے " الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" موت ایک پل ہے جس پر چل کر بندہ اپنے اللہ سے ملے گا، اسی لئے بزرگوں نے اس کی تمنا فرمائی ہے۔

فرشتے اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتے

سنئے! انسان کو دنیا میں اسی لئے بھیجا ہی گیا ہے کہ اس کی آزمائش ہو، کیونکہ روح مجرد ترقی نہیں کر سکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم عطا فرمایا اور اس کے اندر خواہشات پیدا کیں، پھر دنیا میں بھیجا اور احکام کا مکلّف بنایا تاکہ مطیع و عاصی کا فرق ظاہر ہو، یہ دنیا سراسر ابتلا و آزمائش کی جگہ ہے، فرشتے اپنے مقام سے آگے ترقی نہیں کر سکتے آسمان پر وہ صرف تسبیح و تقدیس کرتے ہیں یعنی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں بیان فرمایا ہے ﴿ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾

مومنین کے لئے فرشتوں کا استغفار

اس آیت میں ذرا غور کرو یعنی عرش عظیم کے اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے بیشمار فرشتے جن کی غذا صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ہے اور جو مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں، اس عزت افزائی اور شرف کا کیا ٹھکانہ ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہوگئیں ملائکہ کروبینؑ ان کے لئے بارگاہ احدیت میں معافی چاہتے ہیں یہ ہم لوگوں کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے کتنی بڑی نعمت ہے اور کتنی بزرگی اور کتنے شرف کی بات ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ منصب سے آگے ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک نوری مخلوق ہیں ان کے اندر نہ کوئی خواہش ہے اور نہ بشری تقاضے ہیں اور نہ ان کے آل اولاد، بیوی بچے ہیں نہ ان کے لئے فقر وفاقہ ہے نہ ان کے لئے بیماری و آزاری ہے ان لوگوں کو اس کی کچھ بھی فکر نہیں ہے وہ لوگ ان سب لوازم بشریت سے بالکل بری اور فارغ ہیں اور نہ ان کو اس کا سوال ہے کہ اولاد مرے، بیوی مرے، کسی عزیز قریب کا انتقال ہو تو غم وصدمہ اٹھائیں، اور انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے اس کے ساتھ یہ سب لوازم بشریت ہیں اور مومن اس دار دنیا میں اسی سے ترقی کرتا ہے اس کا عجیب معاملہ ہے وہ ہر آن ترقی کرتا ہے اور اللہ کا قرب ہر وقت اس کو حاصل ہوتا رہتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے

بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بہت سے دروازے اور بہت سے راستے ہیں کبھی بندہ صبر کے راستے ترقی کرتا ہے اور کبھی شکر کے راستے سے ترقی کرتا ہے اور کبھی بیماری کے راستے سے اللہ تک پہنچتا ہے اور کبھی موت کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور کبھی تکلیف و مصیبت کے راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور کبھی عیش و آرام کے راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے بشرطیکہ اس کے قلب کے اندر ایمان ہو اور وہ یقین کرے کہ یہ چیزیں اور سارے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور موافق حالات پر شکر کرے اور ناموافق حالات پر صبر کرے اور عنداللہ اس کو موجب اجر وثواب سمجھے اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی جگہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت اور خمیر ہی میں محنت و مشقت ڈال دی ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ﴾ یعنی انسان کو ہم نے مشقت میں پیدا کیا۔

حصہ بقدر جثہ

تو پھر اس دنیا میں بلا و مشقت سے کس کو مفر ہو سکتا ہے اور یہ ابتلاء بقدر تقرب بڑھتا جاتا ہے جس کا مرتبہ عنداللہ جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر ابتلا بھی زیادہ ہوتا ہے چنانچہ سب سے زیادہ برگزیدہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہی سب سے زیادہ آزمائش اور بلا سے دوچار ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ " اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم

الامثل فالامثل" سب سے سخت امتحان انبیاء علیہم السلام کا ہے ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں سے جس قدر مشابہت رکھتے ہوں اور ان کی چال چلتے ہوں۔

پس جس قدر کوئی شخص دین میں سخت اور مضبوط ہوگا اسی قدر اس کا امتحان بھی سخت ہوگا، نیز اسی لحاظ سے اس کا درجہ بھی ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اہل ایمان پر کس قدر رحمت وعنایت ہے کہ آزمائش کے ذریعہ اس کے درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مومن کو ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے اور اس سے اس کو اذیت وتکلیف پہنچتی ہے اسکے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں اور آخرت میں اس کے درجات کی بلندی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے حدیث پاک میں آتا ہے جب قیامت کے دن صابرین کو ان کے صبر کے بدلہ میں درجات ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو قرب حاصل ہوگا تو وہ اس کی تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں میرا بدن مقراض (قینچی) سے کاٹا جاتا اور میرے درجات بلند ہوجاتے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ﴾ اے میرے بندو! ہم تم کو دنیا میں آزمائیں گے اور یہاں کھرے کھوٹے کو پرکھیں گے تمہاری آزمائش جانی ومالی دونوں طرح ہوگی اور ہم ہر طرح تم کو ٹٹولیں گے، تمہارے صدق اور کذب کو تم ایمان کے دعویٰ میں صادق ہو کہ کاذب اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کس قدر دل کش انداز میں ارشاد فرمارہے ہیں

﴿ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ یعنی صبر کرنے والوں کو آپ خوشخبری سنادیں اس امتحان کے ذریعہ مومن کواللہ تعالیٰ کی رضاحاصل ہوتی ہے، دوستو! یہ دنیا کی زندگی ہم سے اور آپ سے چھوٹ جانے والی ہے، فنا ہونے والی اور مٹ جانے والی زندگی ہے۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ ﴾ اللہ کے سوا ہر شئے فنا ہو جانے والی ہے پس آخرت اور جنت کی زندگی دائمی زندگی ہے۔

کمال کے منافی نہیں

﴿ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾ یعنی آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے آل اولاد کی محبت اور ان کے تکلیف و موت سے والدین کو تاثر یہ فطری اور طبعی چیز ہے، آپ نے نہیں سنا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کا وصال جب ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا ”انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون“ یعنی اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق کی وجہ سے غمگین ہیں، تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اس کا حق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محزون و مغموم ہونا یہ کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں ہے، جناب رسول اللہ ﷺ تو ہر طرح کامل و اکمل تھے آپ کی ذات والا صفات

سے غم کا ظہور اس بات کی دلیل ہے کہ موت و مصیبت پر غم کا اظہار مومن کے ایمان اور اس کمال کے منافی نہیں ہے۔

کامل الحال اور ناقص الحال کون ؟

ہمارے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بزرگان دین مختلف المزاج ہوئے ہیں، ایک بزرگ پر صاحب زادے کے انتقال پر گریہ طاری ہو گیا اور ایک بزرگ اپنے صاحب زادے کے انتقال پر ملال پر ہنس پڑے، یہ حال کا تفاوت ہے، اگر نام نہ لیا جائے تو آپ ہنسنے والے بزرگ کو کامل الحال اور رونے والے بزرگ کو ناقص الحال کہیں گے لیکن ایسا نہیں ہے جس کا حال جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے حال کے موافق ہو گیا وہی کامل الحال ہے، اگر جدائی پر صدمہ نہ ہو تو پھر اجر کیسے ملے گا اور اجر بندے ہی کو ملے گا نہ کہ دیوار کو، آپ جانتے ہیں کہ صبر کس چیز کا نام ہے؟ قضا و قدر اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر بندے کو راضی ہو جانا یہی صبر ہے، حضرت مولانا کی خدمت میں میں حاضر ہوں میں مولانا سے کیا کہہ سکتا ہوں وہ تو خود استقامت اور صبر کے پہاڑ ہیں اسی لئے میں اس انداز سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دوستو! یہ دنیا جب فانی ہے تو ہم سب کو اس کی کوشش کرنا ہے کہ ہم سب لوگ آخرت اور جنت میں جمع ہوں اور وہاں سب سے ملاقات ہو یہ دنیا تو ایک دوسرے سے جدائی کی جگہ ہے اصلی اور ابدی زندگی تو آخرت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے ساتھ اپنی معیت کو بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی معیت یہ کوئی معمولی شئی نہیں ہے، صابرین کا اس میں بہت بڑا درجہ مذکور ہے، یہ ایک اصولی بات ہے کہ آلام ومصائب پر جب بڑے صبر کرتے ہیں تو ان کا دیکھا دیکھی چھوٹے بھی صبر کرتے ہیں۔

میرے دل کی آواز

حضرت مولانا کی ذات کو اللہ تعالیٰ تا دیر سلامت رکھے، میں بے تکلف کہتا ہوں اور یہ میرے دل کی آواز ہے کہ ہندوستان میں مولانا کی ذات ایک عجیب وغریب ذات ہے، اس ذات کی قدردانی کرنی چاہئے اگر آدمی کو فقر وفاقہ نہ پہنچے، اس کو کوئی تکلیف لاحق نہ ہو اور اس کے اعزا و اقرباء، اولاد و احباء کو موت نہ آوے تو آدمی صبر کس چیز پر کرے گا اور اس کو صبر کا مقام کیسے حاصل ہوگا اور وہ صابر کیسے کہلایا جائے گا اور اگر نعمتوں کے ملنے پر شکر نہ کرے تو شاکر کیسے بنے گا، یہ صبر و شکر کا مقام انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے ان کے بعد اولیاء کرام کا ہے، اگر حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام صبر و شکر نہ کرتے تو ان کے متبعین کو صبر اور شکر کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا، سب لوگوں

نے انہیں حضرات سے صبر و شکر کا طریقہ سیکھا۔

شریعت میں نہ افراط ہے نہ تفریط

شریعت کا نظام مکمل اور ایک معقول نظام ہے اس کے اندر نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے، کمال کا مقام یہی ہے کہ اس کے اندر نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ہم نے تم کو ایک امت وسط یعنی معتدل بنایا ہے لہٰذا اعتدال اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

ایک مرتبہ گھر کے اندر جناب نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے چراغ گل ہو گیا آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ! کیا اس پر بھی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! ہر وہ چیز جو خلافِ مزاج اور تکلیف دہ ہو اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھنے سے اجر و ثواب ملتا ہے، اللہ تو خالق ہے مالک ہے رحیم و کریم اور رؤوف بالعباد ہے اس سے بڑھ کر کون بندوں پر رحم و کرم کرنے والا مشفق و مہربان ہو گا؟ اس کا کوئی معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلا خلاف شفقت ہو سکتا ہے؟ بزرگوں نے فرمایا کہ وہ کھلائیں تو کھائیں اور وہ ہنسائیں تو ہنسیں اور وہ رلائیں تو روئیں اور وہ بیٹھائیں تو بیٹھیں، سب کچھ انہیں کی طرف سے ہوتا ہے وہ متصرف ہے اپنی ملک کے

اندر جس طرح چاہے وہ تصرف کرے اسے اختیار ہے۔

وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم .....

مومن کی زندگی ایک عجیب زندگی ہے وہ کھاتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے اور اہل وعیال بھی رکھتا ہے، اور اس کو تکلیف اور مصیبت بھی پہنچتی ہے مگر اس کی کیفیت کو کفار اور فساق کیا پاسکتے ہیں؟ ان کو تو یہ باتیں سمجھ میں بھی نہیں آسکتیں ایک فرماں بردار اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکادینے والے کی جو زندگی ہے اس کو ہم لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں اہل اللہ کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

دوست کی جانب سے جو پہنچے بلا   وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم

ہمارے لخت جگر اشرف میاں کے بارے میں (اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجہ عطا فرماوے) میرا قلب گواہی دیتا ہے کہ وہ ایک صالح نوجوان تھے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نسبت رکھنے والے تھے بیماری میں اتنے صبر کے ساتھ رہے کہ زبان پر اُف بھی نہ لائے۔

آپ لوگوں سے میں اس کو بیان نہیں کرسکتا کہ ان کی خبر موت کے سننے کے بعد میرے قلب کی کیا کیفیت ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، بطور تعزیت کے اس وقت میں بھی وہی کہہ رہا ہوں جو تعزیت کے طور پر ایک بدوی نے عجیب انداز میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وصال پر ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا

اِصبر نکن بك صابرین فانما   صبر الرعیة بعد صبر الراس

اپنے والد محترم کی وفات پر آپ صبر کیجئے تو پھر آپ کی وجہ سے ہم لوگ بھی صبر کر سکیں گے اس لئے کہ چھوٹے اپنے بڑوں کی اقتدا میں صبر کرتے ہیں ۔

خیر من العباس اجرك بعده والله خیر منك للعباس

یعنی حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد آپ کو ان سے بہتر اجر و ثواب مل گیا اور حضرت عباسؓ کو آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی نعمت میسر ہو گئی۔

اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے

بندے کے حق میں اس کے صبر پر جو اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے وہ کوئی معمولی چیز ہے؟ اس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور آدمی اس کے ذریعہ ترقی کرتا جاتا ہے، یہ مومنانہ حال اور صبر کی عظیم دولت اللہ والوں کی صحبت اور ان کے ساتھ تعلق سے حاصل ہوتا ہے۔

صحبت صالحین کی برکت

مولانا محمد علی جوہر جن کی شخصیت مشہور ہے وہ گریجویٹ تھے لیکن ان کے قلب کے اندر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے ایسی تبدیلی آگئی تھی جو بہتوں کے لئے قابل رشک ہے، ان کی ایک لڑکی تھی جو مدقوق تھی جب مولانا محمد علی صاحبؒ جیل کے اندر تھے تو گھر کے لوگوں نے مولانا کے پاس اطلاع کرائی کہ بچی کی حالت نازک ہے انہوں نے اس کے جواب میں جو خط

لکھا اس میں دو شعر بھی لکھے تھے اس سے ان کی تفویض و رضا کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سرائے میر کے جلسہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرماتھے اور میں بھی تھا اور بہت سے علماء جمع تھے مدرسہ کا جلسہ تھا، حضرت مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، حضرت نے مجھ سے بیان کی فرمائش کی، میں نے وہاں اس واقعہ کو بھی ذکر کیا اور میں نے دیکھا کہ اس واقعہ کا مولانا پر اتنا اثر ہوا کہ مولانا رو رہے تھے اور دیگر حاضرین کے بھی آنکھوں سے آنسو رواں تھے انہوں نے جو لکھا وہ سننے کے لائق ہے اور ہم سب کو اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے، سنئے ۔

ہم ہیں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
آمنہ جو بھی شفا پائے تو کچھ دور نہیں

بندہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مجبور محض ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، بندہ کا وظیفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تضرع وزاری اور اپنی عاجزی پیش کرے۔

بزرگوں کا مذاق الگ الگ رہا ہے، بعض بزرگان دین دعا نہیں کرتے تھے خاموش رہتے تھے اور اللہ کی مرضی پر راضی رہتے تھے، ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے، مگر دنیا دارالاسباب ہے یہاں سبب اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ دوا کرنا سنت ہے اس کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ

سے دعا بھی کرے اسی بنا پر اکابر اولیاء اللہ کا معمول دعا کرنے کا تھا، یہاں تک کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، دعا کے اندر اپنے عجز اور عبدیت کا اظہار ہے اور جس قدر عجز اور عبدیت کا اظہار ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے قرب میں اضافہ ہوگا، یہی مومن کی معراج ہے اسی کو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے ہم تو مجبور ہیں لیکن اگر وہ شفا دیں تو ان کی رحمت سے کچھ دور اور بعید نہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ؎

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

یہ مقام تسلیم و رضا ہے جو مقام ولایت اور مقام قرب ہے، ایمان کسی کا اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلہ پر راضی نہ ہو، اور تیسرا شعر جو لکھا ہے اس کے اندر کیا بات فرمائی ہے سبحان اللہ! سبحان اللہ! عجیب بات کہی ہے اس کے اندر دونوں کا حق ادا کیا ہے، حق تعالیٰ کا بھی اور اس بیمار بچی کا بھی، فرماتے ہیں ؎

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

یعنی تمہاری صحت اور اس مرض سے شفایابی ہم کو منظور ہے لیکن ہماری مرضی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے لہٰذا اگر اس کو منظور نہیں ہے تو پھر مجھ کو

بھی منظور نہیں۔

دیکھا آپ نے کیسی بات فرمائی یہ اہل اللہ کی صحبت کا فیض اور ان کی توجہ کا کرشمہ ہے ان کو حضرت شیخ الہند قدس سرہ جیسے اکابر اولیاء اللہ سے شرف صحبت حاصل تھا۔

غوث پاکؒ کا ارشاد گرامی

حضرت غوث پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان والا دل چون وچرا نہیں جانتا بس اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

حضرت مولانا کے بارے میں کیا عرض کروں، مولانا صبر واستقامت کے پہاڑ ہیں ہم لوگ سیکھنے کے لئے آتے ہیں، ہم لوگوں کو یہاں آکر سیکھنا چاہئے، مولانا کے حال کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے اور مولانا کی استقامت اور بلند حوصلگی قابل غبطہ ہے۔

حسد اور رشک میں فرق

ایک حسد ہوتا ہے اور ایک رشک وغبطہ ہوتا ہے، حسد تو جائز نہیں ہے لیکن غبطہ جائز ہے کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی وہ نعمت عطا فرمادیں یہ غبطہ ورشک کہلاتا ہے جو جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس فکر میں رہا کرتے تھے کہ کسی طرح ہم صدیق اکبرؓ سے بڑھ جائیں چنانچہ غزوۂ

تبوک کے موقع پر سامان جنگ فراہم کرنے کے لئے جب حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے چندہ طلب فرمایا، اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس مال تھا، آپ نے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ آج حضرت صدیق اکبرؓ سے بڑھنے کا موقع اچھا ہے، چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اپنے گھر کے سارے سامان کو نصف نصف کیا حتیٰ کہ جھاڑو کو بھی نصف کیا اور لا کر خدمت اقدس میں پیش کر دیا، حضور ﷺ نے استفسار کیا اے عمرؓ! کیا لائے ہو، انہوں نے کہا کہ گھر کا آدھا سامان پیش خدمت ہے اور آدھا گھر چھوڑ کر آیا ہوں، اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ پیش ہوئے، اس حال میں کہ بدن پر بوسیدہ کمبل اوڑھے ہیں اور ستر پوشی کے لئے کانٹے لگائے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے استفسار فرمایا کہ اے ابو بکر! تم کیا لائے ہو، انہوں نے فرمایا کہ گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لایا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابو بکر پر کوئی فرد امت نہیں بڑھ سکتا۔

نبوت کے بعد صدیقیت کا درجہ

دیکھا آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی، وہ صدیقیت کے مقام پر فائز تھے جس کا درجہ نبوت کے بعد ہے، صدیق قدم نبوت پر ہوتا ہے، اسی کا کرشمہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے موقع پر تمام صحابہؓ کے سراسیمگی اور بدحواسی کا کیا عالم تھا کوئی رو رہا ہے اور کوئی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے خاموش کھڑا ہے، حضرت عمرؓ جیسا

مضبوط دل انسان بھی اس واقعہ کی تاب نہ لا سکا اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لئے اعلان کر رہے تھے کو جو شخص کہے گا کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا، وصال کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ موجود نہ تھے آپ مقام سنح پر اپنے مکان تشریف لے گئے تھے، خبر ملنے پر تشریف لائے، چہرۂ انور سے چادر ہٹا کر زیارت فرمائی اور باہر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ، اور خود منبر پر تشریف لے جا کر تمام صحابہ کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا :

من كان يعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لايموت ﴿ومامحمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئاً وسيجزى الله الشكرين﴾

یعنی جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو گئی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ یقین کر لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا، اور خدا تعالیٰ جلدی ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو"۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے ذریعہ سے تمام صحابہ کرامؓ میں حضور اکرم ﷺ کی وفات کا اعلان فرمایا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت صدیق اکبرؓ کی تلاوت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے، حضرت صدیق اکبرؓ کو کیا حضور ﷺ سے تعلق اور محبت نہیں تھی؟ ان کو سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ سے محبت اور تعلق تھا اور وہ رقیق القلب بھی تھے لیکن چونکہ آپ حضور ﷺ کے خلیفہ اول تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت حق نیابت ادا کرنے کے لئے ایسی قوت اور ہمت عطا فرمائی کہ ایسے مزلۃ الاقدام اور نازک وقت میں صبر واستقامت کے پہاڑ بن گئے اور سارا غم اپنے قلب میں رکھ کر تمام صحابہ کو سنبھال لیا۔

جو حضرات مقام نیابت پر فائز ہوتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے یہ اللہ والے نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں ان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور نسبت ہوتی ہے کوئی دوسرا ان کے قلب کی کیفیت اور حالت کو سمجھ نہیں سکتا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا تعلق اور کیسا معاملہ ہے۔

دنیاوی زندگی کو ہم لوگوں نے اصل سمجھ رکھا ہے اور آخرت کی زندگی جو اصلی ودائمی زندگی ہے اس کو فراموش کر رکھا ہے اسی لئے فراق وجدائی پر ہم لوگ بیقرار ہو جاتے ہیں اسی کے پیش نظر حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک مستقل کتاب شوق وطن تصنیف فرمائی ہے، اس کا مطالعہ بے حد نافع اور مفید ہے اور موجب تسکین وتسلی بھی ہے۔

بھائی یہ دنیا تو چند روزہ زندگی ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ''کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل'' یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم مسافر ہو یا راستہ گذرنے والے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا ایک مسافرت اور چل چلاؤ والی زندگی ہے، مومن دنیا میں ہمہ وقت آخرت کو یاد رکھتا ہے، اور وہاں کی چیزوں کو پیش نظر رکھتا ہے، حدیث میں ہے کہ جو آدمی دن میں ستر بار موت کو یاد کرے وہ صابرین میں لکھ لیا جاتا ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ موت کو یاد کرتے رہیں اور آخرت کی تیاری میں لگیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ﴾ اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجاوے۔

میں چار ماہ سے شدید ضعف اور بیماری سے دوچار ہوں اٹھنے بیٹھنے اور نماز وغیرہ پڑھنے سے معذوری تھی یہاں پہنچنے کے لئے پنجاب میل کا ٹکٹ لیا، اپنی حالت دیکھ کر میں یہ سمجھتا تھا کہ میں یہاں پہنچ نہ پاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کہ یا اللہ! مجھے مولانا تک پہنچادے، اللہ تعالیٰ نے دعا سن لی اور مجھے مولانا کی خدمت میں پہنچادیا، بحمد اللہ یہاں پہنچ کر آج میری طبیعت اچھی ہے، سفر وغیرہ سے دل بھی متأثر نہیں ہوا، حضرت مولانا اور ان کے متعلقین سے جو تعلق اور محبت ہے اس کو میں بیان نہیں کرسکتا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

ایک محبت ایسی بھی ہو......

دنیا میں انسان کے بہت سے تعلقات ہیں، ماں باپ، بھائی بہن، اولاد ان

سب سے محبت ہوتی ہے مگر ان سب سے بڑھ کر ایک محبت اور بھی ہے جو محض اللہ کے لئے ہو جس کو حدیثوں میں حب فی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ محبت شرعاً مطلوب ہے، لہٰذا آدمی سب سے محبت رکھے کچھ حرج نہیں مگر ایک محبت ایسی بھی رکھے جس میں کوئی غرض شامل نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لئے ہو اور یہی محبت آخرت میں کام آوے گی، میدان قیامت میں جب نفسی نفسی کا عالم ہو گا اور آفتاب سب کے سروں پر ایک بالشت کے برابر اونچا ہو گا جس کو آج ہم لوگ بھولے ہوئے ہیں اور سب لوگ پسینوں کے اندر غرق ہوں گے اور اس دن سوائے اللہ تعالیٰ کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا تو ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والا ہو گا وہ خاص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہو گا اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سب محبتوں کے ساتھ ایک ایسی محبت بھی رکھے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے۔

عالم ربانی کا مقام

عالم ربانی کا مرتبہ کیا پوچھنا! اس کے لئے سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے کیڑے مکوڑے رحمت کی دعا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ متبع سنت ہیں اور دین کی خدمت میں لگے ہیں جب ان کے حق میں سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے کیڑے مکوڑے دعا کرتے ہیں تو ہم کو بھی ان کے حق میں دعا کرنی چاہئے کہ اس کا دینی فیض جاری رہے۔

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کا قرآن کریم سے شغف

بھائی! یہ دنیا چند روزہ ہے یہاں کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے اگر آدمی قرآن شریف ذوق شوق کے ساتھ اور خوب دل لگا کر پڑھے تو مست ہو جائے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران بہشت میرے پاس آئیں گی تو میں کہوں گا کہ بی بیو! بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھوں اور تم سنو، جو مزہ قرآن کے اندر ہے وہ کسی چیز کے اندر نہیں ہے، ہم لوگوں کی یہ کیا کم محرومی ہے کہ ہم لوگوں سے دعا اور مناجات کی لذت چھین لی گئی جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا ہے، گڑگڑاتا ہے، اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے اس سے دعا اور سوال کرتا ہے تو اس کو ایک لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، آج کس قدر محرومی ہے کہ ہم لوگ اس دولت سے محروم ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جب فرشتے کسی بچے کی روح نکالتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بطور مباہات فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو میں نے اس کا پھل توڑ لیا مگر یہ بندہ میری قضا پر راضی ہے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۞ اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور

بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سناد یجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال واولاد حقیقتاً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔

اب اللہ تعالیٰ سے ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہو جائیں اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اشرف میاں کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمادیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے کام میں لگائیں خود بھی دین پر عمل کریں اور اپنے متعلقین کو بھی دین کے کام میں لگائیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو قبول فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

حضرت غوث پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں
کہ ایمان والا دل چون وچرا نہیں جانتا
بس اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہتا
ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

عارف باللہ حضرت پرتا پگڈھیؒ

مدرسے
دینی قلعے

اقتباس

بھئی یہ مدرسے دینی قلعے ہیں، دین کی حفاظت ان سے ہوتی ہے، علم حاصل کرنا بہت بڑی دولت ہے اس لئے طلبہ کو چاہیئے کہ علم حاصل کریں اور نیت بھی درست کریں، کیونکہ نیت کی درستگی بنیادی چیز ہے اور نیت کی درستگی یہ ہے کہ ہم اسلئے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے، اور جب علم حاصل ہو جائے تو عمل کرنے کی کوشش پورے طریقہ سے کرنی چاہیئے۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ کا یہ بیان مدرسہ بیت المعارف میں سالانہ امتحان کے نتائج کے موقع پر ہوا، جسے مولوی عبد اللہ ابن حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب نے کیسیٹ سے نقل کر کے مرتب فرمایا۔ جس میں حضرتؒ نے دینی مدارس کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں دین کے قلعوں سے تعبیر فرمایا، نیز طلباء کرام کو حصول علم کے ساتھ ساتھ عمل واخلاص کی ترغیب و تشویق دلائی، حق جل مجدہ ہمیں ان اوصاف سے متصف فرمائیں۔ آمین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تین چیزیں ہیں، علم، عمل اور اخلاص، علم بہت بڑی نعمت ہے۔

اب تو طلبہ کو ہر طرح کی آسانی ہے، کھانے کی، پینے کی اور رہنے کی، پہلے زمانے میں جو لوگ علم حاصل کرتے تھے ان کا کیا حال ہوتا تھا، ایک بزرگ اپنے وطن سے آئے تھے، ان کے پاس کچھ تھوڑی سی رقم تھی اسی پر گذر کرتے تھے، جب وہ رقم ختم ہو گئی تو پھر ان کا کیا حال ہوا؟ سنئے! کھانے کی دوکان پر آتے تھے اور کھانے کی خوشبو سونگھ کر لوٹ جاتے تھے، مگر کسی سے سوال

نہیں کرتے تھے فاقے پر فاقہ کرتے تھے اور علم حاصل کرتے تھے تو اس زمانہ میں جو مدینہ شریف کے امیر تھے ان کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا کہ ہمارا ایک مہمان یہاں دین کا علم سیکھنے کے لئے آیا ہے فاقے پر فاقہ کر رہا ہے اس کی خبر لو اور مدد کرو، چنانچہ وہ امیر ایک کثیر رقم لے کر اس طالب علم کی خدمت میں پہنچے اور ان کو پیش کیا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو امیر صاحب نے کہا کہ میں خود سے نہیں لایا ہوں بلکہ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی اس لئے لایا ہوں، سنئے! پہلے طلبہ فاقے پر فاقہ کرتے تھے، ان کے کپڑے بھی پھٹے پرانے ہوتے تھے مگر علم حاصل کرتے تھے اور بڑے سے بڑے عالم ہوتے تھے۔

بزرگوں نے فرمایا علم ایک نور ہے جس سے صاحب علم کو خیر وشر کی تمیز ہو جاتی ہے اور نفس و شیطان کے مکائد سے واقف ہو جاتا ہے، بڑی چیز یہی ہے۔

نفس اور شیطان انسان کے کھلے ہوئے دشمن ہیں لیکن شیطان کا کید کمزور ہے ﴿اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا﴾ یقیناً شیطان کا فریب کمزور ہے۔

مگر نفس کا معاملہ بہت سخت ہے ﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾ اور میں اپنے نفس کو بھی بالذات بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کا بری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس ہوتے ہیں۔

بھئی یہ مدرسے دینی قلعے ہیں، دین کی حفاظت ان سے ہوتی ہے، علم

حاصل کرنا بہت بڑی دولت ہے اس لئے طلبہ کو چاہئے کہ علم حاصل کریں اور نیت بھی درست کریں، کیونکہ نیت کی درستگی بنیادی چیز ہے اور نیت کی درستگی یہ ہے کہ ہم اس لئے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے، اور جب علم حاصل ہو جائے تو عمل کرنے کی کوشش پورے طریقہ سے کرنی چاہئے، اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق بنائیں، جو کچھ پڑھا ہے اس کو عمل میں لائیں، عبادت میں، معاملات میں، معاشرت میں اتباع سنت کا اہتمام کریں، اور عمل اسی وقت قابل قبول ہوگا جب اس میں اخلاص ہو، بڑے سے بڑے جید علماء مشائخ کے پاس کیوں گئے؟ سنئے! اس لئے گئے کہ جو ہم نے پڑھا ہے، علم حاصل کیا ہے اس کا اثر ہمارے قلب پر آجائے، عمل کی توفیق ہونے لگے، اس میں اخلاص پیدا ہو جائے، جب یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے تو آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، میرا ہی ایک شعر ہے ؎

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستار فضیلت گم ہو دستار محبت میں

علم و عمل میں اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اللہ کے علاوہ کسی غیر کی آمیزش نہ ہو، نہ نفس کی، نہ شیطان کی، نہ ریا کی، نہ بڑائی کی، آدمی جو کچھ حاصل کر رہا ہو وہ صرف اللہ کے لئے حاصل کر رہا ہو، علم بغیر عمل کے بے فائدہ اور عمل بغیر اخلاص کے بے قیمت، دیکھئے! جس طرح چائے تین چیزوں سے مل کر بنتی ہے، دودھ، شکر، چائے کی پتی، کوئی صرف چائے کی پتی پھانک لے تو

اسے چائے پینا نہیں کہیں گے، جب یہ تینوں چیزیں ملتی ہیں تو عمدہ لذیذ چائے تیار ہوتی ہے اسی طرح جب علم وعمل کے ساتھ اخلاص بھی ہوتا ہے تو وہ علم کار آمد و مفید ہوتا ہے، علم سے مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی جب بنیاد پڑی تو کچھ دنوں کے بعد خلیفہ مدرسے کا جائزہ لینے گیا کسی طالب علم سے دریافت کیا کہ کس غرض سے تم پڑھتے ہو؟ تو کہا کہ میرے والد قاضی ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ پڑھ کر قاضی ہو جاؤں، دوسرے سے پوچھا کہ تم کس لئے پڑھتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میرے والد مفتی ہیں اس لئے میں پڑھ کر ان کی جگہ مفتی ہونا چاہتا ہوں، اس طرح جس سے بھی پڑھنے کی غرض پوچھی اسی قسم کا جواب دیا جس سے خلیفہ مدرسہ سے بہت ہی بد دل ہو گیا اور مدرسہ کو ختم ہی کرنے کو سوچ لیا تھا کہ ان دنیا داروں کے لئے کیوں مدرسہ باقی رکھوں، اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی پڑھتا ہی نہیں ہے، مگر اخیر میں ایک طالب علم کو دیکھا کہ ایک گوشہ میں کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے تو اس سے دریافت کیا کہ صاحب زادے! آپ کس غرض سے پڑھ رہے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک رب ہے جو ہمارا مالک ہے، ہمارا خالق ہے، لہذا ہم اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ اس کی مرضیات اور نامرضیات کا علم ہو جائے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں اور کس چیز سے ناراض ہوتے ہیں تاکہ اس کے مطابق عمل کرکے

ان کی رضا حاصل کریں، یہ سن کر خلیفہ خوش ہوا اور مدرسہ کو باقی رکھنے پر تیار ہو گیا، جانتے ہو وہ طالب علم کون تھے؟ وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

یہ دینی مدارس دراصل دینی قلعے ہیں، ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ ان کی مدد کرے، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ یہاں مدرسہ قائم ہے، جہاں سے دین کا کام ہو رہا ہے، جہاں طلبہ پڑھ رہے ہیں، قرآن حفظ کر کے یہاں سے نکل رہے ہیں، دستار بندی بھی ہوتی ہے۔

اخیر میں پھر سنو! علم، عمل اور اخلاص، یہ تین چیزیں ہیں، جب کسی کو یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جائیں تو وہ اللہ والا ہو جائے گا، کامل ہو جائے گا، اس لئے ان تینوں چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں، طاعات کو بجالائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ علم، عمل اور اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور اس مدرسہ کو ترقی دے۔
آمین یارب العالمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين،

بحمد الله تم

"روح البیان" کا تیسرا اور آخری حصہ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہوا، حق تبارک وتعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازیں، اور صاحب مواعظ کے لئے رفع درجات اور ہم قارئین وناشرین کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں۔ آمین ثم آمین

مطبوعات مکتبہ دارالمعارف الٰہ آباد

شیخ طریقت حضرت مولانا
محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی

اقوال سلفؒ (۷ جلدیں)
تربیت اولاد کا اسلامی نظام
(اردو، انگریزی، گجراتی، بنگلہ)
وصیۃ الآداب
فیضان محبت (شرح عرفان محبت)
گلدستۂ اذکار
(ریاض السالکین فی احادیث سید المرسلین)
(اردو، انگریزی)
معارف صوفیہ
اعتراف ذنوب مع اعتراف قصور
نقوش و آثار مفکر اسلام
مواعظ الاحسان اول، دوم
ریاض السنہ تلخیص ترجمان السنہ
تذکرہ مصلح الامتؒ
طہارت قلب
نصیحۃ المسلمین
زیارت حرمین شریفین
ہدایات نافعہ (اردو انگریزی)
گناہوں کا وبال اور اس کا علاج
شرح صدر
جامع الحقوق
چند وصیتیں (اردو، انگریزی، گجراتی)
حقیقی حج (اردو، انگریزی، گجراتی)
نکاح کی شرعی حیثیت
(اردو، انگریزی، گجراتی)
درس قرآن (اردو، انگریزی)
امت کی مایۂ ناز شخصیت
(مولانا علی میاں ندویؒ)
امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت
(مولانا ابرار الحق صاحبؒ)
عقائد و عبادات مع وظائف و ہدایات
دینی اداروں و جماعتوں کی ذمہ داریاں
علماء کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ

روح البیان (۳ جلدیں)
اخلاق سلفؒ
کمالات نبوت
عرفان محبت (مثل مطبوعات)

مولانا محبوب احمد صاحب ندوی

احسن السیر (اردو، انگریزی، گجراتی)
مشائخ نقشبندیہ مجددیہؒ
شیخان (عینان تجریان)
تصفیۃ القلوب ملقب بہ شفائے دل
(اردو، گجراتی)

دیگر حضرات کی تصانیف

الاربعین (چالیس حدیثیں)
دینی نصاب (۲ جلدیں)
احادیث سلوکیہ
تسہیل قصد السبیل (اردو، گجراتی)
علامات قیامت
(اردو، انگریزی، گجراتی)
تذکیر آخرت
جامع الحقوق
سو درود و سلام کا مقبول وظیفہ
مکتوب گرامی امام غزالیؒ
اشک ندامت
میرے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز
تالیفات مصلح الامتؒ
(مکمل ۵ جلدیں) (مثل مطبوعات)
حالات مصلح الامتؒ
(مکمل ۴ جلدیں) (مثل مطبوعات)

خادم مکتبہ: محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الٰہ آبادی

۸۱
سلسلہ مطبوعات مکتبہ دائرۃ المعارف الٰہ آباد

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

رُوحُ البیان

جلد 1

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی قدس سرہ

مکتبہ دائرۃ المعارف الٰہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامۃ